تذکرۃ الخلیل

حیات طیبہ

قدوۃ العلماء تاج المحدثین زبدۃ الفقہاء سراج الناظرین

الامام الہمام الاوحد مولانا الشیخ خلیل احمد المدنی المہاجر قدس سرہ

مؤلفہ

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ قاسمیہ

…پورہ روڈ ○ سیالکوٹ شہر

تذکرۃ الخلیل

حیاتِ طیبہ

قدوۃ العلماء تاج المحدثین زبدۃ الفقہاء سراج المناظرین

الامام الہمام الاوحد مولانا الشیخ خلیل احمد المدنی المہاجر قدس سرہٗ

مؤلفہٗ

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ قاسمیہ

رنگ پورہ روڈ ○ سیالکوٹ شہر

طباعت سرورق : ربن پریس لمیٹڈ لاہور

Marfat.com

Marfat.com

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

الحمد للہ کہ سوانح قدوۃ العلماء تاج المحدثین زبدۃ الفقہاء سراج المناظرین
الامام الہمام الاوحد مولانا الشیخ ابی ابراہیم خلیل احمد المدنی المہاجر قدس سرہ

بنام

تذکرۃ الخلیل رحؒ

جس کے ضمن میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی، مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی
شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، مولانا الحاج صدیق احمد صاحب انبہٹوی اور
مولانا الحاج الشیخ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس اللہ اسرارہم کے پیارے حالات بھی آگئے ہیں،
اور ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ مظاہر العلوم کے دار الطلبہ و کتب خانہ اور قدیم دار الحدیث
کے تین عکسی فوٹو مطبوعہ بھی شامل ہیں:

مؤلفہ

بندہ حقیر فقیر طالب فیوض نامتناہی محمد عاشق الٰہی عفی اللہ عنہ میرٹھی

ناشر

مکتبہ قاسمیہ رنگپورہ روڈ سیالکوٹ شہر

Marfat.com

نام کتاب ـــــ تذکرۃ الخلیلؒ

مؤلف ـــــ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ

طابع ـــــ محمد شریف قاسمی

ناشر ـــــ مکتبہ قاسمیہ سیالکوٹ

تزئین و آرائش ـــــ سید انور حسین نفیس رقم لاہور

مطبع ـــــ اعوان پرنٹنگ پریس سیالکوٹ / اقبال پرنٹنگ پریس سیالکوٹ

صفحات ـــــ ۴۷۲

قیمت مجلد ـــــ دس روپے پچاس پیسے

تاریخ اشاعت ـــــ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق مئی ۱۹۶۹ء

۲۹۷۴۹۹۲
۱۴۹۸۱

دریا بحباب اندر

نمبر شمار	مضامین	صفحات	نمبر شمار	مضامین	صفحات
۱	آغاز سخن	۵	۱۵	تلاوت قرآن کا عشق اور استقامت	۴۱
۲	عرض مصنف	۷	۱۶	تدریس اور بیعت	۵۴
۳	تمہید	۹	۱۷	حضرت مولانا گنگوہیؒ سے خاص تعلق	۶۳
۴	تذکرۃ الخلیل کیا ہے	۱۰	۱۸	دنیوی امور میں بے نفسی	۶۵
۵	کتاب کی ترتیب میں مشکلات کا سامنا	۱۱	۱۹	آپ کے نام مولانا گنگوہیؒ کے مکاتیب	۷۴
۶	حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی نسبی شرافت	۱۳	۲۰	مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کی زیارت اور بیعت	۸۰
۷	آپ کا سلسلۂ نسب	۱۷	۲۱	حضرت بی اتی کی عبادت گذاری	۸۱
۸	ولادت اور طفولیت	۱۹	۲۲	حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کے مختصر حالات	۸۲
۹	تعلیم و تربیت	۲۱	۲۳	مولانا گنگوہیؒ کے متوسلین پر نگاہ شفقت	۸۹
۱۰	مولانا صدیق احمد صاحبؒ کے مختصر حالات	۲۱	۲۴	نکاح اور اولاد	۹۴
۱۱	حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی تکمیل علم اور فراغ	۲۶	۲۵	سفر حج اور زیارت بلدۃ الرسول	۱۰۳
۱۲	روایت و اجازت حدیث	۲۸	۲۶	قیام بہاولپور اور مناظرہ	۱۱۳
۱۳	آپ کی تین دعائیں اور انکی مقبولیت	۳۰	۲۷	مناظرہ میں آپ کی مہارت	۱۳۹
۱۴	حفظ قرآن اور اسکی محافظت	۳۷			

Marfat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحات	نمبر شمار	مضامین	صفحات
۲۸	بریلی کا قیام	۱۴۴	۴۶	آپ کی نشست و برخاست	۳۳۴
۲۹	آپ کا طرز تعلیم	۱۴۶	۴۷	رمضان میں آپ کے معمولات	۳۳۷
۳۰	اہل بریلی کا آپ سے انس	۱۵۲	۴۸	کمالات و کرامات	۳۵۸
۳۱	دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم		۴۹	آپ کے سات حج	۳۷۰
	سہارنپور	۱۶۸	۵۰	خدام سے آپ کی محبت	۳۸۵
۳۲	حضرت شیخ الہند کے مختصر حالات	۱۶۹	۵۱	آپ کی سخاوت	۳۸۶
۳۳	دارالعلوم دیوبند کی مدرسی	۱۷۹	۵۲	خدام کی دلداری اور راحت	۳۹۲
۳۴	مظاہر علوم میں بطور مدرس تشریف آوری	۱۸۳	۵۳	سفر میں اپنے رفقاء کی راحت کا خیال	۳۹۳
۳۵	حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے مختصر حالات	۱۹۴	۵۴	اہل عرب کی نظروں میں آپ کا احترام	۳۹۵
۳۶	مظاہر علوم کا نظام اور کارگزاری	۲۰۵	۵۵	عرب اور بالخصوص مدینہ منورہ سے	
۳۷	مولانا خلیل احمد صاحب کے عہد میں مظاہر			آپ کا عشق و محبت	۳۹۶
	علوم کی ترقیات	۲۱۱	۵۶	تیراندازی کے متعلق آپ کی معلومات	۳۹۹
۳۸	آپ کے چند مشاہیر شاگرد	۲۳۵	۵۷	آپ کی فراست اور صلہ رحمی	۴۰۱
۳۹	حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری		۵۸	تربیت و تفریق اور وصیت وفات	۴۰۹
	کے مختصر حالات	۲۳۸	۵۹	سلوک طریقت کا مقصود	۴۱۹
۴۰	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور		۶۰	اعمال میں آپ کی نظر	۴۳۵
	نکاح بیوگان	۲۶۲	۶۱	نسبت میں کی کشش	۴۳۹
۴۱	سعادت اور عفت	۲۶۳	۶۲	تصوف و سلوک کیلئے آپ کی نصائح	۴۵۳
۴۲	بذل المجہود کی تالیف	۲۷۷	۶۳	مدینہ منورہ کی طرف آپ کی ہجرت	۴۵۸
۴۳	آپ کی فتاویٰ نویسی	۲۹۹	۶۴	وفات سے پہلے اہلیہ کو وصیت	۴۶۸
۴۴	صورت و شبیہ اور عادات و معمولات	۳۱۶	۶۵	آپ کی وفات	۴۷۰
۴۵	آپ کی نماز	۳۲۴	۶۶	آپ کے خلفاء	۴۷۱

Marfat.com

آغازِ سخن

مکتبہ قاسمیہ سیالکوٹ کی یہ خوش بختی ہے کہ اس کو حق سبحانہٗ نے تذکرۃ الخلیلؒ کی دوبارہ اشاعت کی توفیق ارزانی فرمائی۔ تذکرۃ الخلیل پہلی بار شائع ہونے کے بعد دوبارہ شائع نہ ہو سکی ــــــ اس کی پہلی اشاعت خود کتاب کے مؤلف حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مرحوم کی جلیل القدر مساعی کی رہینِ منت ہے۔

چونکہ چھپنے کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں کتاب نایاب ہو گئی تھی اس لئے تشنگانِ معرفت اور طالبانِ حقیقت کے ذوق و شوق میں ایک عرصہ سے تلاطم تھا۔ اور مشتاق نگاہیں حضرت مولانا قدس اللہ سرہٗ العزیز سے استفادے اور ان کی سیرت کے مطالعہ کے لئے بیتاب تھیں۔

پاکستان بننے کے بعد بعض خود غلط افراد نے جب اکابر علمائے دیوبند کے دامانِ احترام کو اپنی ناجائز ہوسناکیوں کا نشانہ بنایا تو شوق و طلب کی بے تابیوں میں اور اضافہ ہوا۔

مولانا خلیل احمد صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کی ذات گرامی چونکہ طبقۂ علماء میں اپنی شانِ جامعیت کی وجہ سے ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ بیک وقت بہترین متکلم، بزرگ ترین محدث، بلند ترین فقیہ، نیک ترین عارف اور صوفی تھے ــــــ یہ حقیقت ہے کہ مسلک اہل السنت کا علم کلام کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ کرنے، طالبانِ حدیث کیلئے فن حدیث کے معارف جاننے، ارباب ذوق کے لئے فقہی مسائل کی باریکیاں سمجھنے اور تصوف و سلوک کے بارے میں معرفت و حقیقت کے دقائق معلوم کرنے والوں کے لئے آپ کی ذات بہترین مرجع ہے ــــــ اس لئے تذکرۃ الخلیل کی اشاعت وقت کی اہم ضرورت ہے۔

مکتبہ قاسمیہ کو وقت کی اس ضرورت کا عرصہ سے احساس تھا مگر حالات کی نامساعدت

Marfat.com

اور کتاب کی نایابی طباعت کی راہ میں حائل تھی ـــــــ تقریباً چھ ماہ کی تلاش و جستجو کے بعد ایک مخلص دوست سے ایک پرانا نامکمل نسخہ ملا۔ کتابت شروع کرانے کے بعد مکمل نسخہ کی تلاش جاری رکھی اور ملک کے مختلف حصوں میں اس کی خاطر سفر کیا۔ الحمد للہ کوشش کامیاب ہوئی اور اب کتاب مکمل ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

کتاب میں کوئی ردّ و بدل نہیں کیا گیا پرانے نسخے کی ہو بہو نقل کر دی گئی ہے۔ صرف شروع میں ایک اجمالی فہرست بنا کر لگا دی گئی ہے۔ تاکہ کسی مضمون کو تلاش کرنے میں تکلیف نہ ہو۔

اس سلسلے میں میں اپنے اُن احباب کرام اور بزرگان گرامی قدر خصوصاً محترم جناب سیّد انور حسین الحسینی نفیس رقم لاہور کا تہ دل سے شکر گذار ہوں کہ جنہوں نے کتاب کی تلاش کے سلسلے میں میری خصوصی مدد فرمائی۔ اور ان ہی کی کوششوں سے کتاب اس مکمل صورت میں آپ کے سامنے موجود ہے۔

نیز خصوصیت سے اپنے مربّی محترم حضرت مولانا محمد علی صاحب صدیقی کاندھلوی صدر دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ کا ممنونِ احسان ہوں کہ جن کی پدرانہ شفقت و محبت اور خصوصی عنایات کی بدولت میں یہ کتاب پیش کرنے کے قابل ہوا ہوں۔ فقط

محمد شریف قاسمی
ناظم مکتبہ قاسمیہ سیالکوٹ

Marfat.com

عرضِ مصنف

مبسملاً و حامداً و مصلیاً و مسلماً

بندۂ ناچیز عاشق الٰہی عرض کرتا ہے کہ تالیف کی دشواریاں وہی سمجھتا ہے جس کو اس کا اتفاق پیش آیا ہو۔ خصوصاً سوانح عمری جس کا مدار حافظہ و یادداشت پر ہے۔ کہ زندگی میں کسی کو پتہ نہیں کون پہلے مرے گا کون پیچھے۔ اور اس لئے واقعات کے ضبط کرنے کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ پھر سوانح بھی جب کسی جامع شریعت و طریقت بزرگ کی ہو جس کی عمر کا ہر لمحہ دین کے کسی علمی و عملی نرالے رنگ میں گذرا ہو کہ کوئی سمال چھوڑنے کے بھی قابل نہیں، اور کوئی ہر وقت ساتھ بھی نہیں رہا کہ تمام کارناموں کو محفوظ کرلے اور اگر صاحب سوانح مؤلف کا روحانی باپ ہو تب تو اس کی دشواری کا ٹھکانا ہی نہیں رہتا کہ یہ تعلق دردِ فراق سے روتے پر مجبور کرتا اور چلتے ہوئے قلم کو بھی پکڑ لیتا ہے۔ ایسی اہم خدمت پر احباب اور بزرگوں نے مجھ جیسے نااہل کو مجبور کیا اور وہ بھی ایسے وقت کہ دماغ و دل بیکار ہو چکا اور ہاتھ میں رعشہ بڑھ گیا تھا۔ یارانِ طریقت سے مدد چاہی کہ اپنی معلومات قلم بند کر کے بھیج دیں تو اکثر جگہ سے جواب آ گیا کہ کچھ یاد ہی نہیں ہے اور بعض حضرات نے اپنے مکاتیب بھیج دیئے کہ اس سے انتخاب کرلو۔

یہ ایک مستقل دردسری تھی اور وہ بھی ناتمام۔ ہاں بعض حضرات نے کچھ معلومات بھیجیں جن کا شکر گذار ہوں مگر ضرورت تھی ہر عنوان میں کچھ نہ کچھ مدد کی اور وہ کہیں سے نہ ملی۔ سفر بھی کئے تقاضے کے خطوط بھی بار بار جگہ جگہ لکھے مگر جب کچھ نہ بن پڑا تو اپنی ہی یادداشت پر اکتفا کر کے بنام خدا قلم ہاتھ میں لے لیا اور سرسری فکر سے جو کچھ یاد آتا گیا لکھنا شروع کر دیا۔

چونکہ بچپن سے اس کی عادت ہے کہ جب تک کاتب کے آگے صفحے کا بوجھ نہ پڑے کوئی مضمون لکھا نہیں جاتا اس لئے کتابت و طباعت کا ساتھ ساتھ معاملہ کر لیا۔ اتفاق کی بات کہ میری بھتیجی مرض احتباس نفاس میں مبتلا ہوگئی اور ایک مہینہ سے زیادہ اس کو سرسامی دورے پڑے کہ ہر وقت تیمارداری ضروری تھی۔ آخر اس کا انتقال ہوگیا۔ اور مہینہ بھر بعد اس کی نشانی بھی جس کی ولادت ماں کے لئے مرض الموت بنی تھی نیز رخصت ہوگئی۔

اسی اثنا میں بعض مخلصین دوستوں کی خدمت، علالت اور دیگر ضروریات سے بار بار سفر پیش آیا اور دو مہینے یہ حالت رہی کہ ہفتہ میں تین دن کے لئے گھر آتا اور ہفتہ بھر کا مضمون لکھ کر کاتب کے حوالے کر کے دوسرے سفر میں چلا جاتا تھا۔ اس سراسیمگی میں چلتے پھرتے پریشان و متفرق اوقات پر اس کا مضمون لکھا گیا کہ نظر ثانی کی بھی نوبت نہیں آئی اور ساتھ ساتھ لکھائی و چھپائی ہو کر چار مہینے میں مطبوعہ کتاب بن گئی۔ صرف حق تعالیٰ شانہ کا فضل تھا کہ اس نے کام لے لیا ورنہ ظاہری لحاظ سے مجھے حق نہیں ہے کہ اس کو حضرت کی حیات طیبہ کی سوانح کہہ سکوں۔ الحاصل جو کچھ بھی ہوا وہ نمونہ دکھانے کے لئے ضرورت پوری کرنے کے درجے میں اس وقت پیش کرتا ہوں ع

گر قبول افتد زہے عزو شرف

اور التجا کرتا ہوں کہ زلت و لغزش سے چشم پوشی فرما کر دعائے خیر میں یاد رکھیں ؎

احب الصالحین ولست منھم

لعل اللہ یرزقنی صلاحا

کیا عجب ہے کہ دوبارہ طبع ہو تو اس سے اچھی حالت میں ہو جائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۝

گفت لیلیٰ را خلیفہ کان توئی ۔۔۔ کز تو مجنوں شد پریشان و غوی

از ہمہ خوباں تو افزوں نیستی ۔۔۔ گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا ۔۔۔ ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

تیرہ سو برس سے زیادہ زمانہ گزرا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ظلمت کدۂ عالم کو نور بخشنے والا وہ پیغمبر دنیا میں بھیجا جس کے ہاتھ میں سیادتِ رسل کا جھنڈا اور سر پر خاتمیتِ انبیاء کا تاج تھا کہ قحط کی ماری ہوئی سوکھی زمین اس کے قدموں کی برکات سے لہلہانے لگی۔ اور تاریکی میں ڈوبا ہوا ملک اس کے چمکتے ہوئے چہرہ کی شعاعوں سے جگمگا اٹھا، وہ مخلوق جس کے قلوب اپنے پیدا کرنیوالے خدا سے اتنے ناآشنا ہوچکے تھے کہ اپنی جیسی حادث و فانی ہستیوں بلکہ اپنے ہاتھوں گھڑی ہوئی مٹی اور لکڑی کی مورتوں کو عالم میں تصرف کرنے والا خدا سمجھ بیٹھے اور کفر و شرک کو دین و ایمان بنائے ہوئے تھے۔ دفعۃً چونکے اور آخر اس مقناطیسی کشش کی طرف منجذب ہوکر جو آہن کو پارس بنانے کی غرض سے آئی تھی۔ ایسے موحّد بنے کہ دنیا میں شرک کا وجود ان کو شاق گزرنے لگا۔ اور ان کی منتہائے مراد صرف یہ رہ گئی کہ سطح عالم پر جو بھی پیدا ہو وہ کاش بجز حق تعالیٰ کے کسی کا بھی بندہ و غلام نہ بنے۔

اللہ اللہ، یاد وہ وقت تھا کہ جس دن آپ نے توحید کا اعلان کیا۔ تو ایک شخص بھی آپ کا ہمنوا نہ تھا۔ بلکہ آپ کی انوکھی صدا کو بچہ بچہ حیرت و رنج و غصہ اور عتاب و دشمنی کی تیز نظروں سے دیکھتا تھا، اور یا یا تیئسویں سال وہ وقت آیا کہ آپ محبانہ شوق میں اپنے محبوب خدا کا فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے گھر سے نکلے تو ایک لاکھ سے زیادہ مجمع جس میں بچے اور بوڑھے مرد اور عورت ملکی و غیر ملکی امراء و فقراء حکام و محکومین سب ہی شامل تھے ہمنشانہ و غلامانہ طریق پر آپ کے ہمرکاب اور آپ کی ہر ہر ادا پر عاشقانہ و والہانہ طرز پر جان نثار کرنے والے ساتھ تھے جن میں ہر فرد صرف ہدایت یافتہ

Marfat.com

ہی نہیں، بلکہ ہادی و راہبر ہونے کی سند لے چکا اور اس کو سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ پروانہ عطا ہو چکا تھا کہ اِنَّ اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین مبین کی پائیدار تخم ریزی چونکہ ختم دنیا تک قائم رہنے والی تھی۔ اور آپ کے ہاتھوں کا لگایا ہوا باغ قیامت تک باقی و قائم رہنے والا تھا۔ اس لئے آپ کے روشن کئے ہوئے چراغوں کا سلسلۂ نور رسانی متعدی ہوا اور ایک مشعل سے دوسری مشعل اور ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو کر ہر قرن اور ہر زمانے میں ہر ملک اور ہر بستی کے اندر اس نور کا مخلوق کو نظارہ کراتا رہا جس کا اصل مخزن قلب محمدی اور جس کا مشکوٰۃ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود تھا۔

کہ حضرت روحی فداہ خود ارشاد فرما چکے تھے۔ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ یہ علماء امت جنہوں نے اپنے پیشوا اپنے امام اپنے ہادی اپنے سرور اپنے آقا اپنے مولیٰ اور اپنے مورث اعلیٰ سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے عالم قدس کو روانہ ہو جانے کے بعد آپ کی نیابت میں فرائض نبوت کو انجام دیا، اور مخلوق کی رہبری کو اپنا مقصود حیات بنا دیا۔ اولیاء اللہ کہلاتے ہیں جن کی تعداد حیطۂ شمار سے باہر اور انسانی حد حساب سے بیرون ہے۔

اسی گروہ کے ایک فرد کا جن کا مبارک نام مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ ہے، یہ شیریں تذکرہ ہے۔ کہ اہل اللہ کے حالات اور سوانح میں بھی قدرت نے ایک ایسی حلاوت اور کشش عطا فرمائی ہے، جو مظلم قلوب کو نور اور افسردہ دلوں کو تازگی بخشتی ہے، جس کی وجہ سے ان حضرات کے کارنامے صدقات جاریات بن جاتے ہیں، کہ بزمانۂ حیات جس طرح مخلوق نے ان کی صورت کے نظارہ سے ہدایت کا نفع پایا ہے۔ اسی طرح بعد الوفات ان کے حالات عالیہ کی سماعت و مطالعہ سے توجہ الی اللہ کا نفع پاتی اور رغبت و شوق کے ساتھ یہ کھنچی ہوئی اپنے خدا کی طرف لپکتی ہے ؎

احب الصالحین ولست منہم لعل اللہ یرزقنی صلاحا

ایک ہرے بھرے باغ میں ہزارہا قسم کے پھول ہوتے ہیں، جن میں ہر ایک کا رنگ دوسرے سے جدا اور ہر ایک کی بو دوسرے سے الگ ہوتی ہے، لیکن اگر بلبل صرف گلاب کی پتیوں پر

لہ میرے صحابی مثل تاروں کے ہیں، کہ جس کا اتباع کرو گے، راہ یاب ہو جاؤ گے ۱۲

صدقے اور وابری ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے پھول پھول نہیں یا ان کی بوئے خوش جہکانے کے قابل نہیں، اسی طرح امت محمدیہ کے ہزاراں ہزار سرداران ملت میں سلفاً وخلفاً ہر بزرگ ایک جدا دلربائی لایا ہے جس کے میٹھے تذکرہ سے روح کو فرحت پہنچتی ہے مگر باوجود اس کے بندۂ ناچیز گلستان رشیدی کے ایک خاص نونہال کے تذکرہ کی طرف صرف اس لئے متوجہ ہوا کہ میری پیاس بجھانے اور ہر آن و ہر لمحہ مجھ پر ایک خاص احسان فرمانے میں اس مقدس ہستی کو تمام دخل تھا۔ اس لئے جس طرح کسی دلق پوش بے نوا فقیر سے پوچھا جائے گا کہ تجھے سب سے پیارا کون ہے۔ تو وہ کہے گا کہ میرا باپ۔ اسی طرح مجھ سے اگر کوئی سوال کرے گا، کہ تیرے نزدیک بزرگتر کون ہے۔ تو میرے روئیں روئیں سے یہی نکلے گا کہ مولانا خلیل احمد قدس سرہ العزیز مولانا روم نے کیا خوب کہا ہے ؎

گفت معشوقے بعاشق کاے فتیٰ | تو بغربت دیدۂ بس شہر ہا
پس کدامی شہر زانہا خوشتر است | گفت آن شہرے کہ دروے دلبر است

باایں ہمہ اعتقاد ہے۔ کہ اموات ہوں یا احیاء اور اسلاف گزشتہ ہوں یا اخلاف موجودہ جتنے بھی اہل حق نائبین رسالت ہیں۔ اپنے سر کے تاج اور محبوب و مطاع ہیں۔ کہ گو الوان مختلف اور طریق تربیت الگ الگ ہیں مگر سب ایک بحر توحید کے غواص اور ایک دریائے ہدایت کی نہریں ہیں۔ حق تعالیٰ ان کے مراتب عالیہ میں ترقیات بخشے اور مخلوق کو ان کی ذات سے دینی برکات حاصل کرنے کا تادیر وقت عطا فرمائے کہ یہی حضرات بقائے کائنات عالم کا سبب بنے ہوئے ہیں۔

کسی بزرگ کی سوانح لکھنا درحقیقت اس کا منصب ہے جو صاحب سوانح کے حالات ظاہریہ و باطنیہ سے واقفیت کاملہ اور اس کے ساتھ مناسبت ومجانست تامہ رکھتا ہو کہ ہر قول وفعل کو جو کہ ثمرہ ہے۔ حالت قلبیہ کا وزن کر سکے اور اس کو اپنے موقع پر استشہاد میں لا سکے۔ مگر بندۂ ناچیز کا حال یہ کہ اپنے مشاغل دنیا میں منہمک رہنے کی وجہ سے حاضری کا اتفاق بھی ماہوار ایک دو دن سے زیادہ نصیب نہ ہوتا تھا۔ اور مناسبت کا تو ذکر ہی کیا کہ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" مشہور مقولہ ہے۔ لہٰذا حضرت کے علم دوست اعزہ اور اہل مدرسہ سے منتظر تھا کہ

Marfat.com

اس خدمت کو انجام دے کر ایک حجم غفیر کو مرہون منت اور خوش وقت بنائیں گے مگر افسوس کہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ اور آخر یہ سمجھ کر کہ عمر کا ہر لمحہ غنیمت ہے۔ جتنا وقت بھی اس خیال و دھیان میں گزر جائے لغمت ہے۔ اور منشے نمونہ از خروارے جو کچھ بھی ہدیۂ ناظرین ہو سکے مبارک ہے۔ اس شغل کی طرف مائل ہوا اور شوق پورا کرنے لگا۔ کہ ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔

اس ترتیب سوانح میں بڑا دخل میرے بزرگوں حضرت مولانا رحیم بخش صاحب الحاج شیخ رشید احمد اور مخلص دوستوں حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو ہے۔ کہ ان حضرات کا حکم اور اصرار ہوا جس کی تعمیل سے انکار کو سوء ادب سمجھا ورنہ ایمان کی بات یہ ہے۔ کہ میں اپنی بے بضاعتی و ناکارگی کے سبب حضرت کی سوانح لکھنے کا اہل نہیں اور نہ وہ قابلیت اپنے اندر پاتا ہوں جو کسی جامع شریعت و طریقت شیخ کی سوانح عمری کے لئے ضروری ہے۔ رہا تذکرۃ الرشید کا قصہ جس کی وجہ سے احباب کی نظریں میری طرف اٹھیں سو حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کی تسطیر و تکمیل جو کچھ بھی ہوئی۔ وہ خود حضرت قدس سرہ کی توجہات روحانیہ اور اعانت قلبیہ و لسانیہ کی بدولت ہوئی جس پر مجھے خود حیرت و استعجاب ہے۔ مگر اب خود حضرت کی سوانح کس قلب اور کس قلم سے لکھوں کہ خود یتیم اور مصدوم القلب ہوں اور یوں بھی بائیس سال کا زمانہ گزر جانے کے سبب نہ وہ امنگ وابھار ہے اور نہ قلب و قلم میں وہ طاقت و زور کہ ہر ذرّت انحطاط پذیر ہے مگر سمجھتا ہوں۔ اس وقت سوانح کا مقصود تمامی احوال کا استیعاب تو ہے نہیں کہ جس شخص نے اپنی عمر کے ستر سال کے ان گنت لمحات کو دینی خدمات میں صرف کیا اس کا وہی احاطہ کر سکتا ہے۔ جو ہر لمحہ ساتھ رہا اور ہر قول و فعل کو ضبط و محفوظ کرتا رہا ہو اور ایسا دنیا میں کوئی ہے نہیں بلکہ جس کے ساتھ قلوب کو محبت و عقیدت ہوتی ہے۔ اس کی زندگی میں کسی کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ وہ دن بھی خدا دکھائے گا کہ یہ سایہ ہمارے سروں سے اٹھ جائے گا۔ اور لوگ ہم سے خواہشمند ہوں گے کہ ان کی سوانح لکھو۔ اس لئے جو واقعات نظر کے سامنے گزرتے بھی ہیں۔ وہ محفوظ نہیں رہتے اور اگر ان کو سوچا بھی جائے تو زلت و غلطی کا احتمال ان کو لکھنے سے روکتا ہے۔ اور ان وجوہ سے صاحب سوانح کے متوسلین سے بھی درخواست کی جائے۔ کہ اپنی معلومات

لے جو چیز سب نہ مل سکے۔ اس کو بالکل چھوڑا بھی نہیں جا سکتا۔ ۱۲

قلم بند کر دیجیے۔ کہ سب کو فراہم کر کے سوانح مرتب کر لی جائے تو چار طرف سے سکوت یا یہ جواب ملتا ہے۔ کہ کوئی بات بھی یاد نہیں ،بایں وجہ سوانح میں کسی بزرگ کے ہزار کمالات میں ایک کمال کا اظہار بھی دشوار ہے ۔ البتہ محض نمونہ کے درجہ میں چند محاسن تذکرہ میں آجاتے ہیں ،جن کا مقصود صرف یہ ہے ، کہ جن قلوب میں تعلق مع اللہ کی استعداد ہے ۔ان کو اتباع کا شوق و رغبت پیدا ہو جائے ۔اور یہ ذریعہ بن جائے ہدایت اور اس نور کے شیوع کا جو بوسائط اکابر امت سلسلہ بہ سلسلہ قلب محمدی کی مشعل و مشکوٰۃ سے حاصل ہوا۔ اور تا روز قیامت منور و منتقل ہوتا رہے گا ۔

پس جو کچھ بھی بن پڑا شکستہ دلی و ہموم قلب کے سامنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں پیش کرتا ہوں اور ہم عصر حضرات سے ملتجی ہوں کہ مورخ کی مشکلات اور نا اہل کی دشواریوں پر نظر فرما کر مسامحت و چشم پوشی سے کام لیں اور ناقدانہ و معترضانہ نگاہ نہ ڈالیں کہ اپنے علمی و عملی ہر قسم کے ضعف کا مجھے خود اقرار ہے جس نیت سے قلم اٹھانے کی جرأت ہوئی ہے ۔حق تعالیٰ اس کو قبول اور زلت قلم کو محو و معاف فرمائے تو انشاء اللہ کسی درجہ میں میرے اور نیز ناظرین کے لئے دینی بہبودی اور روحانی نفع سے خالی نہیں ۔وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ۔

نسبی شرافت

خدا در انتظار حمد ما نیست	محمد چشم بر راہ ثنا نیست
خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس	محمد حامد حمد خدا بس
مناجاتے اگر خواہی بیاں کرد	بہ بیتے ہم قناعت میتواں کرد
محمد از تو میخواہم خدا را	الٰہی از تو حب مصطفیٰ را

سہارنپور سے ۱۶ میل بجانب جنوب شرفا کی ایک قدیم بستی ہے جس کو بزمانہ فیروز تغلق بادشاہ ۷۷۲ھ میں سپہ سالار فوج سعد اللہ بیگ نے آباد کیا ۔اور فیروز آباد نام رکھ کر فوجی کیمپ قرار دیا تھا۔ کچھ مدت کے بعد اس قصبہ کی شہرت انبہٹہ کے نام سے ہو گئی جس کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے ۔کہ بعض کہتے ہیں ،اس زمین کی صلاحیت اور زراعت و غلہ جات کی کثرت پیداوار کے سبب اس کا نام انبہٹہ ہوا کہ ان غلہ کو کہتے ہیں ،یا چونکہ انب اس جگہ بکثرت ہوتا تھا ۔اس لئے انب ہٹہ یعنی انبہ کی آڑھت اور منڈی

بن کر انبہٹہ کہلانے لگا۔ بہر حال اس زمین کو عربی النسل خاندانوں کی بود و باش کا فخر حاصل ہوا کہ صدیقی و فاروقی وایوبی شیوخ اس میں آباد ہوئے اور سنہ ۱۱ھ میں امام وقت حضرت شاہ ابو المعالی قدس سرہ نے اس کو قیامگاہ بنا کر اس فخر میں بیش از بیش اضافہ کر دیا۔ کہ آپ کا وطن بن جانے کے بعد اس کا نام انبہٹہ پیرزادگان ہو گیا۔ کیونکہ آپ نسباً سید اور مشرباً خاندان چشتیہ کے چمکدار ستارہ تھے جن کے نور سے بستی اور اس کے نواح معمور ہوئے اور آپ کے صاحبزادے شاہ محمد باقر کی پوتی محفوظ بی بنت نظام الدین ایوبی خاندان میں شاہ غلام محمد سے بیاہی گئیں کہ اس رشتہ سے یہاں کے انصاری شیوخ شاہ ابو المعالی کی دختری اولاد میں ہوئے اور پیرزادے کہلائے ابو المعالی متوکلانہ و فقیرانہ شان سے ایام گزاری کرتے کچے کوٹھے میں رہتے اور فاقہ و گمنامی کو محبوب سمجھتے تھے، مگر آپ کا نور چونکہ پھیلنے والا تھا اس لئے شہرت مقدر تھی۔ اور آج ایک کثیر مخلوق آپ کی ثنا خواں ہے۔

شاہ بھیک رحمۃ اللہ علیہ جن کا وطن گھسکہ میرانجی ضلع انبالہ تھا۔ حضرت شاہ ابو المعالی کے خادم خاص اور عاشق جاں نثار تھے۔ ایک مرتبہ بارش زیادہ ہوئی۔ اور شاہ بھیک اپنے وطن میں تھے کہ بارش کی کثرت دیکھ کر فکر ہوا، میرے پیر کا کچا کوٹھا بارش سے گر گیا ہوگا۔ اس لئے بے چین ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں دریا پڑتا تھا جس میں کشتی بھی نہ تھی۔ مگر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر عبور کر کے راتوں رات چل کر صبح کے وقت انبہٹہ پہنچے اور دیکھا کہ درحقیقت کوٹھا گر گیا اور شیخ باہر بیٹھے ہیں، سلام کیا اور شیخ کے دریافت کرنے پر اپنے مضطربانہ سفر کی وجہ بیان کر کے مٹی لا لا کر کوٹھا دوبارہ تعمیر کر دیا۔

شیخ ایک مرتبہ کسی مخلص کی استدعا پر سہارنپور آئے تو شاہ بھیک ساتھ تھے اور ان کو معلوم تھا کہ پیرانی صاحبہ اور صاحبزادہ کو فاقے پر فاقے ہوتے ہیں۔ اس لئے جب حضرت شیخ کی دعوت ہوتی تو شاہ بھیک علیحدہ جا کر یہ طے کر لیتے کہ دو آدمی کا کھانا زائد دینا پڑے گا۔ چنانچہ عشا کی نماز شیخ کے ساتھ پڑھتے اور اس کے بعد دو نفر کا کھانا لے کر انبہٹہ روانہ ہو جاتے۔ دستک دے کر دروازہ کھلواتے اور کھانا حوالہ کر کے الٹے پاؤں واپس ہوتے تھے کہ شیخ جب تہجد کے لئے حسب معمول اٹھتے تو شاہ بھیک لوٹا بھر کر پیش کرتے۔ چند روز بعد جب حضرت ممدوح انبہٹہ آئے اور بی بی سے پوچھا کہ کیوں کر گزری تو ان کو تعجب ہوا اور کہا کہ اس دفعہ تو تم روزانہ کھانا بھیجتے رہے پھر گزر کا سوال کیسا؟ اور بیان

کیا کہ دو گھڑی رات گزرنے پر پہر رات تمہارے شاہ بھیک کھانا لاتے ۔ اور واپس ہو جایا کرتے تھے ۔ شیخ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور باہر آ کر شاہ بھیک سے پوچھا ۔ تو انہوں نے صورت حال عرض کی اور کہا کہ اماں جی اور صاحبزادہ صاحب تو فاقہ کرتے اور بھیک اپنا پیٹ بھرتا ۔ اس کو غیرت نے گوارا نہیں کیا ۔ شیخ کو اس جواب پر مسرت ہوئی ۔ اور یہ فرمایا کہ تو نے میرے توکل میں تو فرق ضرور ڈالا مگر خدمت کا حق ادا کر دیا ۔ اپنی چھاتی سے لگا لیا ۔ اور روحانی نعمت جو کچھ دینی تھی ۔ وہ عطا فرما دی ۔ شاہ بھیک نے اپنے قلب کو نورِ معرفت سے معمور دیکھا تو شیخ کے قدم چوم لیے ۔ اور مستانہ وار شوق میں یہ دوہا زبان سے نکلا ۔

بھیکا مالی پہ واریاں پل میں سو سو بار ۔ کاگا سے ہنس کیا اور کرت نہ لاگی بار

یعنی بھیک (اپنے مرشد) ابوالمعالی پر آن سو سو دفعہ قربان ہو کہ انہوں نے اس کو زاغ سے ہنس (یعنی ناکارہ و نااہل سے اہل) بنا دیا اور (ایسی جلدی بنایا کہ) دیر بھی نہ لگی ۔ ادھر سینہ سے سینہ لگا ۔ اور ادھر ولایت و معرفت الٰہیہ نصیب ہو گئی ۔)

س ۱۱۲ھ میں شاہ ابوالمعالی نے وصال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے کہ بستی کی غربی جانب آپ کی خانقاہ اور مزار اب بھی موجود ہے آپ کے خلیفہ حضرت شاہ مدار اپنے شیخ کے جانشین ہوئے جن کا مزار سمت مشرق ہے اور دوسرے خلیفہ حضرت شاہ بھیک رحمۃ اللہ علیہ نے موضع کہرام میں قیام کیا ۔ اور وہیں وصال فرما کر مدفون ہوئے محمد شاہ بادشاہ کا وزیر روشن الدولہ حضرت شاہ بھیک سے بیعت اور آپ کا مخلص مرید تھا ۔ اس نے اپنے دادا پیر شاہ ابوالمعالی کے پوتوں شاہ امام الدین اور شاہ نظام الدین کو صوبہ بنا دیا تھا کہ مخدوم بن کر آرام سے زندگی گزاریں ۔ ایک مرتبہ ملک میں امساکِ باراں ہو کر قحط پڑا اور مخلوق گھبرا گئی ۔ تو محمد شاہ نے وزیر سے کہا کہ میں تو تمہارے پیر کا معتقد اس وقت ہوں گا ۔ جب کہ کل کو بارش ہو روشن الدولہ نے عرض کیا کہ حضور میرا پیر خدا تو نہیں تھا کہ بارش برساتا اس کے اختیار میں ہو ۔ البتہ خدا کا مقبول بندہ تھا اس لئے واسطہ دے کر اللہ سے دعا کروں گا ۔ کیا عجب ہے کہ قبول ہو جائے ۔ چنانچہ عشاء سے فارغ ہو کر تمام رات جاگا ۔ اور دعا مانگی کہ یا اللہ شاہ بھیک کا واسطہ مجھ فقیر کو بھیک دے ۔ آخر شب میں غنودگی طاری ہوئی اور خواب میں شاہ بھیک کی زیارت ہوئی کہ فرماتے ہیں کیوں گھبراتے ہو تمہاری دعا قبول ہوئی اور فلاں وقت بارش ہوگی ۔ صبح کو روشن الدولہ دربار میں آیا تو بادشاہ نے پوچھا کہ کہو ۔ دعا

Marfat.com

بھی مانگی ہو مانگ لیا کہ ہاں جہاں پناہ مانگی اور الحمد اللہ قبولیت کی بشارت بھی ملی کہ فلاں وقت بارش ہو جائے گی چنانچہ اسی وقت بارش ہوئی اور اتنا موسلا دھار مینہ برسا کہ مخلوق نہال ہو گئی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر وزیر سے کہا کہ مانگو کیا مانگتے ہو وزیر نے جواب دیا کہ میرے پاس حضور کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔ اب جو دینا ہو وہ میرے پیر کی اولاد پر وقف کر دیجیے۔ چنانچہ بائیس گاؤں مزار کوہ رام پر وقف کیے گئے مگر شاہ نعیک کے جانشین سجادہ نے لینے سے انکار کیا اور کہا کہ یہاں جو کچھ آیا ہے۔ وہ حضرت ابوالمعالی کی عنایت و توجہ سے آیا ہے۔ لہذا وہی مقدس جگہ اس کی مستحق ہے۔ کہ اس پر وقف ہو۔ اس بناء پر معافی دوام شاہی عطیہ شاہ ابوالمعالی کی اولاد کے نام منتقل ہوا جس کی آمدنی چھ ہزار تھی۔ اور اب تک سجادگان شیخ اس پر قابض و متصرف ہیں۔

یہی انبہٹہ پیرزادگان حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز کا وطن ہے۔ جو کہ آپ کے مرشد حضرت قطب العالم مخدوم الکل امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ العزیز کے وطن یعنی قصبہ گنگوہ سے پانچ کوس ہے اور آپ اسی ایوبی خاندانی کے ایک ممتاز فرد تھے۔ جن کو شاہ ابوالمعالی قدس سرہ کی دختری اولاد ہونے کے لحاظ سے سادات سے تعلق اور سید الاشراف سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کا بھی فخر حاصل ہے۔ اس رحمی علاقہ کی وجہ سے بعض پیرزادگان نے اپنے کو "نسباً" سید سمجھا مگر حضرت قدس سرہ نے سلسلۃ الانساب کو اجداد کے ساتھ اہم اور اصل قرار دے کر ہمیشہ اپنے آپ کو ایوبی بتایا کہ نسبی شرافت کے لئے یہ بھی کچھ کم نہیں کہ آپ کے جد امجد حضرت ابو ایوب خالد انصاری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کا گھر اس مہاجر ماہتاب رسالت کا مدینہ میں سب سے پہلی قیام گاہ بنا جس کو اہل مکہ نے ناقدر دانی کر کے اپنے سے علیحدہ کیا تھا کہ اسی گھر سے نعمت ہائے خداوندی کی وہ تقسیم شروع ہوئی جس سے آج دنیا کا گوشہ گوشہ مالا مال ہو رہا ہے۔

مبارک منزلے کان خانہ را ماہے چنیں باشد　　ہمایوں کشورے کان عرصہ را شاہے چنیں باشد

چنانچہ آپ نے اپنے بھتیجے لطیف احمد سلمہ اللہ کو ان کے والد یعنی اپنے بھائی مولوی رشید احمد کے انتقال پر نسبی تحقیق کے جواب میں ایک خط تحریر فرمایا تھا۔ جس کا ضروری حصہ بعینہ درج کرتا ہوں "رشید احمد مرحوم ساکن انبہٹہ ضلع سہارنپور انصار کے خاندان میں سے تھے۔ اس نواح کے انصاری خواجہ ابوایوب رض کی اولاد میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کے اجداد اصل گنگوہ کے رہنے والے ہیں۔ جو انبہٹہ سے پانچ کوس ہے۔

ان کے اجداد میں سے شیخ عبدالرشید کے والد ایک خانہ جنگی میں مقتول ہوئے اس لئے ان کی والدہ اُن کو اپنے میکہ سہارنپور میں لے آئیں اور ایک عرصہ تک سہارنپور رہیں۔ اس کے بعد ان کی اولاد میں سے شیخ غلام محمد کی شادی سید شاہ ابوالمعالی کے خاندان میں ہوئی تھی اس کے بعد سے اُن کی اولاد کا قیام انبہٹہ میں رہا۔ مرحوم کے والد کے دادا شاہ قطب علی صاحب انبہٹہ ہی میں رہے۔ چونکہ شاہ ابوالمعالی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سید تھے۔ اس لئے شیخ غلام محمد کی جو اولاد سیدہ کے بطن سے ہوئی وہ اپنے آپ کو غلطی اور بے علمی سے سید سمجھتے رہے۔ مرحوم چونکہ پڑھے لکھے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس غلطی کو خلاف دیانت سمجھکر اپنے لئے پسند نہیں کیا۔ اور ہمیشہ اپنے آپ کو اپنے اجداد انصاریین کی طرف منسوب کرتے رہے"

حضرت قدس سرہٗ کا جدی سلسلۃ الانساب جس کو حضرت کے چچازاد بھائی مولانا صدیق احمد رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادہ مولانا فاروق احمد صاحب سلمہ ربہ شیخ الحدیث ریاست بہاولپور نے تحریر فرماکر بھیجا اور حضرتؒ کے نواسہ داماد مولوی مسعود علی صاحب مدرس مظاہر علوم نے رسالہ المظاہر میں درج کیا ہے اس طرح ہے۔ مولانا شاہ خلیل احمد بن شاہ مجید علی بن شاہ احمد علی بن شاہ قطب علی بن شاہ غلام محمد بن شرف الدین ثانی بن غلام محی الدین بن عبدالرشید بن محمد فیض بن نظام الدین بن امین الدین عرف قاضی امن بن خواجہ فرید الدین بن خواجہ محمد فاضل بن خواجہ ہاشم بن خواجہ علاؤ الدین بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ نجم الدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ عبدالحمید بن خواجہ کبیر بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ تاج الدین بن خواجہ منہاج الدین . . . . بن خواجہ ہاشم بزرگ بن خواجہ ابی اسمٰعیل عبداللہ انصاری بن خواجہ ابی منصور محمد بن علی بن محمد بن احمد بن علی بن جعفر بن ابی منصور مست بن ابی ایوب خالد الخزرجی الانصاری صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کہ قسطنطنیہ کی جنگ میں شہید اور وہیں مدفون ہوئے۔

دسویں پشت یعنی قاضی امن پر حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب، اپنے روحانی باپ حضرت مرشد گنگوہی قدس سرہ کے ننھیال نسب سے مل جاتا ہے جس کو بندہ

Marfat.com

تذکرۃ الرشید کے شروع میں بحوالہ شیخ محمد شفیع قدوسی گنگوہی نقل کر چکا ہے مگر ہر دو منقولہ سلسلۃ الانساب میں اور بعض کچھ اختلاف ظاہر ہو رہا ہے کہ گنگوہی شجرۃ الانساب میں خواجہ فرید الدین اور خواجہ محمد فاضل کے درمیان خواجہ شاہ کا اور خواجہ شرف الدین و خواجہ عبد الحمید کے درمیان خواجہ بدا کا توسط زائد ہے جو انبہوی نقل میں نہیں ہے نیز اس میں خواجہ عبد الحمید[19] ہے اور گنگوہی نقل میں خواجہ عبد المجید ہے۔ اسی طرح اس میں خواجہ[25] ہاشم بزرگ بن خواجہ ابی اسمٰعیل عبد اللہ ہے اور گنگوہی نقل میں خواجہ ہاشم بن خواجہ اسمٰعیل بن خواجہ عبد اللہ ہراتی ہے اور ابو منصور[33] مست و حضرت ابو ایوب[24] کے درمیان حضرت ایوب بن ابی ایوب کا توسط زائد ہے جو کثرت نقول میں کاتب کی زلت قلم سے اکثر ہو جاتا ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ صواب اس نقل میں ہے یا اس نقل میں۔ بہرحال حضرت قدس سرہٗ سلسلۂ اجداد سے ایوبی انصل ہیں اور آپ کے جد رابع شاہ غلام محمد کا عقد چونکہ حضرت سیدہ محفوظ بی بی بنت شاہ نظام الدین بن شاہ محمد باقر بن شاہ ابو المعالی سے ہوا جن کے بطن سے شاہ قطب علی پیدا ہوئے اور یہی تعلق آپ کے اجداد کے قیام و توطن انبہٹہ کا سبب ہوا لہذا آپ کو سلسلۂ سادات کی طرف انتساب حاصل ہوا اور اس غیر اختیاری شرافت حسبی و نسبی نے آپ کے کمالات علمیہ و عملیہ اور اخلاق طبعیہ و روحانیہ میں وہ بے بہا اضافہ کر دیا جس پر زبان سے بے اختیار نکلتا ہے ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام — بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

شاہ قطب علی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نسبت بزرگ تھے ان کی لڑکیاں تو کئی تھیں جن کا تعلق ازدواج ساڈھورہ وغیرہ میں خاندان پیرزادگان کے ساتھ ہوا مگر لڑکا بڑی تمناؤں کے بعد حق تعالیٰ نے ایک ہی عطا فرمایا تھا جن کا نام احمد علی رکھا گیا ان کو حق تعالیٰ نے بڑا صاحب نصیب بنایا اور چھ بیٹے عنایت فرمائے شاہ محمد علی، شاہ محمد نواز۔ شاہ احمد حسن۔ مولانا انصار علی۔ شاہ مجید علی اور شاہ حبیب محمد۔ ایوبی خاندان میں گیا ہوا علم سب سے پہلے مولانا انصار علی صاحب کے

Marfat.com

ذریعہ آیا جن کے تین صاحبزادوں میں مولوی عبداللہ صاحب ناظم دینیات علی گڑھ کالج
زیادہ مشہور ہیں۔ شاہ مجید علی صاحب کے چند لڑکیاں ہوئیں جن میں پانچ نے خورد سالی
میں انتقال کیا اور ایک زندہ رہکر صاحب اولاد ہوئیں جن کا نام محمود النساء تھا اور تین
صاحبزادے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمدؒ مولوی نذیر احمدؒ اور مولوی رشید احمدؒ
اور شاہ حبیب محمد صاحب کے جو کہ سب میں چھوٹے تھے چار فرزند ہوئے مولانا صدیق
احمد مولانا انوار احمد، سلطان احمد، منیر احمد، وضاحت کے لئے مختصر شجرہ درج کرتا
ہوں جس سے آئندہ تذکرہ واقعات میں مدد ملے گی اور معلومات تعلقات میں سہولت ہوگی۔

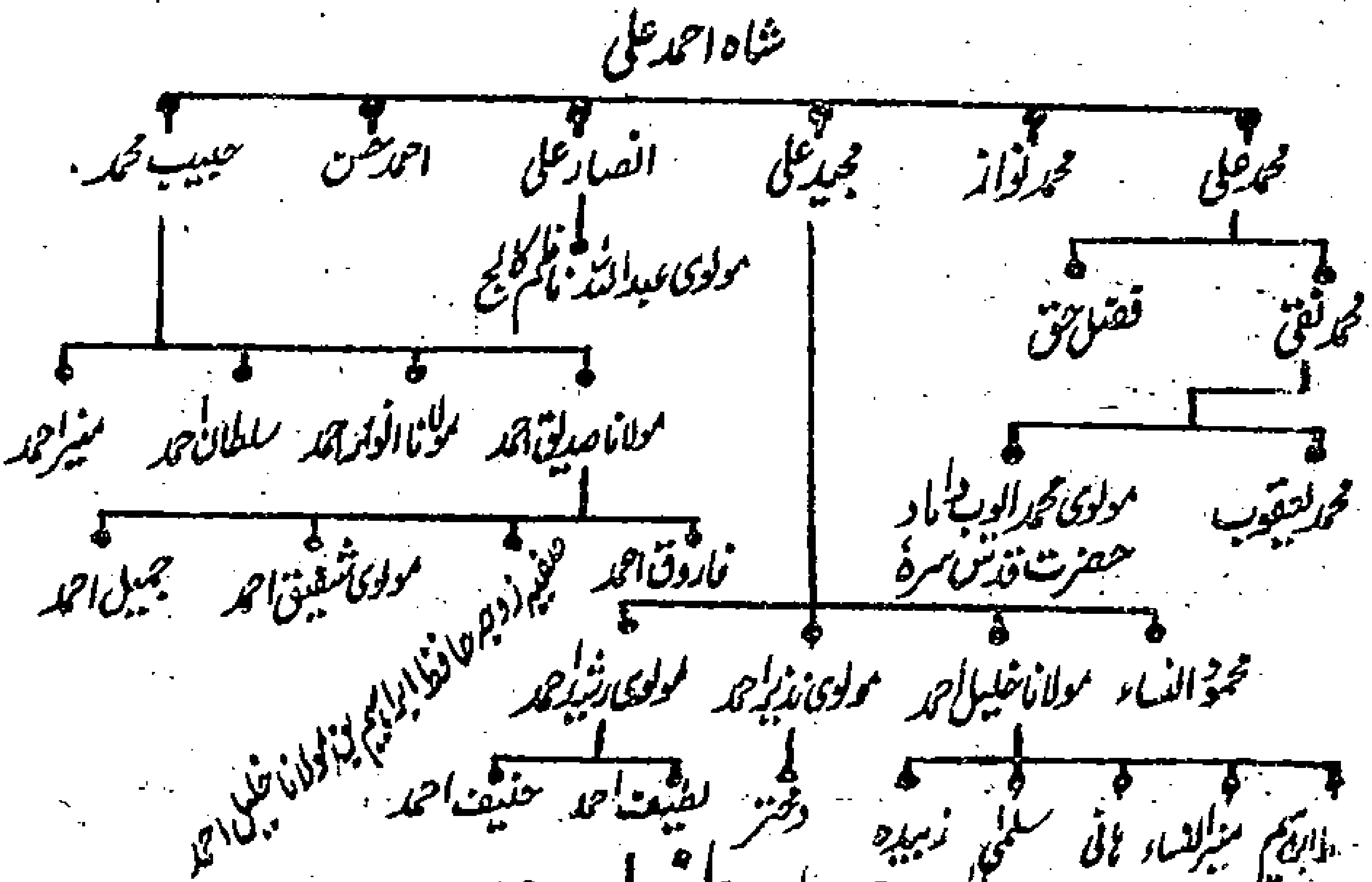

ولادت اور طفولیت

شاد باش اے خستۂ ہجران بلا — کز پئے درد تو درمان میرسد
در دل افسردہ روحے میدہد — مردہ تن را مژدۂ جان میرسد
بہر نشر علم و نشر نور دین — بحر عرفان مہر تاباں میرسد
سالکان جادۂ تحقیق را — قافلہ سالار کنعاں میرسد

حضرت قدس سرہ اواخر صفر ۱۲۶۹ھ ہجری مطابق اوائل دسمبر ۱۸۵۲ء میں اپنی ننھیال
قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے کہ آپ کی والدہ ماجدہ بی بی مبارک النساء مولانا

Marfat.com

محمد یعقوب صاحب مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند کی حقیقی بہن اور حضرت استاذ الکل مولانا مملوک العلی صاحب قدس سرہٗ کی بیٹی تھیں جو کہ شوہر کے کسی ریاست میں ملازم ہونیکے سبب اپنے میکہ میں مقیم تھیں مولانا مملوک العلی صاحب جنہوں نے درسیات کا اکثر حصہ ماہتاب ہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ کے ارشد تلامذہ حضرت مولانا رشید الدین خانصاحب دہلوی سے پڑھا تھا فلک علم کے نیرین امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی و قاسم الخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا محمد مظہر صاحب صدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور جیسی مقدس و مشہور ہستیوں کے استاذ تھے کہ ان سب حضرات نے علوم دینیہ و فنون ادبیہ کی پیاس اسی بحر زخار کے آب دہن سے بجھائی اور ہر چہار طرف سے پریشان ہو کر اسی آستانہ پر شفاء و تسکین پائی تھی۔ آپ کی دوسری صاحبزادی مسماۃ نجیب النساء حضرتؒ کے چچا مولوی انصار علی صاحب کے عقد نکاح میں آئیں کہ مولوی عبداللہ صاحب ناظم دینیات علی گڑھ کالج حضرت قدس سرہٗ کے چچیرے بھائی بھی تھے اور خلیرے بھی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ دونوں کے حقیقی ماموں تھے۔

حضرت اپنی والدہ محترمہ کے بطن سے توام پیدا ہوئے کہ آپ سے چند گھنٹے قبل آپ کے ایک بھائی تولد ہوئے جو تنومند اور خوش رو تھے اور ان کی دیکھ بھال میں مشغول ہو کر حضرت کی طرف کسی کی توجہ بھی نہ ہوئی کہ دبلے ضعیف اور نحیف الجثہ تھے حتیٰ کہ آپ کو دایہ نے غسل بھی نہیں دیا اور ململ کے ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر آپ کو علیحدہ کھٹولے پر ڈال دیا۔ مگر قدرت کو منظور تھا کہ اس بچہ پر جس کی طرف ماں کی نگاہ توجہ بھی نہیں اٹھتی ہے۔ کسی وقت دنیا کی نظریں پڑیں اور اس کا نورانی چہرہ تماشا گاہ عالم بنے اس لئے تنومند بھائی کو دنیا سے اٹھا لیا اور اس طرح پر ماں کی آغوش آپ کے لئے خالی ہو گئی کہ اب سارے کنبہ کی محبت و پیار کی نظریں خالص آپ پر پڑنے لگیں۔ ظہیر الدین اور خلیل احمد دو نام آپ کے تجویز ہوئے اور چونکہ آپ کا بھائی نوزائیدہ دنیا سے رخصت ہوا تھا اس لئے تفاول کے درجہ میں اللہ رکھا بھی آپ

Marfat.com

کا نام پڑا۔ کنبہ کی بڑی بوڑھی عورتیں بچپن میں اسی نام سے آپ کو پکارتی تھیں نیز چونکہ شروع سے آپ خوبصورت تھے جیسے گلاب کا پھول اس لئے بعض عزیزوں نے آپ کا نام موتی رکھا اور اسی نام سے آپ کو پکارنا ان کو پیارا معلوم ہوتا تھا۔ آپ کے والد ماجد شاہ مجید علی چونکہ ریاست میں ملازم تھے اور سفر کی وہ سہولتیں مہیا نہ تھیں جو آج ریل اور پختہ سڑکوں وموٹروں کی وجہ سے نصیب ہیں اس لئے برسوں میں وطن آنا ہوتا تھا اور اسی وجہ سے آپ کی رضاعت اور ابتدائی تربیت زیادہ تر آپ کے ماموں اور نانا کے پاس ہوئی۔ تاہم آپ کی والدہ آپ کو لے کر انبہٹہ آئیں اور یہاں سسرال میں بھی کافی قیام کیا کرتی تھیں۔

عمر شریف کا پانچواں سال شروع ہوا تو آپ کو مکتب میں بٹھانے کی تجویز ہوئی۔ اور خود آپ کے نانا حضرت مولانا مملوک العلی صاحب نے تبرکاً بسم اللہ شریف پڑھا کر قاعدہ شروع کرا دیا۔ فطرۃً آپ ذکی اور ذہین تھے اس لئے ناظرہ قرآن شریف جلد ختم کر لیا اور اس کے بعد اردو پڑھنا شروع کر دیا۔ انہیں ایام میں ۵۷ء کا وہ سانحہ پیش آیا جو غدر ہندوستان کے نام سے مشہور ہے اور جس کی تاریخ ہندوستان سے اسلامی سلطنت کے جلنے کی تاریخ ہے۔ آپ کے چچا شاہ حبیب محمد کے خسر حضرت شاہ حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ جن کی شادی انصاری خاندان انبہٹہ میں ہوئی تھی دراصل رامپور منہیاران کے رہنے والے تھے مگر چونکہ ظفر بادشاہ ان کے معتقد تھے۔ اس لئے حضرت ممدوح کا قیام دہلی میں رہتا تھا۔ جب شاہ دہلی قید کر کے رنگون بھیج دیئے گئے تو گورنمنٹ برطانیہ نے شاہی خواص کو بھی بنگاہِ اشتباہ دیکھا اور اس لئے شاہ حسن عسکری دہلی چھوڑ کر انبہٹہ چلے آئے کہ گو انکی بیوی کا غدر سے چند سال قبل انتقال ہو چکا تھا مگر ان کی لڑکی مساۃ امۃ اللہ جو کہ حضرت کی چچی اور مولانا صدیق احمد صاحب کی والدہ ہیں انبہٹہ میں موجود تھیں، اور یہ مصاہرت کا رشتہ اس کی امید دلاتا تھا کہ انصاری خاندان ان کی مدد میں کوتاہی نہ کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شاہ احمد حسن کے علاوہ جو کہ اس وقت بسلسلہ گورنمنٹی ملازمت کسی معزز عہدہ پر سندھ میں تشریف رکھتے تھے باقی

Marfat.com

پانچوں بھائی وطن میں موجود تھے اور انہوں نے پناہ گزین عزیز کی حمایت میں اپنی جائداد لیتے مال اپنی آبرو اپنے عیش و آرام اور اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال دیا کہ بارہا ان کے اور ان کی اکثر رعایا کے مکانوں کی تلاشی ہوئی مگر محصور کا پتہ نہ چلا اور گرفتاری عمل میں نہ آسکی گورنمنٹ کی نظر اس وقت سیاست و انتظام پر تھی اور یہ حضرات اس پر اڑے ہوئے تھے کہ بادشاہ کے پیر کو ملکی معاملات سے کیا تعلق اور بے گناہ کو اس کس مپرسی کے زمانہ میں موت کے حوالہ کر دینا صریح ظلم اور بے دردی ہے جو کہ مذہب اور شرافت دونوں کے خلاف ہے ہاں امن ہو جانے کے بعد جبکہ تحقیق حالات کا زمانہ آئے تو معاملہ زیر تحقیق لایا جائے مگر وقت نازک تھا اور اس حمیت کو باغی کی حمایت سمجھا جاتا تھا اس لئے پانچوں بھائیوں کو گرفتار کر کے سہارنپور کی حوالات میں بند کر دیا گیا اور کم وبیش ڈیڑھ دو ماہ ان صاحبوں کو ان تکالیف کا مقابلہ کرنا پڑا۔ آخر شاہ احمد حسن صاحب اطلاع پا کر سہارنپور پہنچے اور بھائیوں کو چھڑا کر وطن لائے

شاہ حسن عسکری نے جب دیکھا کہ صرف میری وجہ سے میرے عزیزوں کو طرح طرح کی مصیبت جھیلنی پڑتی ہے اور ان کی شرافت خاندانی اس کو گوارا نہیں کرتی کہ مجھے آزاد کریں تو خفیہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور سہارنپور پہنچکر اپنے آپ کو حکومت کے حوالہ کر دیا۔ آخر پھانسی پر چڑھا دیئے گئے اور ساری جائداد ضبط کر لی گئی جو امر مقدر تھا وہ کسی کے ٹالے نہ ٹلا۔ مگر جس کے نامۂ اعمال میں جو کچھ لکھا جانا تھا وہ لکھ لیا گیا۔

مولانا صدیق احمد صاحب تو شاہ حسن عسکری کے نواسہ ہی تھے مگر ان کے ساتھ خود حضرت سے بھی شاہ صاحب رح کو اس درجہ محبت تھی کہ گویا نواسہ ہی ہیں اور یہ علامت تھی اس سعادت کی جس کا آئندہ ظہور ہونے والا تھا۔

این سعادت بزور بازو نیست ۔۔۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت نے قرآن مجید اور ابتدائی کتب اردو و فارسی کی تعلیم انبہٹہ اور نانوتہ میں، مختلف اساتذہ سے پائی کہ آپ کی والدہ جہاں جاتیں آپ ان کے ساتھ ہوتے اور وہیں کسی مکتب میں سلسلۂ تعلیم شروع فرما دیتے کہ وقت ضائع نہ ہو۔ فارسی میں

۱۶۹۵۱

آپ بوستاں تک پہنچ لیئے تھے۔ مگر "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات" آپ پریشان رہا کرتے تھے کہ جس نظم اور قابلیت کے ساتھ جلد آپ فارغ ہونا چاہتے تھے وہ نانوتہ یا انبہٹہ میں کہیں نظر نہ آتا تھا اتفاق سے آپ کے چچا مولوی انصار علی صاحب جو کہ ریاست گوالیار میں بعہدۂ صدر الصدور فائز تھے بحصول رخصت وطن تشریف لائے اور بھتیجے کا شوق اور ذکاوت وذہن دیکھ کر خواہش مند ہوئے کہ اپنے ساتھ گوالیار لے جائیں اور خود عربی و دینیات پڑھائیں۔

ہر چند کہ عزیزوں کا اور خصوصاً ماں کا دل گوارانہ کرتا تھا کہ نور نظر کو آنکھ سے اوجھل کریں اور ایسے وقت کالے کوسوں بھیج دیں کہ آج آنے کا قصد کریں تو رتھ اور بہل کی سواری میں مہینہ بھر گذار کر وطن پہنچیں۔ مگر اللہ رے شوق علم دین کہ کسی نے بھی خلاف نہ کیا اور آپ طالبعلم بن کر چچا کے ساتھ بہل میں سوار ہو گئے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت میں اپنے چچا کے ساتھ بہل میں سوار ہو کر بقصد گوالیار چلا ہوں تو میری عجیب کیفیت تھی۔ کبھی وطن کا چھوٹنا والدہ کا فراق اور اقربا و ہمجولیوں سے جدا ہونا اپنا اثر ڈالتا اور مجھ کو پریشان بنا دیتا تھا اور کبھی وطن میں تعلیم کی بدنظمی اور حصول علم میں اپنی ناکامی و نقصان کا تصور ہو کر گوالیار میں یکسوئی کے ساتھ پڑھنے لکھنے میں مشغولیت اور چچا کی شفقت و حسن تعلیم کا رنگ۔ غالب آتا تو مجھے باغ باغ کئے دیتا تھا۔ آخر اسی کشاکشی میں بہلی روانہ ہو گئی اور میں وطن سے باہر نکلا۔ اس سفر میں کچھ ایسی دلچسپیاں تھیں کہ تھوڑا ہی سفر طے ہونے کے بعد وطن اور اہل وطن کا خیال نسیاً منسیاً ہو گیا اور سفر میں ہر نئی چیز کو دیکھ کر چچا سے اس کے متعلق پوچھتا اور تحقیق کرتا ہوا خوش خوش گوالیار پہنچ گیا۔ نیز فرمایا کہ میری عمر اس وقت گیارہ سال کی تھی اور وہ واقعات اب مجلس خواب کی طرح ذہن میں رہ گئے۔

چچا کی شفقت و محبت کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرمایا کرتے تھے کہ گوالیار میں کوئی یہ نہ سمجھتا تھا کہ خلیل احمد ان کا بیٹا نہیں ہے میرے چچازاد بھائی مولوی عبداللہ بھی چچا صاحب کے پاس تھے اور جن کو اتنا معلوم تھا کہ ان میں ایک

Marfat.com

حضرت مولانا کا بیٹا ہے اور ایک برادر زادہ وہ مولوی عبد اللہ کو برادر زادہ خیال کرتے تھے۔ حالانکہ واقعہ برعکس تھا کہ وہ بیٹے تھے اور یہ بھتیجا۔

گوالیار پہنچ کر حضرت رحؒ نے میزان الصرف اپنے عم بزرگوار سے شروع کی اور فطری ذہانت سے چند ہی روز میں صرف میر اور پنج گنج تک پڑھ لیا۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں حضرت کے والد ماجد شاہ مجید علی صاحب جن کی عمر کا اکثر حصہ ریاستوں کی ملازمت میں باہر ہی گذرا تھا ملازمت ترک فرماکر وطن تشریف لائے اور مستقل قیام فرمایا تو حضرت کو گوالیار سے وطن واپس بلا لیا کہ خود پردیس سے آکر بھی لختِ جگر پردیس میں نگاہوں سے دور رہا تو وطن آنے کا حظ ہی کیا نصیب ہوا۔ والدین کی محبت بھری آغوش اور نظر کے زیر سایہ رہ کر آپ کی تعلیم مولوی سخاوت علی صاحب کے حوالہ ہوئی جو قصبہ کے مشہور استاذ اور محترم عالم تھے اور آپ نے ان سے کافیہ تک پڑھا۔ مگر آپ کی ذکاوت استعداد میں جس قابلیت اور تعلیم میں جس نظم کی جویاں تھی وہ یہاں حاصل نہ تھی اور یوں بھی وطن کا قیام اور گھر کا عیش و آرام اس شوق کو پورا نہ ہونے دیتا تھا جو آپ کے قلب میں موجیں مارا کرتا تھا آخر بعض اعزہ کی رائے ہوئی کہ اس طرح عمر ضائع کرنے سے کیا حاصل ان کو سرکاری مدرسہ میں داخل کر دیا جائے کہ انگریزی پڑھ لیں۔ چنانچہ آپ اور آپ کے چچازاد بھائی مولانا صدیق احمد صاحب قصبہ کے انگریزی اسکول میں داخل ہو گئے۔

جس کا ماسٹر ہندو تھا اور کافیہ تک بخوبی استعداد ہونے کی وجہ سے چھ ماہ میں دونوں صاحبوں نے اتنی انگریزی پڑھ لی کہ دو سال سے پڑھنے والی جماعت کا مقابلہ کرنے لگے اور گرامر یعنی انگریزی ترکیب پر تو ایسے قادر تھے کہ ماسٹر حیران ہوتا اور کہا کرتا تھا کہ تم ایسی جلد اور صحیح ترکیب کرتے ہو کہ میں بھی نہیں کر سکتا۔ مولانا صدیق احمد نے جواب دیا کہ ہم نے عربی میں شرح جامی پڑھی ہے اور اس لئے ترکیب نحوی کسی زبان کی بھی ہو ہمیں دشوار نہیں۔ اس نے کہا کہ ہم کو بھی عربی پڑھا دو فرمایا بہت اچھا مگر اس کو پڑھانے کا وقت کیا آتا خود انگریزی پڑھنے ہی کا وقت قریب الختم تھا کہ گو اپنے

Marfat.com

بڑوں کی تعمیل حکم میں انگریزی شروع کردی تھی مگر دل اُچاٹ تھا اور وہ قلب جو علوم عربیہ کا لذت آشنا ہو چکا تھا اس کا خواہشمند تھا کہ کاش علوم دین کی تعلیم کا کوئی بہتر انتظام ہو جائے اور یہاں سے چھٹکار انصیب ہو۔ دفعتہً محرم ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد قائم ہونے کی خبر آپ کے کانوں میں پڑی اور یہ بھی سُنا کہ صدر مدرس آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قرار پائے۔ لہذا آپ کی طلب میں جوش آیا اور والدین سے اجازت چاہی کہ دیوبند بھیج دیں چنانچہ آپ دیوبند تشریف لائے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے آپ کے لئے کافیہ کا سبق تجویز فرما کر جماعت کافیہ میں شریک کر دیا۔

دارالعلوم دیوبند سے چھ مہینہ بعد رجب ۸۳ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کا افتتاح ہوا اور مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کہ وہ بھی قریبی رشتہ سے حضرت کے ماموں ہوتے تھے یہاں صدر مدرس تجویز ہوئے۔ ہر چند کہ دیوبند میں تعلیم کے بہترین نظم کے ساتھ حقیقی ماموں کی شفقت مادری شفقت کا لطف دے رہی تھی۔ مگر قدرت کو منظور تھا کہ جس نونہال کے ہاتھوں مظاہر علوم کو حیرت بخش ترقی ہونے والی مقدر ہے وہ اسی مدرسہ کا خوشہ چین دم ہون احسان بنے اس لئے دیوبند سے آپ کا دل گھبرایا اور آپ سہارنپور چلے آئے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب سے بہ نسبت مولانا محمد مظہر صاحب کے اگرچہ زیادہ قریبی تعلق قرابت تھا لیکن پھر بھی خدا جانے دیوبند میں کیوں دل نہ لگا۔ جس وقت میں یہاں پہنچا ہوں بس اس طرح مانوس ہو گیا کہ گویا ہمیشہ سے یہیں رہتا تھا۔

ہر چند کہ انگریزی کی چند ماہہ تعلیم کو آپ نے خیرباد کہہ دیا اور علم دین کے اشغال میں کوشش بھی کی کہ وہ پڑھا ہوا ذہن سے نکل جائے مگر اس بے توجہی پر بھی آپ انگریزی حروف اور ہندسے پہچان لیتے اور حروف مفردہ کو جوڑ کر خطوط کی مہر وغیرہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ آپ کے بھتیجے مولوی فاروق احمد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ بہاولپور تشریف لائے اور آپ کے نام ایک خط آیا

Marfat.com

جس میں کاتب نے اپنا پتہ نہ لکھا تھا۔ حضرت سوچنے لگے کہ کس کا خط ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مُہر ڈاکخانہ دیکھ لی جائے شاید اس سے کچھ پتہ چلے۔ حضرت نے مُہر پر نظر ڈالی اور فرمایا فلاں فلاں حروف پڑھے جاتے ہیں۔ اور خط کا رُخ میری طرف کر دیا۔ میں نے حضرت کے کیسا منے عرض کیا کہ انگریزی حروف بھی حضرت پڑھ لیتے ہیں؟ فرمایا ہاں جب ابتدا میں انبہٹہ کے انگریزی مدرسہ میں داخل ہوا تھا اس وقت سیکھے تھے۔ حضرت اس کو مسرت اور شکر گزاری کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ الحمد للہ حق تعالیٰ شانہٗ نے انگریزی سے نجات دی اور علم دین نصیب فرمایا۔

تکمیلِ علم اور فراغِ تحصیل

جس وقت حضرت قدس سرہ مظاہر علوم میں تشریف لائے تو کافیہ، شرح جامی کا کوئی سبق مدرسہ میں نہ تھا اور تمامی اسباق کا نظام الاوقات مرتب ہو چکا تھا لہذا مولانا محمد مظہر صاحب نے آپکو مختصر معانی کی جماعت میں شریک کر دیا اور آپ دل نہاد ہو کر ہمہ تن تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے اکثر کتابیں، خصوصاً کتب حدیث و فقہ و اصول و تفسیر حضرت مولانا محمد مظہر صاحب سے پڑھیں اور باقی کتابیں بالخصوص منطق و فلسفہ و ہئیت و ریاضی مدرسہ کے دیگر مدرسین سے۔ اس طرح پر ۱۲۸۶ھ میں جب کہ آپ کی عمر شریف ۱۹ سال تھی آپ نے درس نظامیہ ختم کر لیا اور پانچ سال میں مدرسہ سے سند فراغ حاصل کی۔ اس کے بعد علوم ادبیہ میں مہارت کا شوق آپ کو پنجاب کی طرف کھینچنے لگا کہ ہندوستان کے مشہور ادیب مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری اسوقت اورینٹل کالج لاہور کے پروفیسر اور علوم شرقیہ کے استاذ اعظم تھے کہ طالبان علوم دور دور سے آکر انوار ادبیہ کا مولانا سے اقتباس کرتے اور فصاحت عرب کی حقیقت سے آشنا ہو کر مسرور و شاد کام جایا کرتے تھے۔ اس لئے باوجودیکہ

فراغ کے بعد آپ کا تقرر بعہدہ معین المدرسین اسی مدرسہ میں ہو چکا تھا مگر ذوقِ عربیت نے آپکو سفر پر مجبور کیا اور آپ نے لاہور پہنچ کر مولانا سے علوم ادبیہ کی خاطر خواہ تکمیل فرمائی۔

ہر چند کہ آپ نے تمامی علوم نقلیہ و عقلیہ میں کمال حاصل کیا مگر جو اُنس اور تناسب آپ کی طبیعت کو کلام الرسول اور علم فقہ کے ساتھ تھا وہ خود ہی اپنی نظیر ہے اور اس کی شہادت کے لئے حضرت کے چند ہزار وہ فتاویٰ جن سے مدرسہ کی ضخیم چار جلدیں لبریز اور بھری ہوئی ہیں و نیز آخر عمر کا زرین کارنامہ جس کا نام بذل المجہود فی حل ابی داؤد ہے پیش کرنا کافی ہے۔ کہ بذل المجہود پانچ جلدیں کر مطبوع ہو چکی اور ہزاراں ہزار تشنہ کامانِ علم حدیث کو سیراب کر رہی ہے۔ اور فتاویٰ کے متعلق بھی خیال ہے کہ مدرسہ کی طرف سے مطبوع ہو جاویں تاکہ ہر قسم کی ضروریات شرعیہ سے عامہ مخلوق قیامت تک منتفع ہوتی رہے۔ چند مخصوص فتاویٰ جو حضرت کے دستِ مبارک کے لکھے ہوئے تھے اور جن میں کسی عالم کی خلاف تحریر کے سبب اہمیت تھی وہ نقل کراکر درج سوانح بھی کروں گا۔ مدرسہ کی رودادِ قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کی پہلی کتاب مشکوٰۃ شریف حضرت نے ۸۵ھ میں پڑھی اور امتحان سالانہ میں اعلیٰ نمبر حاصل کر کے مختصر معانی و شرح عقائد انعام میں پائی ۸۶ھ میں بخاری و ہدایہ اخیرین میں امتحان دیا اور جامع ترمذی انعام میں ملی۔ غرض صحاح کی اکثر کتب آپ نے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب سے ختم کیں مگر ابوداؤد اس زمانہ میں نہیں پڑھی۔ چنانچہ بذل المجہود کے ترجمۃ المؤلف کی تسطیر کے وقت مولانا محمد زکریا صاحب کے استفسار پر حضرت نے خود فرمایا کہ میں نے ابوداؤد شریف دورہ کے ساتھ نہیں پڑھی بلکہ اپنی ملازمت کے زمانہ میں پڑھی ہے۔ میں خود بھی جہاں ملازمت پر ہوتا رمضان میں مکان پر چلا آتا اور حضرت استاذ بھی رمضان المبارک اُن ایام میں اپنی سسرال قصبہ نکھوتی میں گزارا کرتے تھے۔ ایک سال میں نے بھی رمضان وہیں گزارا اور ابوداؤد شریف پڑھی۔ سال کی تعیین تو یاد نہیں مگر میں تعلیم سے فارغ

Marfat.com

ہو ہوا کہ ملازم ہو چکا تھا۔

یہ ابتدائے حضرت کی دورہ کی تعلیم ہے جس کا سلسلہ اسناد اس طرح ہے کہ آپ کے استاذ حضرت مولانا محمد مظہر اور ان کے استاذ مولانا مملوک العلی اور وہ شاگرد تھے مولانا رشید الدین خان دہلوی کے اور وہ مولانا شاہ عبدالعزیز کے اور وہ حضرت حجۃ اللہ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے جن کا سلسلہ اسناد مشہور و معروف اور اکثر کتب حدیث بالخصوص ترمذی شریف کے اوائل میں مطبوع موجود ہے اس لئے اسکا تذکرہ چھوڑ دیا گیا۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔

مظہر علوم حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نے بخاری شریف حضرت اقدس مولانا شاہ اسحاق صاحب مہاجر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پڑھی ہے اور شاہ صاحب اعلیٰحضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے مشہور شاگرد ہیں اس طرح پر حضرت کا سلسلۂ سند صرف دو واسطوں سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کے ساتھ جا ملا۔ نیز ۱۲۹۳ھ میں جبکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھوپال میں مدرسی پر فائز تھے۔ تو حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب بڈہانوی سے جو کہ حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب کے ارشد تلامذہ ہونے کے علاوہ داماد بھی تھے دوبارہ بخاری شریف شمائل ترمذی اور کچھ حصہ مسلم شریف کا وتیرہ مسلسلات حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ دنوادر اور دُر ثمین پڑھ کر جملہ احادیث کی اجازت اور سند حاصل کی۔ پھر اسی سال کے ختم پر جبکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حرمین شریفین کی پہلی مرتبہ حاضری نصیب ہوئی جو کہ حج فرض کا سفر تھا تو مکہ مکرمہ میں شیخ المشائخ مولانا الشیخ احمد دحلان مفتی شافعیہ سے روایت واجازت حدیث حاصل کی اور مدینۃ الرسول میں محدث دار الہجرۃ استاذ الکل حضرت مولانا الشاہ عبدالغنی المہاجر المجددی النقشبندی کو جملہ کتب حدیث کے اوائل سنا کر بالاجمال اور قبولیت دعاء عند الملتزم کی بالتفصیل اجازت حاصل کی حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا عطا کردہ اجازت نامہ جس کو بندہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر لیا تھا اور دعاء عند الملتزم کی سند جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بندۂ ناچیز کو عطا

فرماتے وقت خود ارشاد فرمائی تھی تبرکاً درج کرتا ہوں۔

الحمد للہ اولاً وآخراً والصلوٰۃ والسلام دائماً وسرمداً۔ اما بعد فیقول الملتجی الی حرم النبی عبد الغنی بن ابی سعید المجددی سامحہ اللہ بلطفہ الخفی۔ قد قرأ علیّ من اوائل الکتب الستۃ مولانا الشیخ خلیل احمد وطلب منی اجازتہا واجازۃ بقیۃ کتب الاحادیث والفقہ والتفسیر فاجزتہ ان یروی عنی ویجیز غیرہ من تاہل لہذا الفن الشریف مع الشرائط المعتبرۃ عند علماء ہذا الشان واللہ المستعان وصلی اللہ علی سید الانس والجان علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان ۔۔ فی المدینۃ المنورۃ ۱۲۹۴ھ (مہر)

یقول مولانا الشاہ عبد الغنی[1] اخبرنی بہ شیخنا عابد[2] سندی اجازۃ قال اروبہ عن عمی[3] محمد حسین الانصاری عن الشیخ محمد[4] بن محمد بن محمد بن عبد اللہ المغربی عن الشیخ[5] عبد اللہ بن سالم البصری عن الشیخ[6] محمد بن علاء الدین البابلی عن الشہاب احمد[7] بن خلیل السبکی عن النجم محمد[8] بن احمد بن علی الغیطی عن القاضی[9] زکریا الانصاری عن الحافظ[10] ابن حجر عن شرف[11] الدین ابی بکر بن عز الدین بن عبد العزیز بن جماعۃ عن یحیی[12] بن فضل اللہ العمری عن مکی بن علان[13] انا ابو طاہر[14] السلفی سمعت ابا الفتح[15] ابن مسعود الغزنوی یقول سمعت ابا الحسن[16] علی بن محمد بن نصر اللبان یقول سمعت ابا القاسم[17] حمزہ بن یوسف السہمی بجرجان یقول سمعت ابا القاسم[18] عبد اللہ بن محمد بن خلف البزار بمصر یقول سمعت محمد[19] بن الحسن بن راشد الانصاری یقول سمعت ابا بکر محمد[20] ادریس المکی وہو وراق الحمیدی واسم جدہ عمر یقول سمعت عبد اللہ[21] بن الزبیر الحمیدی یقول سمعت سفیان[22] بن عیینۃ یقول سمعت عمرو[23] بن دینار یقول سمعت عبد اللہ[24] بن عباس یقول سمعت النبی[25] صلی اللہ علیہ وسلم یقول الملتزم موضع یستجاب فیہ الدعاء ما دعا اللہ فیہ عبد الا استجابہا قال ابن عباس فواللہ ما دعوت اللہ عز وجل فیہ الا استجاب لی منذ سمعت ہذا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عمرو وانا واللہ ما اہمنی امر فدعوت اللہ عز وجل الا اجابنی منذ سمعت ہذا من ابن عباس وہکذا قال کل راو۔ یقول عبد الغنی وانا واللہ دعوت اللہ عز وجل فاستجاب لی وداجازنی بہ الشیخ مولانا الحاج خلیل احمد المہاجر الایوبی الانصاری اجازۃ وقال بعد

Marfat.com

سره واسناده دانا اقول انی دعوت اللہ عز وجل فاستجاب لی) واخرج سعید بن منصور و البیہقی فی سننہا عن ابی الزبیر عن ابن عباس موقوفاً۔

عمر شریف کے اخیر حصہ میں جبکہ حضرت قدس سرہ نے بذل المجہود کی تالیف سے بلدۃ الرسول میں فراغ پایا تو فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حق تعالیٰ سے تین دعائیں مانگیں تھیں جن میں دو کی قبولیت دیکھ چکا ہوں اور تیسری کا متوقع اور منتظر ہوں۔ ایک دعا یہ مانگی تھی کہ عرب میں امن وامان کی حکومت اسلامیہ شرعیہ دیکھ لوں سو الحمدللہ وہ امن وامان آنکھوں سے دیکھا کہ جہاں پہاڑیوں میں قافلوں کا چلنا مشکل تھا اب تنہا آدمی سونا اچھالتا ہوا بے خطر چلتا ہے اور کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ دوسری دعا یہ تھی کہ بذل المجہود زندگی میں ختم کر لوں۔ سو الحمدللہ فارغ ہو لیا۔ تیسری دعا یہ تھی کہ بجوار رسول اس سرزمین میں دفن ہونا نصیب ہو۔ سو توقع ضرور ہے کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ دو ہی مہینہ بعد اس کا ظہور ہو گیا کہ آپ نے بذل کے ختم سے پورے سات ماہ اور ۲۴ دن بعد یعنی ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ یوم چہارشنبہ کو بعد عصر وصال فرمایا اور قبۂ اہل بیت کے متصل مدفون ہوئے۔ اطاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

میرا غالب خیال ہے کہ یہ تینوں دعائیں ملتزم ہی پر مانگی ہوئی تھیں جن کا شکراً للہ تعالیٰ وتوثیقاً لہذہ الروایۃ الماثورہ اس طریق پر اظہار فرمایا۔ بالخصوص تکمیل بذل المجہود کی دعا کو ماہ شعبان ۱۳۳۵ھ پانچویں سفر حج سے واپس ہو کر آپ نے اس خیال وشوق کو ظاہر فرمایا اور ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو بنام خدا افتتاح فرما دیا۔ کام بہت بڑا تھا اور علاوہ اس کے کہ بہت زیادہ علمی قابلیت اور دماغی محنت کو چاہتا تھا۔ کتاب کی ضخامت زیادہ ہونے کے سبب مدت مدیدہ اور زمان کثیر کو چاہتا تھا اور حضرت قدس سرہ کا دماغ علاوہ مجاہدہ وریاضات اور افکار وصدمات وحوادث مختلفہ کے پوری نصف صدی یعنی پچاس برس خدمت تدریس میں مشغول رہنے کے سبب بہت زیادہ ضعیف ہو چکا تھا۔ اس لئے بظاہر اسباب اس تالیف کی جس میں بیک وقت متعدد شروح وحواشی کے اقوال مختلفہ وکثیرہ کو مستحضر رکھنے اور کھوٹا

Marfat.com

کھراپڑھ کر مشاہیر علماء کے آراء متنوعہ میں حق کو محقق کرنے کی ناقابل برداشت محنت تھی کسی طرح ہمت سہ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ چونکہ موت کا استحضار اور لقاء رب کا اشتیاق ہر وقت آپ کے دل کو اچاٹ بنائے ہوئے تھا اور بار بار آپ کی زبان پر آتا تھا کہ میرے اقران و ہمعصر سب رخصت ہو چکے دیکھئے اس مٹی کو کب تک گھسیٹنا مقدر ہے۔ اگر کبھی شوق کا داعیہ ہوتا بھی تھا تو مدت کا خیال فرماکر آپ خاموش ہو جاتے تھے کہ برسوں میں ختم ہونے والے کام کی امید کون باندھے مگر سفر پنجم سے واپسی پر یکایک خیال کا عزم اور فعل کے درجہ میں آنا اس کی علامت تھی کہ آپ ملتزم پر دعا مانگ کر آئے ہیں اور قبولیت کے اذعان و یقین پر مایوس کن مشقت اور طول مدت کے واہمہ سے خالی الذہن ہو چکے ہیں۔ ورنہ یوں تو صدہا دعائیں آپ کی قبول ہوئیں اور متوسلین تو اس کے خوب تجربے کر چکے ہیں کہ جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو حضرت سے دعا کی استدعا کرتے اور اس کی فوراً ہی قبولیت کا مشاہدہ ہوتا تھا۔ پس یہ قوت یقین آپ کی ایک مستقل کرامت ہے جس کے سامنے ہزار کشوف و خوارق بھی ہیچ در ہیچ ہیں کہ اس یقین ہی کے حاصل کرنے کو طالبانِ حق نے سلطنت چھوڑ کر فقر اختیار کیا اور تخت و تاج دنیا پر لات مار کر دلق گدائی اور صحرا نوردی کو ترجیح دی ہے ؎

خلیل آسا درِ ملک یقین زن　　　　صدائے لا احب الآفلین زن

شاہ عبد الغنی صاحب مہاجر مدنی سلسلۂ طریقت میں اپنے جد بزرگوار مجدد الف ثانی حضرت سید احمد سرہندی قدس سرہ کے طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کے متمسک اور اپنے والد ماجد حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہ سے بیعت اور مجاز تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب اور اسناد سلوک و اخذ طریقت ساتویں پشت پر حضرت مجدد صاحب سے اس طرح ملتا ہے۔ شیخ عبد الغنی بن ابی سعید بن صفی القدر بن عزیز القدر[۳] بن محمد عیسیٰ[۴] بن سیف الدین[۵] بن محمد معصوم[۶] بن احمد العمری السرہندی قدس اللہ اسرارہم۔

مسلم شریف۔ ابوداؤد شریف۔ ترمذی شریف۔ نسائی شریف۔ سنن ابن ماجہ اور موطا امام مالک بالاستیعاب آپ نے اپنے والد شاہ ابوسعید سے پڑھی اور بخاری شریف قراءۃً وسماعاً حضرت شاہ اسحٰق سے۔ شاہ اسحاق صاحب اور شاہ ابوسعید صاحب دونوں حضرات شاگرد ہیں حضرت محدث زمان شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم العمری کے۔ پس ہر دو سلسلہ سے آپ کی اسناد حدیث تیسری پشت پر حجۃ اللہ البالغہ سے جا ملی ہے۔

مشکوٰۃ شریف حضرت شاہ صاحب نے شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ مخصوص اللہ صاحب کو پڑھ کر سنائی اور بعد ہجرت مدینۃ الغراء میں بخاری شریف کا کچھ حصہ نمبر ۴ شیخ محمد عابد الانصاری السندی ثم المدنی کو پڑھ کر سنایا اور حضرت ممدوح نے جملہ صحاح کی آپ کو اجازت دی اور اپنے ہاتھ سے سند لکھ کر عطا فرمائی۔ پھر مدینۃ الرسول ہی میں شیخ اسمٰعیل بن ادریس الرومی نے جو کہ مقدونیہ کے مشہور علامہ تھے خود اپنی خوشی سے صحاح کی اجازت کلیہ آپ کو عطا کی۔ پانچوں اساتذہ کی اسانید بالتفصیل ایک مستقل کتاب کی صورت میں طبع ہو چکی ہیں جس کا نام الیانع الجنی ہے لہذا نقل نہیں کی گئیں۔ انہیں سلاسل اسناد میں اگر حضرت قدس سرہ کا نام درج کر دیا جائے تو حضرت کے تلامذہ کی اسناد حدیث صاحب الکلام والحِکم سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم تک مسلسل ومکمل ہو جائے گی۔

اس کے بعد ۱۲۹۴ھ میں جب حضرت قدس سرہ تیسری مرتبہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو حضرت مولانا سید احمد البرزنجی المفتی الشافعیہ ببلدۃ الرسول نے جملہ کتب حدیث اور تمامی فنون معقول ومنقول اور فروع واصول کی آپ کو اجازت دی اور اجازت نامہ لکھوا کر مہر سے مزین فرما کر آپ کے حوالہ کیا۔ چونکہ بندہ ناچیز اس سفر میں حضرت قدس سرہ کے ہمرکاب اور مولانا برزنجی کی خدمت میں حاضری کے وقت حضرت کے ساتھ تھا۔ اس لئے خود بھی اس اجازت سے مشرف ہوا جو میرے پاس محفوظ ہے اور اس کا سلسلۂ اسناد نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت کے تلامذہ اخذ کر سکیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی رفع دین الاسلام علی سائر الادیان۔ وجعل شانہ عالیا باصح سند و برہان۔ وشید اعلامہ المشہورۃ الباہرۃ وآثارہ المعروفۃ المتواترۃ حتی لم یبق ریب بین الانام الخاص منہم والعام۔ فی انہ الحق المبین۔ وحبل اللہ المتین۔ فطرب عند روایۃ احادیثہ الحسنۃ الاسماع۔ واعترف ارباب النقد الصحیح بقبول وصلہ والاتباع۔ واستفاض بنقل الثقات العدول الاثبات دلائل صدقہ۔ وانکشف الغطا وبرح الخفا ببراہین حقہ۔ فمن اہتدی بہداہ الی صراطہ المستقیم۔ فاز بالحظ الاوفی والخیر العمیم۔ والصلوۃ والسلام الاکملان مددا۔ الاوفران عددا۔ علی من ارسلہ اللہ علی فترۃ من الرسل نوراً مبیناً۔ یہدی الی اقوم السبل فکشف الغمۃ وہدی الامۃ۔ واخرجہم من الظلمات الی النور۔ وفتنۃ الشیاطین الکفور۔ وعلی آلہ وصحبہ الذین اقتفوا آثارہ۔ وحفظوا سننہ وآثارہ۔ وکل تابع باحسان وحافظ الدین بالضبط والاتقان۔ اما بعد۔ فان اشرف مقامات العبد القرب من المعبود والتحلی بصفۃ الحضور والشہود۔ واعظم وسیلۃ الی ہذا المطلب النفیس الذی بہ تکون تزکیۃ النفوس فی القدیم والحدیث۔ علم الاسناد والحدیث۔ المشتمل علی الحکمۃ التی من اوتیہا فقد اوتی خیراً کثیراً۔ وعلی ہدی خیر العباد الذی من اقتدی بہ فقد فاز فوزاً کبیرا۔ فمن ثم توجہت ہمتہ صاحب الفضل والسماحۃ۔ والعلم والرجاحۃ۔ الہمام الاورع۔ والشہم السمیدع الفائز من مدارک التقی باوفر نصیب۔ والحائز من مسالک الہدی للسہم المصیب۔ ذی المجد الباذخ۔ والمجد الشامخ۔ اللوذعی الکامل۔ والعلامۃ الفاضل۔ حضرۃ جناب الشیخ خلیل احمد بن الشاہ مجید علی حفظہ اللہ واوصلہ اللہ الی ما یتمناہ لنیل ہذہ الطریقۃ المثلی۔ والسبق الی غایۃ تلک القصوی۔ فطلب منی ان اجیزہ بما رویناہ سماعا واجازۃ من الاسانید المختارۃ الممتازۃ وتلقیناہ من علماء ہذا الشان۔ واسلافنا الصلحین وسائر الاعیان۔ فلبینا دعوتہ واسرعنا اجابۃ واجزناہ اجازۃ خاصۃ وعامۃ وشاملۃ تامۃ بجمیع مسموعاتنا ومروياتنا من الصحاح والحسان فی المسانید والسنن۔ العاصمۃ من رعاہا حق رعایتہا من الاہواء والفتن۔ وسائر المصنفات فی العلوم الشرعیۃ الاصلیۃ والفرعیۃ ووسائلہا من الفنون

Marfat.com

التی بہا یتأدب الادیب۔ وینتظم باعلامہا حلیۃ کل فاضل اریب۔ کما ہو موضح فی اسانید مشایخنا الاعلام۔ الکاشفین بنور التحقیق حجب الاوہام۔ عن وجوہات مخدرات ہن مقصورات فی الخیام۔ الذین منہم والدی العلامۃ المحقق الفہامۃ السید اسمعیل عن والدہ العلامۃ السید زین العابدین مفتی المذہب الحنفی والشافعی۔ مقنع القانع وشافی العی۔ عن والدہ جمیل المآثر ذی الفضل الباہر السید محمد الہادی عن عمہ الامام العلامہ السید جعفر عن والدہ العلامہ ابن فارض زمانہ وجاحظ عصرہ واوانہ السید حسن عن والدہ العلامہ الآمر بالمعروف والناہی عن المنکر السید عبد الکریم المدفون بجدۃ الشہیر بالمظلوم عن والدہ الامام الاوحد والعلم المفرد والعلامۃ السید محمد بن السید عبد الرسول الحسینی الموسوی البرزنجی مجدد القرن الحادی عشر۔ ذی التصانیف السائرۃ سیر المثل فی البدو والحضر وہو قد اخذ العلم عن جمع کثیر وجم غفیر من اعیان العراق والشام من کل تحریر وہمام ح وعن والدی السید اسمعیل المشار الیہ عن شیخ وقتہ الاستاذ المسند الشیخ صالح بن محمد الفلانی العمری عن الشیخ العمر المحقق المدقق محمد بن محمد العمری الفلانی وعن غیرہ من اعیان عصرہ ح وعن شیخنا العلامۃ السید محمد الموافی الدمیاطی نزیل طیبۃ عن الاستاذین الجلیلین حسن عطار والشیخ ابراہیم الباجوری۔ وعن غیر ہؤلاء من اعیان عصر المتمیزین وجہابذتہ المبرزین فاجزناہ بجمیع ما تلقیناہ ورویناہ واجازنا بہ اشیاخنا المذکورون وغیرہم۔ ووصیناہ بالعمل والتقوی والاخلاص فی العلن والنجوی۔ فان لکل امرء مانوی۔ بلغنا اللہ وایاہ من الدیانۃ اعلی النہایۃ۔ واوفانا وایاہ من الامانۃ علی کل غایۃ۔ ووفقنا جمیعا لنصر الحق ونصح الخلق و رزقنا سعادۃ الدارین وشفاعۃ سید الکونین وصلی اللہ علی من بہرت آیاتہ وظہرت معجزاتہ سیدنا محمد سید المرسلین وعلی آلہ الطیبین وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین ؁ (مہر)

امر بکتابتہ مفتی الشافعیۃ بالمدینۃ المنورۃ سابقاً

السید احمد البرزنجی عفی اللہ عنہ

الحاصل چونکہ حضرت قدس سرہ کو حدیث میں کثرت روایات اور وثوق سند کا جو

کہ اس فن شریف کا مایۂ ناز ہے اہتمام تھا اس لئے مشاہیر علماء زمان میں آپ کے اساتذہ ہوئے (۱) مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی (۲) مولانا عبد القیوم صاحب بڈھانوی (۳) مولانا الشیخ احمد دحلان المہاجر المکی (۴) مولانا الشاہ عبد الغنی المہاجر المدنی (۵) مولانا السید احمد البرزنجی اطاب اللہ ثراہم وجعل الجنۃ مثواہم۔

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی تو وثوق کے ساتھ نقل فرماتے ہیں اور مجھے بھی غالب یاد اسی طرح ہے کہ ۱۳۲۹ھ میں جب بندہ حضرت سے اجازت لے کر براہِ حجاز ریلوے مدینہ منورہ سے دمشق گیا اور وہاں خطیب الوقت مولانا السید بدر الدین محدث دام ظلہ کی زیارت کی جو علامہ نووی کے مشہور دار الحدیث کے جانشین اور نہایت متبع سنت یگانۂ وقت مرجع العلماء بزرگ ہیں تو بندہ کو احادیث صحاح اور بعض اوراد مخصوصہ کی انہوں نے اجازت دی اور اجازت نامہ تحریری دستخطی مجھ کو عطا فرمایا۔ واپسی وطن کے بعد جب حضرتؒ سے اس کا تذکرہ ہوا تو حضرت نے بھی شوق ظاہر فرمایا کہ ایسے علامہ سے مجھے بھی روایت حدیث کی اجازت حاصل ہوتی تو بندہ نے ایک مطبوعہ اجازت نامہ جس کے تین نسخے شیخ ممدوح نے چلتے وقت مجھ کو دیئے تھے کہ جس کو اس کا اہل پاؤ اس خالی جگہ میں اس کا نام لکھ کر میری طرف سے دے دینا میں نے حضرت کا اسم شریف لکھ کر حضرت کی نذر کر دیا۔ یا یہ کہ حضرت نے والا نامہ تحریر فرمایا اور شیخ بدر الدین نے اجازت نامہ خود دمشق سے روانہ فرمایا۔ بہر حال اگر یہ واقعہ صحیح ہے جیسا کہ غالب گمان ہے تو یہ سلسلہ اسناد چھٹا ہے جس کو اپنی کتاب سے بہ تبدیل نام نقل کرتا ہوں کہ محفوظ رہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدک اللّٰھم علی متواتر آلائک۔ ونشکرک علی مسلسل نعمائک۔ ونسئلک متصل الصلوٰت و التسلیمات علی المرفوع من بین المخلوقات وعلی آلہ المشھودۃ اخبارہم۔ واصحابہ المستفیضۃ آثارہم۔ اما بعد۔ فان الاسناد من الدین۔ والآخذ بہ متمسک بالحبل المتین۔ فمن ثم عکفت اہل العلم علیہ۔ وتوجہت مطایاہم الیہ۔ ولما کان منھم مولانا الشیخ خلیل احمد بن الشاہ مجید علی

Marfat.com

الساكن فی سہار نفور من بلاد الہند وفقہ اللہ تعالیٰ لارشاد العباد۔ وسہل اللہ تعالیٰ لناولہ طرق السداد۔ طلب منی الاجازۃ التی ہی امان عند اقتحام المفازۃ۔ ولست اہلا ان استجاز۔ وہل یقال بمثل ہذا الجواز۔ الا انہ حسن فی ظنہ۔ اثابہ اللہ تعالیٰ علی قصد الجنۃ۔ فاجزتہ بالمعقول والمنقول من فروع واصول۔ والاحادیث الشریفۃ والآثار المنیفۃ۔ کما اجازنی بذلک فضلاء العصر وجہابذۃ مصر منہم بحر الفضلاء ومغترف الفحول والنبلاء افضل من عنہ تبلقی۔ الشیخ ابراہیم السقا عن الامام المہذب العلامۃ الشیخ ثعیلب عن العلامۃ الشہاب الملوی ذی النور فی الدیجور۔ عن الامام الشیخ عبداللہ بن سالم صاحب الثبت المشہور۔ وعن العلامۃ الشیخ محمد امیر عن والدہ الشیخ الکبیر وقد حوی ثبتہ الاسانید بمالا یحتاج الی مزید۔ فروی صحیح البخاری عن العلامۃ الشیخ علی الصعیدی حال قراءتہ بالجامع الازہر عن الشیخ محمد عقیلۃ المکی عن الشیخ حسن بن علی العجیمی عن ابی العجل الیمنی عن الامام یحیی الطبری قال اخبرنا البرہان ابراہیم بن محمد بن صدقۃ الدمشقی عن الشیخ عبدالرحمٰن بن عبدالاول الفرغانی عن ابی عبدالرحمٰن محمد بن شاذان بخت الفرغانی بسماعہ لجمیعہ علی الشیخ ابی لقمان بن مقبل شاہان الختلانی عن محمد بن یوسف الفربری عن جامعہ۔۔ وروی صحیح مسلم عن الشیخ علی السقاط عن الشیخ ابراہیم الفیومی عن الشیخ احمد الفرقاوی عن الشیخ علی الاجہوری عن الشیخ نور الدین علی القرافی عن الحافظ جلال الدین السیوطی عن البلقینی عن التنوخی عن سلیمان بن حمزۃ عن ابی الحسن علی بن نصر عن الحافظ عبدالرحمٰن بن مندۃ عن الحافظ ابی بکر محمد بن عبداللہ عن مکی النیسابوری عن الامام مسلم۔۔ واوصی المجاز المشار الیہ نظر اللہ تعالیٰ بعین العنایۃ الیہ بمجاہدۃ النفس وتفریغ القلب عن الاغیار۔ وتطہیرہ عن سفاسف ہذہ الدار۔ وبملازمۃ الاذکار الماثورۃ۔ والادعیۃ المشہورۃ۔ والاکثار من الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام۔ مع المشاہدۃ المعنویۃ المنتجۃ للحالات الحسنۃ۔ والمرجو من الشیخ المذکور ضاعف اللہ تعالیٰ لناولہ الاجور۔ ان لاینسانی من دعوۃ صالحۃ حیث اللہ تعالیٰ تجارۃ الجمیع رابحۃ۔ وامدنا بالمدد الاسنی وختم لنا بالحسنیٰ۔ العبد الفقیر الیہ تعالیٰ۔

مہر — محمد بدر الدین عفی عنہ۔ آمین

حفظ قرآن مجید اور اس کی محافظت

این نہ عشق است آنکہ در مردم بود — این فساد از خوردن گندم بود
عشق با مردہ نہ باشد پائیدار — عشق را باحی و با قیوم دار
عشق ہائے کز پئے رنگے بود — عشق نہ بود عاقبت ننگے بود
عاشقی با مردگاں پائندہ نیست — زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست
خود تو ی تر میشود خمر کہن — خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

آہ زمانہ کا انقلاب بھی کیا عجیب تماشا گاہ ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ نو مسلم اللہ والے دنیا کی ہر محبوب و پیاری چیز کو چھوڑ کر دین کے ایک مستحب اور مسنون فعل کی طرف لپکتے اور اس میں جو دشواری و تعب بھی پیش آوے اس کو لذیذ سمجھتے تھے اور آج قدیم الاسلام حضرات دین کی معلومات کو بھی حقیر و بے سود سمجھتے بلکہ کوئی دوسرا طلب علم دین میں پڑ جائے تو اس کو تنگ خیال اور بیوقوف سمجھتے ہیں۔ فیا اسفا۔ نہ یہ بن پڑتا ہے کہ یک سو ہو بیٹھیں اور اتنا عرض کر کے خاموش ہو جائیں ؎

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی — چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

اور نہ اس کی کوئی صورت سمجھ میں آتی ہے کہ ان کو اللہ و رسول کی سچی محبت و عظمت سے آشنا کر دیا جائے اور پھر عرض کیا جائے کہ ؎

غم دین خور کہ غم غم دین است — ہمہ غمہا فروتر ازاین است
غم دنیا مخور کہ بیہودہ است — ہیچ کس در جہان نہ آسودہ است

عجب پریشانی کا وقت ہے ؎

دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را — بلائے فرقت لیلیٰ و صحبت لیلیٰ

جن کے قلوب ایمان سے خالی ہیں ان سے تو خطاب نہیں لیکن جن حضرات کو مرشد

Marfat.com

عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی بننے پر مسرت و فخر ہے اُن سے ضرور کہا جائے گا کہ خدارا دنیا کی محبت اور طلب میں لتنے نہ کھپو کہ دین کی تعلیم سے عار و نفرت ہو جائے اور حفظ قرآن مجید کو جو برکات الہیہ کا سر چشمہ ہے عظمت کی نگاہ سے دیکھو کہ کلام کی عظمت سے صاحب کلام کی عظمت کا پتہ چلتا ہے ؎

چیست قرآں اے کلام حق شناس　　رونمائے رب ناس آید بہ ناس
حرف حرفش راست در ہر معنئے　　معنئے در معنئے در معنئے !!!!

تم کو اور تمہارے اسلاف کو ساری دنیا پر اس کی بدولت فخر ہے کہ حق تعالیٰ نے تمہارے حوالہ اپنا وہ کلام کیا جس کی حلاوت و طراوت کی نظیر سطح زمین پر نہیں ہے وائے افسوس کہ اب شرفاء اسلام اس کی تلاوت و حفاظت سے بھی مستغنی و بے نیاز ہو جاویں ؎

دنیاء دنی کی یہ ہوس جانے دو　　گلچیں ہو اگر تو خار و خس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ　　اللہ کو اپنے دل میں بس جانے دو

ہر چند کہ زمانہ کی ہوا کم و بیش سب پر اثر کرتی ہے اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والدین بھی قصبہ والوں کے بار بار مشورہ دینے اور خیر خواہانہ صورت پر اصرار کرنے سے متاثر ہوئے اور آپ کو بچپن میں انگریزی اسکول میں بھیج دیا کہ آپ کی فطری ذہانت سے بہت جلد ہر قسم کی دنیوی ترقیات متوقع تھیں۔ مگر قدرت کو آپ سے وہ دینی خدمات لینا تھیں جو انسان کی پیدائش کا مقصود اعظم ہیں اس لئے آپ کا مبارک قلب طفولیت کی کم سمجھی کے زمانہ میں بھی انگریزی تعلیم سے گھبرایا اور روحانی علوم الٰہیہ کا ایسا جویاں ہوا جیسا نوزائیدہ بچہ پستان مادر کے دودھ کا جویان ہوتا ہے کہ اس طلب کے لئے نہ اس کو ترغیب کی ضرورت ہے نہ کسی کی رہبری و تعلیم کی حاجت۔ لہٰذا آپ کا خلقت آشنا دل از خود اس طرف متوجہ ہوا کہ عزیز وطن کو چھوڑ کر پردیس اختیار کریں اور پیرزادے یا ماموں کے لاڈلے بھانجے بن کر نہیں بلکہ ادنیٰ طالب علم بن کر غلامانہ انداز سے استاد کے سامنے بیٹھیں۔ پھر اہل وطن اور اقارب

Marfat.com

مجنوں کہیں یا دیوانہ کسی کی ایک نہ سنیں گے

دلا رامے کہ داری دل درو بند ۔۔۔ دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اسی دیوانگی نے آپ کو گیارہ برس کی عمر میں آغوشِ مادر سے جدا کرکے گوالیار پہنچایا اور اسی شوق و ولولہ نے جبکہ آپ کی عمر کا چودھواں سال شروع ہوا انگریزی چھڑا کر دیوبند پہنچایا ۔ یہی علم دین کا احترام اور اس کے حصول میں تعب و تنہائی کا لطف آپ کو سہارنپور لایا کرے

کشند از برائے دلے بار ہا !!!!! ۔۔۔ خورند از برائے گلے خار ہا !!!

اور یہی اشتیاق آپ کو بیس سال کی عمر میں لاہور لے گیا حالانکہ آپ علوم دینیہ سے فارغ ہوتے ہی مظاہر علوم میں معین المدرسین بنا دیئے گئے اور چار روپیہ ماہوار کا بصورت وظیفہ تقرر ہوکر کار تدریس آپ کے حوالہ کر دیا گیا تھا مگر علم تو سمندر کا پانی ہے کہ جتنا پیو اسی قدر پیاس بڑھے اور عمر نوح بھی اس میں ختم ہو تو ہل من مزید کی صدا بند نہ ہو ے

رضینا قسمۃ الجبار فینا !!!!! ۔۔۔ لنا علم وللجہال مال !!!!

فان المال یفنی عن قریب ! ۔۔۔ وان العلم باق لا یزال !!!!

مدارس میں ماہ رمضان کی تعطیل ہوا کرتی اور آپ امتحان سے فارغ ہو کر آخر رمضان میں مکان تشریف لے آیا کرتے تھے کہ والدین کی زیارت کے ساتھ ساتھ مبارک مہینہ کے دن روزوں میں اور راتیں تراویح و تلاوت قرآن مجید میں گزار کر سال آئندہ کی دماغی محنت کے لئے تیار ہو جائیں وطن میں حفاظ کی کمی تھی بالخصوص شرفا میں کہ حفظ قرآن مجید کا شوق بھی نہیں رہا تھا اس لئے آپ اور آپ کے چچا زاد بھائی مولوی صدیق احمد صاحب جو دیوبند میں پڑھنے اور پھر حصول علم کے لئے مالیر کوٹلہ چلے گئے تھے محلہ سے دور مسجد میں تراویح پڑھا کرتے تھے ۔ جہاں حافظ رحیم بخش نورباف سنایا کرتے تھے ۔ ایک سال بزمانہ طالب علمی آپ رمضان میں سہارنپور سے اور مولوی صدیق احمد صاحب مالیر کوٹلہ سے وطن آئے

Marfat.com

ہوئے تھے کہ دونوں حضرات اپنے ایک تیسرے عزیز مولوی اسحاق بن حمید علی
کو کہ وہ بھی طالبعلم تھے لے کر حافظ صاحب کے پاس گئے اور درخواست کی
کہ امسال ہماری مسجد میں قرآن مجید سنا دیجئے کہ جو لوگ ضعف یا کسل کے سبب
یہاں نہیں آسکتے ان کے کان بھی اس کے لذت چشیدہ بن جاویں۔ مگر انہوں
نے بے پرواہی کے ساتھ ٹکا سا انکاری جواب دے دیا اور برواینے بار بار
اصرار پر انہوں نے تیز لفظوں میں کہا کہ ایسا ہی قرآن سننے کا شوق ہے تو خود حفظ
کیوں نہیں کر لیتے۔ حدیث پڑھنے کے لئے تھے۔ قرآن یاد نہیں ہوتا" ان کا
یہ کہنا حضرتؒ کو بہت شاق گزرا کہ گویا قرآن مجید کا حفظ کرنا حدیث پڑھنے سے
زیادہ مشکل و دشوار ہے اس لئے وہاں تو خاموش ہو گئے مگر تینوں نے مشورہ
کیا کہ اس مرتبہ تو جس طرح ہو سکے گزار لو مگر آئندہ سال تینوں دس دس پارے یاد
کرکے وطن آویں کہ ایک شروع کے دس اور دوسرا درمیان کے دس اور تیسرا
آخری دس اور اپنی مسجد میں سنادے کہ یہ احتیاج سوال پھر نہ ہو۔ چنانچہ بعد رمضان
اپنے اپنے مدرسہ میں چلے گئے اور مطالعہ کتب و تکرار سے جو وقت بچتا اس میں
قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا۔ ہر چند کہ ارادہ دس پارہ کا تھا مگر جب سلسلہ
چل پڑا تو آپ کی بڑھنے والی ہمت رکی نہیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ آپ جب آخر
رمضان میں وطن آئے تو پورے قرآن مجید کے حافظ بن کر آئے۔ اور یہی
قصہ مولوی اسحاق صاحب کا ہوا مگر افسوس کہ مولوی اسحاق کی عمر نے وفا نہ کی
اور وہ حافظ قرآن بن کر محراب سنانے سے قبل شعبان ہی کے مہینہ میں انتقال
فرما گئے۔ مولانا صدیق احمد صاحب قرار داد دس پارے حفظ کرکے آئے مگر
جب دیکھا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اپنی مسجد میں محراب سنائی
اور تراویح میں ختم قرآن کا استحباب پورا ادا کر لیا تو آئندہ سال آپ نے بھی پورا
کر لیا۔ ادھر ان حضرات کو حافظ قرآن دیکھ کر دوسرے بھائی مولوی انوار احمد
صاحب کو حرص ہوئی تو سال آئندہ انہوں نے شروع کیا اور تین سال میں وہ

بھی حافظ قرآن بن گئے کہ محلہ اور آس پاس کی تین مسجدیں ہمیشہ کے لئے انوار قرآنیہ سے معمور و منوّر بن گئیں۔

حضرت نے خود بارہا یہ قصہ نقل فرمایا اور آخر میں یہ لفظ ارشاد فرمائے کہ یاد تو خیر یاد ہی ہوتا ہے لیکن الحمد للہ کچھ ڈال دلیا ہو ہی گیا۔ حق تعالیٰ کو ایک نعمت عطا فرمانا تھی وہ اس طریق پر عطا فرمادی۔ اس کے بعد حضرت نے اس نعمت کی محافظت کا اس درجہ اہتمام فرمایا کہ گرمی ہو یا سردی اور عُسر ہو یا یُسر کسی حال میں آپ نے کوئی دن اس کی تلاوت مخصوصہ سے خالی نہیں رکھا۔ مشاغل علمیہ آپ کے دن بدن بڑھتے اور تعلیم و تدریس کے ساتھ ارشاد و تلقین کے تعلقات روز افزوں ہوتے رہے اسلئے آپ نے پورے قرآن مجید کا ختم اپنی نماز کا جزو بنا لیا کہ کم از کم سوا پارہ ورنہ دو اڑھائی پارے بعد مغرب صلوٰۃ الاوابین کی چھ رکعت میں پڑھا کرتے جو کبھی سفر اور مرض میں بھی قضا نہ ہوتی تھیں اِلّا نادراً۔ اور کبھی ریل میں سفر اور ہجوم سواریاں کی وجہ سے طویل نوافل کا اتفاق سے موقع ہی نہ ملا تو پارہ ہائے قرآن مجید کو بیٹھ کر ضرور پورا فرما لیتے تھے۔ اسی طرح تہجد کی بارہ نفلوں میں دوسرا ختم معمول تھا کہ دو پارے سے لے کر چار پارے تک جتنا وقت اور سکون کے ساتھ جس مقدار میں طبیعت کا لگاؤ پاتے وہ تلاوت فرماتے کہ اس کا بھی اس قدر اہتمام تھا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ گھر تو بہر حال اپنا گھر ہے اور ادائے معمولات کے لئے ہر قسم کا آرام مہیا رہتا ہے مگر میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اسفار میں ایسی اجنبی جگہ پر جہاں یہ بھی معلوم ہونا مشکل تھا کہ پانی کہاں ہے اور مسجد کہاں آپ کے اس معمول کو قضا ہوتے نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ حضرت رحؒ جے پور کے سفر میں تھے اور بندہ ہمرکاب تھا۔ گاڑی بعد عشا پہنچی اور میزبان مولوی عبد الغنی صاحب نے کہ وہ بھی شہر سے فی الجملہ اجنبی تھے ایک سرائے میں ہم کو لا اتارا جس کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بُو آرہی تھی۔ پاس نہ روشنی کا سامان تھا نہ کھانے پینے کا۔ بھوک لگ رہی تھی اور شب کا چوتھائی حصہ گزر چکا تھا کہ

Marfat.com

اکثر دکانیں بند ہو گئی تھیں۔ رفیق سفر میزبان حضرت رح سے اجازت لے کر روشنی اور کھانے کا انتظام کرنے کو سرائے سے باہر نکلے اور ہم دونوں اندھیری کوٹھری میں ہاتھ سے ٹٹول کر ایک چارپائی پر بیٹھ گئے۔ دیر ہو گئی اور چراغ نظر نہ آیا تو طبیعت گھبرائی اور میں نے حضرت رح سے عرض کیا کہ نہ بیکار بیٹھے بن پڑتی ہے نہ حضرت کو تنہا چھوڑ کر جائے بن پڑتا ہے ورنہ خود ہی کہیں ٹکریں مار کر موم بتی اور دیا سلائی لاتا۔ حضرت رح چپ ہو رہے۔ اور تھوڑی دیر اور انتظار فرما کر خود ہی کہا کہ بہتر ہے تم ہی اٹھو اور دیکھو مولوی عبدالغنی کہاں گئے۔ میں اٹھا اور سرائے کے اندھیرے میدان کو پاؤں سے ٹٹولتا ہوا دروازہ کی طرف چلا کہ دروازہ پر مولوی عبدالغنی آتے ہوئے مل گئے اور میں ان کو لے کر واپس ہوا۔ دھم سکھم چراغ جلایا اور ذرا اچھی کسی ہوئی چارپائی دیکھ کر اس پر حضرت کا بستر بچھا دیا۔ اس کے بعد جو کچھ کھا پایا گیا کھانا کھایا اور مشکل سے پانی دستیاب ہوا جس کو پی کر شکر حق ادا کیا۔ ہر چند کہ مجھے حضرت کے ساتھ بارہا سفر کا اتفاق ہوا اور خوب جانتا تھا کہ حضرت اپنے معمولات کے بہت ہی زیادہ پابند ہیں مگر آج شب کی کوفت اور کلفت محسوس کر کے اس کا وہم بھی نہ ہوا کہ تہجد کے لئے حضرت کے واسطے پانی اور کم سے کم اتنی صاف جگہ کا انتظام کر دوں کہ حضرت نوافل ادا کر لیں۔ یہ ضرور فکر تھا کہ دیکھئے نماز فجر کس طرح ادا ہو۔ چراغ جس نے کھانے کا ساتھ بھی ٹمٹما کر بمشکل دیا تھا سلام کر گیا اور بجز اس کے چارہ نہ تھا کہ پڑ کر سو رہیں۔ آدھی رات گزر چکی تھی اور بدن کو تعب سفر نے گویا کوٹ دیا تھا اس لئے حضرت بھی لیٹ رہے اور میں بھی کوٹھری کو کھلا چھوڑ کر کہ کچھ تو روشنی نظر آئے پڑتے ہی سو گیا۔ صبح صادق سے گھنٹہ بھر پہلے دفعۃً آنکھ کھلی تو دیکھتا ہوں کہ حضرت کی چارپائی خالی ہے۔ گھبرا کر اٹھا اور باہر آکر ادھر ادھر دیکھا کہ کہاں تشریف لے گئے مگر کہیں نظر نہ آئے۔ تاروں کی جھلملاہٹ میں ذرا دور ایک مسجد نظر آئی اور میں اس طرف چل دیا۔ شکستہ حال مسجد کی ٹوٹی ہوئی سیڑھیوں پر کچھ چوٹ بھی کھائی مگر صحن میں قدم رکھا تو حضرت کی

Marfat.com

آواز کانوں میں پڑی کہ اندر گوشہ میں کھڑے ہوئے تلاوت فرما رہے ہے اور اپنے معبود کے سامنے غلامانہ حاضری کا معمول بجالا رہے ہیں۔ آواز میں گریہ اور رعشہ تھا اور لہجہ میں خوف و خشیہ ملا ہوا حضور ہیں حیران تھا کہ حضرت نے مسجد کا پتہ کس وقت لگایا اور مطمئن ہو کر چارپائی پر لیٹ رہے کہ خود بھی پانی اور مصلے کا اہتمام کئے بغیر سو گئے۔ بس میزبان کی تلاش میں چند منٹ کے لئے میرا علیحدہ ہونا حضرت کے لئے گنجائش تھی کہ اپنی اصل ضرورت کا پتہ لگا کر آ بیٹھے اور سونے والوں کو سوتا چھوڑ کر اپنے وقت پر اپنے خدا کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ مجھے شرم کے مارے پسینہ آگیا کہ تف تیری جوانی پر کہ حضرت اس بڑھاپے اور ضعیفی میں اتنے مستعد اور تو عالم شباب میں اتنا کاہل اور کم ہمت۔ آخر اندھیرے میں ٹٹول کر لوٹا اٹھایا اور پھر پانی ڈھونڈتا پھرا کہ کنواں ہے یا حمام کہاں سے پانی لوں اور ہر دشواری پر اس کا اندازہ کرتا گیا کہ یہی دشواری حضرت کو بھی پیش آئی ہو گی۔ خلاصہ یہ کہ نہ معلوم حضرت کس وقت اٹھے اور کب سے نفلوں میں مشغول تھے۔ اتنا میں ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میرے سامنے کی بھی طویل قرأت سوا پارے سے کم نہ تھی۔ تھوڑی دیر بعد صبح ہو گئی اور جماعت سے فرض ادا کر کے باہر آئے تو شرم کے مارے میری نظریں جھکی ہوئی تھیں کہ نوافل کے لئے اہتمام نہ کیا تھا مگر حضرت کو گویا اس کا وہم بھی نہ تھا کہ آج ادائے معمول میں کچھ دشواری پیش آئی۔ وہی انبساط تھا اور شفقت کے ساتھ پوچھ رہے تھے کہ رات کچھ نیند بھی آگئی تھی؟ بھئی ہمیں تو تکیہ پر سر رکھ کر خبر نہ رہی کہ سرائے میں پڑے ہیں یا گھر۔

ایک بار ٹونک کے سفر میں شب کو ۱۱ بجے حضرت کے ساتھ دہلی سے پسنجر میں سوار ہوا تو ہجوم مسافران کی یہ حالت تھی کہ بیٹھنا بھی دشوار تھا۔ حسب عادت لوٹا بھر کر بنچ کے نیچے ضرور رکھ لیا تھا مگر حیران تھا کہ کیسا وضو اور کیسی نفلیں۔ مگر آخر شب ہی حضرت کے اٹھنے کا وقت آیا اور اتفاق سے جھپکی آکر میری آنکھ کھلی تو دیکھتا ہوں حضرت لوٹا لئے ہوئے ریل کا دروازہ کھول کر وضو فرما رہے ہیں۔ جلدی

Marfat.com

سے اٹھا اور حضرت کو وضو کرایا۔ مگر اب پریشان تھا نماز کی جگہ کہاں کروں کہ اجڈ مسافروں کے چار طرف پاؤں اور اسباب پھیلے ہوئے ہیں۔ کسی چیز کو بھی ذرا سی کاؤں گا تو کوئی دھپ رسید کرے گا۔ مگر اللہ رے ہمت و استقلال حضرت نے جگہ نکال ہی لی اور اسی طمانینت کے ساتھ کھڑے ہو کر لمبی لمبی آٹھ نفلوں میں اپنے معمول تلاوت کو پورا فرمایا کہ نہ ہلتا نہ لگا نہ رکاوٹ ہوئی۔

سفر حج میں جاتے وقت منیٰ کا قیام تھا اور کچھا کھچ اسباب کے گرد برابر شغدف لگے ہوئے تھے کہ قبیل صبح صادق مطوف آیا اور شور مچایا کہ تیار ہو جاؤ عرفات کے لئے۔ دیکھتا ہوں تو حضرت دو شغدفوں کے بیچ میں گلی نما جو تنگ جگہ چھوٹی ہے اس میں کھڑے ہوئے اپنے مولےٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہیں اور اور پارہ نامے قرآن مجید کی اس تلاوت کو پورا فرما رہے ہیں جس کا حفظ قرآن کے وقت سے آپ نے التزام کیا تھا۔ مطوف و جمالین نے سب کچھ شور مچایا مگر حضرت کے طویل قیام میں ایک آیت کا بھی فرق نہ آیا۔ تلاوتِ قرآن جس سکون کو چاہتا ہے اس کا حق ادا فرما کر جب آپ نے سلام پھیرا تو اللہ کے شیر پر ایک غصہ کے آثار نمودار تھے اور تند و تیز لہجہ میں آپ نے مطوف سے کہا "تم بھول گئے ہم نے تم سے کیا وعدہ لیا تھا کہ سنت کے خلاف ہم ہرگز نہ کریں گے اور تم نے اقرار کیا تھا کہ جس طرح کہو گے اسی طرح کردوں گا پھر قبل طلوع آفتاب نے چلنے پر ہم سے کہنے کا تم کو کیا حق ہے کہ فضول پریشان کر رہے ہو"۔ مطوف نے کہا کہ میں کیا کردوں جمال نہیں مانتے جن پر کسی کا زور نہیں اور یہ اونٹ لے کر چل دیئے تو حج فوت ہو جائے گا۔ سنت کی خاطر فرض کو خطرہ میں ڈالنا تو اچھا نہیں"۔ اس جواب پر حضرت کا غصہ تیز ہو گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا ہم نے تم کو مطوف قرار دیا ہے استاذ اور پیر قرار نہیں دیا کہ علمی مشورہ لیں۔ جاؤ اپنا کام کرو ہم شروق آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی نہیں اٹھیں گے کہ ہمارا مال خرچ اور صعوبت برداشت کر کے آنا حج کو بطریق سنت ادا کرنے کے شوق میں ہوتا ہے نہ کہ تمہارے اور جمالوں کے غلام بننے کے لئے جمالوں کو اپنے

Marfat.com

اونٹوں کا اختیار ہے ان کا جی چاہے وہ ان کو لے جاویں باقی ہم پر ان کو کوئی اختیار نہیں کہ اٹھنے پر مجبور کریں۔ تم نے ناوقت شور مچا کر ہم کو پریشان کر دیا اور نماز تک نہیں پڑھنے دی اس لئے ہم تم کو بھی آزاد کرتے ہیں۔ اپنے دوسرے حاجیوں کو سنبھالو ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ اللہ کا شکر ہے ہم لُولے لنگڑے نہیں ہیں اور نہ عرفات کچھ زیادہ دور۔ اونٹ چلے جائیں گے تو پیدل بھی انشاء اللہ پہنچ جائیں گے۔ مگر تم یہ چاہو کہ سنت چھوڑ کر تمہارا کہنا مانیں سو اس کی ہرگز ہرگز ہم سے توقع مت رکھو۔

اب مطوّف کے پاس جواب ہی کیا تھا کہ زبان سے ادا کرے خاموش ہو کر چلا گیا اور حضرت نے پھر نیت باندھ لی اور اُسی سکون کے ساتھ تلاوت و نماز میں مشغول ہو گئے۔ حتّٰی کہ صبح صادق ہوئی اور حضرت نے باجماعت نماز پڑھی۔ بعد نماز مطوف و جمالین آگئے اور جب کوہِ ثبیر پر شعاعِ شمس چمک اٹھی تو حضرت اپنے شغدف میں سوار ہو گئے۔ اب وہی حضرت تھے اور وہی مطوف و جمال۔ وہی پیار اخلاص تھا اور وہی محبت کے ساتھ بات چیت کہ معمول ایسی حالت میں بھی قضا نہ ہوا اور وقت پر جو غصہ تھا وہ اُسی وقت ختم بھی ہو لیا۔ جمّال کی خاطر مدارات کرتے ہوئے ۱۰ بجے عرفات پہنچ لئے۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ سب سے زیادہ تعب کا اثر مجھ پر جہاز کے سفر میں ہوتا ہے اور درحقیقت میں نے بھی دیکھا کہ جہاز کے لنگر اٹھاتے ہی حضرت کو تکیہ سے سر اٹھانا مشکل ہو جاتا تھا جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ مجاہدہ و ریاضت باطنیہ اور تدریس و تالیف کے مشاغل علمیہ کے مسلسل پچاس سال کی محنت شاقہ نے آپ کے دماغ کو بالخصوص زیادہ ضعیف کر دیا تھا اور اس لئے جہاز کے حرکت کرتے ہی دوران سر میں آپ مبتلا ہو جاتے تھے۔ واقف حال ہونے کے سبب مجھے اس کی کوشش ہوتی تھی کہ جہاز پر پہنچ کر سب سے پہلے آپ کا بستر بچھا دوں باقی کام پیچھے ہوتے رہیں گے۔ بایں ہمہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے شب کے نوافل بھی کبھی بیٹھ کر پڑھے ہوں یا اپنی طویل تلاوت میں کمی کی ہو۔ جہاز میں سناٹا چھایا ہوتا اور چار طرف

سے امتلاء و استفراغ کی پریشان کن آوازیں آتی رہتی تھیں۔ جہاز کے خلاصی اور خوگر ملازمین بھی چلتے ہوئے گردش جہاز کی وجہ سے مستانہ وار جھومتے اور گر گر پڑتے تھے مگر آپ پہاڑ بنے ہوئے تاروں کی چھاؤں میں گھنٹہ سوا گھنٹہ اپنے مولا کے سامنے کھڑے ہوکر دو ڈھائی پارے پورے سکون کے ساتھ پورے کر لیا کرتے تھے۔ میں اپنا بستر اس نیت سے حضرت کے قریب ہی بچھایا کرتا کہ آخر شب میں وضو کے لئے پانی دے سکوں مگر ایسا بھی اتفاق ہوا کہ دفعتہً آنکھ کھلی تو حضرت کو بستر پر موجود نہ پایا اور گھبرا کر اٹھا تو دیکھا کہ ڈولچی لئے ہوئے جہاز کے کنارے کھڑے ہوکر سمندر سے پانی کھینچ رہے ہیں۔ شرم کے مارے ڈوب جاتا اور ڈولچی ہاتھ سے لے لیتا مگر حضرت فرماتے کہ تم کمزور ہو جہاز حرکت زیادہ کر رہا ہے ایسا نہ ہو کہ گر پڑو۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ نماز کا سلام پھیرتے ہی حضرت کو بیٹھنا دشوار ہو جاتا اور اس طرح تکیہ پر سر رکھ دیتے تھے گویا چکر آگیا اور گر گئے مگر یہ ایک دن بھی نہیں دیکھا کہ نفلیں بیٹھ کر بھی پڑھی ہوں یا پاروں کے معمول میں اس عذر کو دخیل سمجھ کر قصار مفصّل پر اکتفا کر لیا ہو۔ جہاز جس وقت سقوطرہ میں پہنچتا جہاں سمندر کی گہرائی حد سے زیادہ ہے یا کسی دن سمندر میں تلاطم ہوتا اور مست ہاتھی کی طرح چنگھاڑنے والی موجیں جہاز کے ساتھ کھیل کرتیں تو جہاز پتّہ کی طرح طولاً و عرضاً دونوں رخ ہنڈولے کی طرح ایسی عجیب حرکت کرتا کہ مشتاق چلنے والے بھی مخمور مجبور کی طرح گر پڑتے تھے مگر ایسی حالت میں بھی زیادہ سے زیادہ حضرت کے معمولات پر اثر پڑا تو صرف اتنا کہ شاید ڈھائی تین پاروں کی جگہ ایک یا سوا پارہ پڑھ کر تکیہ پر سر رکھ دیا اور باقی تلاوت لیٹے لیٹے پوری کر لی مگر اس کو ہمیشہ دل ترستا ہی رہا کہ کاش حضرت اپنی حالت پر ترس کھا کر کسی دن رخصت پر عمل فرمالیں اور مختصر نفلوں پر اکتفا فرما کر بیٹھ کر ہی ادا کر لیں مگر نہیں۔ عزیمت کی مجسّم تصویر تھی جو بزبانِ حال یہ سبق پڑھا رہی تھی کہ رخصت پر عمل کرنے والے تو ہزاروں دیکھ سکو گے مگر عزیمت کا پتلا ان کمزور ہڈیوں کے زیر زمین چھپ جانے کے بعد نظر آنا مشکل ہو جائے گا

اے دل آں بہ کہ خراب از مئی گلگوں باشی | بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی
در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں | شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

آپ کی جوان لڑکی ہانی مرحومہ تپ دق میں مبتلا ہوئی اور جب اس کی زندگی سے یاس ہوئی تو آپ اس کو انبہٹہ لے گئے۔ قبیل رمضان مدرسہ کی چھٹیوں میں آپ وطن آئے تو اس کا پیمانۂ حیات لبریز ہوا۔ مرحومہ کی دنیوی زندگی کی سب سے آخری رات آئی تو اُس نے بھی محسوس کر لیا کہ اب دن کی دھوپ یا شب کی چھاؤں دیکھنا نصیب میں نہیں۔ اس لئے مرحومہ نے باپ سے خواہش کی کہ ابّا آج آخری تکلیف اور اٹھالو اور یہ شب میرے پاس بیٹھ کر گزار دو کہ تمہارا چہرہ دیکھتی ہوئی رخصت ہوجاؤں۔ مرحومہ کا محبوب شوہر مجنوں ہوچکا اور اس کے بقید حیات ہوتے ہوئے گویا مر جانے سے اس مرحومہ کے قلب پر ایسا صدمہ بیٹھا تھا کہ یہی بظاہر اس کے تپ کہنہ میں مبتلا ہونے کا سبب ہوا تھا اس لئے حضرت کو اس لختِ جگر کے ساتھ محبت بھی زیادہ تھی۔ آپ کئی راتیں اس کی تیمار داری میں ایسی گزار چکے تھے کہ سونا برائے نام ملا تھا اور یہ تو وہ فیصلہ کن شب تھی جس کے متعلق حضرت بھی سمجھ چکے تھے کہ کل کا دن نورِ نظر کے مٹی میں چھپانے اور کفن و دفن میں مشغول ہونے کا ہے اس لئے ماں باپ دونوں اس کے پاس بیٹھ گئے۔ نصف شب گذری تھی کہ سانس میں تغیر پیدا ہوگیا اور سکرات شروع ہوگئی۔ رات کا سناٹا تھا اور حضرت کے لئے یہ جانگداز نظارہ۔ یٰسین شریف پڑھتے تھے اور بیٹی پر دم کرتے جاتے تھے۔ اس حسرتناک منظر میں وہ وقت آگیا جس میں حضرت کا اپنے مولیٰ کے سامنے حاضری دینے اور اس کے کلام پاک کے تین جزو اس کو سنانے کا معمول تھا۔ اس لئے آپ بیوی سے یہ کہہ کر کہ تم ہانی کے سانس دیکھتی رہو میں چند نفلیں پڑھ لوں اٹھ کھڑے ہوئے اور وضو فرما کر اپنے اس شغل میں لگ گئے جس کے پچاس برس سے عادی تھے اس حالت میں بھی کبھی آپ حافظہؒ کلام اللہ کی عادت مستمرہ سے غافل نہ ہوئے اور وہی تعداد

پوری فرمائی جس کی عادت تھی۔ ہاں ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور اہل سے پوچھتے تھے کہ کیا حال ہے اور جب یہ جواب سنتے کہ ابھی سانس باقی ہیں تو پھر نیت باندھ لیتے اور تلاوت شروع فرما دیتے تھے۔ آخر ادھر آپ کا معمول ختم ہوا اور اُدھر مرحومہ کے سانس ختم ہو گئے کہ سلام پھیرنے پر جب آپ نے پوچھا کیا حال ہے تو جواب سُنا کہ رخصت ہوئی اور اللہ کو پیاری ہوئی تب آپ انا للہ پڑھ کر جنازہ کے سرہانے آبیٹھے اور اہل سے فرمایا کہ ابھی تو وقت باقی ہے نفلیں پڑھتا ہوں تو پڑھو ؎

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند | فرزند و عیال و خانماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہاں را بخشی | دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

بندہ محض عیادت کے خیال سے گھر سے چلا تھا مگر عصر کے وقت جب انبہٹہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ مرحومہ آخر شب میں رخصت ہوئی اور حضرت اس کو دفن فرما کر ابھی واپس ہوئے اور مسجد میں تشریف لے گئے ہیں۔ چنانچہ بندہ مسجد میں حاضر ہو کر حضرت سے ملا تو نہ حضرت کے چہرۂ انور پر حزن کا کوئی خاص اثر نمایاں تھا نہ بیداری شب اور تعب یوم کا کوئی اضمحلال۔ حسب عادت شریفہ مسکرا کر چھاتی سے لگا لیا اور خندہ روئی سے باتیں کرنے لگے۔ اسی طرح آپ کا اکلوتا جوان لڑکا حافظ ابراہیم مرحوم جب مرض الموت میں مبتلا ہو کر سہارنپور آیا تو اس کو کوئی اندرونی تکلیف ایسی تھی جس کے سبب وہ لیٹ نہیں سکتا تھا۔ سات راتیں متواتر حضرت پر ایسی گزریں کہ دن بھر مدرسہ کے مشاغل سے فارغ ہو کر گھر میں جاتے تو پیچھے بیٹھ کر اپنا سینہ مریض کا تکیہ بناتے اور اس کی کمر کو چھاتی سے لگا کر بیٹھ جاتے۔ ماں سے جس نے دن بھر کا تعب اٹھایا تھا فرماتے جاؤ چارپائی پر ذرا کمر سیدھی کر لو۔ چنانچہ وہ لیٹ رہتیں مگر نیند کس کو آتی۔ پھر نصف شب گذرنے پر وہ آجاتیں اور حضرت سے کہتیں کہ دن بھر کے تھکے ہوئے ہو ذرا تم بھی آرام کر لو۔ چنانچہ وہ بیمار کو سہارا دے کر بیٹھ جاتیں اور چند منٹ کے لئے حضرت چارپائی پر لیٹ

Marfat.com

جاتے۔ مگر اس حالت میں بھی حضرت کا تہجد اور تلاوت طویلہ کا معمول کبھی نہ چھوٹا اور
اس وقت میں جبکہ ماں کا میسر ہوتا آپ وقت معمول پر چارپائی سے اٹھ کر اپنے خدا کے
سامنے حاضری دیا کرتے تھے۔ اس مرتبہ بھی بخیال عیادت حاضر ہوا تو اسٹیشن پر معلوم
ہوا کہ مرحوم دنیا سے رخصت ہو کر آج عصر کے وقت دفن ہو لیا۔ مدرسہ میں پہنچا تو نماز
عشاء ہو چکی تھی اور معلوم ہوا کہ حضرت نے عشا کی نماز باجماعت ادا فرما کر جب سلام
پھیرا تو یوں فرمایا کہ سات شب متواتر جاگنے سے نیند کا اتنا خمار ہے کہ امام کے
ساتھ رکوع و سجدہ تو کیا مگر نہ معلوم نماز ہوئی یا نہیں کہ آخر رکعت کی مجھے خبر ہی نہیں
ہے۔ یہ فرما کر فوراً مکان تشریف لے گئے اور سو گئے۔ باایں ہمہ آخر شب میں آپ
کا معمول ہاتھ سے نہ گیا کہ صبح کو حسب عادت صبح صادق ہوتے ہی حضرت سنت فجر
سے فارغ ہو کر مدرسہ میں آ لئے اور مجھے دیکھتے ہی جواب سلام کے بعد معانقہ فرما
کر سب سے پہلا لفظ یہ فرمایا کہ مجھے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز کیوں نہ دے لی۔
میں نے عرض کیا کہ حضرت تشریف لے جا چکے تھے اور میں نے سن لیا تھا کہ حضرت
پر متواتر سات شب جاگنے کی وجہ سے نیند کا غلبہ زیادہ ہے ایسی حالت میں حضرت
کو تکلیف دینے کی ضرورت نہ سمجھی اور یہاں آرام سے لیٹ رہا۔ حضرت نے فرمایا
ہاں خمار تو بہت تھا مگر کیا حرج تھا تیری آواز پر آجاتا اور پھر سو جاتا۔

یہ چند واقعات ہیں جن سے ان عوارض و حوادث میں حضرت کی صرف استقامت
اور محافظت کلام اللہ پر مواظبت کا نمونہ دکھایا ہے جن کے پیش آنے پر اچھے اچھے حفاظ
کو فرض نماز کا بھی ہوش نہیں رہتا چہ جائیکہ معمول تلاوت۔ ورنہ حقیقت یہ ہے
کہ تلاوت ہی نہیں بلکہ ہر امر مستحب و مسنون حتیٰ کہ صف اول اور یمین امام اور
تحیۃ المسجد و نوافل قبل العصر و قبل العشاء تک امور میں حضرت کی مواظبت و اہتمام کا یہ
عالم تھا کہ دیکھنے والے حیران ہو جاتے تھے۔ برسوں جن حضرات کو خدمت میں رہنے
کا اتفاق ہوا وہ استعجاب کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ اللہ اللہ حضرت کے معمولات وقتیہ
میں ہم نے کبھی تخلف نہیں دیکھا۔ زمانہ نے کروٹیں لیں گردش افلاک نے تغیرات

Marfat.com

ظاہر کئے۔ موسم بدلے عمر کے اوقات نے بچپن وجوانی اور کہولت وبڑھاپے کی صورتیں پلٹیں سب کچھ ہوا مگر برّ ہوا یا بحر حضر ہوا یا سفر ریل ہوئی یا جہاز اور اونٹ ہوئے یا بیل عسر ہوا یا یسر اور صحت ہوئی یا مرض کیسی حالی اور کسی نمط حضرت قدس سرہ کے انضباط اوقات اور مواظبت معمولات میں تغیر نہ دیکھا۔ اس استقامت پر ہزاران ہزار حسی کرامات قربان کہ اسی کو اہل دل نے فوق الکرامۃ لکھا ہے۔ میں نے تمامی اسفار میں کٹھن سفر یعنی مدینہ منورہ کے راستے میں حضرت کو ایسا شدید بخار چڑھا ہوا دیکھا کہ بدن پر ہاتھ رکھنا مشکل تھا۔ مگر نماز با جماعت تو کیا قضا ہوتی تہجد کی رات میں ذرا خنکی آتی تو بخار ہلکا ہو جاتا اور حضرت کا آخر شب کا معمول اس حالت میں بھی فوت نہ ہوتا تھا ایک مرتبہ سفر جودھپور میں بندہ ساتھ تھا اور حضرت مولانا تھانوی کا بعد عشاء وعظ ہوا جس سے ایک بجے فراغت ہوئی اور قیام گاہ پر پہنچ کر دو بج گئے۔ سخت گرمی کا موسم تھا اور صبح صادق میں اتنی دیر تھی جو معمولاً حضرت کی نوافل میں صرف ہوتی تھی کہ یا سو لیں یا قرآن مجید پڑھ لیں سنگستانی گرمی کے سبب پتھر کے مکان میں دن کو بھی نیند آنا مشکل تھا اور اگلا سفر ابھی طویل باقی تھا۔ اس دن البتہ حضرتؒ کو دیکھا کہ قیام گاہ پر پہنچ کر فرمایا اب لیٹ کر اٹھنا مشکل ہے لاؤ نفلیں پڑھ لوں۔ پس تہجد تو قضا ہوئی نہیں مگر جہاں تک میرا اندازہ ہے نصف پارہ پڑھ کر حضرتؒ سو گئے اور باقی تلاوت دن میں پوری فرمائی۔ دنیا میں سب کچھ دیکھا اور اپنی وضع کے پابند ایسے دیکھے جن کو نظیر بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے مگر معمولات نفلیہ کا مجسمہ استقامت ایک ہی دیکھا، جس کی ظاہر بین کو اطلاع ہونے کی بھی کوئی صورت نہ تھی ؎

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند — دلبر ماست کہ با حسن خداداد آمد
زیر بارند درختاں کہ ثمرہا دارند — اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

محافظت کلام اللہ کا یہ معمول تو گیارہ مہینہ کے لئے تھا مگر جب رمضان المبارک کا چاند نظر آ جاتا جو کہ نزول قرآن کا مہینہ اور کثرت تلاوت کلام اللہ کے لئے مخصوص ہے تب تو آپ کی جد و جہد کی کوئی حد ہی نہ رہتی تھی۔ تراویح میں سو پارہ

Marfat.com

سنانے کا کہ قرآن مجید کے ہر رکوع پر رکوع فرماتے اور بیس رکوع روزانہ کے حساب سے ستائیسویں شب کو ختم فرمایا کرتے ہمیشہ آپ کا معمول رہا۔ مظاہر علوم کے مدرس بننے کے بعد آپ مسجدِ مدرسہ میں محراب سنانے کے پابند رہے اور دارالطلبہ بننے کے بعد دو سال وہاں کی مسجد میں محراب سنائی۔ سننے والوں کا ہجوم زیادہ ہوتا اور مشتاق دور دور سے آتے بلکہ بعض حفاظ اپنا سنانا بند کر کے اقتدا کرتے تھے۔ آپ متوسط بہر کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اور صاف صاف پڑھتے کہ ایک ایک حرف اچھی طرح سمجھ میں آتا تھا۔ چونکہ جوانی میں یاد کیا تھا اور نیز پڑھنے میں استغراق بھی ہوتا تھا اس لئے اٹکنے کی نوبت ضرور آتی مگر غلط پڑھنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ دفعۃً زبان رک جاتی یا متشابہ لگتا تو بتلانیوالے جیساکہ رواج ہے جلدی سے لوٹتے اور کبھی غلط بھی بتا دیتے تھے جس کو حضرت نہ لیتے اور خود سوچ کر یا دوبارہ صحیح بتانے والے کے بتانے پر آگے چلتے تھے باایں ہمہ آپ پر کبھی ناگواری کا اثر نہ ہوتا بلکہ سلام پھیر کر تسلّی کے طور پر فرمایا کرتے کہ آخر جب حافظ بھولتا ہے تو سامع کو بھی بھولنا ضرور ہے اگر بھول کر کہیں غلط بتا دیا تو تعجب ہی کیا ہے"۔ محراب سنانے کا معمول حضرت کا برس ہا برس قائم رہا مگر عمر شریف جب ستر سال سے متجاوز ہوئی تو محراب سنانے کا تحمل دشوار ہو گیا اور حضرت فرمانے لگے کہ رکوع کرتا ہوں تو خیال ہوتا ہے دوسری رکعت میں کھڑا نہ ہو سکوں گا مگر ہمت کر کے کھڑا ہو جاتا ہوں آخر بیس رکعت اسی طرح پوری ہوتی ہیں کہ ہر رکعت میں گر جانے کا اندیشہ رہتا اور سجدہ سے اٹھ کر کھڑا ہونا پہاڑ پر چڑھنے سے زیادہ مشکل معلوم ہوتا ہے"۔ اس حالت میں بھی آپ دو سال نباہ گئے اور ہمت نہ ہارے آخر جب قوت نے جواب ہی دے دیا تو محراب سنانا چھوٹ گیا مگر اس کے بدلے دوسرے سے سننے اور خالی اوقات میں خود تلاوت کرنے کا شغل بڑھ گیا۔

ماہِ مبارک میں اوّل اشراق سے ے کر گیارہ بجے تک تلاوت فرماتے اور پھر بعد

Marfat.com

ظہر سوا پارہ کسی حافظ کو سناتے تھے۔ چند سال امرڑاڑہ کے حافظ محمد حسین صاحب نے رمضان حضرت کی خدمت میں گزارا تو یہ سننا ان کے متعلق رہا ورنہ مولانا محمد الیاس یا مولوی زکریا جو بھی نظر پڑتے ان کو سناتے۔ کبھی دونوں کو جُدا جُدا سناتے کہ اسی میں عصر کا وقت آجاتا ورنہ اکثر ایک کے سنانے پر اکتفا فرماکر یہی پارہ دوبارہ خود پڑھا کرتے تھے۔ فرض مغرب سے فارغ ہوکر اوابین میں سوا پارہ حسب معمول قدیم خود پڑھتے اور پھر ایک پارہ کسی کو سناتے اس کے بعد مکان میں کھانا تناول فرماتے اور عشاء کی اذان پر تشریف لاکر تراویح میں محراب سناتے تھے اور جب محراب سنانا چھوٹ گیا تو صحیح اور صاف پڑھنے والے خوش الحان حافظ کا اقتدا فرماتے جو زیادہ تر حافظ عبداللطیف صاحب ہوا کرتے اور کبھی کبھی مولوی محمد الیاس صاحب۔ پھر حسب عادت صبح صادق سے دو گھنٹہ قبل اٹھ کر تہجد میں دو ڈھائی پارہ کی تلاوت فرماتے اور اگر اس وقت کے لئے کوئی سنانے والا حسب پسند ہوتا تو خود پڑھنے کے بجائے اس کا اقتدا فرماتے۔ جب تک مولانا محمد یحییٰ صاحب حیات رہے تو عشرۂ اخیرہ میں پورا قرآن مجید سنانا بحالتِ اعتکاف ان کے ذمہ رہا اور ان کے بعد مولوی زکریا صاحب یا حافظ عبداللطیف صاحب جن کو باہمت پایا ان کو یہ لیا رمضان میں اگر آپ کو سفر پیش آتا تو حافظ کو جن کے اقتدا میں آپ سننا شروع فرماتے اپنے ساتھ لیا کرتے تھے تاکہ ختم ناتمام نہ رہے اور سلسلہ ٹوٹ نہ جائے۔ غرض ہر مہینہ پانچ چھ ختم کرنے کی آپ کی عادت گیارہ مہینے کی تھی تو ماہ مبارک میں اس کا نصاب دو چند یا سہ چند ہو جایا کرتا تھا۔ اور آخر عمر شریف میں مدینہ منورہ پہنچ کر تو اس معمول میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا تھا کہ ڈاک دسویں دن آتی تھی لہٰذا یہاں جو کثیر وقت روزانہ جواب خطوط میں صرف ہوا کرتا وہ وہاں تلاوت کے لئے مخصوص ہو چکا تھا۔ اور تعلیق ختم ہونے کے بعد اس کا وقت بھی زیادہ تر تلاوت ہی میں صرف ہوتا کہ مکان کے اندر علیحدہ بیٹھ کر کبھی حفظ پڑھتے اور کبھی قرآن شریف میں دیکھ کر مولانا سید احمد

صاحب اور مولوی زکریا صاحب نے یہ دیکھ کر کہ حضرت تالیف شرح حدیث کی اس درجہ دماغی محنت کے بعد تلاوت کا اس ضعیفی میں طاقت سے بہت زیادہ بار اٹھا رہے ہیں عرض بھی کیا کہ حضرت دماغ کی بھی رعایت کی ضرورت ہے مگر حضرت بلیساختہ فرمایا کرتے کہ اب اس سے کام ہی کیا لینا باقی ہے جو رعایت کروں"۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ضعف کی وجہ سے حافظہ پر اثر پاتا ہوں اس لئے مجھے ڈر ہے کہیں کلام مجید نہ بھول جاؤں اس وجہ سے اس کا اہتمام کرتا ہوں"۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ دماغ چاہے جائے یا رہے مگر کلام مجید تو نہیں چھوٹتا۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو ‌ ‌ دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اور اُس آخری رمضان کا تو پوچھنا ہی کیا جو عمر شریف کا آخری رمضان تھا کہ غذا بھی سادہ چائے کا ایک فنجان اور بمشکل آدھی چپاتی رہ گئی تھی۔ تلاوت وسماعت کا مجاہدہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ دیکھنے والے خدام اس ماہِ مبارک کا آخری ہونا سمجھ چکے اور اندازہ لگا چکے تھے کہ یہ فرطِ شوق وغلبۂ اشتیاق یقیناً قربِ وصال اور لقاءِ رب کا مقدمہ ہے۔ یعنی اول صبح کو سوا پارہ حفظ سناتے اور پھر ظہر سے عصر تک مسلسل تلاوت کبھی دیکھ کر اور کبھی حفظ فرماتے۔ بعد مغرب اوابین میں سوا پارہ سناتے اور چونکہ ضعف حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا کہ کھڑے ہو کر نوافل کا پڑھنا بھی مشکل تھا اس لئے کبھی کھڑے ہو جاتے اور کبھی بیٹھ جاتے۔ پھر عشاء کی نماز حرم میں پڑھ کر مولانا سیّد احمد صاحب کے مدرسہ میں تشریف لاتے اور قاری محمد توفیق صاحب مدرس تجوید کے اقتدا میں تراویح پڑھتے کہ وہ نہایت اطمینان سے دو۲ پارے پڑھتے جن میں عربی پانچ بج جاتے جو یہاں سوا بارہ بجنے کا وقت ہے۔ اس کے بعد قریب ۷ بجے عربی کے سو جاتے تھے۔ مولوی زکریا صاحب کو حکم تھا کہ ۸ بجے مجھے جگا دیا کرو۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ تمام رمضان میں صرف ایک یا دو دفعہ مجھے اس کی نوبت آئی کہ حضرت کی آنکھ اس سے قبل نہ کھلی ورنہ ہمیشہ جب ۸ بجے پہنچا تو حضرت کو یا وضو فرماتے دیکھا یا استنجا کرتے ہوئے۔

Marfat.com

چنانچہ حضرت دو پارے اس وقت نفلوں میں سنتے کہ حضرت کو امام نافع کی قرأت کامل سننے کا شوق تھا۔ اس لئے مدرسہ کے دو طالبعلم ایک ایک پارہ اس قرأت کا سناتے تھے۔ آخری ۲۷ رمضان کی شب میں حضرت کو بخار چڑھ آیا اور بدن میں خدر کا اثر ہوا جس کا سلسلہ وصال تک چلا اور آپ اپنے محبوب لم یزل کے کلام پاک کی تلاوت و سماعت پر اپنی صحت و حیات کو نچھاور فرما کر بقیع الغرقد میں میٹھی نیند جا سوئے۔ فاطاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

اس سے قبل ۱۳۳۳ھ کے سفر حجاز میں چونکہ رمضان کا چاند جہاز ہی میں نظر آگیا تھا باوجود دوران سر اور غایت تعب کے آپ نے تراویح کا اہتمام فرمایا اور کلام مجید سننا اور سنانا شروع کر دیا۔ کہ مولوی محمد زکریا صاحب سائق تھے اول ۸ رکعت میں حضرت نصف پارہ سناتے اور پھر بارہ رکعت میں مولوی زکریا صاحب پون پارہ سنایا کرتے تھے۔ ۱۰ رمضان المبارک کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے تو حضرت نے تراویح ایک قاری صاحب کی اقتدا میں پڑھیں اور اپنا کلام مجید نوافل میں ختم فرمایا۔ اس سفر میں جہاز سے جدہ اترنا عین مغرب کے وقت ہوا اور تکان کا یہ عالم تھا کہ تراویح کا تو کیا ذکر فرض نماز کا بھی کھڑے ہو کر پڑھنا مشکل تھا۔ مگر حضرت نے اس شب میں بھی کچھ تراویح کھڑے ہو کر اور کچھ بیٹھ کر پڑھیں۔ اللہ رے ہمت، آپ کے کمالات حسیہ کا نقشہ اتارنا ممکن مگر اس خداداد نعمت کو کن لفظوں میں ادا کروں جس کے کارناموں نے عقل کو حیران اور زبان کو گنگ بنا دیا۔

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

تدریس اور بیعت

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی
تا راہ بیں نباشی کے راہبر شوی
در مکتب حقائق پیش ادیب عشق
ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء جبکہ آپ کی عمر انیس سال تھی آپ کے تعلیم دینیات سے

فراغ کا سال ہے جس کی خوشی میں آپ کے والد شاہ مجید علی صاحب نے تمام برادری کو اس طرح مدعو کیا جیسے تقریبات شادی و نکاح میں کیا جاتا ہے اور بڑی فراخ دلی سے سب کو کھانا کھلایا۔ فارغ ہوتے ہی آپ مدرسہ مظاہر علوم میں معین المدرسین بنا دیئے گئے اور آپ کا درس شروع ہو گیا تھا کہ ایک زمانہ تھا جس میں پسر بن کر آپ استاذ کے سامنے بیٹھا کرتے تھے اور اب بحمداللہ وہ وقت آ گیا کہ اسی مدرسہ میں آپ پدر بن کر مسند درس پر بیٹھے اور ابتدائی کتابوں کے طلبہ آپ کے شاگرد بنے مگر تحصیلِ ادب کا شوق چونکہ آپ کو بے چین کئے ہوئے تھا اس لئے آپ لاہور چلے گئے اور جب وہاں سے واپسی ہوئی تو آپ کے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحب نے دس روپیہ ماہوار پر قاموس کا ترجمہ کرنے کے لئے منصوری پہاڑ پر بھیج دیا کہ کسی صاحب نے ترجمہ سے مناسبت رکھنے والے قابل عالم کی آپ سے درخواست کی تھی اور اس کے لئے آپ نے حضرت کا انتخاب فرمایا تھا۔

منصوری پر آپ کے قیام کو چند ماہ گزرے تھے کہ منگلور کے مدرسہ عربیہ میں مدرس کی طلب ہوئی اور آپ کو مدرس اول بنا کر وہاں بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد آپ بھوپال بہاولپور بریلی اور دارالعلوم دیوبند میں مدرس رہے جس کا تذکرہ آئندہ کیا جائے گا اور آخر کار ۱۳۱۴ھ میں جب کہ آپ کی عمر پینتالیس ۴۵ سال کی تھی چالیس روپیہ مشاہرہ پر صدر مدرس ہو کر مظاہر علوم سہارنپور میں تشریف لے آئے جس میں آپ نے پڑھا اور علمی نشو و نما پایا تھا۔ دلدادہ باغباں بن کر اپنے استاذ مولانا محمد مظہر صاحب کے لگائے ہوئے اس باغیچہ کو جس شیفتگی و عشق کے ساتھ آپ نے سینچا نیولایا اور پانی پہنچایا ہے اس کا اظہار آج خود مدرسہ کی زبان حال کر رہی ہے ؎

بحذا کہ رشکم آید ز دو چشم روشن خود کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے

باوجودیکہ آپ درس نظامیہ کے تمامی علوم سے فارغ ہو چکے اور مسند درس پر بیٹھ چکے تھے مگر آپ کی فطرتِ سلیمہ مغز کے روغن اور بدن کی روح یعنی

اُس معرفت الٰہیہ کی جویاں تھی جو قال کو حال بنا دے اور اُس آبحیات کی پیاسی تھی جو کشت زارِ ایمان کی آبیاری کرے اور اعمال جوارح کے ایک ایک دانہ کو ستر ستر ہزار بنا کر نکالے۔

غذا ہی ہے جس سے خون پیدا ہو کر حیات و قوت جسمانی مرتب ہوتی ہے مگر غذا کی رغبت و طبعی خواہش ایک دوسری چیز ہے کہ وہ نہ ہو تو جبر و قہر کے درجہ میں غذا کا استعمال چنداں مفید اور پائدار نہیں ہوتا۔ ایک شخص کو معلوم ہے کہ زراعت کا یہ طریق ہے مگر اُس کو کھیتی کرنے سے دلچسپی نہیں ہے لہٰذا یہ علم اس کے لئے کار آمد نہیں۔ اسی طرح علوم شرعیہ حصول نجات اُخروی کے لئے بمنزلہ شرط اور رکن اعظم ہیں مگر اس کے ساتھ ہی جب تک قلب میں آخرت کا یقین اور اس کی لذتوں کے حاصل کرنے کا شوق نہ ہو اس وقت تک اس علم پر بطیبِ خاطر عمل ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے، کہ پیغمبر کے احسان اُمت پر دو طرح کے ہیں۔ ایک یعلمہم الکتاب کہ وہ راستہ بتاتے اور طریق نجات سکھاتے تھے دوم یزکیہم کہ پاس بٹھا کر قلب میں ایک نور ڈالتے اور عمل کا ایک شوق جس کو دلچسپی کہنا چاہئے پیدا کرتے تھے۔ کہ عمل کے لئے محرک بن کر حاضر و غائب بحالت عسر و یسر ہر صورت میں بندۂ خدا اور مستقیم الحال بنائے رکھے۔ پس خالی انڈا ہر چند کہ انڈا ہے مگر اس کے اندرون میں ایک نظر نہ آنے والی ایسی شئے کی کمی ہے جس کے سبب اس میں بچہ بننے کی قابلیت نہیں اور بقاء نسل و سلسلۂ تولید میں اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔ پس آپ عالم تھے اور علم کو مورثِ عمل اور عمل کو مورثِ حال بنانے کے خواہش مند تھے۔

قدرت نے ولایت خاصہ آپ کے نصیب میں لکھی اور شیخ وقت ہونا آپ کے لئے مقدر فرمایا تھا اس لئے اس وقت جبکہ آپ منگلور میں مدرس تھے اس نور کی طلب آپ کے قلب میں پیدا ہوئی جو حرص و ہوا کی ظلمت کو مٹائے اور ایمان میں وہ حلاوت ڈالے جس کے حاصل کرنے کا علم ظاہری وسیلہ اور آلہ ہے اور یہ

طلب اتنی بڑھی کہ رہبر کی تلاش میں آپ کا طائر خیال بار بار پرواز کرتا اور بے چینی کے ساتھ اس کا داعیہ پیدا ہوتا کہ جلد کسی اللہ والے کا دامن پکڑوں جو علم ظاہر کے مقصود تک پہونچا سکے اور طاعت و بندگی کا ذوق پیدا کرے کہ

گر ہوائے ایں سفر داری دلا — دامن رہبر بگیر و پس در آ
بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق — عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق
گر تو خواہی خرمی و دل زندگی — بندگی کن بندگی کن بندگی:
زندگی مقصود بہر بندگی ست — زندگی بے بندگی شرمندگی ست
جز خضوع و بندگی و اضطرار — اندریں حضرت ندارد اعتبار
ہر کہ اندر عشق یابد زندگی — کفر باشد نزد او جز بندگی
ذوق باید تا دہد طاعات بر — مغز باید تا دہد دانہ شجر

دنیا اور دنیا کی ہر چیز انسان کے لئے بنائی گئی ہے کہ ایک چیز بھی نہ ہو تو کسی نہ کسی انسانی ضرورت میں حرج ضرور واقع ہو جائے گا۔ مگر انسان دنیا کی کسی چیز کے لئے بھی نہیں بنایا گیا کہ انسان معدوم ہو جائے تو کسی چیز کا کوئی بھی حرج و نقصان نہیں اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح اصطبل اور گھاس دانہ کا تمامی سامان گھوڑے کے لئے ہے اور گھوڑا صرف آقا کی سواری کے لئے اسی طرح تمامی کائنات زمین و آسمان بحر و حجر نباتات و جماد سب انسان کی راحت کے لئے ہے۔ اور انسان محض اپنے خالق برتر کی غلامی و عبادت کے لئے مگر عبادت کے لئے ضرورت ہے دو چیز کی۔ ایک طریق عبادت سے واقفیت جس کا نام علم دین ہے۔ دوم عبادت سے دلچسپی اور شوق و رغبت جس کا نام تزکیہ باطن اور عشق و محبت ہے۔ پس اول کا حصول بواسطہ درس و تدریس مدارس علمیہ میں ہوگا۔ اور شریعت نام رکھا جائے گا۔ دوسرے کی تحصیل اہل اللہ کی جوتیاں اٹھانے سے خانقاہوں میں ہوگی جس کو طریقت کہا جائے گا۔ اور

Marfat.com

وہ شریعت کی رُوح اور مغز اور اصل الاصول ہے کہ اس کے بغیر پایا جانا وجود علم کے عمل ہی نہ ہو سکے گا یا نہ ہو گا تو بار آور و مثمر نہ ہو گا اور بار آور بھی ہوا تو بے مزہ اور بے عارضی و ناپائیدار ہو گا۔ جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ علم بلکہ انسانی زندگی کا مقصود اعظم یہی تعلق مع اللہ ہے جو محرک ہوتا ہے علم پر عمل اور احکم الحاکمین کی طاعت و عبادت کا۔

اس مقصود کے حاصل کرنے کو حقیقت آگاہ معرفت دستگاہ منبع البرکات سلطان العارفین مخدوم العالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ سے بہتر کون تھا کہ قطب الارشاد ہونا آپ کا عالم آشکارا ہو چکا اور اہل علم و بصیرت کی جماعت در جماعت دُور دُور سے آپ کی طرف کھنچی چلی آتی تھی۔ آپ کا وطن گنگوہ سے پانچ ہی کوس تھا اور گنگوہ میں آپ کی سسرال بھی تھی کہ اکثر آپ یہاں آتے اور حضرت کی زیارت کیا کرتے تھے۔ آپ یہ بھی کہتے تھے کہ آپ کے استاذ مولانا محمد مظہر صاحب جن کے تبحر علم اور کمالات قدسیہ کی ایک خاص عظمت آپ کے قلب میں جاگزیں تھی گو عمر میں حضرت گنگوہی سے بڑے تھے مگر عقیدت مندانہ حاضر آستانہ ہوا کرتے اور بے اختیار حضرت کے پاؤں پر بوسہ دیکر آنکھوں میں آنسو بھر لایا کرتے تھے۔ حضرت امام ربانی شرماتے اور فرمایا کرتے کہ آپ مجھے کیوں نادم بنایا کرتے ہیں۔ آپ تو مجھ سے بڑے ہیں اور آپ کا ادب و احترام مجھ پر ضروری ہے۔ آپ ایسا کام نہ کیا کریں کہ مجھے شرم آتی ہے۔" مگر حضرت مولانا محبت سے مجبور تھے۔ پھر آپ کے شاگرد رشید مولوی خلیل احمد صاحب کے قلب میں حضرت گنگوہی کی جو بھی عظمت پیدا ہو وہ تھوڑی ہے۔

قافلہ سالار بار روشن ضمیر ۔۔۔ ان رشید احمد شہ برنا و پیر
قطب عالم غوث دوراں بے مثال ۔۔۔ گنج عرفاں نور ایقان خوش مقال
زندہ دل زندہ نفس و الاصفات ۔۔۔ تشنگان عشق را آب حیات
ہادی گم گشتگان راہ حق ۔۔۔ محتجے برخلق از رب الفلق

Marfat.com

پیر دل آگاہ از فضل و امداد الٰہ | طالباں را مے برد تا پیشگاہ
قول او زندہ کند مردہ دلاں | قلب او روشن کند قلب جہاں
بے نیاز از خلق آں خادم نواز | با خدا راز و نیاز دل گداز
گر بگویم تا قیامت نعت او | ہیچ آں را مقطع و غایت مجو

اس لئے جس وقت بھی آپ کے دل کو ایک بے کلی محسوس ہوئی اور وہ ایسے راہبر کا جویاں ہوا جس کے ہاتھ میں ایمان کی باگ پکڑانا صحیح ہو تو فوراً حضرت قدس سرہٗ کا تصور آتا اور آپ کے اضطراب میں سکون پیدا کر جاتا تھا۔ کبھی ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے قلب میں شیخ بنانے کے لئے حضرت کے سوا کسی دوسرے کا خطرہ بھی گزرا ہو اور سچ یہ ہے کہ اسی توحید مطلب نے جو گویا آپ کے لئے وراثت تھی آپ کو آستانہ خوش نصیب بنایا جس کی تمنا ہوتی ہے کہ کاش یہ نعمت ہم کو بھی نصیب ہو۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ چنانچہ آپ نے اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو کہ حضرت گنگوہی کے استاد زادہ تھے اور حضرت ان کا بہت ہی لحاظ فرماتے تھے اس مقصود کا واسطہ بنایا اور لکھا کہ حضرت گنگوہی سے میری سفارش فرما دیجئے کہ مجھے بیعت کر لیں۔ مولانا نے حضرت امام ربانی کے نام خط تحریر فرما کر حضرت کے پاس بھیج دیا اور وہ خط لے کر آپ گنگوہ حاضر ہوئے۔ حضرت کی غیور طبیعت چونکہ وصال الی اللہ کی عظمت و شان کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر جمی ہوئی تھی کہ جب تک طالب کے قلب میں سچی طلب نہ ہو اس وقت تک رسمی بیعت بے سود ہے اس لئے طلب کا امتحان فرمایا کرتے اور خداداد حذاقت سے باتوں باتوں میں پتہ چلا لیا کرتے تھے کہ بیعت کا نام مقصود ہے یا کام۔ لہٰذا آپ نے استاد زادہ کا خط پڑھ کر اس طرح رکھ دیا گویا کوئی چیز ہی نہیں اور استغنا کے ساتھ فرمایا کہ میاں تم پیرزادہ ہو خود پیر ہو تمہیں کسی کے مرید ہونے کی کیا ضرورت؟ مگر اللہ رے خلیل کی قابلیت کہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور عرض کیا کہ حضرت کیسی پیرزادگی

Marfat.com

میں تو اس در کے کتوں کے برابر بھی نہیں بیعت کا حاجت مند ہی نہیں بلکہ سرتاپا احتیاج ہوں اور چھاتی سے لگا لیجئے یا دھکے دے دیجئے میں تو حضرت کا غلام بن چکا۔ یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلنا تھے اور حضرت کے چہرہ پر انبساط کی لہر دوڑ گئی تھی کہ آپ نے فرمایا بس بس بہت اچھا اور اس کے بعد فوراً بیعت کر لیا۔ طلبگار باید صبور و حمول ؛ کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

غلام نواز آقا کی محبانہ کشش نے ہاتھ میں ہاتھ ڈالتے ہی آپ کو محبوب بنا لیا اور آپ یہ عہد کئے ہوئے گنگوہ سے رخصت ہوئے کہ حضرت نے جو کچھ ارشاد فرمایا یا آیندہ فرمائیں گے اس پر مر مٹوں گا اور جان کھپا دوں گا کہ طلب کا منتہا یہی ہے ۔

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست ۔ آنجا جز اینکہ جان بسپارند چارہ نیست

امام ربانی کا مرجع علماء و صلحاء ہونا تو آپ عرصہ سے دیکھ رہے تھے اور آپ کا جامع شریعت و طریقت شیخ ہونا آپ کے لئے عین الیقین بن چکا تھا مگر اب نفس کی بیع تمام ہو جانے کے بعد تو آپ اپنے خریدار کے شیدا بن چکے تھے کہ آپ کا رُواں رُواں پکار رہا تھا ۔

گنگوہ میں اک خدا رسیدہ دیکھا ۔ اللہ کا برگزیدہ بندہ دیکھا
کیا وصف کروں میں اس کا ممتاز ۔ انسان کی شکل میں فرشتہ دیکھا

آپ کے قلب میں محبت کی ایک حرارت تھی جو رگ رگ میں پھیلتی جاتی اور اللہ جل جلالہ کی طرف توجہ کا ایک میلان تھا جو خون کے ساتھ ملا ہوا سارے بدن میں سرایت کر رہا تھا جس کی بے کیف لذت کے اظہار پر آپ کو قدرت نہ تھی اور اس خواہش میں کہ کاش تمامی امت محمدیہ اس مزہ سے آشنا ہو جائے آپ بزبان حال کہہ رہے تھے ۔

بازار عشق و شوق محبت کے جاں فروش ۔ چلیں کہ ہل چلا و سینے بیالئے دل
سیکھیں طریق وصل تعشق سے پاک ۔ دل بیچ کر خرید لیں سودا جنوں کا

Marfat.com

غرض آستانۂ گنگوہیہ سے آپ ایک لطیف لوح بن کر واپس ہوئے کہ علم شریعت کے منتہی تھے اور علم طریقت کے مبتدی مدرسہ عربیہ میں آپ مدرس تھے کہ طلبہ کو درس دیتے تھے اور مکتب محبت کے آپ طالب علم تھے کہ خالق جل جلالہ کی عظمت و محبت کا سبق پڑھا کرتے تھے۔ دن بھر تشنگانِ علم کو فقہ و تفسیر کا سبق پڑھاتے اور شب کو ذکر الٰہی سے انس والتذاذ حاصل کرتے اور سنسان گھڑیوں میں جبکہ دنیا پڑی سویا کرتی آپ اپنے مولیٰ کے ساتھ رازونیاز میں مشغول ہو جایا کرتے تھے آپ کے شاگردوں عزیزوں اور آنے جانے والوں کو پتہ بھی نہ چلا کہ آپ کس دھن میں لگے ہوئے اور کس سوز و گداز میں مبتلا ہیں سہ

نظر کو کیا خبر پردہ کے اندر دل لگی کیا ہے — کوئی آزاد کیا جانے کسی دل کی لگی کیا ہے

اب یہ کون کہہ سکتا ہے کہ آپ نے کس ترتیب سے سلوک طے کیا شیخ کی طرف سے کیا کیا تعلیم ہوئی کیا حالات گذرے اور راہ طریقت قطع کرنے میں کیا کیا مناظر آپ کو پیش آئے بجز اس کے کہ حضرتؒ نے ایک بار خود فرمایا مجھے نہ زیادہ واردات پیش آئے اور نہ آخر تک میں سمجھا کہ نسبت سلسلہ کیا چیز ہے بس ایک حالت تھی جو گذر رہی تھی حتیٰ کہ ۱۲۹۷ھ[1] میں جب آپ دوسرے حج کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو حضرت امام ربانی نے مرشد العرب والعجم اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں لکھا کہ "مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہوتے ہیں۔ حضرت ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہوں گے۔" چنانچہ جب آپ حاضر ہوئے تو اعلیحضرت آپ کی باطنی کیفیت مشاہدہ فرما کر نہایت خوش ہوئے اور جب آپ رخصت ہونے لگے تو چھاتی سے لگایا اور اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر آپ کے سر پر رکھدی۔ امام ربانی کے نام مبارکباد کا خط اور حضرتؒ کے نام خلافت نامہ مرتب بمہر آپ کے حوالہ فرما کر رخصت کیا۔ حضرت نے اس شاہی عطیہ کو ایک خاص احترام کے ساتھ قبول کیا اور دستار مبارک کو اسی بندش پر جو اعلیٰ حضرت کی باندھی ہوئی تھی جگہ جگہ سوئی سے سی لیا کہ اس کے بل جدا نہ ہونے پائیں اور جب ہندوستان پہنچ کر گنگوہ حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت کا والا نامہ پیش کر کے

---

[1] بذل المجہود ترجمہ/سوانح اور تذکرۃ الرشید میں اس حج اور حصول خلافت کا سال ۱۲۹۶ھ لکھا گیا ہے مگر حضرت گنگوہیؒ کے مکاتیب سے جو کہ حضرت کے نام بہاولپور جاتے تھے پتہ چلتا ہے کہ یہ سال آپ کے حج کا نہیں بلکہ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء

یہ دونوں عطیے بھی امام ربانی کے سامنے رکھ دیے حضرت نے فرمایا مبارک ہو یہ تو اعلیٰحضرت کا عطیہ ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ بندہ تو اس لائق نہیں یہ حضور کی بندہ نوازی ہے اور میرے لئے تو وہی مبارک ہے جو آنحضرت کی طرف سے عطا ہو نیز یہ بھی عرض کیا کہ اجازت نامہ درحقیقت شہادت ہے کسی مسلمان کے ایمان کی لہٰذا دو مقبول شہادتیں ثبت ہوں گی تو ہر شخص کے نفسی نفسی پکارنے کے وقت بارگاہ خدا میں پیش کر سکوں گا۔" حضرت امام ربانی آپ کے اس حسن ادب سے کہ اصل کمال یہی ہے بہت خوش ہوئے اور خلافت نامہ پر دستخط فرما کر مع دستار آپ کے حوالہ فرما دیا۔

اس طرح پر جیسے آپ نے تکمیل علوم شریعت کی دستار فضیلت حاصل کی تھی اسی طرح طریق سلوک طے فرما کر روحانی باپ اور جد امجد کے ہاتھوں سے دستار خلافت حاصل فرمائی اور اس نسبت احسانیہ سے مالا مال ہوئے جس کی شکوۃ قلب رشید ہو تھا اور جو سلسلہ رشیدیہ کی شاخ بن کر سلسلہ خلیلیہ چلنے کی بنیاد تھی۔ مگر یہ آپ کا حسن ادب تھا کہ جب تک حضرت امام ربانی حیات رہے آپ نے کسی طالب کو خود بیعت کرنا پسند نہ فرمایا اور اگر کبھی ضرورت اور اصرار و الحاح کی نوبت بھی آئی تو آپ نے توبہ کرا کے یہ الفاظ کہلائے کہ "میں بیعت کرتا ہوں حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے خلیل احمد کے ہاتھ پر" ہاں حضرت امام ربانی کی وفات کے بعد آپ کا سلسلہ بڑھا اور اطراف ہند سے آگے نکل کر حجاز تک پہونچا کہ اہل حرمین شریفین نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قلب میں کیفیات حسنہ اور انوار و تجلیات کا ورود قدرت نے علاقہ محبت کے ساتھ مربوط کیا ہے کہ اصل جاذب کمالات مرید کا اپنے شیخ کے ساتھ وہ تعلق روحانی ہے جس کو حُبّ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور حدیث المرء مع من احب میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ باقی اذکار و اشغال اور تعلیم کردہ

اور یاد و اعمال اس کے آلۂ کار بمنزلہ اوزار کے ہیں کہ اُن کے بدوں بھی چارہ نہیں دیکھو ریل کا چلنا حقیقتاً اُس بھاپ پر موقوف ہے جس کو گیس کہا جاتا ہے اور جتنی وہ قوی ہوگی اُتنی قدر انجن کی رفتار تیز اور قوی ہوگی کہ اس کے بغیر گاڑی ایک قدم بھی نہیں سرک سکتی مگر باایں ہمہ پٹری اور پہیوں کی بھی ضرورت ہے کہ اُن کے بغیر رفتار مستقیم و معتاد پیدا نہیں ہو سکتی۔ پھر چونکہ عمل و مجاہدہ امر اختیاری اور کسبی ہے مگر جذب الٰہی اور ربط مع الشیخ امر غیر اختیاری اور محض وہبی امر ہے اس لئے یہ بالکل صحیح ہے کہ جس کو جو کچھ بھی روحانی کمال نصیب ہوا وہ محض فضلِ خدا سے نصیب ہوا ہے نہ کہ کسب سے مگر اس کے ساتھ ہی یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جو اس کے مقرر کردہ طریق پر چلتا ہے اور مجاہدہ و ریاضت میں اپنے آپ کو ڈالتا ہے وہ اسی کو روحانی کیفیات بخشتا اور اپنے قرب کا مزہ چکھاتا ہے۔ ورنہ اس کی غفلت و بے پروائی جو کہ اس کا امر اختیاری ہے اس کی محرومیت کا سبب بن جاتی ہے پس حضرتؒ کا مجاہدہ عملیہ اتنا کثیر نہیں ہے جتنا آپ کے اکثر معاصروں کا مگر وہی امر یعنی حُبّ مع الشیخ نے آپ کے تھوڑے سے عمل پر وہ ثمرہ مرتب کیا جو دوسروں کے کثیر پر بھی مرتب نہیں ہوا۔ اور یہی راز ہے اُمّتِ محمدیہ کے اعمال قلیلہ پر ان صلات و اجور کے مرتب کر دینے ہیں جو دوسری اُمتوں کے اعمال کثیرہ پر بھی مرتب نہیں ہوئے کہ محبوبیت کے ساتھ نوازے ہوئے پیغمبر کے ساتھ محبت و عقیدت کا تعلق رکھنے والا غلام جذبہ محبت کی وجہ سے انوار محمدیہ کا وہ انعکاس قبول کرے گا جس سے دوسرے قلوب محروم رہ گئے پس اس وہبی امر اور عطاء و فضل میں کسی کو اس سوال کا کیا موقع کہ فلاں پر کیوں فضل ہوا اور ہم پر وہ فضل کیوں نہ ہوا ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

حضرتؒ پر حق تعالیٰ شانہ کا خاص فضل تھا کہ بیعت ہوتے ہی آپ کے قلب میں حضرت گنگوہیؒ کی وہ محبت پیدا ہو گئی تھی جس کو دنیا کی مرغوب سے مرغوب

چیز بلکہ ماں باپ کی محبت کے ساتھ بھی مقابلہ نہیں کیا سکتا اور یہی محبت مرقاۃ
حبِ الٰہی کی بہی سیڑھی تھی کہ اس کے بغیر منتہائے مراد کا حصول ناممکن ہے یہی
یہی نہیں کہ آپ ذکر و شغل کی بابت شیخ سے پوچھیں یا دعا و توجہ ہی کی درخواست
کر دیا کریں بلکہ آپ مجبور تھے کہ علوم درسیہ میں جو کچھ اشکال پیش آئے وہ بھی باوجود
اساتذہ کے موجود ہونے کے بے تکلف حضرت ہی سے پوچھیں اور اس طرح
پوچھیں کہ شاگرد بعض دفعہ سوال پر سوال کرتا ہے جھجکتے ہیں آپ رکاوٹ و دل تنگی
کا نام بھی نہ لیں نیز معاد کے ساتھ معاش کے متعلق بھی ہر جزوی و کلی امر میں مشورہ
باوجود والدین اور دیگر اعزہ و اقارب کے حیات ہونے کے آپ ہی سے لیں
اور اس طرح لیں کہ بیٹے کو اپنی ضیق بیان کرتے ہوئے باپ سے شرم آتی مگر
آپ اس میں تامل یا تذبذب کا خطرہ بھی نہ لائیں۔ بیعت کے بعد آپ کی ملازمت کا
تعلق جہاں بھی ہوا وہ حضرت کے مشورہ ہی سے نہیں بلکہ گویا تجویز اور حکم سے ہوا
اور جہاں بھی آپ جتنی مدت رہے حضرت کے ایماء و اشارہ سے رہے کہ بیمار
پڑے اور آب و ہوا ناموافق ہوئی تو روحانی باپ کو اطلاع ضروری مگر یہ وسوسہ
بھی نہ ہوا کہ صریح حکم یا رضا آئے بغیر ترک ملازمت کا نام لیں۔ اسی طرح جب
حضرت کا ایما کسی جگہ سے علیحدگی کا ہوا تو کبھی خطرہ بھی نہیں گذرا کہ ترک کی وجہ
دوسروں کو کیا بتاؤں گا۔ چنانچہ بہاولپور میں آپ کو طرح طرح کی تنگیاں پیش آئیں
مگر آپ نے جبراً و قہراً نہیں بلکہ طبع کے خلاف کو رضاء شیخ کی حلاوت سے موافق
طبع بنا کر پورے گیارہ برس وہاں گذارے اور ترک ملازمت کا نام نہ لیا اسی
طرح جس وقت آپ کو حکم پہنچا کہ دیوبند چھوڑ کر مظاہر علوم سہارنپور میں جاؤ تو
سب ہی کو حیرت تھی مگر آپ اس خوشی سے آئے جیسے مسافر اپنے گھر آتا ہے
یہ ربطِ قلب اور عظمت و محبت شیخ ہی وہ وہبی عطا تھی جس نے معیت و مجانسۃ
تامہ پیدا کر کے اسی مخصوص نسبت سے آپ کو مالا مال کیا جو قدرت نے حضرت
امام ربانی قدس سرہ کو نصیب فرمائی تھی۔ رمضان ۲۳ھ میں آپ نے مجالست

اعتکاف خواب دیکھا کہ خربوزہ تراش کر حضرت امام ربانی کو کھلا رہے اور لعاب جو اس کے کھانے میں حضرت کے دہن سے گر رہا ہے اس کو اپنی زبان پر لے رہے ہیں۔ حضرتؒ کو خواب سُنا کر جب تعبیر پوچھی تو حضرتؒ مسکرائے اور فرمایا تم خود سمجھتے ہو گے آخر نسبت تو ایک ہی ہے۔" اسی طرح ایک بار کسی تذکرہ میں حضرت کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ "وہیں وہی مولوی خلیل احمد"۔ [2] دو خط جو حضرت امام ربانی نے آپ کے نام بہاولپور بھیجے اور تیسرا خط جو دیوبند آپ کے پاس بھیجا چونکہ اہل علم کے لئے نتائج مفیدہ پر مشتمل ہیں اس جگہ نقل کرتا ہوں جن سے اندازہ ہوگا کہ حضرتؒ کو طریق معاش میں بھی عمل کے لئے اعلحضرتؒ کا ایما لینے کی کس درجہ کوشش رہتی تھی جو کہ ثمرہ ہے محبت و عظمت شیخ کا اور مفہوم ہے اس شعر کا ؎

سپردم بہ تو مایۂ خویش را | تو دانی حساب کم و بیش را

مدرسہ دینیات جس میں حضرتؒ مدرس تھے جب کالج کے ماتحت ہوا اور علوم فلسفہ و ہیئت داخل ہوئے تو آپ نے اعلحضرتؒ کو اطلاع دی اور جواب اس طرح آیا

مولوی خلیل احمد صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط آیا مدرسہ کے حال سے البتہ تاسف ہونا چاہیئے۔ بندہ کے نزدیک جب اس قدر مشقت اور خلاف وضع تعلیم سپرد کی جاتی ہے ترک کر دینا مناسب ہے۔ سب سے زیادہ یہ بات ہے کہ جب اُن لوگوں کا اس میں دخل ہوا تو انجام جانے کیا کیا ترمیم ہو گی .... اور جب اس قدر بار گراں سر پر رکھا گیا تو پھر سارے روز و شب شغل دُنیا ہی دُنیا کا ہوا شغل باطن کو بالضرور نقصان ہو گا .... اس کی کمی کے مقابلہ میں سب ہیچ ہے۔ اگرچہ تالیف تاریخ و سیر بھی عمدہ ہی کام سہی مگر بوجہ دُنیا اور مشقت مضر کے ساتھ ہے اور بے اختیاری کی صورت میں روز بروز ترقی ان خیالات فاسدہ کی ہو گا.... ایسی حالت میں پسندیدہ نہیں۔ رزق مقدر ہے۔ پھر تعلیم صدرا خود ناپسند ہے۔ انصاف کرنا چاہیئے کہ اثبات ہیولیٰ و صورت و ابطال جزء اور اقرار قدم ہیولیٰ و صورت سے کیا مطلب ہے؟ ابطال قیامت و اقرار تعدد قدماء و عدم اختیار جل علاشانہ نہیں تو

گیا ہے؟ ان عقائد فاسدہ کو منہ سے نکالنا موجب ظلمت ہے اور پھر دلائل سے ثابت کر کے طلبہ کو اس پر قائم کرنا اور شبہات کو رفع کر کے پختہ کرنا ضروری ہے۔ گو دل میں عقیدہ نہیں مگر کفار کے عقیدہ کا اثبات ہے۔ اگر انجیل کی تعلیم پادریوں کے مدرسہ میں کرے اور عقیدہ بطلان تثلیث وغیرہ ہو تو کیوں برا جانتے ہیں؟ یہاں بھی وہی ہے۔ پہلے زمانہ میں بضرورت ابطال مذہب فلاسفہ اور معتزلہ اس کو پڑھنے کی ضرورت تھی کہ مطلع ہو کر اس کے قواعد کا جواب دیں۔ اب کیا ضرورت ہے بالکل غلط ہے سب حیلہ ہے۔ لہذا اس نوکری کو جائز نہیں جانتا ہوں۔ فقط۔

چنانچہ حضرتؒ ترک پر تیار ہو گئے مگر جب معلوم ہوا کہ حضرت کے سپرد صرف حدیث و تفسیر کے اسباق ہوں گے اور کالج کی ماتحتی محض ضابطہ کے درجہ میں ہے کہ اس کا کوئی اثر آپ کی نشست و برخاست پر بھی نہ پڑے گا۔ تو آپ نے پھر حضرت کو اطلاع دی اور یہ جواب آیا مولوی خلیل احمد صاحب! السلام علیکم آج آپ کا خط آیا اس میں دوسری صورت لکھی ہے۔ اب خلاصہ جواب یہ ہے کہ جب تک تم دیکھو کہ بالکل خلاف شرع کام نہیں کرنا ہوتا اور طاقت کے قدر کام ہوتا ہے اور تمہارے شغل میں حرج بھی نہ ہو ۔ ۔ ۔ تو ترک مت کرو۔ بلکہ اب میں تم کو اختیار کلی دیتا ہوں اور تمہاری رائے پر چھوڑتا ہوں مجھ سے استفسار کی بھی حاجت نہیں۔ جب تک تمہاری طبیعت چاہے کرو اور جب کوئی امر حارج عارض ہو جاوے تو ترک کر دینا۔ غرض بندہ کی طرف سے تم اپنے امور اور مولوی نذیر احمد کے معاملہ میں مختار ہو۔ اگرچہ مشورہ کو منع نہیں کرتا مگر تم کو تکلیف تحریر ہوتی ہے اس لئے یہ لکھے دیتا ہوں۔ لگے علاقہ کا ترک اچھا نہیں ہوتا معاش کی ضرورت میں پھر پریشانی ہوتی ہے۔ اور مسلمانوں کی ریاست کا ہر حال دوسری جگہ سے اچھا حال ہوتا ہے لہذا ترک کرنے میں جلدی مت کرنا اور مولوی نذیر احمد کے واسطے بھی ایسا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ فقط۔ چنانچہ آپ رک گئے اور پھر چھ سال تک ترک ملازمت کا نام نہ لیا۔ اسی طرح جب آپ دارالعلوم دیوبند میں مدرس

دوم تھے تو دفعتہً حضرت کا والانامہ آپ کے نام پہنچا۔ از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔
جناب مولوی خلیل احمد صاحب سلمہٗ۔ السلام علیکم۔ مدرسہ سہارنپور کی سرپرستی
میرے ذمہ کی گئی اور بہ مجبوری اس امر خیر کو گوارا کرنا پڑا۔ چونکہ ہر طرح اس مدرسہ
کی نگرانی میرے ذمہ ہوگئی۔ اس وقت اُس کی بہبودی اس ہی امر کو مقتضی ہے کہ آپ
فوراً مدرسہ دینیہ سہارنپور کی مدرسی اعلیٰ قبول کر کے فوراً وہاں تشریف لے جائیں
اہل دیوبند کو آپ کی مفارقت اگرچہ گوارا نہیں مگر بمقتضائے وقت یہ ہی ضروری ہے
لہٰذا آپ اس کی تعمیل میں توقف نہ کریں (مہر) از گنگوہ سرائے رسہ شنبہ ۱۳ جمادی الثانیہ
۱۴ھ۔ چنانچہ آپ فوراً سہارنپور آگئے اور پھر اس کو نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ خاکِ گور
نے یثرب کی طرف کھینچا اور آپ اُس کو اپنے معتمد خدام کے حوالہ فرما کر مدینہ منورہ روانہ
ہوئے اور وہیں کے ہو رہے ؛

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے ایک بار فرمایا تھا کہ مُرید بابِ افعال سے ہے
جس کی ایک خاصیت سلب مادہ اشتقاق ہے لہٰذا مُرید کے معنی ہیں مسلوب الارادہ
یعنی جو ہر امر میں اپنی باگ اپنے شیخ کو دے کر ذاتی ارادہ سے خالی ہو چکا ؛ حضرت نے بیعت
ہو کر اس مضمون کا حق ادا کر دیا جس کے ثبوت میں مظاہر علوم کا وہ مشہور قصہ پیش کیا
جاسکتا ہے جو ۱۳۰۹ھ میں پیش آیا اور جو حضرتؒ کی ارادت و غلامی کا ثبوت اور
امام ربانی کی کھلی کرامت کا نمونہ ہے کہ حضرت امام ربانی ممبران مدرسہ کے استبداد پر
سرکشی سے استعفا دینے پر مجبور ہوئے مگر حضرتؒ کو اجازت نہ دی کہ تعلق ملازمت
قطع کریں چنانچہ حضرت باوجودیکہ ممبران مدرسہ کی نظروں میں خار بن کر کھٹکتے تھے
ایسے جمے رہے کہ دیکھنے والے طعن کرتے اور غیرت دلاتے تھے کہ کیا دوسری جگہ نوکری
نہیں ملتی جو اس ذلت کے ساتھ پڑے ہیں نوبت یہاں تک پہنچی ؛ ممبران نے کمیٹی کر کے
آپ کو برخاست کر دیا۔ طلبہ اٹھا لئے گئے کتابیں لے لی گئیں ۔ مولوی عبدالعلی صاحب
کو بلوا لیا گیا کہ حضرتؒ کی جگہ درس کی مسندِ صدارت پر اُن کو بٹھا دیا جائے مگر آپ
اپنے شیخ کے حکم کا انتظار کر رہے تھے کہ جاؤں یا رہوں ۔ اوّل حکم آیا کہ آملنے کا

Marfat.com

قصد کرو۔ چنانچہ آپ نے اسباب اور اہل وعیال کو انبہٹہ بھیج دیا۔ مگر فوراً ہی حضرت کا دوسرا حکم پہنچا۔۔ کہ وہیں ٹھیرے رہو۔ چنانچہ اُسی مسرت کے ساتھ اس ظاہری ذلت کو عین عزت سمجھتے ہوئے سہارنپور میں ٹھیرے رہے حالانکہ آپ مدرسہ میں آنا تو کیا مدرسہ کی مسجد میں نماز بھی نہ پڑھ سکتے تھے اور قوی اندیشہ تھا کہ فساد عظیم ہو کر نوبت گرفتاری فریقین کی پہنچے۔ مگر آپ نے اپنی عزت آبرو اور جان سب کچھ شیخ پر نچھاور کر رکھی تھی اس سے نہ کسی ظاہری خوف کا آپ کو خدشہ تھا نہ لعن طعن اور سب وشتم کا ملال وخیال۔ آپ کا مطمح نظر صرف شیخ کا امتثال اور اشارہ پر چلنا تھا کہ ہو رہے گا جو کچھ ہونا ہوگا۔

عاشق بدنام کو پروائے ننگ نام کیا اور جو خود ناکام ہو اسکو کسی سے کام کیا

قدرت کو منظور تھا کہ ہمیشہ کے لئے مدرسہ مظاہر علوم کو اہل دنیا کے استبداد سے سبکدوش فرمائے اس لئے غیب سے ایسے امر کا ظہور ہوا جس کا کسی کو خواب بھی نظر نہ آیا تھا ممبران مدرسہ وہ باوجاہت اور مقتدر ہستیاں تھیں جن کے سامنے مولوی حبیب احمد اور شیخ عزیز علی و مولوی مشتاق اصحاب ثلاثہ جو کہ حضرتؒ کے حامی بنے ہوئے تھے اس سے زیادہ با اثر نہ تھے جتنی نقارخانہ میں طوطی کی آواز۔ مگر ان صاحبوں نے سینہ سپر ہو کر حضرتؒ کو مدرسہ میں لا بٹھایا اور باہر چند نوجوانوں کو لاٹھیاں دے کر کھڑا کر دیا کہ کوئی مزاحم ہو تو سر پھوڑ دو۔ پولیس کو اطلاع ہوئی اور صاحب علی انسپکٹر جن کے تشدد کا چار طرف شہرہ تھا گار دے کر موقع پر پہنچے ڈانٹا دھمکایا حاضرین کے بیان لئے اور اندر جا کر دیکھا کہ حضرت بیٹھے ہوئے باطمینان سبق پڑھا رہے ہیں معلوم کیا کہ مدرس اول کو بلا وجہ معزول کرنے پر یہ شورش ہوئی ہے۔ لہذا فریقین کو مجبور کیا کہ مصالحت کریں اور بالآخر نعیم اللہ خان رئیس اور خود صاحب علی انسپکٹر کو حکم قرار دے کر ہر دو فریق نے ثالثی نامہ پر دستخط کر دئے۔ اُن کی تجویز جو عمر بھر کے لئے مدرسہ کو نااہلوں کے بار احسان سے سبکدوش کر گئی حضرت امام ربانی کی محض کرامت تھی جس کے متعلق ان صاحبوں کا خود بیان ہے

Marfat.com

کہ ہم نے جو کچھ لکھا اپنے اختیار سے نہیں لکھا بلکہ کوئی ہم سے لکھوا رہا تھا اور ہم اس کے لکھنے پر مجبور تھے اور وہ یہ ہے کہ مولوی خلیل احمد صاحب کی برخاستگی بلا وجہ ہے لہٰذا منسوخ اللہ ہماری رائے ہیں اس مدرسہ کے سرپرست مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی اور مولوی عبدالرحیم صاحب رائے پوری اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ہونے چاہئیں ؛

یہ عجیب کرشمہ ہے کہ بحث تھی مدرس کی بحالی یا بیجا علیحدگی پر اور ثالثی کی تجویز یہ ہوتی ہے کہ ممبران سابق سب برخاست اور مدرسہ کا تمامی نظم ونسق آئندہ کے لیے حضرت مولانا گنگوہی کے غلامان و خدامان کے حوالہ۔

فریقین چونکہ ثالث کی تجویز پر رضامندی کی تحریر دے کر اپنے ہاتھ کٹا چکے تھے اس لئے یہ تجویز صاحب کلکٹر کی منظوری سے باضابطہ حکومت کا فیصلہ بن گئی اور تمامی رجسٹرہائے مدرسہ ممبران سے لے کر ۲۶ ذیقعدہ ۲۰ھ کو سرپرستان جدید کے حوالہ وسپرد کر دیئے گئے ہے

خاکساران جہاں را بحقارت منگر   تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یہ نمونہ تھا دُنیوی امور میں آپ کی بے نفسی کا۔ رہے امور دینیہ جس کے دو جز ہیں۔ ایک شریعت اور دوسرا طریقت۔ سو شریعت میں عمل کا درجہ تو بہت بالا ہے آپ کو چونکہ فقہ و حدیث سے طبعًا مناسبت تھی اور اسی کی تعلیم و تعلم میں آپ کو لطف آتا تھا۔ نیز تفقہ کا دت آپ کی مادّی شے تھی اور مجتہدانہ حذاقت و فہم آپ کے خمیر میں پلائی گئی تھی اس لئے ہدایہ پر آپ کے شبہات پر شبہات جاتے اور جواب پر جواب آتے کہ جن کا نمونہ تذکرۃ الرشید میں ذکر ہو چکا اور آپ کی اس مبحث میں ساری تجربات کو جمع کیا جائے تو ضخیم کتاب بن جائے۔ خلاصہ سب کا یہ ہے کہ بس شبہات کے لیئے آپ جیسا فہم ہو اور جواب کے لیے امام ربانی جیسا فقیہ کہ آخر حضرت قدس سرہ نے کبھی ایک خط میں تحریر فرما دیا کہ تم شبہات کیا کرتے ہو مسائل کی لِم اور علت فقہیہ کی کرید کرتے ہو۔ سو یہ کہاں تک نبھے گی" اسی طرح

Marfat.com

حدیث کے متعلق اشکالات کی یہ حالت تھی کہ کوئی بے تکلف و جری شاگرد بھی اپنے علامہ اُستاذ سے اتنی کنج وکاوش کرے گا جتنی آپ یگانگت کے تعلق سے دلیر بن کر بُرا بھلا سب کچھ اپنے شیخ سے پوچھنے کے عادی ہو گئے تھے۔ آپ کے ہمعصر علماء کو بھی آپ کی یہ خو معلوم ہو گئی تھی اور وہ نقل کے لئے آپ سے وہ تحریرات طلب کیا کرتے تھے جو لحاظ کی وجہ سے خود نہ پوچھ سکتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے بخاری کے قصہ لدود کی بابت جس میں تذکرہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مرض ذات الجنب سمجھ کر باوجود حضرتؐ کے منع فرمانے کے اہل بیت نے لدود کیا یعنی عود ہندی کو زیت میں ملا کر ایک طرف مُنہ میں ٹپکایا حضرتؐ نے مواخذہ فرمایا کہ باوجود میرے منع کرنے کے ایسا کیوں کیا؟ تو اہل بیت نے عذر کیا کہ مریض کو دوا گوارا نہیں ہوتی اس لئے حضور کے منع فرمانے کو ناگواری دوا پر محمول کر کے ایسا کر گزرے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا گھر میں کوئی نہ بچے گا جس کے لدود نہ کیا جائے بجز عباسؓ کے کہ وہ لدود کے وقت موجود نہ تھے۔ چنانچہ حضرتؐ کا ارشاد پورا ہو کر رہا کہ تمامی حاضرین بیت کو قبل از موت بادل ناخواستہ لدود کی نوبت پیش آئی۔ اس حدیث کی حضرتؒ نے توجیہ دریافت کی اور شبہ لکھا کہ حضرتؐ کی رؤف ورحیم ذات نے انتقام کیوں لیا اور امت کی غلط فہمی پر یہ سزائے بددعا کیوں دی؟ حضرت امام ربانی نے جواب تحریر فرمایا۔ مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضکم بعد سلام مسنون مطالعہ فرمائید۔ اس وقت تو ہمت نہ شروح بخاری دیکھنے کی ہے اور نہ بظاہر توقع کہ شروح سے رفع اشکال ہو۔ بندہ جو توجیہ اس مقام کی کرتا ہے یہ ہے کہ منع لدود لامر اللہ تعالیٰ تھا اور امر رسول کی امر اللہ تعالیٰ ہی ہوتی ہے اس کے نہ ماننے میں ہتک حرمتہ اللہ تعالیٰ تھی سو یہاں دو امر جمع ہوئے ہیں آپؐ کی تکلیف دہی دوا پلانے میں اور ہتکؐ حرمتہ اللہ تعالیٰ کہ امر رسول امر اللہ ہی ہوتا ہے پس آپ نے بوجہ امر ثانی کے انتقام لیا نہ بوجہ اپنی تکلیف کے۔ اسی واسطے بعد میں فرمایا کہ تم کو منع نہیں کیا تھا کہ مت کرو۔ تو معلوم ہوا کہ خلاف امر کرنا موجب

Marfat.com

ہتک حرمۃ امرالرسول تھا۔ کہ وہ ہتک امراللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ نہ فرمایا لم اذیتمونی (مجھے تکلیف کیوں دی) باقی اہل بیت کا کراہت مریض جاننا مفید نہیں کیونکہ ہتک حرمت ہو چکا اس فہم سے کیا فائدہ۔ یہ کوئی حد نہیں تھی کہ شبہ سے درد ہو جاتا بلکہ انتقام ہے کہ خطا میں بھی انتقام لیا جاتا ہے کسی کی خطا اور قصد کچھ معتبر نہیں۔ یہ وہ ہے کہ بندہ اس مقام پر طلبہ سے بیان کرتا ہے اور طلبہ آجتک قبول کرتے رہے ہیں۔ مگر تم ماشاء اللہ فہم کے آدمی ہو اگر کوئی شبہ خدشہ کرو گے تو پھر شاید شروح کی طرف رجوع کرنا ہو۔ اور اس سے انتقام الرجال من النساء او بالعکس وغیرہ مسائل لازم آجاتے ہیں۔ نہ یہ کہ یہ واقعہ بھی انتقاما لنفسہ تھا فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

چونکہ حضرت امام ربانی نے دوبارہ شبہ پیش کرنے کی گنجائش دی اس لیے اس کے جواب میں ایک طویل تحریر حضرت* گنگوہی کی آئی جس میں اہل بیت کے فعل کو خطاءِ اجتہادی اور قابلِ چشم پوشی قرار دے کر متعدد دلائل واستشہادات واقعات کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ انتقام اگر ہتکِ حرمۃ اللہ کی وجہ سے ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو معافی نہ ملتی کہ لدود کرانے والے وہی تھے۔ اور گو چچا تھے مگر شرعی حد سے معاف کرنا آنحضرت کا شیوہ نہ تھا۔ لہٰذا اس کے مختصر و جامع جواب پر جو گنگوہ سے گیا اکتفا کرتا ہوں کہ اس سے ذی علم کو اشکالات کا پتہ چل جائے گا اور وہ یہ ہے

مولوی خلیل احمد صاحب سلمہٗ۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند۔ آپ کا خط مشعر صحت مرض پہنچا مسرور کیا۔ بندہ کو چار روز سے بخار موسم تھا۔ آج تخفیف ہے تو جواب آپ کو لکھتا ہوں۔ اجتہاد جیسا نص صریح کے مقابلہ میں درست نہیں ایسا ہی شارع علیہ السلام کے روبرو ممنوع ہے۔ جب مرض موت میں قرطاس میں نزاع ہوا تو قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استفہموہ ولا ینبغی التنازع عند نبی اور کما قال۔ کے یہی معنی تھے کہ کیوں رائے کو دخل دیتے ہو خود پوچھ لو۔ پس شارع منع فرمائے اور تاویل کراہۃ المریض کی جائے اور استفسار نہ کریں اور اپنی رائے کو

---

* یعنی حضرت گنگوہی ۱۲

Marfat.com

کراہتِ طبعی فخرِ عالم پر ترجیح دیں - یہ خطاءِ اجتہادی نہیں تھی بلکہ خطاءِ محض تھی ایسے
مخطی کو ثواب واحد نہیں کیونکہ یہ محل جوازِ اجتہاد ہی نہیں تھا۔ بلکہ خلافِ ادب ہوا
تھا اگرچہ محبت ہی کے سبب ہو ہو سو اس کو اجتہاد کہنا سراسر بے موقع ہے اور
لا یصلین میں شارع تشریف نہیں رکھتے تھے اور نص محتمل دو معنوں کو تھی -
لفظ ظاہرِ نہی کی اور مقصودِ جلدی سے - وہ محل اجتہاد تھا۔ وہاں کوئی مانع اجتہاد
نہ تھا۔ دونوں نے شارع کا حکم ہی یقین کرکے عمل کیا تھا۔ اسی واسطے دونوں
کی تصویب ہوئی - اس میں اُس میں فرق بیّن ہے۔ وہاں صارفِ نہی کا فعل الصلوٰت
یاد تھا کا مضمون موجود تھا یہاں کراہتِ طبعی محض رائے تھی۔ آپ کا اخبار کہ اس
مرض سے نجات نہ ہوگی ... گویا مانعِ علاج تھا۔ اور خود علاج مباح امر کہ توکل
کامل کے خلاف تھا۔ گویا عدمِ توکل کا مضمون ادا کرنا اور غیر خاص فعل بجا لانا خود
اس رائے کا مانع موجود تھا فَاَیْنَ ھٰذَا مِنْ ذَاکَ - اور ہتکِ حرمۃ اللہ کے واسطے
تعزیر کافی ہے۔ ایجاب قصاص تو ضرور نہیں۔ ترکِ حلق و ترکِ نسخِ حج میں صومِ وصال
اور ترک گھاٹی احد میں آپ کا رنج و اظہارِ ناخوشی خود منقول ہے مگر نہ معلوم
آپ کو کیوں مغالطہ ہوئی پھر یہ کہ انتقام لحرمۃ اللہ لینے کو کہاں سے لازم ہے
کہ انتقام لحرمۃ اللہ کو ترک بھی نہیں کرتے تھے حدیث سے اتنا ہی ثابت ہے۔ کہ
اپنے واسطے انتقام نہیں لیتے تھے۔ اور ہتک حرمۃ اللہ کے واسطے لیتے تھے۔
نہ یہ کہ ہتک حرمۃ اللہ میں ترک ہرگز نہیں کرتے تھے۔ سو یہ نقض جڑ سے ہی مرفوع
ہے۔ معہذا ذوالخویصرہ پر غصہ کرنا خود تعزیر ہے اور تعزیر بقدر عصیان کے
ہے حضرت عباسؓ کا صائم ہونا مانع لدود کا تھا ناخوشی خود ظاہر ہو چکی تھی
اور معاف کرنا بھی منع نہیں تھا۔ اور کبراء کو قلیل تنبیہ بھی کافی ہوتی ہے بہرحال
یہ سب شبہات غیر محل میں منقلط -

حق تعالیٰ حضرتؒ کی قبر مبارک نور سے بھر دے کہ اس تعلق مع الشیخ سے
خود بھی مستفید اور مالا مال ہوئے اور مراسلات علمیہ چھوڑ کر پس ماندگان کو اُن

Marfat.com

لطائف و نکات عجیبہ سے بہرہ مند بنایا جو شروح اور کتب سے حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔ تحریر مذکور میں ایک دقیق بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی امتی سے اگر بہ تقاضائے محبت بھی ایسا فعل صادر ہو گا۔ جو شارع علیہ السلام کی طبعی خواہش کے خلاف ہو تو استحقاق سزا سے نہ بچیگا۔ کہ اہل بیت کا لدود کرنا ظاہر ہے کہ غایت محبت اور تادیر حضرت کے سایۂ عاطفت قائم رہنے کے شوق میں ہوا۔ مگر محض اس وجہ سے کہ اس میں محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز طبیعت اور روش کی رعایت قائم نہ رہی۔ سبب عتاب بلکہ موجب انتقام ہو گیا۔ پھر بعد میں آنے والی امت کا کیا پوچھنا کہ کتنا ہی دعوائے محبت کریں مگر حضرت عائشہ و حفصہ و میمونہ جیسی جاں نثار بیبیوں کی محبت کا لاکھواں حصہ بھی نہیں لا سکتے۔ اور یہی وہ آخری سبق تھا جو معلم خلق و راہبر عالم کو دنیا سے رخصت ہوتے وقت عملاً پڑھانے کی ضرورت تھی کہ عشاق و محبین کو جادۂ اعتدال کی تعلیم دیں اور بتائیں کہ محبت معتبرہ و ناجیہ صرف وہی ہے جو تعمیل حکم کی مجسم تصویر ہو اور جس میں محبوب کے طریق عمل اور طرز طبیعت سے ذرہ برابر بھی غفلت نہ ہونے پائے۔ یہ بھی اکابرامت کی رعایت کہیئے یا شفقت محمدیہ کہ منشاء فعل یعنی تقاضاء محبت کی رعایت فرما کر انتقام لے لیا کہ دنیوی تکلیف بمقابلہ سزائے آخرت کے بہت آسان اور یہ تبادلہ حق تعالےٰ کا بڑا فضل و انعام ہے۔ ورنہ مخالفت امر الرسول کی سزا آخرت میں وہ دیتا۔ جس نے اپنے محبوب کی طبیعت کو اپنی رضا کا سانچہ بنا کر بھیجا ہے۔ کیونکہ کسی کو حق نہ تھا کہ محبت رسولؐ کو چھوڑ کر اپنی محبت کے تقاضائے نفس کو متبوع بنا لے۔

دوسرا جزو طریقت ہے سو اس کے متعلق تو ہر شخص جانتا ہے کہ طالب و سالک کا شیخ کے زیر حکم اور مسلوب الارادہ ہونا ایسا ضروری ہے جیسا حیات بدنی کے لئے غذا اور چراغ کے لئے تیل ؎

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید　　　که سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

اس مبحث میں حضرت امام ربانی کے بارہ مکاتیب تذکرۃ الرشید کے حصہ

Marfat.com

سوم مکاتیب رشیدیہ میں درج کرچکا ہوں - اور صرف پانچ مکاتیب یہاں نقل کرتا ہوں - جو حضرت کے نام بہاولپور گئے - اور حضرت کے پاس تبرکاً اس ذخیرہ میں موجود تھے - جو حضرت رح نے بکمال شفقت مجھ ناچیز کو عطا فرما دیا تھا - حضرت کے حالات قلبیہ کا اندازہ کرنے کے علاوہ ان مکاتیب میں عام سالکین کے لئے بھی خاص نفع ہے - اس لئے ان کو بجنسہ نقل کرنا مناسب سمجھا اور وہ یہ ہیں :-

(۱) مولوی خلیل احمد صاحب دام شوقکم الی اصلہ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمانید اپنی عافیت پر شکر حق تعالیٰ کا کرتا ہوں - تمہاری صحت سے اطمینان ہوا سب امور دین و دنیا رضائے حق تعالیٰ پر موقوف ہیں - اپنی طرف سے سعی کرتے رہنا کام بندے کا ہے اور ثمرات و مراتب عطا فرمانا اختیار مولیٰ تعالیٰ شانہ ہے - کسی کے اختیار میں نہیں ذکر پختہ کرنے میں ساعی رہو اور نور منبسط جو محسوس ہو اس کو بغور ملحوظ رکھنا چاہیئے یہاں تک کہ جملہ اشیا میں ساری معلوم ہونے لگے دفع کرنا نہیں چاہیئے فقط -

(۲) عنایت فرمایم مولوی خلیل احمد صاحب دام مجدہم - بعد سلام مسنون مطالعہ فرمانید - بخیریت ہوں - آپ کا خط آیا حال معلوم ہوا - آثار ذکر مبارک ہوں - اور حق تعالیٰ ترقی عطا فرمائے - مقصود ذکر سے حضور مسمّٰی ہے - جس قدر حضور ہو بہتر ہے - اور ذکر قلبی یہ ہے کہ بدون لفظ اسم کے ذات مسمّٰی کی طرف خیال ہو - جیسا کہ غیبوبت ولد میں مثلاً بدون تصور اسم ذات کے ولد کی طرف دھیان ہوتا ہے - فرق اتنا ہے کہ ولد میں صورت بھی غالب اوقات مدنظر ہوتی ہے اور یہاں چونکہ شکل و صورت سے برات ہے - لہٰذا نفس مسمّٰی کا خیال ہے اس خیال میں اگر کوئی وضع و شکل مدنظر قلب ہو لاحول سے دفع کرنا چاہیئے کہ ذات حق تعالیٰ نفس وجود ہے نہ قیود زائدہ سے

درد یہ بیشانی بارگاہ الست ۔ غیر از یں پے نبردہ اند کہ ہست

سوائے اس کے جو کچھ ہے سب مخلوق و حادث ہے اور غیر ہے نہ عین - بہرحال

Marfat.com

جو کچھ ہے وہ عنایت محض ہے۔ اس کا شکر ضروری ہے۔ فقط مولوی عبدالرحمٰن جیسے رفیق ہمدم کا فوت البتہ موجب حسرت ہے مگر کیا کیجیئے اپنے اختیار میں کچھ نہیں حق تعالیٰ ہم کو بھی با ایمان لے جاوے۔ آمین۔ عبداللہ مسان کا بھی انتقال ہوا۔ اور سب سے زیادہ یہ ہے کہ ۵ محرم کو جناب شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس عالم سے رحلت فرما گئے۔ ایک فرزند ہفت ماہہ چھوڑا۔ حق تعالیٰ ان کو بھی جوار رحمت میں قرب دیوے۔ اور میاں امین الدین صاحب ماموں مولوی محمد قاسم صاحب کے بھی جو سرسند میں تھے فوت ہوئے۔ کیا عجب ہے کہ وہ دخان اندھی جو میاں ظہور احمد نے خواب میں دیکھا نمونہ اس ہی حشر کا ہو یا اور آفات ہیں کہ عالم میں قیامت خیز فتن سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے نجات بجز اسکہ شریعت مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے التجا اور تمسک کیا جاوے اور کچھ نہیں۔ یہ ہی تعبیر خواب ہے۔ دلائل کا پڑھنا بہتر ہے التزام کرلو۔ فقط

(۱۳) مولوی خلیل احمد صاحب السلام علیکم۔ آپ کا خط آیا حضور مسمیٰ اور اس کے شکر کے عجز سے بہت بہت فرحت ہوئی۔ الحمدللہ علےٰ ذالک۔ آدمی اگر ہر بُن مو ہزار ہا ہزار زبان ہو جائے اور مدت دنیا ایک ادنیٰ نعمت کا شکر ادا کرنا چاہے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر قصد شکر بھی ایک نعمت عظمیٰ ہے دوبالا مرہون منن کبریٰ ہوتا جاتا ہے۔ وہ کون ہے کہ توفیق حضور کا شکر تلقین کر سکے ہاں عجز عن اداء شکر کو اگر بجائے شکر قبول فرمالیں تو بندہ نوازی سے کیا بعید ہے۔ کہ ایسے نالائق بے بس کو ایسے منعم صمد سے معاملہ ہوا۔ بجز اسکہ ہمہ تن فنا اپنے کردار سے ہو کر پانی ہو جائے۔ اور شرم اپنے قصور اور اس کے نعمائے سے خاک بن جائے۔ اور کیا کر سکتا ہے۔ بارے شکر ہے کہ آپ کو یہ مقام عطا ہوا۔ اس کا نام یادداشت باصطلاح حضرات نقشبندیہ ہے۔ اب اس یادداشت کے ساتھ حیاء مالک حقیقی کی ہونی ضرور ہے کہ جیسا ہم اپنے کسی بڑے مربی منعم ذی جاہ کے سامنے کوئی سبک حرکتی خلاف رضا نہیں کر سکتے ایسا ہی معاملہ خلوت میں اپنے اس حاضر ناظر

Marfat.com

مولیٰ سے ہونا چاہیئے تاکہ حضور مسمی کا مصداق پورا ہوجاوے کہ اپنی ہر ہر حرکت کو پیشِ نظر اس مالک تعالیٰ شانہٗ جان کر بمیزان شرع کہ قانون رضا ہے ناپ تول کا دھیان رہے۔ اب یہ مراقبہ دائمی کرنا چاہیئے۔ الغرض ہر کام کو بحضور ذات تصور کرنا اور اس کا مرضی و غیر مرضی دریافت کرکے ترک و عمل کرنا چاہیئے۔ اور اس کا ہی نام احسان ہے وفقنا اللہ۔ اور اس عاجز کو بھی بدعائے خیر یاد۔ لاتا کہ مجھ کو یہ امر نصیب ہو ھیہات عمر خرابی میں گزری اور اصل مقصود میسر نہ آیا ہاں احباب کا حُسنِ ظن اگر کارگر ہوجائے تو انا عند ظن عبدی بی کا البتہ امیدوار ہوں۔ درباب نکاح کیا مشورہ دوں۔ اپنے دل کا عزم تو یہ ہے کہ تجرد کے برابر کسی شئے میں راحت نہیں مگر حوائج ضروریہ میں نکاح بھی ہے۔ ایک حاجت کے واسطے صدہا خدشات اٹھانے پڑتے ہیں۔ اگر اس حاجت کا تقاضا نہ ہو تو تجرد سے بہتر تاہل کو نہیں جانتا ہوں مگر ہاں اگر اہل نیت تکثیر امت کا خیال کرکے کرے تو دوسری بات ہے۔ لہذا اس امر میں صاف قطعی بات کچھ نہیں لکھ سکتا ہوں۔ تم اپنے حال سے مجھ سے زیادہ واقف ہو۔ قیام گنگوہ کے باب میں جو آپ کی خوشی مجھ کو کیا عذر ہے زیادہ کیا کہوں اس میں مجھ کو کوئی حرج نہیں آپ کے زعم میں اگر آپ کا فائدہ ہے تو بہتر۔ جواب والدین میں بھی اگر مناسب ہوتا رمضان توقف لکھ دو اپنے حال کو خوب غور سے دریافت کرلو۔ فقط

(۴) حامداً و مصلیاً از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ برادرم مولوی خلیل احمد صاحب دام برکاتہم۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند۔ نامہ سامی رسید بجوابش دیر شد کہ فرصت نداشتم معاف فرمایند۔ درباب شغل نگارش فرمودہ اند۔ مکرما اصل ذکر یاد داشت را گویند کہ بدوں حرف و صوت یاد چیزے ملازم قلب گردد چنانچہ دوست دوست را در حال غیبوبۃ یاد می آرد۔ و دراصل فطرۃ ہمیں ذکر مالک حقیقی تعالیٰ شانہٗ کہ اصل محبوب است بدل آدمی نہادہ اند۔ مگر بشر دریں عالم بزید و عمرو مشغول شد و آں محبوب را فراموش ساخت۔ مشائخ برائے اعادہ آں ذکر حیلہا انگیختہ اند پس آنچہ اولاً ذکر ربانی

تلقین مے فرمائید یا بلطائف حرکت ذکرے پیدا می نمایند مقصود از آں ہمون
یادداشت است کہ ایں وسیلۂ آں گردد. بعد ازیں اصل مطلب مے نویسم کہ آں عزیز
راسہ ذکر اولاً گفتہ بودم یکے پاس انفاس اسم ذات دوئیم تحریک قلب بذکر اسم ذات
سوئیم یک ضربے اسم ذات زبانی بملاحظہ اینکہ نورے با اسم ذات از دہن برآمدہ محیط
بدن میشود. پس در ذکر پاس انفاس ایں قدر ملاحظہ افزائید کہ بوقت دخول نفس
با اسم ذات ھو الباطن تصور فرمائید و بوقت خروج نفس با ہو ھو الظاہر ملاحظہ
کنند. گویا ایں تصور با ذکر پیدا آید کہ ذاتِ پاک موجود حقیقی تعالےٰ شانہ در ظاہر و
باطن ذاکر موجود بالذات است اگرچہ ایں تصور اول بخلوت قائم خواہد گشت مگر بعد
مزاولت بے تکلف جاری خواہد شد ان شاء اللہ تعالیٰ۔ و بوقت ذکر جہر ایں قدر افزائید
کہ بجائے نور محیط خود ذات پاک مذکور محیط ذاکر است و مذکور موجود است۔ و ذکر
لطائف اگر ترک فرمودہ اند حاجت ندارد۔ و اگر خیال آں باقی است بعد قیام ایں
تصور دیدہ خواہد شد۔ الکنوں فقط بوقت آں اگر ایں قدر خیال فرمایند کہ مذکور ہمہ
بدل موجود است فقط خوب فہمیدہ و غور فرمودہ مشغول شوند و ہمہ را بہ مذکور حقیقی
اعتماد فرمودہ و التجا بذاتِ پاک او آوردہ بعجز و نیاز بجا آرند و توفیق ذکر اگرچہ
یک لحظہ یابند محض عنایت و فضل مذکور تعالیٰ شانہ پنداشتند. منت آں تعالیٰ
برخود نہادہ شکرہا فرمائید کہ ذکر منشور ولایت است۔ ہر کرا توفیق ذکر خود مے دہند۔
نامۂ ولایت خود بدو مے سپارند۔ ذاکر را محض ایں قدر لطف حق تعالیٰ کہ فاذکرونی
اذکرکم افادہ فرمود بفخر خویش بس است کہ ایں مضغۂ ناپاک مذکور آں پاک
جناب گردید دیگر چہ می خواہد. و کدامی ثمرہ ازیں فائق باشد۔ آرے در ذکرتہ
فی ملاء و ذکرتہ فی نفسی فرقے است بس بعید کہ تا امکان در ترقی ذکرتہ فی نفسی
پویند و دریں ترقی استغاثہ از ہمون مولائے خویش جویند کہ ففروا الی اللہ و لا
ملجاء من اللہ الا الی اللہ فرمودہ اند۔ زیادہ ازیں تاب تحریر ندارم و ایں قدر
راہم از حوصلۂ تنگ خود بعید مے شمارم کہ ایں جملہ از قلم دادم نہ بدل رزقنی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ دا یاکہ بمنہ وایں چند فقرہ را اُس تصوف وطریقہ تصور فرمائید۔ والسلام

(۵) مولوی خلیل احمد صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط آیا حال معلوم ہوا۔ یہاں سب طرح خیریت وشکر ہے۔ تفرقہ یہ ہے کہ آدمی جس کام میں مشغول ہو۔ کوئی شے آ کر اس شغل سے غافل کردیوے۔ دوسری شے میں مشغول بنادیوے۔ جیسا ابتدا میں ایسا ہوتا ہے کہ جب ذکر شروع ہوتا ہے گاہ حضور ذکر ہے گاہ حضور خلاف ذکر اور خطرہ یہ کہ دوسری شے کا خیال اگر آئے تو اصل شغل کی طرف سے غفلت نہ ہو ..... جیسا مثلاً آدمی اپنے وجود کو جانتا ہے۔ اور باوجود اس علم کے علوم وخطرات دیگر اشیا کے بھی دل میں اور نظر میں آتے ہیں۔ مگر اصل علم تو زائل نہیں ہوتا۔ اس سے صاف روشن ہوجاتا ہے کہ نفس کو آن واحد میں التفات اشیاء متعددہ کی طرف ہوسکتا ہے تو غرض حضور کے ساتھ خطرہ ہوتا ہے مثال اس کی یہ ہے کہ آب رواں پر خس وخاشاک بھی ہوتے ہیں۔ مگر روانگی آب کو مانع نہیں۔ اور تفرقہ حضور کے ساتھ نہیں ہوسکتا کہ حضور میں جب تفرقہ آیا حضور بند ہوکر غیبوبتہ ہوگئی۔ گویا کہ آب رواں کو کسی عاجز نے روک دیا۔ یہ سب بندۂ عاجز کی باتیں زبانی جمع خرچ ہے مضامین علمی ہیں۔ عمل سے بے بہرہ ہوں۔ حق تعالےٰ نے آپ کو اپنے فضل وکرم سے یہ حضور عطا فرمایا ہے ملہم غیبی ہے اس کا منتظر ہوں الدال علی الخیر کفاعلہ فرمایا ہے۔ باشد کہ اہلِ خیر کی برکات سے کچھ حصہ مل جائے ورنہ آنم کہ دانم تمہارے ایسے حسنِ ظن سے اندیشۂ ندامت حقیقی بھی ہوتا ہے اور انا عند ظن عبدی بی سے توقع بھی بندھ جاتی ہے۔ فقط۔

ایک مرتبہ آپ کو بخار شدید ہوا اور اس تکلیف میں حضور کے اندر ترقی کے ساتھ صورت انحدا محسوس ہوئی جس کو آپ نے گنگوہ تحریر کیا اور جواب نہ آیا تو ادب سے ساتھ یاددہانی کی۔ اور اس کے ساتھ دوبارہ توبہ وتجدید بیعت کا شوق ظاہر کیا۔ پھر جواب نہ آیا تو پریشانی وحزن ظاہر فرمایا اور آخرت امام ربانی کا یہ جواب آیا۔

مولوی خلیل احمد صاحب۔ السلام علیکم۔ تین خط آپ کے پہنچے۔ اوّل خط جو

آیا تو بسبب شدتِ بخار و لرزہ کے ہمت تحریرِ جواب نہ پائی۔ آپ نے اپنے بخار کا حال لکھا تھا اور اس میں ترقی حضور اور حصول صوت اخذ کا ذکر تھا۔ ترقی حضور البتہ موجب سرور ہے اور صوت اخذ کوئی ضروری بات نہیں۔ اگر حضور کو مفید ہو۔ ۔ ۔ ۔ تو مضائقہ نہیں ورنہ حاجت نہیں آج تک نہ مجھ کو نجات بخار سے ہوئی نہ مسعود محمود اور ان کی والدہ کو مگر ہاں اس قدر شدت نہیں اور سب کا حال ایسا ہی ہے۔ کہ بخار سے بالکل فراغت نہیں ہوئی۔ اطلاقِ حضور کے یہ معنی ہیں کہ نفسِ حضور خالی از لحاظ معیت یا احاطہ اور کسی صفت سے ہو۔ ۔ ۔ ۔ کہ اس کے ساتھ کوئی ملاحظہ نہ رہے۔ مگر اطلاقِ حضور کی حاجت نہیں بلکہ لحاظ صمدیت اس کے ساتھ کیا کیا کہ کرتا تا موجب مزید محبت بارگاہ پاک ہو۔ ۔ ۔ آپ تجدید بیعت کو لکھتے ہیں۔ بیعت کے لفظ سے نادم ہوتا ہوں۔ میں قابلِ بیعت نہیں آپ کو خود سے بہتر جانتا ہوں ہر صورت میں بیعت حسنِ عقیدتِ مرید ہوتی ہے المرء مع من احب مگر خیر آپ کے خیال کا چارہ نہیں۔ آپ کی درخواست بعد ندامت قبول کرتا ہوں۔ فقط ؛

بندہ نے وہ شجرہ بھی دیکھا ہے جو امام ربانی نے بعد اخذ بیعت حضرتؒ کو مرحمت فرمایا کہ بسم اللہ کے بعد سبحانک اللّٰہم وبحمدک اسئلک باسمک اللہ الاعظم وبجاہ سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ علی ہذا تمام اسماء اولیائے خاندان چشتیہ صابریہ کے آخر حضرتؒ نے قلمی تحریر فرمایا وبجاہ سیدنا ومرشدنا ومولٰینا الحافظ الحاج امداد اللہ تھانویؒ ارحم العبد الضعیف رشید احمد چشتی گنگوہی واخی العزیز مولوی خلیل احمد انبہٹوی۔ پھر دعائیہ رباعی کے بعد یہ مطبوعہ عبارت ہے وارزقہما محبتک ومعرفتک وحفظا واخرامن برکاتھم وکمالاتھم وزدھما ذوقا وشوقا الی لقائک یا ارحم الراحمین وصلے اللہ تعالےٰ علی سیدنا محمد وعلے آلہ واصحابہ وبارک وسلم

شاہا ز کرم برمن درویش نگر ۔۔۔ برحال من خستہ و دل ریش نگر
ہرچند نیم لائق بخشائشِ تو ۔۔۔ برمن منگر بر کرم خویش نگر

یہ اُن شجرات میں سے تھا جو اعلحضرت نے مکہ مکرمہ سے گنگوہ بھیجے تھے کہ امام ربّانی اپنے متوسلین کو تمام لکھ کر عطا فرمائیں۔ چنانچہ حضرت قدس سرہٗ نے اس کو تبرکاً اپنے پاس رکھ چھوڑا۔ اور جب چوتھے حج کو تشریف لے جانے لگے تو مکاتیب متبرکہ کے ساتھ بندے کو عطا فرمایا تھا کہ حفاظت سے رکھوں۔ مگر بندے نے اپنے کو حق حفاظت سے عاجز پاکر واپسی کے بعد حضرت کے حوالہ کردیئے تھے۔ اور اب یہ حضرت کے نواسہ داماد مولوی مسعود کے پاس محفوظ ہیں۔

حضرت کے والد ماجد شاہ مجید علی صاحب حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے بیعت تھے اور ایک مرتبہ طفولیت میں حضرت کو بھی اپنے والد کے ساتھ کاندھلہ جاکر حضرت مولانا کی زیارت اور محض برکت کے لئے بیعت کرنے کا اتفاق ہوا کہ اس وقت آپ بیعت کی حقیقت اور مقصود کو بھی نہ سمجھتے تھے۔ مگر اس برائے نام بیعت کی عظمت بھی آپ کے قلب میں اس قدر تھی کہ جب کبھی آپ کاندھلہ تشریف لے گئے تو حضرت مولانا کی صاحبزادی بی امۃ الرحمٰن کی خدمت میں ان کے مکان پر ضرور حاضر ہوئے اور دیر تک مستفیدانہ و معتقدانہ طریق پر بیٹھے۔ بی امۃ الرحمٰن جن کو اُمّی کے نام سے پکارا جاتا تھا مولوی محمد یحییٰ صاحب مولانا محمد الیاس صاحب کی حقیقی نانی ہوتی تھیں جن کا چند سال ہوئے حال ہی میں وصال ہوا ہے۔ مرحومہ اپنے رشید لڑکے سُنّت باپ کی مجسم یادگار اور اپنے خدا کی اتنی عبادت گزار تھیں کہ ضروریات بشریہ کے علاوہ ہمہ وقت نوافل و اذکار اور تلاوت قرآن و تسبیح و تہلیل میں گذرتا تھا ان کے معمولات و وظائف معلوم کرنے کا تو اتفاق نہیں ہوا صرف اتنا ہی معلوم ہوا کہ ہر وقت اپنے مصلے پر بیٹھی ذکر و تلاوت میں مشغول رہتی تھیں۔ کہ کسی سے بات کرنا بھی ان کو گراں گذرتا تھا۔ کھانا جب تیار ہوجاتا تھا تو ماما کھانا برتن میں لا کر ان کے پاس رکھ جاتی تھی کہ جب فرصت پائیں کھالیں۔ اور جب برتن خالی دیکھے تو اٹھا کر لے جائے۔ مگر ہاں مولانا محمد یحییٰ صاحب نے ان کی بیٹی اپنی والدہ کے معمولات ایک مرتبہ بیان فرمائے جن کو سُنکر میں تو حیران ہوگیا کہ عورت

Marfat.com

تو عورت ہی ہے اگر با ہمت مرد بھی سال دو سال اس کا نباہ کر لے تو بڑی مردانگی ہے۔ پھر صاحب اولاد عورت اور امور خانگی کی سرپرست منتظمہ کا آخر عمر تک اس پر مواظبت کرنا تو استقامت کا وہ بڑا نمونہ ہے جس سے نہ دیکھنے والوں کو ان کے نانا مولانا مظفر حسین صاحب کی استقامت وعبادت ۔۔۔ زہد وقناعت اور خوف خشیت کا پتہ چلتا ہے اور وہ معمولات روزمرہ کے یہ ہیں۔ درود شریف پانچ ہزار ۵۰۰۰۔ اسم ذات اللہ پانچ ہزار بسم اللہ الرحمن الرحیم انیس سو ۱۹۰۰۔ یا مغنی گیارہ سو۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ گیارہ سو۔ اللہ الصمد گیارہ سو۔ لا الہ الا اللہ بارہ سو ۱۲۰۰۔ یا حی یا قیوم دو سو۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل پانچ سو ۵۰۰۔ سبحان اللہ دو سو ۲۰۰۔ الحمد للہ دو سو۔ لا الہ الا اللہ دو سو۔ اللہ اکبر دو سو۔ استغفار پانچ سو ۵۰۰۔ افوض امری الی اللہ سو۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل سو۔ رب انی مغلوب فانتصر سو۔ رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین سو۔ اور لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین سو مرتبہ۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی ایک منزل روزانہ تلاوت کا معمول تھا کہ حافظ قرآن تھیں۔ اور مانع نسوانی حائل نہ ہوتا تو ہر ہفتہ پورا قرآن مجید ختم کر لیتی تھیں۔ فرحمہا اللہ رحمۃ واسعۃ۔

مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی کے ساتھ حضرت کو محبت کا جو بے نظیر تعلق تھا وہ دیکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ وطن چھوڑ کر حضرت امام ربانی کی خدمت میں محبوب اور بلشکار بارگاہ بن کر بارہ سال رہے اور وصال کے بعد حضرت رح سے تجدید بیعت فرمائی کہ مجاز طریقت بنے اور ان کی وجہ سے ان کے بھائی مولوی محمد الیاس صاحب اور صاحبزادہ مولانا محمد زکریا صاحب بھی حضرت رح کے ایسے لاڈلے رہے کہ صلبی اولاد کی ان کے مقابلہ پر کوئی حقیقت نہ تھی۔ نیز کاندھلہ کے مولانا محمد جلیل صاحب وحافظ ریاض الاسلام وغیرہ کو حضرت کے ساتھ مریدانہ ومحبانہ خاص تعلق تھا۔ اس لئے حضرت کو کاندھلہ تشریف لانے کا اکثر اتفاق ہوتا تھا۔ مگر کتنا ہی وقت کم کیوں نہ ہو میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ بی امی کے پاس حاضر ہوئے بغیر کاندھلہ سے چلے گئے ہوں۔ آپ بڑے اہتمام سے جاتے

اور پردہ ڈلوا کر دیر تک مکان میں بیٹھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آج مولوی ذکریا اور مولوی الیاس کہہ رہیں کہ ہماری وجہ سے کاندھلہ کے ساتھ تعلقات ہیں. میرا تعلق تو اس گھرانہ کے ساتھ بچپن سے ہے کہ مجھے لڑکپن میں اپنے والد مرحوم کے ساتھ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی زیارت اور بیعت ہوئی ہے۔ بی امی کی عمر طویل ہوئی اور انہوں نے نواسوں کی اولاد کو بھی دیکھا۔ اخیر عمر میں بصارت اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی تھیں اور مرض الموت میں تین سال کامل صاحب فراش رہیں مگر نہ قلبی و لسانی ذکر اللہ میں فرق آیا اور نہ صبر و رضا بر قضا میں کمی لاحق ہوئی۔ جس مریض کو تین سال مرض اسہال میں اس طرح گذریں کہ کروٹ بدلنا بھی دشوار ہو اس کے متعلق یہ خیال بے موقع نہ تھا کہ بستر کی بدبو دھوبی کے یہاں بھی نہ جائے گی، مگر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ غسل کے لئے چارپائی سے اتارنے پر پوتڑے نکالے گئے جو نیچے رکھ دیئے جاتے تھے تو ان میں بدبو کی جگہ خوشبو اور ایسی نرالی مہک پھوٹتی تھی کہ ایک دوسرے کو سنگھاتا اور ہر مرد و عورت تعجب کرتا تھا چنانچہ بغیر دھلوائے ان کو تبرک بنا کر رکھ لیا گیا۔

ہر چند کے عدم بلوغ کی بیعت محض حصول برکت کے لئے ہوتی ہے مگر جس درجہ کی بھی ہو چونکہ حضرت کو اس سلسلہ سے روحانی وابستگی ہوئی اس لئے مولانا مظفر حسین صاحب کے مختصر حالات جو مرحوم کے پرنواسہ مولوی احتشام الحسن سلمہٗ نے قلمبند کر کے بھیجے ہیں بجنسہٖ درج کرتا ہوں۔

حضرت مولانا مولوی مظفر حسین صاحبؒ مولانا محمود بخش صاحبؒ کے صاحبزادے اور حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کے بھتیجے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے مولوی مظفر حسین صاحب بن مولوی محمود بخش بن مولوی حکیم شیخ الاسلام بن حکیم قطب الدین بن شیخ عبدالقادر بن شیخ محمد شریف بن مولوی محمد اشرف بن جمال محمد شاہ بن بابن بن بہاء الدین بن شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل بن شیخ قطب شاہ۔

ابتدائی تعلیم حضرت مفتی صاحبؒ سے حاصل کی لیکن تعلیم پوری نہ فرمانے پائے تھے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اس دارِ فانی سے دار البقا کی جانب رحلت فرمائی اس لئے بقیہ تعلیم ظاہری و باطنی دہلی میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سے پوری فرمائی جو کہ شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے نواسے اور شاگرد رشید تھے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مہاجر مکی سے بھی شدید تعلق تھا اور آپ انہیں سے مرید بھی تھے۔ سلسلہ درس و تدریس نہ تھا۔ ایک سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے کبھی کبھی مسجد میں اور کبھی کبھی مستورات میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ایک گاڑھے کا کرتہ پاجامہ نیلی لنگی یہ آپ کا لباس تھا۔ میری دادی صاحبہ یعنی صاحبزادی صاحبہ حضرت مولانا صاحبؒ فرماتی تھیں کہ ایک بار میں نے موٹی ململ کا کرتہ حضرت کے لئے سیا۔ اول تو زیب تن فرمانے سے انکار کیا بعد میں میری خوشنودی کو پہنا۔ مگر جمعہ کی نماز پڑھ کر فوراً اتار دیا۔ اور فرمایا کہ میرے گاڑھے کا کرتہ دیدو۔ اس سے عجب پیدا ہوتا ہے۔ سواری پر کبھی سوار نہ ہوتے پیدل سفر کرتے تھے۔ اور سامانِ سفر لوٹا لنگی لکڑی شکیزہ ہوتا تھا۔ جہاں شام ہو جاتی تھی وہیں شب بسر فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شام ایک ایسے گاؤں میں جہاں سب ہندو تھے۔ کوئی مسلمان نہ تھا۔ وہاں والوں سے کہا کہ رات کو رہنے کے لئے کوئی جگہ بتا دو تو ایک شخص نے گاؤں کے باہر کو لیور پر بتا دیا۔ آپ کے پاس روٹی تھی۔ اس کو نوش فرمایا۔ اتفاقاً وہی شخص رات کو کسی کام کے لئے جنگل میں آیا تو حضرت کو قرآن پڑھتے سنا۔ تمام شب بیتابی سے گزاری اور صبح کو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ رات جو تو پڑھ رہا تھا وہ جلدی سے مجھے بھی پڑھا دے۔ اس کے بعد آپ کو اپنے گھر لے گیا اور وہاں اس کے بچے بیوی وغیرہ سب مسلمان ہو گئے۔ ایک مرتبہ آپ کا جلال آباد پاس شاملی گزر ہوا ایک مسجد ویران پڑی تھی وہاں نماز کے لئے تشریف لا کر پانی کھینچا وضو کیا مسجد میں جھاڑو دی۔ بعد میں ایک شخص سے پوچھ کر یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا کہ جی سامنے خاں صاحب

Marfat.com

کا مکان ہے جو شرابی اور رنڈی باز ہیں، اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہو جائیں۔ آپ اُن خانصاحب کے پاس تشریف لے گئے تو رنڈی پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اور نشہ میں مست تھے۔ آپ نے خانصاحب سے فرمایا کہ بھائی خاں صاحب اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں اور مسجد آباد ہو جائے گی۔ خاں صاحب نے کہا کہ میرے سے وضو نہیں ہوتی اور نہ یہ دو بُری عادتیں چھوٹتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بے وضو ہی پڑھ لیا کرو اور شراب بھی پی لیا کرو۔ اس پر اُس نے عہد کیا کہ میں بغیر وضو نماز پڑھ لیا کروں گا۔ آپ وہاں سے تشریف لے گئے اور کچھ فاصلہ پہ نماز پڑھی اور سجدہ میں خوب روئے ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت آپ سے دو ایسی باتیں سرزد ہوئیں جو کبھی نہیں ہوئیں اوّل یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دے دی۔ دوسرے یہ کہ آپ سجدہ میں بہت روئے۔ فرمایا کہ سجدہ میں میں نے جناب باری سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت کھڑا تو میں نے کر دیا۔ اب دل تیرے ہاتھ میں ہے" ان خانصاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا اپنا عہد یاد آیا۔ پھر خیال آیا کہ آج پہلا روز ہے لاؤ غسل کر لیں کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے۔ غسل کیا پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی بعد نماز باغ کو چلے گئے عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی۔ بعد مغرب گھر پہنچے تو طوائف موجود تھیں۔ اوّل کھانا کھانے گھر میں گئے۔ بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے۔ ان کی شادی کو سات سال ہو گئے تھے۔ اور آج تک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے اور نہ اس کی صورت دیکھی تھی۔ فوراً باہر آئے رنڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا۔ اور خادم سے کہا کہ بستر گھر میں بھیج دو۔ سنا ہے کہ ان خانصاحب کی ۲۵ سال تک کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔

ایسے ہی ایک مرتبہ گڑھی پختہ تشریف لے گئے۔ ایک خانصاحب سے نماز کے لئے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے داڑھی چڑھانے کی عادت ہے اور

وضو سے یہ اتر جاتی ہے آپ نے فرمایا کہ بغیر وضو پڑھ لیا کرو۔ خاں صاحب نے کچھ روز بغیر وضو نماز پڑھی پھر خیال آیا کہ ایک مولوی کے کہنے سے تو نے بغیر وضو نماز پڑھنی شروع کر دی۔ اور اللہ و رسولؐ کے حکم سے باوضو نہیں پڑھی جاتی۔ اس کے بعد ہمیشہ باوضو نماز پڑھنے لگے۔

آپ بہت سے سات حج گئے اور پیدل۔ ایک مرتبہ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ پانی پت سے چل کر شب کو کسی گاؤں میں سرائے کی مسجد میں قیام فرمایا اور آخیر شب میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اتفاق سے رات کو سرائے میں چوری ہو گئی۔ بھٹیاری نے کہا کہ ایک شخص مسجد میں ٹھہرا تھا اور صبح کو چلا گیا ضرور وہی چور ہے لوگ تعاقب کے لئے آئے اور جھنجھانے کے قریب آ کر پکڑ لیا۔ اور کہا کہ تھانے چلو آپ نے فرمایا کہ جھنجھانے کے تھانہ میں نہ لے چلو اور کہیں چلو اس پر ان لوگوں کو اور بھی شبہ ہوا اور وہ جھنجھانے ہی کے تھانے میں لے گئے۔ اور ایک سپاہی کے حوالہ کر دیا جس نے حوالات میں آپ کو بند کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد قصبہ کے لوگوں نے دیکھا اور تمام قصبہ میں شور ہو گیا۔ عوام بہت مشتعل ہو گئے اور یہ سمجھ کر کہ تھانہ دار کی بدمعاشی ہے اس کی جان کے درپے ہو گئے۔ تھانہ کو لوٹنا چاہتے تھے۔ تھانے دار خواجہ احمد حسن تھے جو میرے دادا مرحوم کے دوست تھے۔ اور مولوی صاحب سے خوب واقف تھے۔ بہت مشکل سے جان بچا کر تھانے آئے اور مولوی صاحب کو حوالات سے نکالا اور واقعہ کی تحقیق کی پھر لوگ اس پانی پت والے آدمی کی جان کے درپے گئے جو آپ کو پکڑ کر لایا تھا۔ آپ نے خواجہ احمد حسن سے فرمایا کہ اس کی جان کے تم ذمہ دار ہو اس کے ساتھ دو تین آدمی کر دو جو اس کو بخیریت پانی پت پہونچا دیں۔

ایک مرتبہ کاندھلہ تشریف لا رہے تھے ایک شخص مل گیا اس سے دریافت فرمایا کہ کہاں جاؤ گے؟ جواب دیا کہ کاندھلہ مولوی مظفر حسین کے پاس اس کے پاس سامان تھا اور آپ خالی ہاتھ تھے۔ آپ نے اس سے سامان لیکر اپنے سر پر رکھ لیا کاندھلہ آ کر جب اُسے معلوم ہوا کہ یہی مولوی صاحب ہیں تو بہت پشیمان ہوا آپ

Marfat.com

نے فرمایا کہ اس میں حرج کیا تھا میں خالی ہاتھ تھا اور تم بوجھ لئے ہوئے آرہے تھے۔ آپ محتاط بہت زیادہ تھے کبھی مشتبہ مال نہ کھاتے تھے اور اگر بھولے سے یا غلطی سے کھالیتے تو فوراً قے ہو جاتی تھی۔

زمانہ طالب علمی کا قصہ ہے کہ آپ نے کئی سال روٹی سالن سے نہیں کھائی دریافت کرنے پر فرمایا کہ دہلی کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑتی ہے اور آموں کی بیع ناجائز طریق پر ہوتی ہے اس لئے میں سالن نہیں کھاتا آپ بجز اپنے گھر کے اور کسی کے یہاں دعوت وغیرہ میں تشریف نہ لے جاتے تھے ابتداءً قاضی جی اور متولی جی کے یہاں کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ قاضی جی اور متولی جی کے والد کے انتقال کے بعد اُن کے یہاں بھی کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر شروع کر دیا اور بغیر بلائے خود تشریف لے گئے دریافت کرنے پر فرمایا کہ پہلے تم نابالغ تھے اس لئے میں تمہارے مال سے پرہیز کرتا تھا اب تم بالغ ہو گئے اس لئے مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔

ایک مرتبہ مولوی نورالحسن صاحب کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے کچھ دام اپنے صاحبزادے مولوی محمد ابراہیم صاحب کو دئیے کہ خود جا کر ان کا سامان کھانے کے لئے لائیں تاکہ کچھ گڑبڑ نہ ہو۔ کھانا تیار ہوا اس میں فیرنی بھی تھی جس کے کھاتے ہی قے ہو گئی۔ مولوی نورالحسن صاحب بہت پریشان ہوئے۔ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ جو دودھ مولوی محمد ابراہیم صاحب لائے تھے۔ وہ گر گیا تھا۔ پھر دودھ باورچی حلوائی کے یہاں سے ادھار لے آیا تھا۔

بہت زائد منکسر المزاج تھے ہر ایک کام خود کیا کرتے تھے۔ بلکہ دوسروں کا کام بھی کیا کرتے تھے۔ عادت شریفہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور جو جو گھر اپنے اقارب کے تھے ان میں تشریف لے جاتے اگر کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہو تو پوچھ کر وہ لا دیتے پیسہ اُس زمانہ میں کم تھا جو شئے آتی تھی وہ غلے کی آتی تھی۔ آپ غلہ کبھی کرتے کے پلے میں لے جاتے اور کبھی لنگی میں۔

ایک دفعہ رام پور تشریف لے گئے ایک عورت حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا کہ میرا خاوند مجھے خرچ نہیں بھیجتا۔ آپ نے اس کا پتہ دریافت فرمایا اور وہاں سے فیروز پور تشریف لے گئے اور اس کے خاوند کو تلاش کر کے ہدایت کی کہ آئندہ خرچ ہمیشہ بھیجا کرو۔

بیوہ کے نکاح کو سخت معیوب سمجھا جاتا تھا آپ کو فکر ہوئی کہ اس رسم کو توڑنا چاہیئے اسی فکر میں تھے کہ مولوی ابو القاسم صاحب صاحبزادہ حضرت مفتی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اُن کو اوّلاً ترجمۂ قرآن شریف پڑھنے کی ترغیب دی انہوں نے ترجمہ شروع کیا پھر ایک موقعہ پر انہیں نکاح ثانی کی ترغیب دی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے آپ نے فرمایا کہ تم شہید ہو گی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اگر تم نکاح کرو تو میں تیار ہوں مگر میں اور تم دونوں مارے جائیں گے۔ آپ نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا اور پھر اقرار فرمایا اور ایک موقعہ پر دو چار آدمیوں کے سامنے مخفی طور سے نکاح ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد حمل ٹھہر گیا کسی کو نکاح کی خبر نہ تھی ہر جگہ زنا کا شور مچ گیا۔ تھانہ بھون والے چڑھ آئے۔ لڑکی والے کی طرف سے اعلان تھا کہ جو کوئی شخص مولوی مظفر حسین صاحب کا سر اتار کر لاوے گا اس کو ایک سو روپیہ ملے گا۔ آپ کاندہلہ سے دہلی تشریف لے گئے۔ اتفاق کی بات کہ ان کی والدہ سخت علیل ہو گئیں قاضی صاحب یعنی ان کے والد بہت پریشان ہو گئے ہر قسم کا علاج کیا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب بالکل مایوس ہو گئے تو ایک فقیر ملا اور کہا کہ حافظ ضامن صاحب سے یہ کہلا دو کہ اچھی ہو جا پھر اچھے ہونے کا میں ذمہ دار ہوں۔ سب لوگ حافظ صاحب کے سر ہو گئے وہ انکار کرتے تھے قفیا نے حافظ صاحب کی بہن تھیں بہت اصرار پر آپ نے فرمایا کہ کاندہلہ سے اپنی لڑکی بی رحمت کو بلا لو تب کہوں گا۔ اوّل تو بہت پس و پیش ہوئی بعد میں مجبوراً بلانا پڑا۔ ان کے پہنچتے ہی خود بخود صحت شروع ہو گئی۔ اب مولوی مظفر حسین صاحب بھی دہلی سے تھانہ بھون تشریف لے گئے۔

Marfat.com

کیرانہ میں ایک رافضی عورت تھی۔ آپ نے انہیں اہل السنۃ والجماعۃ ہونے کی ترغیب دی انہوں نے کہا کہ اگر آپ نکاح کریں تو میں توبہ کر لوں گی۔ آپ نے منظور فرمایا یہ بھی بیوہ تھیں۔ انہوں نے کہا کہ جب موقع ہوگا میں خط لکھوں گی تم آکر لے جانا محرم کے موقعہ پر جب سب عورتیں قصبے سے باہر تازیے دیکھنے گئیں تو ان کا پرچہ مولوی صاحب کے پاس آیا جس میں یہ نشان تھا X آپ نے میرے دادا مولوی محمد صادق صاحب اور چند آدمیوں کو ڈولی لے کر کیرانہ بھیجا اور یہ رات کو انیچے کیرانہ جا کر ان کو لے آئے جب کیرانہ والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے تعاقب کیا۔ یہاں سے بھی ان کی اعانت کو لوگ گئے مگر مولوی محمد صادق ان کے ہاتھ نہ آئے اور بخیر کاندھلہ پہنچ گئے۔ ان محترمہ نے حضرت کو بہت سخت تکالیف پہونچائیں۔ مگر آپ سب سہتے تھے۔ اکثر رات کو دروازہ بند کر لیا کرتی تھیں اور حضرت دروازے کے باہر لنگی بچھا کر نمازیں وہ وقت گزارا کرتے تھے۔ ایک رات کے تین حصے فرمایا کرتے تھے۔ اول حصہ میں دوسری بیوی کو جو بیوہ تھیں ترجمہ قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ دوسرے میں صاحبزادیوں کو ترجمہ پڑھایا کرتے تھے تیسرا حصہ کیرانہ والی بیوی کا تھا جس میں ان کے یہاں جا کر تہجد پڑھا کرتے تھے۔

آپ نے حج پیدل کئے جس میں ایک مولوی محمد یعقوب صاحبؒ کے ساتھ اور ایک ہمراہ اہل وعیال۔ بعد میں مولوی محمد یعقوب صاحب کا خط آیا کہ تم یہاں چلے آؤ اس خط کو مولوی نور الحسن صاحب نے چھپا لیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو فوراً روانہ بیت اللہ ہو گئے۔ یہ روانگی سہ ۲۴ جمادی الثانیہ روز شنبہ ۱۲۸۲ھ میں ہوئی۔ ابھی مکہ مکرمہ نہ پہنچے تھے کہ اسہال کا مرض لاحق ہو گیا۔ مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا تھا کہ مدینہ منورہ میں موت آتی لیکن بظاہر اب میری موت کا وقت قریب آ گیا آپ مراقبہ کیجئے۔ انہوں نے مراقبہ کے بعد فرمایا کہ نہیں آپ مدینہ منورہ پہونچ جائیں گے۔ کچھ روز کے بعد آپ اچھے ہو گئے اور اگلے ہی روز مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ مدینہ منورہ پہونچنے میں ایک

Marfat.com

منزل باقی تھی کہ آپ پھر بیمار ہو گئے اور ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۵ مئی یوم جمعہ ۱۸۶۶ء کو انتقال فرمایا اور نزدیک قبر حضرت عثمانؓ مدفون ہوئے۔ کرتہ۔ پاجامہ لنگی۔ لوٹا مشکیزہ آپ نے چھوڑا حسب وصیت لوٹا اور مشکیزہ بیت المال میں داخل کر دیا گیا۔ لنگی مریدین میں تقسیم کر دی گئی اور کرتہ پاجامہ صاحبزادیوں کے پاس بھیج دیا جس میں پاجامہ معتقدین میں تقسیم کر دیا گیا اور کرتہ مبارک موجود ہے۔ فقط

محبت ایک مخفی چیز ہے جس کی اطلاع دوسروں کو صرف اس کے اثرات و ثمرات سے ہو سکتی ہے کہ محبوب کی اتنی عظمت قلب میں ہو کہ حاضر و غائب ہر حال اس کا لحاظ مساوی رہے پس حضرت کے قلب میں اپنے شیخ امام ربانی کی جو محبت تھی اس کی حقیقت بجز اللہ عالم الغیب کے کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں اس کے اثرات جو کبھی کبھی کسی واقعہ پر ظاہر ہوتے تھے ان پر حیرت ہوا کرتی اور وہ متوسلین کو عملی سبق پڑھایا کرتے تھے۔ کہ روحانی برکات حاصل کرنا ہوں تو اللہ سے دعا کرو کہ ایسا تعلق مع الشیخ نصیب ہو جائے۔ حضرت امام ربانی کے وصال پر بندہ بھی حضرتؒ کے پاس گنگوہ حاضر تھا۔ ہر چند کہ اس سانحۂ عظمیٰ پر آپ صبر و رضا کی مجسم تصویر تھے مگر ایسے مبہوت کہ گویا آپ کا بال بال چشم گریاں بنا ہوا ہے۔ حضرتؒ کا جنازہ سہ دری میں تھا آپ خانقاہ میں ایک سکوت طویل کے ساتھ ایک طرف بیٹھے ہوئے چپکے چپکے تلاوت قرآن میں مشغول تھے اور غلبۂ حزن میں جب کوئی آنسو آنکھ سہار نہ سکتی تو کنارۂ چادر سے آپ پونچھ لیتے تھے۔ وصال کے بعد حضرت کے متوسلین جب آپ کی طرف بالطبع رجوع ہوئے تو آپ کی عجیب کیفیت تھی نہ ان کو چھوڑے بن پڑتا تھا کہ چھوٹے بھائی تھے اور شفقت کے محتاج اور نہ ان کی یہ درخواست آپ کو شیخ کی یاد تازہ کر کے رلائے اور بے چین کئے بغیر رہتی تھی۔ مولوی عبد العلیم خاں ہونگامی نے جب اس قسم کی درخواست حادثہ کے قریب ہی آپ کی خدمت میں بھیجی تو دیر کے بعد حضرتؒ کا یہ جواب آیا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عریضہ دو ماہ کا ہوا کہ گرامی نامہ صادر ہوا تھا بخت

Marfat.com

ندامت ہے کہ اس کے جواب میں تاخیر ہوئی۔ زمانہ سفر قریب تھا اور طبع مضمحل تھی پھر کچھ علیل رہا۔ بالجملہ بسبب وجوہات جواب نہ لکھ سکا جس تعلق سے آپ نے خط لکھا اسی تعلق کے واسطے سے میں مستدعی ہوں کہ معاف فرمائیں گے۔ آپ نے ذکر کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ میں کس قابل ہوں کہ مشورہ دوں۔ خدام حضرت میں مجھ روسیاہ سے زیادہ کوئی بھی نالائق نہ ہوگا۔ بتیس ۳۲ سال کا عرصہ حضور کی خدمت و حیات کا گذرا اور کچھ نہ کیا۔ کیا خبر تھی کہ یہ روز سیاہ دیکھنا پڑے گا۔ کیا معلوم تھا کہ حضرتؒ عالم قدس کو رخصت ہو جائیں گے۔ اور میں تیہ کار آپ کے بعد دنیا میں بیٹھا رہوں گا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ وصبر جمیل۔ بالجملہ حیران ہوں کہ کیا عرض کروں پھر اگر عرض نہ کروں تو کیونکر نہ کروں۔ تعلقات سے کیونکر قطع نظر کردں۔ ذکر کے بارے میں جہاں تک اس وقت میرے خیال میں ہے کہ ذکر جہر آپ کو زیادہ نافع ہے۔ گو اس قدر نہ ہو کہ موجب تکلیف ہو۔ علاوہ اس کے ذکر خفی کرنا بھی مضائقہ نہیں۔ اس وقت معذور ہوں تعین نہیں کر سکتا۔ بوقت ملاقات مفصل عرض کروں گا۔ والسلام

خلیل احمد عفی عنہ از سہارنپور سہ شنبہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۶ء

دوسرے خط میں یہ حزن و غم بے اختیار بزبان قلم ان لفظوں میں ظاہر ہوا۔ مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ مع استفتا پہنچا۔ جواب ارسال خدمت ہے۔ باقی امور کا کیا جواب دوں بجز اس کے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت نے کمر توڑ دی۔ میں تو دل سے کہتا ہوں۔ ؎

سُنے کون ہائے صدائے دل ملے کس سے آہ شفائے دل ۔ وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم خدام کارہ ہیں یا ناکارہ آپ اور تمام خدام حضرت رحمۃ اللہ کے خادم ہیں انشاء اللہ کسی کام سے عذر نہیں فقط خلیل احمد عفی عنہ

حضرت کے متوسلین کو جس طرح آپ نے یتیم اور چھوٹا بھائی سمجھ کر آغوش شفقت میں لیا اور چھاتی سے لگایا اسی طرح حضرتؒ کی وفات کے بعد حضرت کے متعلقین اور رشتہ داروں کو اپنے خون شریک عزیزوں سے زیادہ پیارا اور محبوب سمجھا صاحبزادہ

Marfat.com

حضرت مولانا حکیم مسعود احمد صاحب مدظلہم کسی مریض کا علاج کرنے سہارنپور تشریف لاتے تو حضرتؒ خادمانہ طور پر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ایک مرتبہ مودبانہ درخواست کی کہ مہمانی قبول فرمائیں اور مدرسہ کو قیام سے نوازیں صاحبزادہ صاحب نے منظور فرمالیا تو حضرت کو اتنی خوشی ہوئی کہ عرصہ تک اپنے مخلصین سے بے اختیار فرمایا کرتے کہ صاحبزادہ صاحب نے بندہ کی درخواست قبول فرماکر شرف میزبانی بخشا:

صاحبزادی صاحبہ سے حضرت کو خصوصی تعلق تھا کہ ماشاءاللہ ہر قسم کے کمالات روحانیہ سے مالامال ہونے کے باوجود وہ حضرت کو پیر کی جگہ سمجھتی تھیں اور حضرت ان کو اپنی بڑی بہن سمجھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ مستورات نے حضرت سے بیعت کی تو مخدومہ صاحبزادی صاحبہ نے بھی رومال تھام لیا اور بیعت ہوگئیں کہ اس وقت حضرتؒ کو علم بھی نہیں ہوا مگر باوجود اس کے حضرت ان کی اس درجہ عزت فرمایا کرتے تھے کہ ماں زندہ ہوتیں تو بس اس سے زیادہ نہ کرسکتے۔ وہ سہارنپور تشریف لاتیں تو حضرت مدرسہ سے فارغ ہوتے ہی باہتمام مکان پر جاتے اور جب تک مخدومہ کا قیام رہتا حضرت پر مسرت کا وہ عالم طاری رہتا گویا حضرت امام ربانی تشریف لے آئے۔ گھر بار سب ان پر چھوڑ کر مطمئن ہوجاتے اور کوئی بات اہل کی طرف سے حضرت سے دریافت بھی کی جاتی تو بے ساختہ فرماتے بہن تشریف رکھتی ہیں۔ ان سے پوچھو اور خود وہ فرمائیں: وہ کہ ان کے ہوتے ہوئے مجھ سے کسی بات کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے" حضرت مخدومہ سفر حج کو تشریف لے گئیں تو دہلی تک حضرتؒ نے مشایعت ربانی اور پھر اتفاق سے حضرت بھی شریک حج ہوگئے تو مکہ مکرمہ پہنچ کر مخدومہ کی تمام ضروریات اپنے ذمہ رکھ کر مدنی سفر میں خادمیت کا وہ حق ادا کیا کہ خود شغدف اٹھا کر اونٹ پر لادتے اور سیڑھی پکڑ کر مخدومہ کو سوار کراتے اور جب تک وہ بآرام سوار نہ ہوجائیں حضرت اپنے اونٹ پر سوار نہ ہوتے تھے:

Marfat.com

حضرت امام ربانی کے ہمشیرہ زادہ مولوی محمد ابراہیم صاحب ایک بار اپنے لڑکے کو مدرسہ میں داخل کرنے کے لئے سہارنپور لائے جو ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے اور قواعد مدرسہ کی رُو سے اُن کے وظیفہ کا مدرسہ متحمل نہ ہوسکتا تھا۔ وہ تشریف لائے تو حضرت نے بغلگیر ہوکر غایت احترام کے ساتھ ان کو بٹھایا اور لڑکے کو مہتمم صاحب کے پاس بھیجدیا کہ داخل کرلیا جائے۔ مہتمم صاحب نے درخواست پر جواب لکھدیا کہ قواعد مدرسہ کے خلاف اسکا درو وظیفہ مدرسہ سے نہیں دیا جاسکتا۔ حضرتؒ چپ تھے کہ نہ مدرسہ کا قاعدہ کسی کی رعایت میں توڑا جاسکے اور نہ ہمشیرزادہ شیخ کی صحبت سفر اور خواہش سے چشم پوشی کی جاسکے۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب کو مہتمم صاحب کا یہ رُوکھا جواب ناگوار گذرا اور یہ دیکھکر کہ پھر حضرت نے بھی اس کی تردید نہ کی زیادہ غصہ آیا کہ واپسی پر آمادہ ہوگئے اور حضرت سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے میں پنجاب جانے والی اسی گاڑی سے جاؤں گا۔ حضرتؒ خود ہی پریشانی و فکر میں تھے۔ شیخ کے بھانجے کا رنج وغصہ دیکھکر اور پریشان ہوئے۔ آخر یہ فرمایا کہ مولانا ابھی گاڑی میں دیر ہے۔ ذرا مجھے اجازت دیجئے کہ مکان پر ہو آؤں۔ غرض مکان پر جاکر کھانا تیار ہونے کا تقاضا کیا اور پھر خدا جانے کہاں تشریف لے گئے کچھ دیر بعد خوشی خوشی مدرسہ میں آئے اور اسی درخواست کی پشت پر یہ لکھکر کہ پانچ روپیہ ماہوار پیشگی جمع کرکے میری ذمہ داری پر طالبعلم مذکور کو مدرسہ میں داخل کرلیجئے۔ درخواست اور روپیہ لڑکے ہی کے ہاتھ مہتمم صاحب کو بھیجدیا اور مولوی ابراہیم صاحب سے فرمایا کہ حضرت آپ تو میرے آقا کے ہمشیرزادہ ہیں اُن کا کتا بھی اگر آئے تو اس کے لئے آنکھوں کا فرش کردوں۔ میں تو پریشان تھا کہ آپ کو راضی کرنے کی کیا صورت کروں سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے انتظام فرمادیا اطمینان رکھئے عزیز کا خرچ خوراک ہر مہینہ مدرسہ میں داخل ہوتا رہے گا۔ اور اب عرض ہے کہ کھانا تیار ہے دل چاہے کچھ قیام فرمائیں ورنہ کھانا کھاکر اسٹیشن کی طرف لے جائیں۔ مولوی ابراہیم صاحب لکھتے ہیں کہ اُس وقت میں سمجھا کہ شیخ کی محبت و عظمت کیا چیز ہوتی ہے اور آپ کو قدرت نے

اس کا حظ وافر کتنا عطا فرمایا ہے۔ الحاصل لڑکپن کی برائے نام بیعت کا جب یہ احترام تھا کہ آپ حضرت ہاشمی مرحومہ کی آستانہ بوسی کو فخر سمجھتے اور ان کے نواسوں مولانا محمد یحیٰی صاحب و مولانا محمد الیاس صاحب کو اپنی اولاد سے زیادہ پیارا سمجھتے رہے تو آستانہ گنگوہیہ کی عظمت کا کیا پوچھنا کہ جو کچھ بھی آپ کو ملا وہ اسی دربار دُربار سے ملا۔ آپ کا رُواں رُواں اپنے محسن و مربی شیخ کا ممنونِ احسان اور گویا بزبانِ حال اس شعر کا وردِ رکھتا تھا ؎

باغبان خانہ ات آباد ثنا خوانِ توام　　　　چوں صبا باد فروشِ گل ریحان توام

میں نے حضرت امام ربانی کے خطوط جو بہاولپور بریلی وغیرہ حضرتؒ کے نام گئے دیکھے ہیں کہ سب بیرنگ ہیں اور کسی پر بھی ٹکٹ نہیں۔ یہ صرف اس لئے کہ گو محصول دوچند دینا پڑے مگر شیخ کی تحریر جو گویا مسولے کا پنترہ ہے دوسرے کے ہاتھ نہ پڑے۔ اور بحفاظت آپ ہی کو پہنچے .... اور جب آپ سہارنپور چلے آئے کہ گنگوہ کا دروازہ تھا تب تو گنگوہ جانے والا کوئی شخص بھی ایسا نہ چھوڑا جس کے ہاتھ عریضہ اور زبانی سلام غلامانہ نہ پہنچایا ہو۔ گنگوہ اس وقت میں مرجع خلائق بنا ہوا تھا اور آپ کا دل چاہتا تھا کہ آستانہ شیخ پر حاضر ہونے والے آتے اور جاتے آپ ہی کے پاس ٹھیریں ادھر اعلیٰحضرت کو آپکے ساتھ محبت زیادہ تھی کہ جو مہمان براہ سہارنپور آتا اس سے پوچھا کرتے کہ خلیل احمد اچھی طرح ہیں اور ان سے مل کر بھی آئے یا نہیں؟ اس لئے ہر چند کہ مدرسہ شہر کے ایک گوشہ میں تھا مگر حضرت کے خاص متوسلین اہتمام کر کے مدرسہ آتے اور حضرت ہی کے پاس قیام کرتے تھے۔ مدرسہ سے اس وقت حضرت کو چالیس روپیہ ماہوار ملتے تھے اور فتوحات و نذر و ہدایا کا سلسلہ بھی نہ تھا اکثر حضرت بسلسلہ مہمانداری مقروض رہتے اور تنگی کے ساتھ گذر کیا کرتے مگر برادرانِ طریقت کی مدارات سے آپ کے قلب کو جو فرحت پہنچتی تھی وہ ہر فکر و عسر کو دابے لیتی تھی گنگوہ سہارنپور سے بائیس۲۲ میل تھا اس لیئے دن کو یا رات کو گنگوہ سے آنے والے مدرسہ میں اکثر بغیر اطلاع اور نا وقت آتے تھے اکثر ایسا ہوا کہ آپ ان کے لئے کھانا لینے گھر

Marfat.com

میں گئے تو معلوم ہوا کہ بی بی بچوں سے زائد نہیں ہے اور نہ گھر میں آٹا دال ہے کہ پکا لیا جائے مگر گھر والے بھی آخر آپ ہی کے گھر والے تھے اس لئے سارا کھانا باہر مہمانوں کے لئے آ جاتا اور بی بی اور دونوں لڑکیاں صرف پانی پی کر سو جایا کرتی تھیں۔ حضرت رح فرمایا کرتے تھے کہ میں دلداری کے لئے مہمانوں کے ساتھ بیٹھ تو جاتا تھا مگر پھر خیال آتا کہ بچیوں نے کچھ کھایا نہیں اس لئے میں بھی بھوکا اٹھ جاتا تھا۔ بایں ہمہ گنگوہی مہمانوں سے دل تنگی کا تو کیا ذکر آپ کے اصرار اور مخلصانہ محبت کی وجہ سے مہمانوں کا آنا دن بدن بڑھتا ہی رہا۔ اگر کوئی بالا بالا چلا جاتا تو آپ کو رنج ہوتا اور شکوہ فرمایا کرتے کہ مجھ سے مل کر کیوں نہ گئے۔ پھر کھانا ہی نہیں بلکہ مہمانوں کی ہر ضرورت کا پورا کرنا آپ اپنا فرض سمجھتے۔ حتیٰ کہ ان کی روانگی نا وقت ہوتی تو لاٹھی لے کر اُن کے ساتھ چلتے کہ راستے میں کتا بلی پریشان نہ کرے۔ ایک مرتبہ بندے کو صبح نماز کے وقت جانے والی ریل پر سوار ہونا تھا تو حضرت قبیل فجر لاٹھی لے کر تشریف لے آئے اور ہر چند بندہ نے اصرار کیا کہ حضرت تکلیف نہ فرمائیں مگر حضرت نے نہ مانا اور یہ فرما کر کہ باتیں کرتا چلوں گا ذرا دل بہلا رہے گا اور دونوں کی نماز بھی با جماعت ہو جائے گی ساتھ ہو لئے سپاہیانہ انداز پر لاٹھی ہلاتے ہوئے اسٹیشن پر آ گئے۔ وہاں دونوں نے جماعت کر کے نماز پڑھی اور جب میں ریل میں بیٹھ گیا تب حضرت پیدل ہی مدرسہ واپس ہوئے۔

پائے در زنجیر پیش دوستاں   بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

نکاح اور اولاد

حضرت قدس سرہ کا رشتۂ مصاہرت قصبۂ گنگوہ کے انصاری خاندان سے وابستہ ہے کہ شاہ حسن عسکری شہید کی جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک حضرت رح کے عم بزرگوار شاہ حبیب محمد صاحب کو منسوب ہوئیں جو کہ مولانا صدیق احمد صاحب کی والدہ تھیں۔ اور دوسری صاحبزادی جن کا نام الٰہی بیگم

Marfat.com

تھا گنگوہ میں شاہ عبدالرحمٰن بن مولانا شاہ حبیب اللہ گنگوہی سے بیاہی گئیں شاہ عبدالرحمٰن صاحب کی تین صاحبزادیاں ہوئیں جن میں ایک حضرت مولانا حکیم اسمٰعیل صاحب گنگوہی کے نکاح میں آئیں اور ان کے بطن سے فخر خاندان مولانا مولوی حکیم سعید احمد صاحب تولد ہوئے جو آج اپنے باپ کے برابر میں سمجھے جانشین اور بمبئی کے مشہور طبیب ہیں۔ دوسری صاحبزادی کا شاہ محمد صادق صاحب سجادہ نشین انبہٹہ سے رشتہ ہوا اور تیسری صاحبزادی جن کا نام انبیا بیگم تھا حضرت قدس سرہ کے نکاح میں آئیں۔ ان بہنوں کے دو بھائی تھے۔ شاہ مظہر حسین اور مولانا حکیم فخر الحسن صاحب کہ ثانی الذکر کی یادگار حضرت مولانا حافظ فیض الحسن صاحب مدظلہٗ ہیں جن کا شمار حضرت قدس سرہ کے خلفاء میں ہے اور اپنے موقع پر تذکرہ ہوگا۔

۱۲۸۹ھ میں جبکہ حضرت قدس سرہ کی عمر کا اکیسواں سال شروع تھا اور آپ تعلیم سے فارغ ہوکر ملازم ہوچکے تھے۔ لڑکی والوں کا آپ کے والدین پر تقاضا ہوا کہ عقد نکاح سے فراغ پاؤ چنانچہ تاریخ مقرر ہوگئی اور بارہ چودہ اعزہ کی بہت مختصر و سادہ برات چار یا پچ بہل میں سوار ہوکر انبہٹہ سے گنگوہ روانہ ہوئی حضرت امام ربانی قدس سرہ نے خطبۂ نکاح پڑھکر ڈھائی ہزار روپیہ مہر قرار دے کر اپنے روحانی بیٹے کا عقد کیا۔

۱۲۹۰ھ میں حق تعالیٰ نے آپ کو فرزند عطا فرمایا جن کا نام محمد ابراہیم رکھا گیا اور ۲ دو نام تاریخی تجویز ہوئے ظفر علی اور ناظر الحق۔ ڈھائی سال بعد شروع ۱۲۹۳ھ میں لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام منیر النساء رکھا گیا اور ان کے ڈھائی سال بعد ۲۰ ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں دوسری لڑکی پیدا ہوئی۔ مگر بحکم قضا و قدر یہ ولادت ماں اور بیٹی دونوں کے لئے عالم آخرت کا بلاوا تھی کہ صرف تین دن زندہ رہ کر اول معصومہ نے دنیا کو الوداع کہا اور اسی روز والدۂ محترمہ بسوئے عالم آخرت روانہ ہوگئیں۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

دُنیا عجیب گھر ہے کہ غمی اور خوشی توأم اور انقلابِ احوال اس کے لئے لازم ہے۔ قدرت کے یہی تصرفات جو حوادث و واقعات کہلاتے ہیں انسان کے ضبط و استقلال کی کسوٹی اور مسلمان کے تعلق مع اللہ اور ایمان بالغیب کا امتحان بنتے ہیں کہ انسان کی ابنائے جنس کے ساتھ محبت بھی فطری بات ہے اور کوئی اس کی تبدیلی میں کوشش بھی کرے تو شریعت اس کو ممنوع و حرام قرار دے کر مجبور کرتی ہے کہ قدرت کا مقابلہ کر کے فرعون نہ بنو۔ بایں ہمہ شریعت چاہتی ہے کہ ان تمامی تعلقات کی ثنائیت و انقطاع کو ہر لمحہ یاد رکھو تاکہ حی و قیوم خدا کے ساتھ انس و محبت کے تعلق کا مقابلہ نہ کر سکیں اور صبر و رضا کی مضبوط رسّی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ یہی حوادث اور محبوب چیزوں کا فراق قلب میں وہ شکستگی پیدا کرتا ہے جو نفس امّارہ کی شوکت کو مضمحل اور عالمِ آخرت سے غفلت و نسیان کو زائل کرتا ہے۔ اس لئے یوں بھی حق تعالیٰ کی ایک نعمت عظمیٰ ہے کہ جو کیفیت مستحسنہ ہزاران ہزار برس کے مجاہدہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی وہ حوادث پر صبر اور تصرفات الٰہیہ پر رضا و تسلیم کے صلے میں ایک لمحہ کے اندر نصیب ہو جاتی ہے ؎

صوفی نہ شود صافی تا در نکشد جامے ۔۔۔ بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

اس لئے حضرتؒ کے لئے جس طرح اتباعاً للسنہ حق تعالیٰ نے یہ مقدر فرمایا تھا کہ بی بی کے ساتھ کمال انس و محبت ہو کہ عفت و پاک نظری کے لئے لازمۂ بشریت ہے اسی طرح یہ بھی آپ کی پیدائش سے قبل طے فرما دیا تھا کہ اس کی دنیوی مفارقت و موت کا صدمہ بھی آپ کو پیش آئے اور ابتداء سلوک میں مجاہدۂ عظمےٰ کے قائم مقام بن کر آپ کی لطیفۂ روح کو درجۂ علیا پر پہنچائے لہذا جو پیش آنا تھا وہ پیش آیا کہ پانچ سال کے اندر وصال و فراق اور بقاء و جدائی کے دونوں منظر آپ کی نظر سے گذر گئے۔ نکاح بھی ہو گیا اور لڑکا و لڑکی بھی پیدا ہو گئے اور وہ عفت مآب خاتون جس کا وجود آپ کے لئے طبعی سکون و انس کا سبب تھا انبہٹہ کی زمین میں مستور بھی ہو گئی ؎

حالِ دنیا را بہ پرسیدم من از فرزانۂ گفت یا خوابے است یا بادے است یا افسانۂ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دروے بہ بست گفت یا غولے است یا دیوے است یا دیوانۂ

بی بی بچے والدین برادران اور اقارب واحباب کے تمامی تعلقات کی نوعیت جدا اور ہر ایک کی مفارقت وموت کا صدمہ ایک نرالا طریق رکھتا ہے جس کی بنا پر رحمٰن ورحیم خدا نے ہر ایک پر صبر کا ثمرہ بھی جدا اور اجر وثواب کی نوعیت بھی علیحدہ مرتب فرمائی ہے پس آپ کی شانِ خلت جس نے بلا قصد وارادہ آپ کے کنبہ کو ظہور آثار سے بہت پہلے آپ کا نام خلیل احمد رکھنے پر مجبور کیا تھا اس کو مقتضی تھی کہ ایک وقت میں مونسہ وغمگسار بی بی اور نیز نور نظر ولخت جگر بچہ کی مفارقت پر آپ کی تسلیم ورضا کا امتحان لیا جائے اس لئے تین ہی دن میں دونوں سانحے پیش آئے اور حق تعالےٰ کے اس فضل وکرم نے جو ہمیشہ اپنے مقبول بندوں کا حامی دست پناہ بن کر خود ہی امتحان لیتا اور خود ہی ان کو سنبھالتا تعلیم دیتا رہبری فرماتا اور کامیاب بناتا ہے آپ کو بھی سنبھالا کہ رضا بر قضا میں فرق نہ آنے پایا ؎

ذوقے چناں ندارد بے دوست زندگانی بے دوست زندگانی ذوقے چناں ندارد

ادھر نوزائیدہ شیر خوار بچی کی موت طبعاً موجب حزن ضرور ہوئی کہ ثمرۃ الفواد رخصت ہوا مگر قلباً سدید طمانیت ہوئی کہ وسیلہ مغفرت اور ذخیرۂ آخرت بنی۔ اُدھر مجسم صلاح واطاعت بی بی کا فراق جن کے ساتھ محبت نے ایک خاص شغف وغلبہ لے لیا تھا دوسرے نوع کے صدمہ وحزن کا سبب بنا مگر ساتھ ہی یہ مسرت ملی ہوئی تھی کہ مرض اختناق میں مرنا شہادت ہے اور وہ نفوس جن کو آج یا کل آخر ایک دن دُنیا کا چھوڑنا ضروری ہے زہے نصیب کہ آخرت کی کٹھن منزل کو بسہولت طے کر جائیں اور ایسے زمانہ میں کہ شہادت کبریٰ کا حصول دشوار ہے شہادتِ صغریٰ حاصل کر کے اپنے رب سے جا ملیں۔ بتواتر وملحق دو قسم کے انتہائی دو صدموں پر آپ نہایت محزون ومغموم ہوئے اور کیوں نہ ہوتے کہ آخر بشر تھے اور بشر بھی متبع سنت رقیق القلب۔ چنانچہ آپ کی قلمی بیاض میں آپ کے ہاتھ کی لکھی ایک تحریر اور بی بی کی تاریخ وفات

میں آپ کے تصنیف کئے ہوئے دو شعر ملے جو آپ کے اس رنج وغم اور ساتھ ہی صبر واسترجاع مسنون کا پتہ دیتے ہیں جس کو کوئی دیکھنے والا دیکھ نہ سکا تھا۔ اور وہ یہ ہے۔

تاریخ پنجم ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ والدہ برخوردار ابراہیم بمرض استسقا بجوار رحمت حق پیوست۔ انا للہ ۔ الیہ راجعون ؎

اجل کردہ جاناں نہ را منفصل — شدم از دو نور الم مضمحل
خلیل از غمش گشت غمگین وگفت — بتاریخ او داغ بر جان دل
۱۲ھ ۹۵

ہر چند کہ آپ شاعر نہ تھے اور ان دو شعار کے سوا کبھی آپ کی تصنیف کا کوئی شعر دیکھنے یا سننے میں نہیں آیا مگر کسی حادثہ کا طبعی تاثر بسا اوقات قوت وغلبہ پاکر وہ کام لے لیتا ہے جس کا دوسرے وقت ظہور مشکل ہوتا ہے اس لئے آپ کی ذہین دو کی طبیعت نے بی بی کی وفات پر یہ اشعار موزون کرا دیئے جس کا مادہ تاریخ تعمیہ و تخرجہ کے بغیر بلا کمی وبیشی یک حرف داغ بر جان دل شاعرانہ مذاق سے بھی
۱۲ھ ۹۵
ایک خاص مرتبہ رکھتا ہے۔

چونکہ صبر ورضا کی حقیقت یہ ہے کہ صدمہ کا اثر ضرور ہو کہ انسان ہے پتھر یا دیوار نہیں مگر حکم الٰہی سے غفلت اور حد شریعت سے تجاوز کسی امر میں بھی نہ ہونے پائے اس لئے آپ اگر بی بی کی مفارقت پر محزون تھے جس کے صدمہ کو اُس کی دو یادگاریں ہر وقت یاد دلاتی تھیں جن میں ایک کی عمر پانچ سال کی تھی اور دوسری کی عمر ڈھائی سال کی۔ تو اس کے ساتھ ہی آپ اُن کی پرورش کے لئے ہر اس صورت کے لئے تیار تھے جو غیب سے ظاہر ہو۔ چنانچہ مرحومہ کی وفات کو ایک سال نہ گزرا تھا کہ آپ کے والدین نے جن کا سایۂ عاطفت آپ کے سر پر اس وقت تک قائم تھا آپ کے عقد ثانی کی تجویز کی اور آپ اس پر بھی اسی طرح راضی ہوئے جس طرح عقد اول پر راضی ہوئے تھے کہ

Marfat.com

بدزدو صاف ترا حکم نیست دم درکش   کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

۱۲۹۷ھ میں آپ کا دوسرا نکاح انبہٹہ میں حاجی نظام الدین صاحب کی لڑکی مسماۃ منیر النساء کے ساتھ دوہزار مہر پر منعقد ہوا جس کو انہوں نے چند ہی روز بعد معاف فرما دیا تھا۔ ممدوحہ کا پہلا نکاح شیخ سراج الدین مرحوم سے ہوا تھا اور قبل عمر میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ حق تعالی نے ان کو شیخ وقت کی زوجیت کا احترام نصیب فرمایا اور طرفین سے اس اتباع سنت کا ظہور ہوا جس میں موجودہ اور آئندہ بہت کچھ مجاہدے پیش آئے اور ہر ہر قدم پر ثبات و استقلال کے کارنامے ترقیات مراتب کا سبب بنے ممدوحہ بحمداللہ مدینہ منورہ میں بقید حیات مقیم ہیں اور دعا ہے کہ تا دیر بعافیت جسمانیہ و روحانیہ قائم رہیں کہ بڑی خوبیوں والی خاتون ہیں۔ یہ نکاح حضرت گنگوہی کے مشورہ سے ہوا کہ حضرتؒ کے والد نے کنبہ کی پانچ لڑکیوں کے نام لکھکر حضرت کی خدمت میں گنگوہ بھیجدیئے کہ ان میں جس کو انتخاب فرمائیں وہاں سلسلہ جنبانی کی جائے ؛

مرحومہ کے انتقال پر دونوں بے ماں کے بچے اپنی دادی کی تربیت میں آئے مگر اُن کے لئے یہ سایہ بھی تا دیر قائم رہنا مقدر نہ تھا اس لئے کچھ عرصہ بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا تو لڑکے کو آپ کے چچازاد بھائی مولوی انوار احمد اپنے ساتھ تھانہ بھون لے گئے اور قرآن شریف شروع کرا دیا۔ لڑکی جو اپنے بھائی سے ڈھائی سال چھوٹی تھیں، زیادہ تر اپنی نانی کے پاس گنگوہ رہیں اور کچھ مدت اپنی پھوپھی کے پاس اور کبھی انبہٹہ آکر اپنی مادر کے پاس رہتی تھیں۔ مگر جہاں بھی رہتیں حضرتؒ اُن کی خورونوش کا اہتمام فرماتے اور ضروریات کے قابل خرچ اپنی استطاعت کے موافق پہونچاتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی عمر پندرہ سال کی ہوئی اور حضرتؒ نے اپنے چچازاد بھائی محمد تقی بن محمد علی کے صاحبزادے مولوی محمد ایوب صاحب کے ساتھ اکتوبر ۱۹۰۱ء مطابق ربیع الاول ۱۳۱۹ھ میں نہایت سادہ طریق پر ان کا عقد کردیا کہ رسومات مروجہ میں کوئی رسم عمل میں نہ آئی ؛

Marfat.com

مولوی محمد ایوب صاحب حضرت کے بھتیجے تھے اور مکان سے دیوار بہ دیوار۔ اوّل ابتدائی کتابوں سے فارغ ہو کر عربی شروع کی اور ڈھائی سال مدرسہ اسلامیہ میرٹھ میں تعلیم پاتے رہے۔ اکتوبر ۸۶ ء میں بہاولپور چلے گئے اور آخر اپریل ۸۹ء کو لاہور کے اورینٹل کالج میں داخل ہو کر علوم مشرقیہ کے امتحانات کی سند حاصل کرنے میں لگ گئے ۹۶ء میں کئی امتحان کی ڈگریاں حاصل کر کے مختار کاری کا امتحان دے دیا اور اب ڈیرہ غازی خاں میں وکالت کر رہے ہیں۔ صاحبزادی صاحبہ کی اولاد ہوئی مگر آٹھ مہینہ سے زیادہ کوئی بچہ زندہ نہ رہا۔ البتہ ۴ اگست ۱۹۰۹ء کو جو لڑکی پیدا ہوئی اور عطیہ نام رکھا گیا وہ بحمد اللہ زندہ اور مولوی مسعود علی راجپوری سلمہٗ کے نکاح میں آ کر اس وقت دو بچوں کی ماں ہے حق تعالیٰ حضرت صاحبزادی صاحبہ کی عمر و صلاح میں برکت بخشے کہ اس وقت حضرت کا سلسلۃ الانساب انہیں سے چل رہا ہے ورنہ حضرت کی باقی تمام اولاد حضرت کی حیات میں دُنیا سے رخصت ہو چکی اور لاولد یا صاحب اولاد ہو کر مع اپنی اولاد کے سب یکے بعد دیگرے عالم آخرت کو سدھار چکے ؎

والدہ عطیہ چونکہ زیادہ تر نانی کے پاس رہیں اور بے ماں ہونے کی وجہ سے لاڈ پیار ہوا اس لئے قرآن شریف پڑھنے کی نوبت نہیں آئی مگر صاحب اولاد ہونے کے بعد اس طرف توجہ کی اور قرآن شریف پڑھا۔ البتہ محمد ابراہیم چونکہ مردانہ تربیت میں تھے اس لئے اوّل قرآن شریف حفظ کیا اور اس کے بعد ان کو حضرت نے اپنے ساتھ لے لیا کہ بریلی و دیوبند کے قیام میں وہ حضرت کے ساتھ رہے اور عربی شروع کرادی ہر چند کہ حضرت نے بہت کوشش کی کہ تکمیل ہو جائے مگر مقدر کا مقابلہ کون کر سکتا ہے حافظ ابراہیم کا دل پڑھنے سے اُچٹ گیا اور مشکوٰۃ شریف و شرح وقایہ سے آگے نہ پڑھ سکے آخر حاجی محمد علی انبہٹوی نے جن کے قلب میں مسلمان بچوں کی بے علمی و بے ہنری کا ایک خاص درد تھا پنشن لینے کے بعد جب وطن میں نقشہ نویسی کا مدرسہ کھلوایا تو حافظ ابراہیم بھی اس میں داخل ہو گئے اور فارغ ہو کر فاضلکا میں اپنے

Marfat.com

بہنوئی مولوی محمد ایوب صاحب کی سعی سے بیس روپیہ مشاہرہ پر محکمہ نہر میں ملازم ہوگئے اور چند روز بعد داروغہ نہر ہو کر چالیس روپیہ ماہوار پر فیروز پور چلے گئے۔ ان کی پہلی شادی مئی ۹۷ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ میں حضرت کے چچازاد بھائی مولانا صدیق احمد صاحب کی صاحبزادی صفیہ خاتون سے ہوئی مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی تب دوسرا نکاح ۱۳۲۹ھ میں منشی محمد شفیع صاحب نانوتوی کی دختر سے ہوا۔ مگر اس عقد کے کچھ ہی مدت بعد صفیہ خاتون کا انتقال ہو گیا اور پھر چند ماہ بعد ۱۳۳۰ھ میں بعمر ۳۴ سال خود حافظ ابراہیم مرحوم نے دنیا کو الوداع کہہ دیا اور اس طرح پر حضرت کی نرینہ اولاد کا بالکل خاتمہ ہو گیا فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرتؒ کو اپنی اولاد سے خاص شفقت تھی خصوصاً لڑکی سے کہ ان کی ذرا ذرا بات کا خیال رکھتے تھے۔ وہ خود فرماتی ہیں کہ بچپن میں ایک مرتبہ میرے سر میں کیڑے پڑ گئے تھے اور میں کسی کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیتی تھی۔ حضرتؒ پیار چمکار کر مجھے اپنی گود میں لٹا لیا کرتے اور سر منڈواتے اور کیڑے نکالا کرتے تھے۔ کوئی دوسرا میرے سر کو ہاتھ لگاتا تو میں بے چین ہو جایا کرتی مگر حضرت جب اپنے ہاتھ سے نکالتے تو مجھے تکلیف نہ ہوتی بلکہ آرام ملا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ نہ معلوم کیا وجہ ہوئی کہ میرے کپڑے نہیں بنتے ہیں تنہا کوٹھے کے اندر جا کر پلنگ پر لیٹ رہی اور کہنے لگی (گمیاں آگئیں پاجامے سب پھٹ گئے) گرمیاں آگئیں اور پاجامے سب پھٹ گئے۔ حضرتؒ نے کہیں یہ لفظ سن پائے اور اسی وقت بازار جا کر کپڑا خریدا اور میرے کپڑے بنوائے۔

حضرتؒ کو اپنی مرحومہ اہل کے انتقال کے بعد ان کے اعزہ کی دلدہی کا بہت زیادہ خیال رہتا اور آپ جب گنگوہ حاضر ہوتے تو اپنی خوشدامن کی خدمت میں بھی ضرور جایا کرتے تھے۔ مولوی فاروق احمد صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت کی خوشدامن میرے والد مولانا صدیق احمد صاحب کی حقیقی خالہ تھیں مگر مجھے علم نہ تھا۔ کیونکہ حضرتؒ کی اہل کے انتقال پر میں پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ ایک مرتبہ لڑکپن میں مجھے

Marfat.com

حضرتؒ کے ساتھ گنگوہ جانے کا اتفاق ہوا تو حضرت اپنی خوشدامن کے پاس تشریف لے گئے۔ واپسی میں مجھ سے دریافت فرمایا میاں فاروق تمہاری دادی صاحبہ نے مجھ سے پردہ کیوں نہیں کیا؟ میں چپ ہو رہا تب حضرت نے فرمایا کہ ابراہیم کی والدہ ان کی بیٹی تھیں۔

موجودہ اہل سے حضرتؒ کی تین لڑکیاں ہیں۔ جن میں چھوٹی لڑکی جس کا نام زبیدہ رکھا گیا تھا۔ چار ہی سال کی عمر میں مبتلائے ہیضہ ہو کر دنیا سے رخصت ہوئی۔ باقی دو لڑکیاں ام ہانی اور سلمیٰ جوان اور صاحب اولاد ہوئیں۔ ام ہانی کا میاں محمد یامین سے عقد ہوا مگر کچھ ایسا نسوانی مرض لاحق ہوا کہ جو بچہ پیدا ہوتا وہ مردہ چوہے کی طرح ایسا پیدا ہوتا تھا گویا رحم مادر میں کسی نے شکنجہ میں کس دیا۔ چند سال بعد شوہر دفعتہً مجنوں ہو گیا اور اس صابرہ عفیفہ لڑکی کو طرح طرح کی جسمانی و روحانی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ آخر اندر ہی اندر حزن وغم سے گھٹ کر دق ہو گئی اور ۲۶ شعبان ۲۹ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۱ء کو انبہٹہ میں انتقال ہو گیا۔ دوسری لڑکی سلمیٰ کا عقد مولانا حافظ عبداللطیف صاحب سے ہوا جو اس وقت حضرت کے قائم مقام ناظم مدرسہ مظاہر علوم ہیں۔ مگر وہ بھی طرح طرح کے امراض کا شکار رہی اور آخر گلے میں انجیر نکلے جن کا یکے بعد دیگرے دو مرتبہ لدھیانہ لے جا کر اپریشن کرایا گیا۔ مگر آخر اس کو بھی دق لاحق ہوئی اور چند ماہ کی ایک بچی خدیجہ نام چھوڑ کر وہ بڑی بہن سے پہلے ہی ربیع الثانی ۲۸ھ مطابق ۱ جون ۱۰ء میں دنیا سے رخصت ہو گئی۔ تین مہینہ بعد ۷ رجب ۲۸ھ کو معصومہ خدیجہ نے بھی اپنی ماں کا ساتھ دیا اور اس طرح پر تین سال میں جوان اولاد کے متواتر تین صدمے حضرت کو [illegible] ٹے کہ سب سے پہلے سلمیٰ نے بعمر بائیس ۲۲ سال انتقال کیا اور اگلے سال ام ہانی رخصت ہو انبہٹہ میں مدفون ہوئی۔ اور تیسرے سال سب سے بڑے اور اکلوتے لڑکے حافظ ابراہیم مرحوم نے سہارنپور کے گورستان کو اپنا مدفن بنایا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس صلے میں کہ آپ کی نسبی اولاد دنیا سے اٹھی حق تعالیٰ نے آپ کی روحانی اولاد کو [illegible] از

Marfat.com

بیش بنا دیا کہ آپ کا روحانی علمی وعملی فیضان اور شریعت وطریقت کے مستفیدین تلامذہ ومریدین ہزار ہا کی تعداد میں شرقاً وغرباً پھیلے جو آپ کے مبارک نام اور آپ کی پاکیزہ مرشدانہ سوانح کو قیامت تک یاد رکھیں گے ؎

رہنا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق — اولاد سے تو یہی کہ دو پشت چار پشت

سفر حج وزیارت بلدۃ الرسول

۱۲۹۳ھ میں حضرت قدس سرہ باجازت امام ربانی مدارس ہو کر بھوپال تشریف لے گئے جس کی صورت غالباً یہ ہوئی کہ مولانا جمال الدین مدار المہام شوہر والیہ ریاست سکندر جہاں بیگم حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے شاگرد تھے اور چاہتے تھے کہ استاد زادہ مولانا محمد یعقوب صاحب کو تین سو روپیہ ماہوار پر ریاست میں بلا کر حق خادمیت ادا کریں۔ مگر مولانا مرحوم اس وقت اکابر ملت کی تجویز سے دار العلوم دیوبند پر تیس روپیہ ماہوار پر مدرس اول ہو چکے اور اجمیر کی یک صدر روپیہ ماہوار کی ملازمت اور بریلی کی انسپکٹری مدارس کو خیرباد کہکر اس فقیرانہ مخلصانہ درسگاہ کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف فرما چکے تھے۔ اس لئے آپ نے بھوپال جانے سے انکار کر دیا اور مولوی جمال الدین صاحب کو لکھا لاحاجۃ فی نفس یعقوب الا قضاھا یعقوب کی دلی حاجت جو کچھ تھی وہ پوری ہو چکی کہ بقدر ضرورت معاش کے ساتھ اہل اللہ کا قرب اور علمیہ دینیہ خدمت نصیب ہو گئی لہٰذا اب کہیں آنے جانے کا خیال نہیں۔ مدار المہام جب آنحضرت کی طرف سے مایوس ہوئے تو اسی پر اکتفا کیا کہ اپنی تجویز سے کسی ہونہار عالم کو بھیجدیں۔ مولانا انوار احمد صاحب کا بیان ہے کہ غالباً حضرت ... کے بھوپال جانے کی یہی تقریب ہوئی کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے اپنے بھانجے کا انتخاب فرمایا اور حضرت قدس سرہ نے اپنے مرشد ومربی روحانی حضرت امام ربانی سے اجازت لے کر پچاس روپیہ ماہوار پر بھوپال کا سفر اختیار کیا۔

ہر چند کہ آپ کا قیام اور خورد نوش کا انتظام مدار المہام کی کوٹھی میں تھا جس کا نام موتی محل تھا مگر آپ کو ان اضلاع کا چھوڑنا جن میں انوار و تجلیات کی موسلا دھار بارش برستی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے تھے بہت ہی شاق ہوا اور اس کے ساتھ ہی وہاں کی آب وہوا نے ناموافقت کی کہ صحت درست نہ رہی اس لئے آپ گھبرائے اور حضرت سے اجازت چاہی کہ مستعفی ہو کر وطن آجائیں ادھر حضرت امام ربانی کو بھی دل سے پسند نہ تھا کہ اپنے خواص کو اپنے سے اتنا دور رکھیں کہ ایک بار آنے میں چار دن کا وقت اور چالیس روپیہ کا خرچ ہو اس لئے فوراً یہ جواب لکھا۔

برادرم مولوی خلیل احمد صاحب مد فیوضہم۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمائید۔ آج خط آیا حال معلوم ہوا درصورتیکہ ہوا وہاں کی آپ کو موافق نہیں تو ترک وہاں کا ضروری ہے کہ اس جگہ کا کہ ہوا ناموافق ہو۔ ترک کرنا بحکم حدیث ثابت ہے مگر چونکہ معاش کا قصہ نازک ہے لہذا جب تک دوسری جگہ سامان نہ ہو جاوے ترک مناسب نہیں۔ اس واسطے چندے قیام وہاں کا مناسب ہے۔ مُراد آباد میں آپ کی طلب بہت رہی۔ اب وہاں مولوی عبد الحق پوری آگئے ہیں مگر جیسا چاہیئے ویسا کام ان سے نہیں ہوتا۔ اگر مناسب ہوا وہاں یا دوسری جگہ کہ تدبیر اس کی کرتا ہوں تجویز ہو کر مطلع کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ فقط ۸ ربیع الاول ۹۳ھ روز جمعہ :۔

اس حکم کی تعمیل میں حضرت قدس سرہٗ بھوپال میں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ موسم حج آیا اور بماہ شوال آپ کو اپنے نواح وطن سے کچھ لوگوں کے ارادۂ سفر حج کی اطلاع ملی۔ ہر چند کہ آپ غیر مستطیع تھے اور آپ پر حج فرض نہ تھا لیکن صفا کیش دل میں زیارت بیت اللہ و بیت الرسول کا فطری طور پر شوق رکھتے تھے اور مشتاقان سفر عرب کی خبر سن کر اس میں ہیجان پیدا ہو گیا تھا اس لئے آپ کے قلب میں اس کا داعیہ ہوا کہ کاش امسال مجھے بھی حج نصیب ہو اور کسی طرح میں بھی حرمین شریفین کی حاضری سے بہرہ یاب ہو جاؤں چنانچہ آپ نے اوّل اپنے آقائے روحانی کو لکھا اور پھر

Marfat.com

دنیوی آقا کی خدمت میں درخواست دی کہ دارالاقبال ریاست بھوپال کا طریق عمل یہ ہے کہ جو ملازم حج کو جائے اس کو رخصت بلاوضع اور ان چند ماہ سفر کی تنخواہ پیشگی دے دی جاتی ہے لہذا آپ بھی عنایت فرمائیں تاکہ میں حج کر آؤں " چونکہ آپ کی ملازمت سرکاری ملازمت نہ تھی اس لئے رئیس نے قانون ریاست کا تحمل تو نہ کیا مگر کچھ تنخواہ پیشگی دے کر رخصت منظور کر لی۔ آپ ناکافی روپیہ لے کر وطن آئے مگر حصول رخصت میں دیر ہوئی تو آکر دیکھا کہ جانے والے حجاج جا چکے اور اب آپ تنہا ہیں کہ سفر کرنا چاہیں تو اکیلے جائیں تنہائی و ناتجربہ کاری اور طوالت سفر آپ کو پریشان ضرور کرتی تھی مگر آپ کا شوق اور آپ کا توکل آپ کے قدم کو آگے بڑھا رہا تھا اس لئے آپ نے ہمت نہ ہاری اور آپ اپنے مرشد اور والدین سے اجازت لے کر دو سالہ لڑکے اور سہ ماہہ بچے کو اللہ کے سپرد کر کے وطن سے تنہا روانہ ہوگئے۔

بمبئی پہونچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ تمامی احباب پہلے جہاز میں سوار ہو چکے اور اب بحری سفر بھی تنہا کرنا پڑے گا۔ اس پر بھی آپ ہراساں نہ ہوئے اور جانے والے جہاز کا ٹکٹ خرید کر سوار ہو گئے۔ اپنے اس سفر کا ایک بار آپ نے خود تذکرہ فرمایا کہ جہاز بندر سے چلا تو مجھے دوران سر شروع ہوا اور پورے تین دن چکرا ور قے میں گذر گئے کہ کھانے کی خواہش بھی نہ ہوئی۔ مگر چوتھے دن جب ذرا طبیعت کو سکون ہوا تو بھوک معلوم ہوئی اور میں نے ایک دیگچی میں مونگ کی کھچڑی نکال کر پکنے کے لئے چولھے پر رکھی۔ پکانے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ دیکھا تو پانی اوپر آگیا اور دال گل گئی مگر چاول جوں کے توں۔ نمک اس قدر تیز کہ منہ تک نہ لے جائی جاسکے۔ خاموش ہو کر اپنی جگہ آبیٹھا اور دیگچی کو ایک طرف رکھدیا۔ بھوپال کے قریب کے ایک نواب صاحب بھی اسی جہاز میں حج کو جا رہے تھے (جن کا نام آپ نے لیا مگر مجھے یاد نہیں رہا) میری عمر کا اس وقت چوبیسواں سال اور شباب کا زمانہ تھا۔ اتفاق سے ان کا اس طرف گذر ہوا اور مجھ پر نظر پڑی تو پوچھنے لگے صاحبزادے تمہارے ساتھ کون ہے؟

میں نے برجستہ جواب دیا کہ اللہ۔ یہ سن کر وہ خاموش چلے گئے اور اپنی جگہ پہونچ کر مجھے بلایا۔ میں گیا تو انہوں نے میری دعوت کی اور فرمایا کہ صاحبزادے تم کھانا ہمارے ہی ساتھ کھایا کرو۔ میں نے کہا کہ یوں تو کھاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ہاں کوئی خدمت مجھ سے لیجئے تو انکار نہیں وہ ذرا سوچے اور پھر مجھ سے پوچھا کہ تم کو لکھنا آتا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں آتا ہے اور لکھ کر ان کے سامنے پیش کیا۔ میرا خط دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور کسی کتاب کا مسودہ ان کے ساتھ تھا اس کو خوشخط نقل کرنے کے لئے میرے حوالے کر دیا۔ میں نے روزانہ کی کارگذاری صفحات کی تعداد میں مقرر کر لی اور کھانا ان کے ساتھ کھانے لگا۔ خالی بیٹھے کا مشغلہ بھی مجھے ہاتھ آگیا اور پکانے کی مصیبت سے بھی نجات مل گئی۔ چند روز بعد جدہ کا بندر نظر آیا اور میں نے نواب صاحب سے کہا کہ یہاں کشتیوں کے ملاح اسباب کی چھین جھپٹ میں بہت پریشان کرتے ہیں اور اسباب ضائع ہو جاتا ہے لہٰذا یہاں کا انتظام میرے سپرد کر دیجیے۔ چنانچہ اول میں نے سارے اسباب کو یکجا کرایا اور ملازمین کو اس کے چار طرف کھڑا کر دیا کہ کسی کو ہاتھ نہ لگانے دیں۔ میں نے اپنا مختصر اسباب بھی اسی میں شامل کر دیا اور چونکہ مجھے عربی آتی تھی اس لئے ملاحوں کے جہاز پر حملہ کرتے وقت میں نے علیحدہ جا کر ایک ملاح سے عربی میں باتیں کر کے پوری کشتی کا کرایہ طے کر لیا اور اس کو اسباب دکھا کر ملازمین سے جو اسباب کا احاطہ کئے کھڑے تھے کہہ دیا کہ عدد شمار کر کے اس کو دے دو اور اس کے علاوہ کسی کو پاس نہ آنے دو۔ چنانچہ اول سارا اسباب بحفاظت تمام کشتی میں پہونچ گیا اور پھر ہم سب اطمینان کے ساتھ جہاز سے اتر کر اسی کشتی میں آبیٹھے۔ نواب صاحب میرے حسن انتظام پر بہت مسرور اور ممنون ہوئے کیونکہ دوسرے حجاج کی پریشانیاں اور نقصان دیکھ رہے تھے کہ چار طرف گمشدگی اسباب کا شور مچ رہا اور مسافر بلبلا رہے ہیں۔ جدہ شہر میں داخل ہو کر میں نے اصل مسودہ اور اس کی خوشخط نقل نواب صاحب کو پیش کر کے اجازت چاہی کہ مجھے آزاد فرما دیں۔ ہر چند نواب صاحب نے اصرار کیا کہ میں تم کو تا واپسی وطن علیحدہ نہیں کر سکتا مگر میں نے کہا

Marfat.com

کہ یہاں میں نوکری کے لئے نہیں آیا۔ اللہ کے گھر حاضر ہو کر بھی بندگان خدا کا غلام بنا رہا تو حاضری کا لطف ہی کیا ملا۔ چونکہ دروازہ پر پہونچ گیا ہوں اس لئے اب تو کوئی صورت ہی نہیں کہ تعمیل ارشاد کر سکوں۔ غرض نواب صاحب سے رخصت ہو کر اونٹ پر تنہا سوار ہو کر چل دیا اور مکہ مکرمہ میں تو گویا میرا گھر تھا کہ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب تشریف رکھتے تھے۔ اس لئے سیدھا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور دونوں وقت پکی پکائی کھانے لگا۔ سارا وقت حرم شریف میں اعلیحضرت کے پاس گذارتا اور اطمینان کے ساتھ طواف اور نمازیں مشغول رہتا۔ حج سے فارغ ہو کر قافلہ کے مدینہ منورہ چلنے کا وقت آیا اور چار طرف یہ افواہ پھیلی کہ راستہ مامون نہیں اور جان و مال ہر قسم کا خطرہ ہے تو اعلیحضرت حاجی صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ مولوی خلیل احمد کہو کیا ارادہ ہے۔ سنتا ہوں کہ مدینہ منورہ کے راستہ میں امن نہیں ہے اور اس لئے حجاج بکثرت واپس وطن جا رہے ہیں"۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا قصد تو مدینہ طیبہ کا پختہ ہے کہ موت کے لئے جو وقت مقرر و مقدر ہو چکا وہ کہیں بھی نہیں ٹل سکتا۔ اور اس راستہ میں آجائے تو زہے نصیب کہ مسلمان کو اور چاہیئے کیا۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے یہاں تک پہونچا دیا۔ اب اگر موت کے ڈر سے مدینہ طیبہ کا سفر چھوڑ دوں تو مجھ سے زیادہ بدنصیب کون"۔ یہ سن کر اعلیحضرت کا چہرہ خوشی کے مارے چمکنے لگا۔ اور فرمایا بس بس تمہارے لیے ہی رائے ہے کہ ضرور جاؤ اور انشاء اللہ تعالیٰ پہونچو گے"۔ چنانچہ میں حضرت سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ روانہ ہوا اور جس طمانیت و راحت کے ساتھ پہونچا وہ میرا ہی دل خوب جانتا ہے۔ تقریباً دو ہفتہ حاضر آستانہ رہا اور پھر بخیریت تمام وطن پہونچ کر حضرت امام ربانی کا قدمبوس ہوا۔

سفر حج سے واپس آکر حضرت نے بھوپال کا ارادہ نہیں کیا کہ وہاں کی آب و ہوا ناموافق تھی اور مرشد سے بعد جسمانی بھی زیادہ تھا۔ لہٰذا چند روز وطن میں رہ کر آپ بماہ جمادی الاوّل ۱۲۹۴ھ سکندر آباد ضلع بلند شہر کے مدرسہ اسلامیہ

واقع جامع مسجد میں مدرس ہو کر چلے گئے۔ مگر وہاں بعض مبتدعین مخالف اور بر سر پرخاش ہو گئے جس کی اطلاع آپ نے حضرت امام ربانی کو دی اور ترک تعلق کا قصد کیا۔ مگر حضرت نے آپ کو روکا اور یہ خط بھیجا۔

مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کے نامہ نے ورود کیا حال معلوم ہوا فقصہ جدید سے کچھ آپ وحشت نہ کریں۔ عالم میں مخالف و موافق دونوں ہوتے ہیں آپ اپنا کام کئے جائیں اگر مخالف بر سر پرخاش ہیں موافق بر سر نگہداشت ہیں۔ جب تک ہو اپنی طرف سے ترک مت کرو۔ ہدیہ اطفال کا اور ہدیہ ورثہ اطفال کا لینا جائز ہے کچھ اندیشہ نہیں۔ پہلے خط میں لکھنا سہو ہوا تھا۔ فقط مکرر اس شکایت کی رفع اور تکذیب میر قادر علی سے اگر مناسب ہو کسی کی زبانی کرا دیجیو گو نافع نہ ہو۔ اپنی طرف سے سب کو راضی رکھنا بہتر ہے۔ شاید کچھ نافع ہو جاوے قال اللہ تعالیٰ فبما رحمۃ من اللہ لنت لہم الخ مگر اس فرقہ کا راضی ہونا متوقع نہیں خصوصاً جب واعظ ان کے ترغیب دینے والے دورہ کرتے ہوں۔ فقط والسلام۔ روز جمعہ ۱۶ جمادی الثانیہ ۱۲۹۴ھ ۲۶ جون ۱۸۷۷ء

آپ نے تعمیل حکم شیخ میں ارادۂ واپسی فسخ کیا اور رفق و نرمی کا برتاؤ فرما کر تدریس میں مشغول رہے مگر اہل سکندر آباد کے لئے آپ کے فیوض سے مستفید ہونا مقدر نہ تھا اس لئے ایسی صورتیں پیش آئیں کہ آپ وہاں نہ رہ سکے اور آخر بااجازت امام ربانی آپ وہاں سے مستعفی ہو کر وطن چلے آئے۔ بماہ شوال بزرگان ہندوستان کے اس قافلہ نے بیت اللہ کا قصد کیا جس کی نظیر نہ گذشتہ زمانہ میں نظر آئی نہ آئندہ نظر آنے کی توقع کہ تلک ہدایت کے نیرین حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہما سالار قافلہ ہوئے اور صدہا مسلمان جنہوں نے بھی اس مقدس قافلہ کی اطلاع پائی ساتھ ہو گئے۔ حضرت کے استاذ مولانا محمد مظہر صاحب اور آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس اول و مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند و

مولانا محمود الحسن صاحبؒ بھی ہمراہ ہوئے اور گویا ہندوستان اہل اللہ سے خالی ہو گیا۔ ہر چند کہ حضرتؒ بھی تڑپے کہ حزب اللہ کی ہمرکابی نصیب ہو مگر آپ کو سفر حج سے واپس ہوئے چند ہی مہینے ہوئے تھے اور زادِ راہ کا انتظام نہ ہو سکنے کی وجہ سے حضرت امام ربانی نے آپ کو اجازت نہ دی تھی۔ اس لئے آپ راضی برضا ہو کر بیٹھ رہے اور یہ سال آپ کا بحالتِ حزن مفارقت شیوخ وطن ہی میں گذرا کہ آپ کہیں ملازمت پر نہ جا سکے۔

ربیع الاول ۹۵ھ میں یہ حضرات واپس ہندوستان آئے اور وہ انوار و تجلیات جن کے سمندر پار جانے سے ہندوستان میں اندھیرا چھا گیا تھا دوبارہ نظر آئیں اور ضلع سہارنپور گویا از سر نو آباد ہوا۔

مولوی شمس الدین صاحب چیف جج بہاولپور نے دیوبند حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں ایک قابل مدرس کی طلب کے متعلق درخواست بھیجی جس میں بہت کچھ اوصاف کی قید تھی کہ نوجوان ہو نہایت ذکی ہو ہر فن میں متبحر در وجیہ ہو خلیق و منتظم ہو کہ طلبا کا اتالیق بن سکے اپنے علم پر عامل اور مجسم صلاح ہو کہ صورت سے نیک روی کا سبق لیا جا سکے وغیرہ وغیرہ۔ مگر چونکہ حضرت مخدوم سفر حج میں تشریف لے گئے تھے اس لئے جب ۹۵ھ میں واپس تشریف لا کر مدرسہ کا کام سنبھالا تو اس درخواست کو بھی دیکھا اور حضرتؒ کو تجویز فرمایا کہ بہاولپور تشریف لے جاویں حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عذر بھی کیا کہ جن شرائط کا مدرس ان کو درکار ہے مجھ میں مطلق نہیں پائی جاتیں مگر حضرتؒ مولانا نے فرمایا میاں رہنے بھی دو لکھنے والے یوں ہی لکھا کرتے ہیں اور اہل علم اپنے کو یوں ہی سمجھا کرتے ہیں۔ تم کو اپنی نا قابلیتی یہیں نظر آتی ہے کہ سر پر بڑے موجود ہیں باہر جا کر دیکھو گے تو اتنا بھی کسی کو نہ پاؤ گے اس وحشت کو دور کرو اور اللہ کا نام لے کر چلے جاؤ۔ بالآخر حضرت مولانا اور حضرت امام ربانی کی رائے متفق ہو گئی اور میں تیس روپیہ ماہوار پر مدرس ہو کر بہاولپور چلا گیا۔ اخیر سال ۵ ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ

کو آپ کی اہلیہ کا بمرض احتباس انتقال ہوا اور آپ بہاولپور سے وطن آئے مگر چند روز قیام فرما کر بچوں کی تربیت کا انتظام کر کے واپس تشریف لے گئے اسی قیام بہاولپور میں آپ کو دوسرے حج کا اتفاق ہوا جس کی صورت غالباً یہ ہوئی کہ مولوی شمس الدین صاحب نے حج کا ارادہ فرمایا اور اپنے ساتھ آپ کو بھی لے جانا چاہا کہ ان کے بچوں کی تعلیم آپ کے متعلق تھی اور آپ کا قیام بھی انہیں کے مکان پر تھا جس کی وجہ سے اُن کو آپ کے ساتھ ایک خاص انسیت تھی اور آپ سے بہتر رفیق جو باقاعدہ ادا اور مناسک کرادے دوسرا ملِ بھی نہیں سکتا تھا۔ ادھر آپ کے کانوں میں یہ خبر پہونچی کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ اور مولانا محمد یعقوب صاحب امسال پھر حج کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ چونکہ پہلے سفر میں حرمانِ ہم رکابی کا قلق آپ کے دل پر تھا اس لئے آپ کو مولوی شمس الدین صاحب کی یہ درخواست نعمت الٰہیہ معلوم ہوئی اور آپ نے اپنا شوق اور مفصل حال امام ربانی کو لکھکر حکم قطعی طلب کیا جس کے جواب میں حضرت کا بماہ شعبان ۱۲۹۷ھ یہ خط پہونچا۔

عنایت فرمائیم مولوی خلیل احمد صاحب دام فیوضہم۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمانید۔ آپ کا خط آیا حال معلوم ہوا سر میں چونکہ ضعف بہت ہوگیا ہے۔ لہٰذا وہ کیفیت کچھ کم میں[1] کمی پذیر ہے کہ ایک دس بجے سے بارہ بجے تک رہتی ہے۔ بہر حال ایسا مرض قریب ازالہ کے ہے مطمئن رہیں۔ مولوی شمس الدین کے حال و مزاج پر جو آپ کو طمانیت ہے اور ظن غالب رہ چکے ہیں تو اُن کے ساتھ جانے میں کیا اندیشہ ہے۔ بندہ کی رائے ہے کہ آپ قصد فرمائیں۔ مگر تاہم کچھ اس قدر خرچ اپنے پاس رہنا چاہیئے کہ اگر خدانخواستہ کوئی صورت دیگر پیش آجاوے تو احتیاج نہ پڑے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ کفیل حجاج فوت ہوگیا یا مزاج کی مخالفت پیش آئی جس سے افتراق ہوا تو ایسی صورت میں بہت پریشانی ہوتی ہے۔ اور یہ سب تدبیر ظاہر ہے کہ جس کا استعمال ممنوع نہیں ورنہ ہوتا وہ ہی ہے جو رضائے اللہ تعالیٰ شانہٗ ہے۔ اب بندہ کا حال سنو کہ فرض نہیں کہ خواہ مخواہ لے کلی ہووے۔ ہاں پھلے کام

---

[1] یعنی کمیت ومقدار

کی دل میں خواہش ہے لیکن ضعفِ جسم سے ضعفِ ہمت بھی ہے اس واسطے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر اس وقت پر ہمت ہو جاوے اور سامان بھی مقدر ہو دے تو کیا عجب ہے ورنہ کچھ صورت نہیں لہٰذا اس وقت تک عزم نہیں۔ غلط افواہ مشہور ہے۔ مولوی محمد یعقوب صاحب کا عزم مجھ کو معلوم نہیں۔ ہاں تمہاری والدہ وہمشیرہ اور اہلیہ مولوی صاحب مرحوم سُنا ہے کہ حج کا عازم ہیں۔ نقصان مالی معلوم ہوا حق تعالیٰ آپ کو اور بہت کچھ دیوے گا۔ اگر سارق کو بُرا نہ کہا جاوے تو بہتر ہے کہ پُورا اجر ملے۔"

مولوی نذیر احمد صاحب۔ السلام علیکم۔ جو کلمات کہ انداز سے بڑھ جاویں اس کا کہنا اور لکھنا گو تمہاری عقیدت سے ہو مگر مجھ کو موجب ندامت کا ہوتا ہے۔ مولوی خلیل احمد کو بھی القاب اعلیٰ لکھنے سے چند بار منع کیا ہے۔ بہتر کلمات وہ ہیں جو اپنی قدر کے موافق ہوویں۔ مشہور یہاں یہ ہے کہ مولوی نذیر احمد اپنی والدہ کے ساتھ حج کو جاویں گے۔ مولوی محمد یعقوب صاحب کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔ یکم شعبان یہاں بھی بروز شنبہ ہی قرار پائی۔ یہاں بارش بکثرت ہے۔ فقط۔ رشید احمد

اس والا نامہ سے آپ کو امید بندھی کہ والدہ وہمشیرہ اور ان کے ساتھ محرم بن کر آپ کے بھائی مولوی نذیر احمد ضرور جائیں گے اور امام ربانی کی تشریف بری بھی متوقع ہے۔ اور غیب سے سامان ہوا کہ مولوی شمس الدین تمام اخراجات کے کفیل ہو رہے ہیں لہٰذا آپ نے سفر بیت اللہ کا قصد کر لیا اور اپنی جگہ امام ربانی کے بھانجہ مولوی الطاف الرحمن صاحب کو تجویز کر کے ان کو بھی بلا لیا اور اس تمنا وشوق کے پے در پے عرائض بھیجنے لگے کہ کاش حضرت کا عزم پختہ ہو جاتے اور ہمرکابی نصیب ہو۔ مگر افسوس کہ آپ کے لئے حج مقدر تھا لیکن شیخ کی معیت سفر اب بھی مقدر نہ تھی کہ حضرت نے اپنے فسخ عزم کی عین اس وقت جب کہ سارا سامان سفر درست ہو گیا اس طرح اطلاع دی۔

مولانا خلیل احمد صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کے خطوط تسری پہونچے اور آخر خط

Marfat.com

سے مع الخیر پہونچنا عزیزم مولوی الطاف الرحمٰن کا بھی معلوم ہوا ۔ یہاں ہر طرح خیریت ہے اور اپنا حال بھی بدستور ہے ۔ اگرچہ پہلے عزم سفر میں تردد شک کے درجہ کا تھا مگر اب اپنی کیفیت غالب پر غلبہ عدم سفر کا معلوم ہوتا ہے ۔ تجربہ یوں معلوم ہوا کہ اگر دوپہر کو قیلولہ نہ ہووے تو ۔ نہ ہتی ہے اگر غذا مجھے ناموافق کا اتفاق ہوتا ہے تو اگلے روز تک اس کا اثر رہتا ہے ۔ اور جو شب کو جاگنا ہو جاتا ہے تو درد سر ہونے لگتا ہے ۔ ایسا ہی تھوڑے سے تغیر میں طبع متغیر و مکدر ہو جاتی ہے ۔ سو ایسی حالت میں صعوبت سفر کا تحمل بظاہر دشوار معلوم ہوتا ہے ۔ لہٰذا اب غالب عدم حضور خدمت حضرت مرشدنا فہم میں آرہا ہے ۔ ادھر سب دوست خیر خواہ مشورہ اقامت دے رہے ہیں ۔ شیخ عبدالعزیز خاں ہنوز مریض ہیں ۔ ان میں بھی ہمت سفر نہ رہی تو بہرحال اب اپنا فسخ عزم ظاہر کرکے اس قدر لکھتا ہوں کہ بدعاء خیر مجھ کو بھی یاد کرنا مواقع اجابت میں اگر یاد آجاؤں اور حضرت مرشدنا سے جو جو کیفیات مشہور و مسموع تم کو ہوئیں بیان کرکے عذر حاضر نہ ہونے کا کر دینا ۔ اگر زندگی رہی تو سال آئندہ دیکھئے کیا پیش آوے ۔ مقدر سے سب مجبور ہیں تدبیر کی کیا پیش رفت ہوتی ہے ۔ فقط والسلام ۔ مولوی الطاف الرحمٰن کو سلام و تحیات پہونچے ۔ مولوی شمس الدین صاحب کو بھی سلام علیک فرمادیں ۔

چنانچہ یکم اکتوبر ۸۰ء مطابق ۲۵ شوال ۹۷ھ سے آپ کی رخصت سفر حج محسوب ہوئی اور مولوی الطاف الرحمٰن صاحب نے آپ کی جگہ کام کیا ۔ مگر مولوی الطاف الرحمٰن صاحب کو حضرت امام ربانی کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ وہ اس مفارقت بعیدہ کو گوارا نہ کر سکے اور ایک مہینہ بمشکل نباہ کر گنگوہ چلے آئے ۔ اُس وقت حضرت امام ربانی نے مولانا انوار احمد صاحب انبہٹوی کو ان کی جگہ بہاولپور بھیج دیا ۔ حتیٰ کہ پانچ ماہ بعد مارچ ۸۱ء میں حضرت عرب سے واپس بہاولپور اپنی جگہ تشریف لائے اور مولوی انوار احمد صاحب کو وطن رخصت کیا ۔

یہی وہ مبارک سفر ہے جس میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا خلافت نامہ آپ کو

Marfat.com

ملا اور عمامہ مطہرہ فرق اقدس پر رکھا گیا کہ ہر دو عطیہ آپ نے اپنے مرشد مطاع کے سامنے رکھ دیئے اور پھر جب وہ حضرت کی طرف سے عطا قرار پائے تو اُن کو سر آنکھوں پر رکھ لیا۔

قیام بہاولپور اور مناظرہ

مولوی شمس الدین صاحب چیف جج بہاولپور ایک علم دوست اور دینیات سے مناسبت رکھنے والے شخص تھے جو اپنے بچوں کو علوم دینیہ کی تعلیم دلانا چاہتے تھے چونکہ وسیع النظر اور سمجھدار شخص تھے اس لئے قابل معلّم کی طلب میں دارالعلوم دیوبند کی طرف رجوع کیا کیونکہ سمجھتے تھے کہ دعوے کرنے والے ہر جگہ مل سکتے ہیں مگر کام کرنے والا عالم و معلم بجز ضلع سہارنپور کے اور کہیں ملنا دشوار ہے چنانچہ حضرت قدس سرہ ۹۵ء میں بہاولپور روانہ ہوئے اور جج صاحب کے مکان پر پہنچ کر ابھی اسباب بھی ٹھکانے سے نہ رکھا تھا کہ جج صاحب سے ملاقات کی اور انہوں نے اپنی قابلیت کا سکّہ جمانے اور آپ کی ذکاوت جانچنے کے لئے آپ سے علمی سوالات شروع کر دیئے۔ حضرتؒ نے ایک بار خود فرمایا کہ سوالات تفسیر اور قرآن کے متعلق تھے چنانچہ میں جواب دیتا رہا مگر جب میں نے دیکھا کہ سوالات سے کسی طرح پیچھا نہیں چھوٹتا تو میں نے بھی دو آیتیں قرآن مجید کی پیش کیں کہ اُن کا باہمی تعارض ہونیکی کیا صورت ہے؟ بس میرا یہ سوال کرنا تھا کہ جج صاحب نے پہلو بدلا اور علمی سوالات چھوڑ کر میرے حالات دریافت کرنے لگے اور اس کے بعد مجھے قیام کی جگہ بتا کر ساری ضروریات کا انتظام کر دیا میں ان کے بچوں کو پڑھاتا رہا۔ مگر ریاست کے ایسے ہی قصے ہوتے ہیں کچھ دنوں بعد مولوی شمس الدین صاحب پر عتاب ہو گئے اور میری تنخواہ دس روپیہ کر دی۔ پردیس میں اتنی قلیل تنخواہ پر رہنا بھی مشکل تھا مگر مروت تقاضا بھی نہ کرتی تھی کہ زیادہ کا مطالبہ کروں یا ملازمت چھوڑ کر چلا آؤں اتفاق سے فرمانروائے بہاولپور نواب صادق محمد خاں صاحب عباسی [illegible] کی والدہ ماجدہ

Marfat.com

کا انتقال ہو گیا اور ان کے ایصال ثواب کی غرض سے چند مدارس دینیہ ریاست کی طرف سے جاری کئے گئے جن میں ایک مدرسہ خاص بہاولپور میں کھولا گیا۔ اور باقی مدارس ڈیرہ اور چاچڑاں چشتیاں اور احمد پور وغیرہ میں بہاولپور کے مدرسہ کے لئے کوئی عمارت چونکہ مقرر نہ تھی اس لئے مولوی محمد حسین صاحب وزیر ریاست نے اس مدرسہ کے لئے مولوی شمس الدین کا مکان ہی تجویز کر کے میر الفرد بیس[۲۰] روپے مشاہرہ پر کر دیا کہ مدرسہ کے ساتھ جج صاحب کے بچوں کی تعلیم کا سلسلہ بھی چلتا رہے اور ان کے دس روپیہ ملا کر میری تنخواہ کے تیس روپے پورے ہو جائیں مگر چند ماہ بعد جج صاحب دس روپیہ ماہوار بھی نہ دے سکے اور اس وقت وزیر صاحب نے کہ مجھ پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے میری تنخواہ مدرسہ سے تیس[۳۰] روپے کر دی۔

آخر ۱۸۷۹ء میں نواب صادق محمد خاں صاحب کو اختیارات حکمرانی عطا ہوئے اور اس موقع پر دربار مسند نشینی کی یادگار میں لاٹ صاحب کے نام پر جنہوں نے بہاولپور آکر فرمانروا کے اختیارات کا اعلان کیا صادق ایجرٹن اسکول کھولا گیا اور اس اسکول کے متعلق شعبۂ دینیات قائم رہا کہ یہ مدارس ایصال ثواب بھی اسی کے ماتحت بنا دیئے گئے اور اس طرح یہ ان مدارس کا تمام نظم ریاست کے محکمۂ تعلیم کے ہاتھ چلا گیا۔

چنانچہ اس وقت سے حضرت کا تعلق ملازمت باقاعدہ ریاست سے متعلق ہوا اور اول آپ تیس[۳۰] روپیہ ماہوار پر صدر مدرس دینیات رہے اس کے بعد جون ۱۸۸۱ء میں ترقی ہوئی اور پچاس روپیہ ماہوار پر افسر مدارس دینیات مقرر ہو گئے پھر اسی کے فرائض انجام دیتے رہے حتی کہ گیارہ سال پورے ہونے پر جولائی ۱۸۸۹ء مطابق ذی قعدہ ۱۳۰۶ھ میں آپ نے بہاولپور چھوڑ دیا اور حضرت امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ کے بعد مولوی نور الدین مرحوم کا اس جگہ ۳ اکتوبر ۸۹ء کو تقرر ہوا یہی مدرسۂ دینیات ہے جس میں اس وقت آپ کے بھتیجے مولانا فاروق احمد صاحب سلمہ خلف مولانا صدیق احمد صاحب لاہوری

Marfat.com

شیخ الحدیث فائز ہیں حضرت کے قیام بہاولپور کے متعلق حضرت کے ایک مخلص شاگرد رشید مولانا عزیز الرحمان صاحب عزیز بہاولپوری نے مختصر حالات قلمبند فرما کر بھیجے ہیں جن کو بجنسہ درج کرنا مناسب معلوم ہوا۔

رقم زدۂ ذلہ ربائے خوان خلیل خاکسار محمد عزیز الرحمٰن عزیز بہاولپوری)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں جس طرح منطق و کلام کے علوم عقلیہ کی تعلیم ہوتی تھی اسی طرح فقہ اور حدیث اور تفسیر کا درس مکمل ہوتا تھا۔ نصاب تعلیم دینی وہی نظامی نصاب تھا جو ان دنوں تمام ہندوستان کے اعلیٰ مدارس میں رائج تھا۔ حضرتؒ جس شفقت اور محبت کے ساتھ طلبہ کی تعلیم میں مصروف ہوتے تھے اس کا اندازہ کچھ وہی خوش نصیب کر سکتے ہیں جن کو اس درس میں شمولیت کا شرف حاصل رہ چکا ہو۔

راقم کو بھی یہ عزت حاصل ہوئی ہے میں دیکھتا تھا کہ پروانوں کی طرح طلبہ حضرتؒ کے شیدا تھے۔ بعض طلبہ تو تمام وقت تعلیم تک درس میں موجود رہتے اور جو سبق بھی پڑھایا جاتا وہ اس میں شامل ہو جاتے۔ ان کا منشا صرف آپ کے فیض صحبت اور تربیت عام حاصل کرنے کا ہوتا تھا۔

زیادہ تر حضرتؒ کا وقت درس حدیث میں صرف ہوتا تھا اور حضرتؒ کو ہزاروں حدیثیں اور بالعموم صحاح کی احادیث کی سندات تک بر زبان یاد تھیں اور کسی ایک مسئلہ کے متعلق حضرتؒ اپنے حافظہ سے تمام علمی اور مذہبی معلومات کو یکجا بیان فرما دیتے تھے اور یہ ایک خاص ملکہ تھا جو حضرت علیہ الرحمۃ کو قدرت نے عطا فرمایا تھا۔

عوام پر حضرتؒ کے تقدس کا اس قدر اثر ہوتا تھا کہ بے ساختہ تعظیم کے لئے مجبور ہو جاتے تھے مجھے کئی دفعہ حضرتؒ کے ساتھ بازار میں سے گزرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ مسلمانوں کا کیا ذکر ہے ہندو دکاندار بھی حضرتؒ کی تعظیم کے لئے سر و قد کھڑے ہو کر سلام کرتے تھے جس محلہ میں حضرتؒ کا قیام رہتا اس محلہ کے پیر و برنا چھوٹے بڑے سب پابند صوم و صلوٰۃ ہو جاتے۔ اور چھوٹے چھوٹے روزمرہ کے عبادات اور معاملات کے مسائل محلہ کے ناخواندہ لوگ بھی صحت کے ساتھ بتلا سکتے تھے۔

Marfat.com

محلہ کی جس مسجد شریف میں نماز ادا فرماتے تھے اُس میں محلہ کے بوڑھے آدمی بھی تلاوت قرآن کرتے ہوئے نظر آتے تھے مجھے حاجی اللہ صاحب مرحوم کی مسجد میں ایک ستر سالہ نابینا میاں ولی محمد صاحب مرحوم کا اپنی توتلی زبان سے سورہ عبس و تولی کا تلاوت کرنا اس وقت بھی دل آویز تصور میں آرہا ہے

میاں اللہ وسایا صاحب ٹھٹھا اس وقت بھی قریباً نوے سال کی عمر میں موجود ہیں جنہوں نے اذان کی صحت الفاظ کا ایسا سبق حضرت علیہ الرحمۃ سے سیکھا تھا کہ اس وقت تک وہ اُن کے الطاف و مکارم کے تذکرے سے رطب اللسان ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہاولپور میں اگرچہ اشاعت علم دین میں ہمہ تن مصروف رہے لیکن اہل بہاولپور کی کم فہمی اور بد ذوقی کے جذبات کو ہمیشہ لاعلاج مرض ظاہر فرماتے رہے اور اس لحاظ سے حضرت کی طبیعت کبھی مطمئن نہ ہوئی۔ بالعموم یہ فرمایا کرتے کہ اہل بہاولپور کو میری علمی خدمت سے فائدہ اٹھانے کی رغبت نہیں ہے بلکہ بعض اوقات تو ہمدردی کے رنگ میں مایوسی کا اظہار اس طرح بھی فرمایا کرتے تھے کہ بہاولپور میں علم دین میں ماہر ہونا کسی شخص کی قسمت میں نہیں معلوم ہوتا۔

حضرت کے دس سالہ قیام بہاولپور میں اگرچہ بہت لوگوں نے درس کا استفادہ کیا لیکن آج تک آپ کے کسی شاگرد نے مشغل علم کو روشن رکھنے میں کامیابی حاصل نہیں کی اور کوئی دینی مدرسہ کامیاب نہیں ہوا میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی حضرتؒ کی پیشین گوئی کا نتیجہ ہے آپ کے شاگردوں کی فہرست میں مولوی احمد دین۔ قاضی غوث بخش۔ مولوی محمد محسن۔ سید عبداللہ شاہ۔ مولوی فیض احمد۔ مولوی سراج الدین احمد پوری۔ مولوی شمس الدین احمد پوری۔ سید فتح شاہ سکنہ ڈیرہ قاضی خاں۔ آخوند گل محمد افغان۔ مولوی کریم بخش۔ سید زمان شاہ خیرپوری۔ مولوی خیر محمد جلد ساز۔ سید عالم شاہ۔ مولوی احمد بخش پلیڈر سپرنٹنڈنٹ توشہ خانہ وغیرہم کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان متبحر بزرگوں میں سے کسی ایک نے درس کا شغل اختیار فرمایا ہو۔

اس مختصر فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کی شہرت علمی اور کشش روحانی

Marfat.com

کے سلسلہ میں افغانستان و ڈیرہ غازی خان تک کے لوگ بھی بہاولپور میں جمع ہو گئے تھے۔ مولوی احمد دین، سید زمان شاہ، سید عالم شاہ اور مولوی اللہ بخش اس بھی زندہ موجود ہیں۔

اخلاق و عادات کے متعلق مجھے اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ حضرتؒ کا تمام زندگی کا مقصد اشاعت و تعلیم اخلاق نبوی صلے اللہ علیہ وسلم تھا۔ اگر کسی شخص کو کسی فعل یا ترک فعل کے متعلق کوئی حدیث یاد نہ ہو تو وہ حضرتؒ کے عمل کو دیکھ کر حدیث کا مضمون حاصل کر سکتا تھا۔

بہاولپور کے بوڑھے بوڑھے نیک دل اہل بصیرت مسلمان اس وقت تک یہ کلمات دہراتے ہیں کہ حضرتؒ کے عہد مبارک میں دینداری اور اسلام کے صحیح مسلک پر چلنے کا پورا موقعہ اور اسوۂ حسنہ موجود تھا۔ اسکے بعد پھر وہ نظارہ کبھی نہیں دیکھا گیا۔ ایجرٹن اسکول ترقی کرتے کرتے کالج بن گیا اور مدرسہ دینیات کو بھی ترقی کے منظر نصیب ہوئے۔ کوشش کی گئی کہ حضرتؒ تعلیم کے وقت کرسی پر تشریف رکھا کریں اور طلبہ بنچوں پر بیٹھکر پڑھیں۔ مگر حضرتؒ نے اس امر کو گوارا نہ فرمایا اور وہی مؤدبانہ طریق برابر جاری رکھا۔ جو علماء سلف کا رائج تھا۔

ایک دفعہ بہاولپور کے ایک افسر بہار نے حضرتؒ کی مع خدام افطاری کے لیے دعوت کی اور اس موقعہ پر صاحب دعوت نے تمام اعیان و ارکین ریاست کو بھی مدعو کیا گیا اور فواکہہ جمع کئے اور کرسیوں پر نشست کا انتظام تھا۔ کھانے اور پینے کا تمام سامان میزوں پر سجا ہوا تھا اکثر مدعو شدہ اصحاب اور ارکین آچکے تھے اور اپنے اپنے موقعہ پر کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرتؒ تشریف لائے۔ انتظام نشست کو دیکھکر ایک طرف دری پر بیٹھ گئے جو زمین پر بچھی ہوئی تھی اور فرمایا کہ اسلام میں کھانے پینے کا طریق یہی ہے کہ فرش پر بیٹھکر کھایا جائے۔ میز و کرسی کی ضرورت نہیں پھر کس کی ہمت تھی کہ کرسی پر بیٹھا رہے لہذا تمام صاحبان حضرتؒ کے گرد آ بیٹھے اور ایک خلاف سنت فعل سے حضرتؒ کے عمل نے سب کو محفوظ کر لیا

حضرتؒ کو اپنے شاگردوں اور ارادت مند عزیزوں کا ہر جگہ خیال رہتا تھا۔ آخری ایام میں جبکہ حضرت مدینہ طیبہ میں تھے تو وہاں سے بھی اس ناچیز غلام اور دامن گرفتہ کو خاص محبت نامہ ارسال کئے یاد فرمایا اور ارشادات روحانی سے ممتاز فرماتے رہتے تھے۔ فقط۔

Marfat.com

مولوی نظام الدین صاحب ایک عالم فقیہ بہاولپور میں مشہور تھے حضرت کی علمیت وذکاوت کا شہرہ سن کر ایک مرتبہ شرح وقایہ لے کر آئے اور کہا مجھے استفادہ کے طور پر کچھ دریافت کرنا ہے اور شرح وقایہ کھول کر ایک جگہ ترکیب دریافت کی اور دوسری جگہ شبہۃ الفعل اور شبہۃ المحل کے متعلق دریافت کیا کہ اوّل الذکر کا کیوں نہ اعتبار کیا اور ثانی الذکر کو معتبر کیوں مانا؟ حضرت فرماتے تھے کہ اس سے قبل نہ میں نے دونوں کا فرق معلوم کرنے کی طرف توجہ کی تھی۔ اور نہ شرح وقایہ پڑھائی تھی۔ اس لئے ذرا تامل کیا اور پھر اُن کو جواب دیا کہ فعل حادث پر دلالت کرتا ہے اور محل استقرار پر، لہٰذا شبہ محل کا اعتبار ہوا اور شبہ فعل کا اعتبار نہیں ہوا۔ اس کے بعد مجھے فکر ہوئی کہ نہ معلوم جواب درست ہے یا غلط اس لئے مولوی شمس الدین صاحب کے کتب خانہ میں کہ ان کو ہر فن کی کتب جمع رکھنے کا شوق تھا شرح وقایہ کے متعدد حواشی تلاش کئے اور ایک حاشیہ میں بعینہٖ یہی جواب نکل آیا جو میں نے دیا تھا"۔ مولوی نظام الدین صاحب سے آپ کی علمی استعداد کے متعلق کسی نے دریافت کیا تو فرمانے لگے علم تو بہت زیادہ نہیں کہ ابھی تو عمر ہی کیا ہے مگر تیز اور سمجھدار البتہ بہت ہیں۔ حضرتؒ اپنی طرز اسلاف اور وضعداری میں نہایت پختہ تھے کہ کوئی بڑی سے بڑی ہستی آپ کو روک نہ سکتی تھی۔ چنانچہ ۱۸۹۶ء میں جب شعبۂ دینیات کا تعلق ایجرٹن کالج سے ہوا تو تعلیم کے لئے کالجوں کے دستور کے موافق میزیں اور کرسیاں بچھائی گئیں۔ مگر حضرتؒ نے اس کو قبول نہ کیا اور صاف انکار کر دیا کہ شعبۂ دینیات پرنسپل کی ماتحتی میں ہو اس سے مجھے بحث نہیں مگر پڑھانے کے لئے مجھے کرسی پر اور پڑھنے کے لئے طلبہ کو بنچوں پر بیٹھنے کے لئے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ اسی وقت آپ کے لئے درس گاہ میں دری کا فرش اور اس پر قالین بچھایا گیا اور آپ بطریق اسلاف اس پر بیٹھ کر درس دیتے رہے۔ ایک مرتبہ لارڈ ڈفرن کالج دیکھنے آئے اور ان کو معلوم ہوا کہ یہاں عربی مدرسہ بھی ہے چونکہ اس کو عربی سے دلچسپی تھی اس لئے حضرت کے کمرہ کی طرف بھی آیا وہاں دری کا فرش تھا اور کسی نے کہہ دیا تھا کہ یہاں مذہبی تعلیم ہوتی ہے۔ اس لئے جوتے

Marfat.com

پہن کر اندر جانا منع ہے۔ لہٰذا دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ حضرت دروازے تک تشریف لائے اور باتیں ہونے لگیں۔ اخیر میں اس نے پوچھا کہ آپ نے کہاں تعلیم پائی ہے۔ یہ سوال کچھ ایسے طرز پر تھا جو حضرتؒ کو ناگوار گذرا۔ اور مدرسہ دیوبند اُس وقت گورنمنٹ کی نظروں میں ایک خاص رنگ رکھتا تھا اس لئے غصہ کی وجہ سے آپ کی آواز بھرا گئی اور آپ نے جوش کے ساتھ فرمایا کہ میرا سلسلہ تلمذ دیوبند کے ساتھ وابستہ ہے۔

مولوی احمد الدین صاحب حضرتؒ کے پرانے شاگرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں اُس وقت ضلع ڈیرہ غازی خاں میں پڑھا کرتا تھا کہ حضرت کے تبحر علمی کی شہرت سنی اور اس لئے میں حدیث شریف حضرت سے پڑھنے کے لئے بہاولپور آیا اس وقت آپ کے متعلقہ اسباق میں جلالین شریف ترمذی شریف اور توضیح تلویح تھی۔ چنانچہ حاضر خدمت ہوا اور شرف تلمذ سے بہرہ یاب ہوا۔ انہیں کا بیان ہے ایک بار حدیث کا سبق ہو رہا تھا کہ آپ پر غنودگی طاری ہوئی جو دیر تک رہی طلبہ کی خاصی تعداد موجود تھی۔ سب کو اوقت نیند کا تعجب بھی ہوا مگر تھوڑی دیر بعد حضرتؒ بیدار ہو گئے اور فرمایا الحمد اللہ اس وقت دربار نبوی میں حاضر تھا اور دیر تک باتیں ہوتی رہیں مسائل حدیث شریف پیش تھے۔

مدرسہ دینیات جس کے آپ صدر مدرس تھے جب ریاست سررشتہ تعلیم کی ماتحتی میں آگیا تو اتفاق سے ایک شیعہ مذہب سید چراغ شاہ آپ کے افسر ہو گئے اور چونکہ اپنے آپ کو مذہبی امور کا واقف و متبحر سمجھے ہوئے تھے۔ اس لئے جب حضرتؒ مدرسہ کے کسی کام کی خاطر ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ مذہبی فقہ چھیڑ کے اہلسنت پر اعتراضات شروع کر دیتے اور حضرتؒ ان کو جواب دیتے رہتے تھے۔ جب حضرت نے دیکھا کہ ان کی عادت ہی یہ ہو گئی تو بعض لوگوں کی معرفت آپ نے ان سے کہلایا کہ میرا آپ کا معاملہ ہے افسری اور ماتحتی کا اور میں دینی معاملہ میں آپ کی رعایت نہ کروں گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ آپ اس معاملہ میں گفتگو نہ فرمایا کریں لیکن انہوں نے

Marfat.com

اس طرف توجہ نہ کی اور آخر آپ نے میرزا ابراہیم علی صاحب وزیر اعظم کی خدمت میں اپنا استعفا پیش کر دیا۔ وزیر صاحب نے وجہ دریافت کی تو آپ نے صاف کہدیا کہ سید چراغ شاہ صاحب مذہبی چھیڑ چھاڑ سے باز نہیں آتے اور مجھے اُن کی افسری کے سبب ضروریات مدرسہ کے لئے اُن کے پاس جانا ضرور ہے میں جواب دوں تو اُن کی طرف سے مضرت دُنیا کا اندیشہ اور جواب نہ دوں تو دینی نقصان اور تعصب کے خلاف اس لئے یہی مناسب معلوم ہوا کہ عزت آبرو کے ساتھ علیحدگی اختیار کر لوں۔" وزیر صاحب نے آپ کو چراغ شاہ کی ماتحتی سے نکال لیا اور استعفا نامنظور کر کے آپ کو اپنے نام پر بحال رکھا۔ اس طرح پر آپ تعلیم کے مشغلہ میں مطمئن و دل نہاد ہو گئے مگر چراغ شاہ کو آپ سے دشمنی بڑھ گئی اور وہ آپ کو نقصان پہنچانے کی فکر میں رہنے لگے ادھر چونکہ مذہبی چھیڑ چھاڑ سے آپ کی تیز طبیعت اس طرف متوجہ ہو چکی تھی لہذا آپ نے خارج وقت میں کتب شیعہ کا مطالعہ شروع کر دیا اور پھر رد شیعہ میں ایک ضخیم کتاب لکھی جس کا نام "ہدایات الرشید" رکھکر طبع اور شائع کر دیا کہ چراغ شاہ بھی اس کو دیکھ کر چراغ پا ہو گئے۔ یہ بے نظیر کتاب اس مبحث میں حضرتؒ کی بہترین یادگار اور اس کی چٹکیاں لینے والی دلچسپ عبارت آپ کی نوجوان طبیعت کا نمونہ ہے جو اس وقت نایاب ہے اور قیمتاً اس کا کوئی نسخہ بھی دستیاب نہیں ہو سکتا۔

اسی اثنا میں ایک اور واقعہ پیش آگیا کہ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کے پیر صاحب نے اپنے مرید کی بیوی کو گھر میں رکھ لیا اور اس کا مقدمہ انہیں ڈائرکٹر کی عدالت میں گیا کہ وہ چیف جج بھی تھے مثل برائے تحقیقات و حکم شرعی مدرسہ دینیات میں حضرت کے پاس بھیج دی گئی اور وہ پیر صاحب اس زعم میں کہ مجوز ان کا مرید اور حضرت کا افسر ہے خود حضرتؒ کے پاس آئے اور دوسروں کو سفارشی بھی لائے کہ ان کی جاہ کا لحاظ بھی رکھا جائے۔ مگر حضرتؒ نے اس معاملہ میں گفتگو ہی کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ تحقیق کے بعد جو حکم شرعی ذہن میں آئے گا اس کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ شرعی ذمہ داری ہے اس میں کسی کی رعایت و جنبہ داری حرام ہے۔ اس پر

پیر صاحب بہت ناراض ہوئے اور جج صاحب سے طرح طرح کی شکایات کر کے ان کو بھڑکایا۔ ابھی یہ شورش فرو نہ ہوئی تھی کہ ایک اور فتنہ کھڑا ہوا کہ حضرتؒ تعطیل رمضان میں وطن گئے ہوئے تھے آپ کے پیچھے براہین قاطعہ یہاں پہونچی اور کتاب میں چنگاری کا کام دے گئی۔ دشمنوں کو آپ کے خلاف شور مچانے کا موقع ملا اور عوام و خواص میں طرح طرح کی بدگوئی و عناد کا پھیلاؤ ہونے لگا۔ بالآخر فرمانروائے بہاولپور کی خدمت میں بھی یہ عرضداشت پیش کر دی کہ مولوی خلیل احمد بد دین اور کافر ہے اور براہین میں حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ کاذب کہتا ہے اس پر آمادہ کیا کہ ان مسائل میں مولوی خلیل احمد صاحب سے مناظرہ کرایا جائے۔ چنانچہ حضرتؒ کو ریاست کی طرف سے ایام تعطیل ہی میں دعوتِ مناظرہ دی گئی اور بذریعہ رجسٹری شدہ خط آپ کو جلد بہاولپور بلایا گیا۔

مشورہ کے لئے حضرتؒ گنگوہ حاضر ہوئے اور آخر یہ طے پایا کہ یہاں سے مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹوی، مولانا عبد الحق صاحب پوری اور مولوی محمد مراد صاحب وغیرہ کو ساتھ لے کر بہاولپور جانا اور مناظرہ ضرور کرنا چاہیئے کہ انشاء اللہ فتح اہل حق کی ہے۔ چنانچہ آپ ان حضرات کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے اور جس وقت ملتان پہونچے کہ اس وقت بہاولپور کا یہی راستہ تھا تو بعض لوگ بہاولپور کے ملے اور انہوں نے ڈرایا کہ نواب بہاولپور با اختیار فرمانروا ہیں اور ان کو کیا اشتعال ہے کہ انہوں نے طے کر لیا ہے کہ ان ہندوستانی مولویوں کو توپ سے اڑا دیا جائے یہ سن کر اول تو باقتضاء بشریت کچھ اضطراب ہوا مگر آخر یہی قرار پایا کہ شہید ہونا اس سے بہتر ہے کہ اظہار حق سے فرار کرنے والے کہلائیں۔ لہٰذا حسبنا اللہ و نعم الوکیل کہہ کر آگے روانہ ہو گئے اور بہاولپور پہونچ کر نواب صاحب کو اطلاع دے دی کہ ہم مناظرہ کرنے کے لئے آ گئے ہیں اور ہر طرح مستعد و تیار ہیں۔ چنانچہ ۹ جون سنہ ۸۹ء مطابق ۲۱ شوال سنہ ۱۳۰۶ھ کو نواب صاحب کی کوٹھی میں اول تحریری اور پھر تقریری مناظرہ چار دن ہوا اور نواب صاحب کے پیر غلام فرید صاحب حکم قرار

پائے۔ مناظرہ کی مفصل روداد ایک مستقل کتاب ہو جائے گی اور یہاں سوانح حضرت میں صرف کچھ درجہ میں وہ دلیرانہ طرز ظاہر کرنا ہے جس کی وجہ سے آپ سید المناظرین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس لئے اخبار نظام الملک مراد آباد مطبوعہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ کی وہ تحریر شائع کرتا ہوں جو ایک منصف شریک مناظرہ نے مولوی غلام دستگیر قصوری کی اس تحریر کے جواب میں شائع کی جس کی سرخی یہ تھی ؎

خلیل احمد عمداً گفت کاذب + دلیل آورد از خلف المواعید

اور بجائے اس کے کہ حکم کی طرف سے باقاعدہ فیصلہ جو تحریر و تقریر فریقین سے منتج ہوا شائع ہوتا یا ادھر کے تحریری و تقریری دلائل کا جواب بحوالہ کتب معتبرہ دیا جاتا ہماری تحریر کا خلاصہ یہ تھا کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کچھ جو کہ مشہور و معروف وہابی اور رئیس غیر مقلدین ہے یہی کہتا ہے کہ مولوی خلیل احمد اس کا چیلا ہے لہٰذا کافر اور وہابی ہے" اس تحریر پر طلبا کے اور نام کے مولویوں اور مساجد کے اماموں اور واعظوں کے دستخط کرا دئے تھے جس سے عوام سمجھیں کہ ریاست کے سارے مولوی تکفیر پر متفق ہیں۔ اس تحریر ذیل سے فہیم شخص مسائل مختلفیہا کی ابحاث فریقین کو بالاجمال سمجھ سکتا ہے کہ مباحثہ مسائل خلف وعید بشریت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وسعتِ علم ملک الموت و شیطان مجلس میلاد مروجہ اور رسم فاتحہ مروجہ کے متعلق تھا۔ جن کی تفصیل براہین قاطعہ میں مذکور ہوئی ہے ؛

مولانا صدیق احمد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب تحریری مناظرہ کے لئے سوالات ہمارے پاس آئے تو ہم نے ایک ایک سوال بانٹ لیا اور اعلمیت کا مسئلہ میرے حصہ میں آیا جس وقت ہمارے جوابات گئے اور فریق ثانی کے علما نے دیکھے تو ہم نے وہیں کے معتبر آدمیوں سے سنا کہ کہتے تھے جوابات بہت زور کے اور کافی شافی ہیں لہٰذا مناظرہ کا رخ بدلنا اور تحریری کو تقریری بنانا چاہیئے کہ رعب حکومت مانع تکلم ہو اور تقریر میں بھی صرف امکان کذب کو لیا جائے کہ اس میں گنجائش ہے اور عوام کے بھڑکنے کا بھی اچھا موقع ہے۔ چنانچہ ۱۸ جون ۱۹۰۸ء کو اسی کوٹھی

Marfat.com

پر ارکین سلطنت اور خواص ملک جمع ہوئے اور غلام دستگیر نے اپنی بلا بیچارے سلطان محمود کے سر ڈال دی کہ صبح سے ۱۲ بجے دوپہر تک مولانا خلیل احمد صاحب کی وہ شیرانہ گفتگو ہوئی جس کو سن کر سارے حکام اور وکیل و بیرسٹر بھی دنگ ہو گئے چنانچہ تحریر ذیل میں سب بالاجمال مذکور ہے :-

(ضمیمہ اخبار نظام الملک مراد آباد مطبوعہ ۲۵ اگست ۱۸۸۹ء)

(راقم رکن شریک جلسہ)

غلام دستگیر ار کافر م خواند | چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمان گفتنش اندر مکانات | دروغے را جزا باشد دروغے

حامداً و مصلیاً ان حضرات کی خدمت میں جن کو فہم و انصاف خداداد حصہ ملا ہے عرض ہے کہ فتوٰی مندرجہ صادق الاخبار بہاولپور مورخہ ۱۱ جولائی ۱۸۸۹ء جس کے سوال و جواب کی تالیف مولوی غلام دستگیر قصوری کے فہم و قلم سے ہوئی ہے آپ صاحبوں نے بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا اور اس کی صحت و غلطی پر اطلاع پائی ہوگی لیکن چونکہ میں مولوی خلیل احمد صاحب کا ہم عقیدہ اور بہاولپور کے مناظرہ میں شریک تھا اس لیئے مختصراً میری بھی گذارش سن لیجیئے۔ خلاصہ مضمون فتوٰی یہ ہے خلیل احمد اور اس کے ہم عقیدہ اہل سنت سے نہیں فرقہ وہابیہ اسمٰعیلیہ سخت بے ادبوں سے ہیں جن سے ہندوستان وغیرہ میں غیر مقلد اور نیچری شاخیں نکلی ہیں ۔ اہل اسلام اہل سنت و جماعت کو ان سے اجتناب واجب ہے) بحمد اللہ تعالٰی جب ہم عقائد اہل اسلام اہل سنت پر ثابت القدم راسخ الجنان ہیں اور نہایت وثوق اور ان پختہ دلائل سے ثابت کرتے ہیں جن کی مخالفین میں سے کوئی تردید نہیں کر سکتا کہ ہمارے اعتقادات سراسر مطابق اعتقادات اہل سنت ہیں تو ہم کو اس کی کچھ شکایت نہیں کہ مولوی غلام دستگیر اور ان کے اتباع ہم کو اہل سنت سے خارج بتلائیں یا کافر فرمائیں کیونکہ اول تو یہ سنت قدیمہ ہے کہ اہل حق اور اہل اللہ کے اس قسم کے لوگ دشمن ہوا ہی کرتے ہیں اور حق کہنے والوں کو برا کہا ہی کرتے ہیں یہ کوئی نیا طریقہ نہیں ہے علماء ربانیین کی فہرست ہاتھ میں لے کر اول سے آخر تک دیکھ جاؤ کوئی ایسا نہ نکلے گا جو اُنکی زبان

طعن اور سہام لعن سے بچا ہو۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ جملہ صحابہ و اہل بیت و ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خیال کر لیجئے اور دیکھئے کہ ان میں سے کوئی بھی ایسے لوگوں کی طعن و ملامت اور لعن و مذمت سے محفوظ رہا ہے؟ ائمہ مجتہدین کے ساتھ ان لوگوں کی زبان نے کیا کیا کچھ سلوک کئے۔ خصوصاً امام الائمہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو کیا کچھ سب و شتم کیا۔ اولیاء اُمت کی کہاں تک نوبت پہونچائی جس نے زبان سے کچھ حق نکالا جھٹ اُس کی تکفیر کی۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور امام غزالی۔ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اور ابو مدین مغربی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا حال دیکھ لیجئے کہ اُن کی کہاں تک توہین و تکفیر کی محدثین اُمت کو دیکھ لیجئے اُن کے ساتھ انہوں نے کیا مہربانیاں فرمائیں۔ امام بخاری کے ساتھ کیا کیا۔ نسائی کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ ان سب کو رہنے دو انبیاء صلوات اللہ علیہم کے حالات کو دیکھ لو کہ ان کے ساتھ انہوں نے کیا کیا۔ دُور کیوں جاتے ہو حضرت فخر عالم سید وُلد آدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حال احادیث میں ٹٹول کر دیکھ لو اور نہیں تو قرآن شریف میں ہی تلاوت فرمالو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتا ہے وکذالک جعلنا لکل نبی عدواً شیاطین الانس والجن یوحی بعضہم الی بعض زخرف القول غروراً ولو شاء ربک مافعلوہ فذرھم وما یفترون ط اور تو اور خدا تعالیٰ سے بھی تو نہ چوکے پھر اگر ہماری حق گوئی اور اتباع سُنت نبوی پر انہوں نے ہم کو بھی کچھ فرمایا تو ہم کو ہرگز کچھ شکایت نہیں۔ بلکہ ہمارا فخر ہے کہ بحمد اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے آباء معنوی کی میراث ملی اور ہمارے مخالفوں نے اپنے آبائے روحانی کی ارث کو اختیار کیا ع۔

میراث پدر خواہی علم پدر آموز۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ رضینا قسمۃ الجبار فینا۔ دوسرے یہ کہ بحکم احادیث صحیحہ ثابت ہے کہ یہ کلمہ وہ کلمہ ہے جو قائل کی طرف ہی عود کیا کرتا ہے جبکہ وہ شخص جس کے حق میں کہا گیا ہو اس کا مستحق نہ ہو چنانچہ ارشاد ہے فقد باء بہ احدھما اور بحمد اللہ تعالیٰ نہ جماعت اہل سنت وجماعت سے ہم جدا ہیں نہ دائرۂ اسلام سے خارج اور نہ ہمارا

کوئی عقیدہ عقائد اہل سنت کے مخالف تو یہ سب سب و شتم اور تضلیل و تکفیر مولوی غلام دستگیر کی طرف ہی لوٹتی ہے اور بموجب حدیث صحیح کے وہی اس تمام طعن و لعن کا مورد قرار پاتا ہے نہ ہم تیسرے یہ کہ اس تکفیر و تضلیل میں تمام متکلمین اور سب فقہاء و محدثین جو عموم قدرت باری تعالیٰ کے قائل ہیں شامل ہوئے۔ پس جب ہم اُن کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں تو اگر وہ بھی گمراہی میں پڑے ہیں تو ہم بھی سہی مرگِ انبوہ جشنے دارد" تو جب غلام دستگیر نے سب اکابر اہل سنت کو اہل سنت سے خارج کر دیا تو اُس اہل سنت ہونے سے جس کو غلام دستگیر تسنن کہتا ہے ہم بھی تحاشی کرتے ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ مفتی کون؟ غلام دستگیر۔ اور مسئلہ کونسا؟ عموم قدرت باری تعالیٰ۔ سبحان اللہ یہ مُنہ اور مسور کی دال، خدا کی قدرت کہ مسئلہ قدرت میں اور غلام دستگیر ہماری تکفیر کرے۔ قیامت آگئے جب وہ موٹے موٹے اور ظاہر ظاہر مسائل سمجھنے سے عاجز ہے تو ایسے باریک مسائل میں اس کی فہم نارسا کیونکر رسائی پا سکتی ہے۔ یہ غلام دستگیر وہی غلام دستگیر ہے جو چند روز ہوئے ریاست بہاولپور کی میونسپل کمیٹی میں محرر تھا۔ آج آپ علامۃ الدہر بن بیٹھے۔ اس کی ہمیشہ کی عادت ہے کہ ایسی ہی چالاکیوں سے کارروائی کیا کرتا ہے جو علماء کی شان کے علاوہ عوام اراذل سے بھی نہایت بعید ہیں۔ مناظرہ بہاولپور کا صحیح صحیح قصہ جو ایک بڑے مجمع کثیر اور جم غفیر میں ہوا اوّل ان معتبر لوگوں سے سُن لیجئے جو اُس میں شریک تھے اور دیکھئے کہ اُس میں حضرت کی کیسی گت ہوئی۔ پھر اس فتوے کو صادق الاخیار میں درج کرایا ہے اُس کے مطابق کیجئے۔ آپ کی ایمانداری واضح ہو جائے گی مناظرہ بہاولپور کا حال اس وقت مجملاً اور مختصراً عرض کرتا ہوں۔ مولانا خلیل احمد صاحب وسط رمضان سخت موسم گرمی میں نہایت عجلت اور تقاضا کے ساتھ بتحریک غلام دستگیر مناظرہ کے لئے بہاولپور بذریعہ تار برقی و خط رجسٹری طلب ہوئے۔ ۱۷ر رمضان کو مع رفقا وہاں پہونچے۔ وہاں پہونچنے پر جوش مناظرہ تو فرو ہوا لیکن غلام دستگیر اور اس کے رفقاء کی آتش عناد نے دوسری طرح اشتعال پایا۔ جب ان مکر اور حیلوں میں ناکامی رہی تو ۳ر شوال کو پہلا جلسہ مناظرہ جناب میاں صاحب میاں

Marfat.com

غلام فرید صاحب مرشد حضور سرکار عالی دام اقبالہ و ملکہ کی کوٹھی میں منعقد ہوا تمام ارکین ریاست جمع ہوئے فریقین بالمقابل بیٹھے۔ ہماری طرف سے شرائط مناظرہ پیش ہوئیں کل تیرہ شرطیں تھیں۔ منجملہ ان کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ فریقین کی تقریریں قلمبند ہوں جو مجلس میں بالاتفاق منظور ہوئی اور ایک یہ بھی شرط تھی کہ جو منصف اور حکم مقرر ہو وہ علوم عقلیہ و نقلیہ فرعیہ و اصلیہ میں مزاولت تامہ رکھتا ہو اور اس پر فرض ہوگا کہ فریقین کے دلائل پر بدلائل شرعیہ فیصلہ لکھے جس فریق کے دعوے یا دلیل کی تصحیح کرے بدلائل کرے اور جس کی تغلیط کرے بدلائل تغلیط کرے۔ بلا دلیل اس کا قول ہرگز قبول نہ ہوگا۔ غلام دستگیر کہتا تھا کہ جناب میاں صاحب منصف و حکم ہیں اس شرط کی کیا حاجت ہے۔ کیا تم پیر صاحب کے حکم ہونے سے منکر ہو؟ مولانا فیض احمد صاحب کہتے تھے کہ ہم کو پیر صاحب کے ادنیٰ خادم کا منصف ہونا قبول ہے مگر بشرطیکہ فیصلہ بدلائل شرعیہ ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اس موقع میں تو پیر صاحب کی منصفی پر اس قدر زور ڈالتے ہو اور ان مسائل میں جن میں تم خود میاں صاحب کے مخالف ہو ان میں جناب میاں صاحب کی منصفی کو منظور نہیں کرتے۔ بعد شرائط غلام دستگیر نے تحریری مناظرہ کو مناسب وقت سمجھ کر سات اعتراضات پیش کئے جو ساڑھے آٹھ ورق پر لکھے ہوئے تھے اور چاہا کہ مجلس میں پڑھ کر سنائے۔ مولانا نے کہا کہ مجلس وعظ نہیں ہے مجلس مناظرہ ہے۔ مناظرہ تحریری ہوگا یا تقریری اگر تحریری مناظرہ ہے تو اسی مجلس میں وقت مقررہ پر تحریری سوال و جواب لکھیئے اور زبانی ہے تو زبانی سوال کیجئے زبانی جواب لیجئے۔ اس سے تو غلام دستگیر نے انکار کیا اور پڑھ کر سنانے پر اصرار کیا۔ آخر مولانا نے کہا اچھا اگر آپ سناتے ہیں تو ہم کو اجازت ہو کہ ہم اعتراض کریں گے۔ اس کو بھی منظور نہ کیا۔ مولانا نے کہا کہ اس صورت میں ہمارا بیٹھنا فضول ہے۔

چنانچہ ارکین نے اس کو منظور فرمایا اور کہا کہ آپ جائیں بعد میں آپ کے پاس بھیج دیئے جائیں گے۔ آپ چار روز میں جواب لکھ دیں۔ مولانا نے یہ قبول کیا اور کہا کہ مجلس

Marfat.com

میں ہمارے جواب بھی اسی طرح سنائے جائیں گے۔ اس کو ارکین نے قبول فرمایا اور
ہم چلے آئے چار روز کے عرصہ میں اجمالی اور تفصیلی جوابات لکھے۔ مجموعہ کی تعداد تقریباً
ہمارے پندرہ جز تھی پانچویں روز دوسرا جلسہ منعقد ہوا۔ چونکہ تفصیلی بات نہ زیادہ
بسیط تھے اس لیئے ارکین نے اجمالی جوابات کو سننا قبول کیا۔ لیکن غلام دستگیر
مجلس میں نہیں آیا اور عذر کیا کہ جب انہوں نے ہمارے سوالات نہیں سُنے تو ہم
اُن کے جوابات نہیں سُنتے۔ مولانا نے کہا کہ ہم نے تو اس لیئے نہیں سُنے تھے کہ ہم کو
اعتراض کرنے کی اجازت نہ تھی۔ جب ہم آپ کو اعتراض کرنے کی اجازت دیتے ہیں
تو ان کو اب کیا عذر ہے۔ ارکین نے بھی اس پر بہت زور دیا کہ غلام دستگیر مجلس میں
شریک ہو مگر غلام دستگیر ایسے کہاں کو تھے مجلس میں نہ آئے پر نہ آئے۔ مگر مولانا نے
اپنا اجمالی جواب مجلس میں خوب دھڑلّے کے ساتھ پڑھکر سنایا اور بعد اختتام پکار کر
کہہ دیا کہ جس کا دل چاہے اس پر اعتراض کرے ہم جواب دیں گے۔ علماء نواح بہاولپور
غلام دستگیر کے معاونین مولوی عبدالرشید۔ مولوی غلام نبی۔ مولوی سلطان محمود
مولوی الہ بخش وغیرہم سب شریک جلسہ تھے۔ مگر کوئی کچھ نہ بولا۔ بعض ارکین کی طرف
سے اصرار ہوا کہ یہ جوابات میاں صاحب کے حوالہ کر دو۔ چونکہ وہ صرف مسودہ تھا اس
لیئے مولانا نے یہ کہا کہ تا وقتیکہ ہم اس کی نقل نہ کر لیں۔ اس کو ہم نہیں دے سکتے
اور بڑی خیر ہوئی کہ وہ تحریر نہیں دی تھی ورنہ زیاتی مناظرہ کے اوراق کی طرح
اس سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے اور بجز افسوس کے کچھ نہ ہاتھ آتا۔ غرض اُس
وقت مولانا اپنی تحریروں کو سنانے کے بعد واپس لے کر چلے آئے اور پانچ روز
کی مہلت ارکین نے عنایت کی کہ اس عرصہ میں نقل کر کے جوابات دے دو
چھٹے روز جواب بعد نقل بھیج دیئے۔ اب غلام دستگیر نے سوچا کہ معاملہ دگرگوں ہو
گیا۔ اس تحریر طویل الذیل کا سمجھنا اور جواب لکھنا تو در کنار اس کا اول سے آخر تک
پڑھنا ہی دشوار ہے۔ آٹھ ورق پر سوال تو کتنے ایام کی جانکاہی میں کمیٹی کر کے لکھے
تھے چالیس اجزا کی تحریر کے جواب۔ دیکھنے کے لیئے تو مہینوں کا عرصہ درکار ہے۔ اس لیئے دوسری چال

Marfat.com

چلے اور زبانی مناظرہ ٹھہرایا۔ مولانا نے بلا اصرار قبول کیا۔ تیسرا جلسہ زبانی مناظرہ کے لئے منعقد ہوا۔ تمام اراکین جناب میاں صاحب کی کوٹھی میں جمع ہوئے۔ فریقین بالمقابل بٹھلا دیئے گئے۔ فریقین کی تقریریں لکھنے کے واسطے بمنظوری اراکین مولوی عبدالمالک صاحب مدرس کالج بہاولپور مقرر ہوئے۔ مولانا نے مولوی غلام دستگیر سے کہا کہ سوال کیجئے تو کہتے کیا ہیں کہ مجھ کو تو جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکا۔ اب میں کچھ نہیں کہتا۔ ہاں مولوی سلطان محمود کچھ سوال کریں گے۔ معلوم ہوا کہ اب غلام دستگیر میدان مناظرہ سے بلطائف الحیل گریز کیا چاہتا ہے۔ اس لئے مولانا نے کہا کہ اصل متخاصمین میں اور آپ ہیں۔ میں صرف آپ کے سوال کا جواب دوں گا۔ دوسرے کسی کے سوال کا میں جواب نہیں دوں گا۔ اگر آپ کے معاونین میں سے کوئی سوال کرے گا تو میرے رفقاء میں سے اس کا کوئی جواب دے گا۔ ہاں اگر مولوی غلام دستگیر اقرار کرلے کہ میں سوال کرنے سے عاجز ہوں تو پھر جس کا دل چاہے سوال کرے میں ہی جواب دوں گا۔ اس پر بہت کچھ جھلائے تو بھی خیال کیا کہ اب بھی شاید کچھ غیرت آجائے گی اور سوال کرے گا مگر توبہ توبہ سوال کے نام سے اس کا مرغ روح ہوا ہوا جاتا تھا۔ کبھی کہتا تھا کہ حضرت میاں صاحب کا ارشاد ہو تو سوال کروں۔ کبھی بدحواسی میں کہتا تھا کہ مولوی سلطان محمود صاحب ارشاد فرمائیں تو سوال کروں۔ اور اراکین اس کے اس گریز و اغماض سے زچ بچ تھے۔ آخر جب تمام اہل حل وعقد نے اس کو مجبور کیا تو قہر درویش بجان درویش سوال کے لئے تیار کرنے لگا۔ پہلے کچھ دیر تک دعا مانگی (شاید جان بچنے کے لئے ہوگی یا حق کے غلبہ کی دعا پر تو ہم نے بھی آمین کہی۔ پھر بستہ کھول کر کچھ کاغذات نکالے اور اس مناظرہ کی بابت اعتراض کیا جو لاہور میں ۱۹ رمضان المبارک سنہ ۱۳۰۸ھ کو مولوی عبداللہ ٹونکی مدرس یونیورسٹی کے ساتھ مولانا محمود حسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کا ہوا تھا۔ جس کا صحیح خلاصہ یہ تھا کہ مسئلہ امکان کذب کی بابت مولوی عبداللہ سے تذکرہ ہوا انہوں نے کہا میرے نزدیک اس کا قائل دائرہ

اہلِ سنت سے خارج ہے دلیل طلب کی گئی تو شرح مواقف کا حوالہ دیا جو بحث
صفت کلام باری میں مذکور ہے اس پر کچھ امتناع بالذات اور بالغیر کی بابت ذکر
چھڑا تو اس پر مولوی عبداللہ نے کہا کہ مجھ کو مناظرہ منظور نہیں ہے۔ تب یہ کہا گیا کہ
یہ محض تحقیق مسئلہ ہے اور مناظرہ نہیں۔ اس سے آپ ناخوش نہ ہوں اور یہ کہا گیا
کہ خود شارح مواقف امکان کذب کی تصریح کر دے تب بھی آپ قبول کریں گے؟
اس کو تسلیم کیا۔ چنانچہ شرح مواقف کی عبارت صفحہ ۷۰۹ کی ان کو دکھلائی گئی اس
کو دیر تک دیکھا کئے دیکھ کر مطلق اس میں چون و چرا نہ کی اور اس کو قبول کر لیا اور
کوئی عبارت کسی کتاب مسلم الثبوت وغیرہ کی اس کے مقابلہ میں پیش نہیں کی بلکہ سوائے
شرح مواقف کے ذکر کے اور نام تک بھی کسی کتاب کا نہیں آیا۔ اس کی بابت غلام
دستگیر نے اپنے سوالات میں غالباً لکھا تھا کہ مولوی عبداللہ نے مسلم الثبوت کی
عبارت پیش کر کے خلیل احمد وغیرہ کو ساکت کر دیا۔ اس پر مولانا نے تفصیلی جوابات
میں لکھا تھا کہ یہ محض خلاف واقع اور جھوٹ ہے۔

تو اس جلسہ میں غلام دستگیر نے مولوی عبداللہ کے دو خط نکالے اور دیر تک
پڑھتے رہے اور کہا کہ دیکھو جناب مفتی عبداللہ صاحب خود تحریر فرماتے ہیں تو
میری طرف جھوٹ کو نسبت کرنا خلیل احمد کا محض جھوٹ اور خیانت ہے۔ حالانکہ
یہ نہ سمجھے کہ اس صورت میں کذب ان کے مقتدا مولوی عبداللہ کی طرف منسوب
ہوگا۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ تفصیلی جوابات میں تحفۂ اثنا عشریہ کی عبارت کی نقل
میں غلطی کاتب سے نیست کی جگہ است لکھا گیا تھا تو اس پر تحفۂ اثنا عشریہ نکال کر
دکھلایا اور کہا کہ دیکھئے خلیل احمد نے نقل میں خیانت کی۔ ان دونوں اعتراضوں
کے بیان میں ایک بڑا وقت صرف کیا جس سے تمام اراکین اور سب حضار مجلس
مکدر و منغص ہوئے۔ اور چیف جج صاحب نے غلام دستگیر کو فرمایا بھی کہ اصل مسئلہ
میں سوال کرنا تھا کوئی حدیث کوئی ناسخ کوئی منسوخ بیان کرنا تھا۔ اس کے بعد
مولوی غلام دستگیر صاحب کی زبان شریف سے مناظرہ کی بابت کچھ نہ نکلا۔

جب مولانا نے دیکھا کہ تمام اراکین منتخب ہو گئے تو تھوڑا سا اور غلام دستگیر سے بابت سوال تقاضا کر کے اور تا بدروازہ پہونچا کر اور اُس کا عجز واضح کر کے کہا کہ خیر اب میں کہتا ہوں کہ جو شخص سوال کرے گا اُس کا جواب دُوں گا۔ چنانچہ مولوی سلطان محمود ساکن تلیہڑی مناظرہ کے لئے منتخب ہوئے اور مناظرہ کے لئے بالمقابل بیٹھے۔ یہاں سے بانتظام جناب مرزا چندو دہ خاں صاحب مشیر مال حال مولوی عبدالمالک نے تقریریں لکھنی شروع کیں۔ سلطان محمود نے سوال کیا کہ خداوند تعالیٰ کی نسبت اتصاف امکان کذب کے ساتھ آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ مولانا نے کہا کہ ممتنع بالذات۔ سلطان محمود نے کہا۔ آپ کی تحریر کے مخالف ہے مولانا نے کہا ہرگز نہیں ہے آپ نے ہماری تحریر کو سمجھا نہیں۔ سلطان محمود نے کہا تشریح کیجئے۔ مولانا نے کہا کہ صدق اور کذب صفت کلام ہے اور کلام باری تعالیٰ نفسی ہے اور لفظی نفسی جو صفت قدیمہ ہے اُس میں کذب ممتنع بالذات ہے اور کلام لفظی میں ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے۔ آپ کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ کہا ممتنع بالذات طرفین سے دلیل کا مطالبہ ہوا۔ سلطان محمود تو اپنے اثبات مدعا کے لئے کیا دلیل بیان کرتے ہیں۔ مولانا نے آیت ولو شئنا لبعثنا فی کل قریۃ نذیرا الخ پڑھی جس کی تفسیر میں امام رازی نے تفسیر کبیر میں خدا تعالیٰ کی قدرت مثل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر لکھی ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ خلاف معلوم اور خلاف اخبار مقدور ہے جو کہ مستلزم امکان کذب کو ہے۔ سلطان محمود نے کہا کہ تو فرض کے واسطے ہے اور فرض محالات کا بھی جائز ہے۔ مولانا نے کہا کہ میرا استدلال لو سے نہیں ہے بلکہ مشیت سے ہے۔ سلطان محمود نے کہا قدرت اوصاف مشترکہ میں مُراد ہے اور اوصاف خاصہ میں مثل پر قدرت نہیں ہے۔ مولانا نے کہا کہ آدمؑ میں صفت اولیت خاص ہے اور شیطان میں بدترین ہونا وصف خاص ہے تو اُن کے مثل پر بھی قدرت نہیں۔ اسی طرح ہر ایک فرد کی مثل پر قدرت نہیں؟ تو کہا ہاں۔ اور دوسرے امر کا معارضہ کبیر کی دوسری عبارت سے کیا جس کا حاصل یہ تھا کہ خلاف معلوم اور

Marfat.com

خلاف اخبار مقدور ہے اور یہ بھی غالباً اسی جلسہ میں کہا گیا کہ اگر خلاف علم مقدور نہ ہو تو لازم آوے کہ معاذ اللہ خدا تعالی کو کسی چیز پر قدرت نہ ہو کیونکہ موجودات اور معدومات ممکنہ کا وجود و عدم ایک وقت معلوم تک ہے اس سے پیشتر نہ موجود کا معدوم کرنا اور نہ معدوم کا موجود کرنا مقدور ہوتا تعالیٰ عن ذالک اور نیز عبارت مکتوبات شیخ یحییٰ منیری کی کہ انبیاء کے دوزخ میں ڈال لینے پر قدرت میں لکھی ہے پڑھ کر سنائی۔ شاید غلام دستگیر شیخ کی نسبت تکفیر کرے گا اور کہے گا کہ انہوں نے انبیاء کو دوزخی کہا۔ چونکہ ایک بجے کا وقت قریب آ گیا تھا جلسہ برخاست ہوا تیسرے روز پھر چوتھا جلسہ منعقد ہوا۔ چونکہ سلطان محمود پہلے مناظرہ کا ڈھنگ دیکھ چکا تھا اس لیے اس روز اس نے چاہا کہ مبحث کو بدلے۔ مگر خلاف داب مناظرہ چلنے نہ دیا گیا۔ اور گو تیسرے جلسہ کے تتمہ پر سلطان محمود پر جواب دہی باقی رہی تھی تو آج اس پر جواب دینا لازم تھا مگر مولانا نے شروعاً اثبات مدعا کے لیے از سر نو دلائل پیش کئے اور وہ کل تین دلیلیں تھیں۔ پہلی دلیل یہ تھی۔ کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ کلام نفسی میں کذب ممتنع بالذات ہے لیکن کلام لفظی میں ممکن بالذات ہے کیونکہ کلام لفظی وہ ہے جو مرکب الفاظ سے ہو اور جو مرکب الفاظ سے ہو وہ حادث ہے اور جو حادث ہے وہ ممکن ہے۔ وہ بحکم آیت اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔ داخل تحت قدرت ہے تو کلام لفظی باقسامہ داخل تحت قدرت ہے۔ پھر ہر ایک مقدمہ کا ثبوت شرح عقائد نسفی سے کر دیا۔ اس دلیل کو سن کر جو کیفیت سلطان محمود اور اس کے رفقا غلام دستگیر وغیرہ کی ہوئی تھی وہ قابل دید تھی۔ بہرکیف اس کے جواب میں ساکت محض ہوئے اور اس دلیل کو کسی طرح نہیں توڑ سکے۔ گھبرا کر یہ کہا کہ ہم شکل اول نہیں جانتے۔ امکان کذب کو کسی کتاب سے ثابت کیجئے۔ مولانا نے چند بار پکار کر یہ بھی کہہ دیا کہ اگر آپ صاحبوں میں سے کوئی میری دلیل کے کسی مقدمہ کو باطل کر دیں گے تو میں اپنی دلیل سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ مگر کوئی کچھ نہ بولا۔ دوسری دلیل یہ تھی کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ اب ہم پوچھتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو اس

کے خلاف پر قدرت ہے کہ نہیں؛ وہ مشرک کو بخش سکتا ہے یا نہیں؛ جناب میاں صاحب نے فرمایا ہاں بخش سکتا ہے۔ تو مولانا نے کہا کہ یہی امکان کذب ہے۔ اس پر سلطان محمود اور غلام دستگیر بالاتفاق بولے کہ خدا تعالیٰ مشرک کو نہیں بخش سکتا ہے۔ اور غلام دستگیر نے جلدی سے جلالین منگائی اور اِدھر اُدھر لوٹ پوٹ کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور کتاب رکھدی۔ مولانا نے کتب کلامیہ سے مشرک کی مغفرت کا مقدور ہونا ثابت کر دیا۔ آخر جب کچھ بن نہ پڑا تو گھبرا کر کہنے لگے کہ اس سے آپ نے فعل میں کذب ثابت کیا اور دعویٰ اثبات کذب فی القوا تھا۔ مولانا نے کہا سبحان اللہ میں تو اس قول ان اللہ لا یغفران یشرک بہ میں جو کہ جملہ خبریہ ہے کہہ رہا ہوں۔ کہنے لگے نہیں صاحب آپ تو کذب فی الفعل ثابت کرتے ہیں۔ اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے جواب کس حالت میں آدمی سے صادر ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہا کہ امکان کذب کتاب سے ثابت کیجئے۔ جب مولانا دو۲ قوی دلیلوں سے اپنا مدعا ثابت کر چکے تھے تو اب اُن پر لازم نہ تھا کہ موافق فرمائش کے بھی ثابت کرتے مگر تبرعاً بایں خیال کہ آپ کے دل میں حسرت اعتراض باقی نہ رہ جاوے اس لئے اس کو منظور کر کے تیسری دلیل شرح مواقف سے پیش کی یعنی وہ عبارت جو صفحہ ۷۰۹ مطبوعہ نولکشور پر مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شارح معتزلہ و خوارج کی طرف سے اعتراض کرتا ہے کہ امکان کذب فی الخبر اور خلف فی الوعید لازم آتا ہے اور وہ محال ہے۔ پھر اُس کا جواب دیتا ہے قلنا لا نسلم استحالتہ کیف وہما من الممکنات التی یشملہما قدرۃ اللہ تعالیٰ یعنی ہم اُس کا استحالہ تسلیم نہیں کرتے کیونکہ کذب فی الخبر اور خلف فی الوعید اُن ممکنات سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل ہے۔“ اس کے جواب میں سلطان محمود نے دو کتابوں کی عبارتیں پیش کیں جن کو وہ شرح عقائد جلالی اور اُس کا حاشیہ ابو الحسن شہید کہتے تھے غالباً اُن کا مضمون یہ تھا کہ کذب نقص ہے اور نقص خدا پر محال ہے تو قول سید شریف ممنوع ہے۔“ مولانا نے کہا کہ اولاً یہ اعتراض سید شریف پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ سید شریف بحث کلام میں تصریح کر چکے ہیں کہ قبح فی الفعل جس سے معتزلہ اُس

کے امتناع پر استدلال کرتے ہیں اور نقص فی الفعل میں کچھ فرق نہیں ہے۔ تو نقص فی الفعل سے اہل سنّت کا اس کے امتناع پر استدلال کرنا اصول اہل سنّت کے خلاف ہے۔ دوسرے باہم مطابقت بھی ہو سکتی ہے کہ "دوانی کا قول کلام نفسی پر محمول ہو اور سید شریف کا قول کلام لفظی پر جہاں تک میرا حافظہ شہادت دیتا ہے اس تقریر کا کوئی جواب ان کی طرف سے نہیں دیا گیا۔ یہاں تک فریقین کی تقریریں قلمبند ہوتی رہیں۔ چونکہ ۱۲ بجے کا وقت آگیا تھا اراکین نے اُٹھنا چاہا۔ اُٹھتے اُٹھتے سلطان محمود نے اعتراض چہارم کی تقریر کی لیکن وہ لکھی نہیں گئی کیونکہ وہ محض غل اور شور میں ہوئی تھی۔ چند منٹ ہو کر مجلس برخاست ہوئی اور پھر کوئی مناظرہ نہیں ہوا۔ یہ مجملاً بہاولپور کے مناظرہ کا نقشہ ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم بعد میں جوابات اجمالی اور تفصیلی بھی شائع کریں گے۔ لیکن یہ بلفظہٖ مناظرہ جس طرح تحریر ہوا تھا اس لئے ہم نہیں لکھ سکے کہ جو مناظرہ مولوی عبدالمالک صاحب لکھتے تھے ہم نے اسکی نقل لینے کی درخواست بخدمت جناب میر ابراہیم علی صاحب و جناب سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب کی تھی۔ اور انہوں نے ہم کو اُس کی نقل کی اجازت دے دی تھی اور وہ کاغذات سرکاری طور پر بتوسط جناب مرزا چندو خاں صاحب جناب میاں صاحب کی خدمت میں محفوظ رہتے تھے۔ اور جناب سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب نے فرمایا تھا کہ کل صبح کو کسی کو بھیج دینا نقل کر کے دے جائے گا۔ دوسرے روز مولانا خود مع چند طلبہ دولت خانہ پر بخدمت جناب شاہ صاحب گئے اور نقل کے لئے کہا۔ جناب شاہ صاحب نے براہ مہربانی اُسی وقت آدمی بھیج کر جناب میاں صاحب کے ایک خلیفہ کو بلایا اور کاغذات مناظرہ کے لانے کے واسطے حکم کیا۔ چنانچہ وہ گیا اور واپس آکر یہ جواب لایا کہ جناب میاں صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس کاغذات نہیں ہیں خلیل احمد کا آدمی لکھتا تھا اُسی کے پاس ہوں گے۔" میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا واقعی یہ میاں صاحب کا ہی جواب ہے بلکہ کچھ عجب نہیں یہ بیچ میں حضرت غلام دستگیر ہی کی کارروائی ہو۔ بہرکیف اُس وقت سے مایوسی ہوئی کہ وہ تحریرات غائب غلہ ہوئیں ہمارے

Marfat.com

ہاتھ نہ آئیں گی۔ تو اب ہم کو شکر کا بڑا موقعہ ہے کہ بدون نقل جوابات اجمالی اور تفصیلی حوالہ نہیں کر دئے گئے تھے ورنہ وہ بھی اسی طرح غائب غلہ ہوتے لیکن یہ تو سب جانتے ہیں کہ مولوی عبدالمالک نے سرکاری طور پر مناظرہ کو لکھا تھا جس کے منتظم جناب مرزا چندو ڈہ خاں صاحب تھے پھر اگر وہ خود ہی اس کو شائع کر دیں تو بہتر ہے تاکہ تمام ہندوستان میں ہر ایک کو معلوم تو ہو جائے کہ حقیقت کس کی جانب ہے اور مناظرہ میں غلبہ کس کو ہے؟ مگر جس میں اُن کی مغلوبیت ثابت ہو اُس کو تو وہ کیونکر شائع کر سکتے ہیں۔ لیکن الحمد للہ اہل عقل کے نزدیک اُس کا چھپا لینا اور غائب کر دینا بہ نسبت اظہار کے زیادہ صریح دلیل مغلوب ہونے کی ہے لوکانوا یعقلون یہی وجہ ہوئی کہ غلام دستگیر نے صادق الاخبار میں کیفیت مناظرہ کا نام تک نہ لیا اور نتیجہ مباحثہ کے نام سے فتوے شائع کرایا چہ خوش کجا مباحثہ؟ کجا یہ فتوے کجا اس کا نتیجہ مباحثہ۔ تا کجا اظہار حق؟ عجب امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی مثل ہے ؎

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا ۔ الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا

یہ خیال کیا ہوگا کہ اُن کے دلائل کا جواب جن کے مقابلہ میں سر مجلس جواب نہیں آیا تھا اس موقع پر بھی نہ بن پڑے گا تو اب مناظرہ کا ذکر کرنا اپنے مدعا میں کھنڈت ڈالنا ہے اس لئے اُس کا نام ہی نہ لو۔ رہا یہ کہ اگر بہ فتوے جس پر جناب میاں صاحب کی تصدیق ہے اگر بالفرض اُن کی طرف سے ہی سمجھا جائے اور خیال کیا جائے کہ یہ اُن کی طرف سے فیصلہ ہے تو تا وقتیکہ یہ فیصلہ حسب شرائط بدلائل صحیحہ مدلل نہ ہو اور تمام دلائل کا مفصل جواب نہ ہو ہرگز قابل اعتبار کے فیصلہ نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ خود دلائل مرقومہ غلط ہوں۔ اس صورت میں میاں صاحب کی تصدیق کافی نہیں کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب میاں صاحب کو دھوکہ دے کر دستخط کرائے گئے۔ سوالات میں طرح طرح کی چالاکیاں کی ہیں۔ دلائل میں بہت کچھ خرافات بھری ہے پہلی دلیل جو تمام مسائل میں جاری کی یہ ہے کہ یہ مسئلہ موافق ہے مولوی اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کے ہے یہ خود واہیات اور پوچ ہے ان کی موافقت و مخالفت کو بطلان

Marfat.com

وحقیقت میں کچھ دخل نہیں ہے وہ خدا کے بھی وحدہٗ لاشریک لہٗ ہونے کے قائل ہیں تو اس کا بھی انکار کیجئے۔ چوری و شراب خوری و جہل و ظلم سے معارضہ بھی کم فہمی سے ناشی ہے کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ غلام دستگیر کے نزدیک خدا کی قدرت کا بندہ کی قدرت سے زائد ہونا اور خدا کے مقدورات کا بندہ کے مقدورات سے زائد ہونا ضروری نہیں حالانکہ یہ کلیہ مسلّمہ اہل کلام ہے جو مقدور العبد ہے وہ مقدور اللہ ہے۔ اگر اس کا انکار کرتے ہو تو خود اہلِ سنّت سے خارج ہو۔ ہم تحقیقی جواب دیتے مگر خوف طوالت سے ترک کرتے ہیں اور صاحب معتقد المنتقد نے جو یہ خرافات بکی کہ قال کبیرهم کذبه واتصافه سبحانه بهذه النقیصة لیس محالا بالذات الخ محض افترا و کم فہمی ہے۔ ہرگز کوئی اتصاف بالنقیصہ کا قائل نہیں ہوا ومن ادعی فعلیہ البیان۔ شرح فقہ اکبر کی عبارت ومنها ان یوصف اللہ تعالیٰ بالقدرة علی الظلم الخ ثبوت مدعا میں بے سمجھی پر دال ہے ظلم کا تحقق اللہ تعالیٰ کے حق میں ممکن نہیں۔ تو عقلاً محال ہوا تو اس کا امکان بھی عقلاً ممتنع ہوا لیکن کذب کا محال عقلی ہونا ممتنع ہے بلکہ وہ محال شرعی ہے اور محالِ شرعی کے امکان کو محال عقلی کہنا بجز غلام دستگیر جیسے علامۃ الدہر کے کسی دوسرے عاقل کا تو کام نہیں ہے۔ لیجئے آپ کے دلائل کی تو ترکی تمام ہوئی اب کہیئے اہلِ سُنّت سے تم خارج ہو یا ہم؟ انصاف کی آنکھیں اگر ہوں تو ذرا ملاحظہ کرو دیکھو غلام دستگیر کے مقتدا مولوی مفتی صدرالدین اور امام رازی وغیرہ امکان نظیر فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں۔ کیوں صاحب کیا وہ بھی اہلِ سُنّت سے خارج ہیں؟ مماثلت نفس بشریت کی تردید میں تفسیر کبیر کی عبارت سے استدلال سراسر خبط ہے۔ کبیر کی عبارت ہمارے ہرگز مخالف نہیں ہم قبول کرتے ہیں کہ تواضعاً ارشاد فرمایا بایں ہمہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نفس بشریت میں مماثلت ہے۔ کیونکہ بالاتفاق انسان اور بشر کلی متواطی ہے اور جزئیات میں عوارض کا فرق یقیناً ہے۔ انبیاء تو انبیاء ہیں عوام میں بھی باعتبار عوارض زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کوئی عورت کوئی مرد کوئی صاحب خصالِ حمیدہ کوئی صاحب اوصاف ذمیمہ کوئی اندھا کوئی بینا

Marfat.com

جبان گونگا۔ کوئی بینا مرد شجاع بلیغ۔ کوئی ولی اللہ۔ کوئی کافر۔ لیکن یہ فرق عوارض
نفس انسانیت میں برابر ہے کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی خلل انداز نہیں سمجھتا اور
اُس کو کلی مشکک نہیں کہتا۔ چنانچہ اگر ولی اللہ کافر کو کہے کہ میں تجھ جیسا ہوں یا بینا
اندھے کو کہے یا جبان شجاع کو کہے یا مرد عورت کو کہے تو باعتبار نفس بشریت کے
واقعیت پر محمول ہوگا اور باعتبار عوارض کے تواضع پر۔ پس آپ نے ہمارا مطلب
نہیں سمجھا اور نہ تفسیر کبیر کا ہی مطلب سمجھا اسی طرح تیسرے جواب میں بھی تنقیص شان
حضرت فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہماری طرف نسبت کرنا جہالت ہے۔ ہمارے کلام اور
ہمارے اعتقاد میں افضلیت فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم جمیع مخلوقات سے ثابت و محقق
ہے۔ لیکن ہاں ہم حضرت کو حق تعالیٰ کی کسی صفت میں شریک نہیں کرتے اور بعلم محیط
عالم الغیب نہیں جانتے۔ اگر اس لئے ہم اہل سنت سے خارج ہیں تو ایسا اہل سنت
ہونا غلام دستگیر اور اُس کے رُفقاء کو ہی نصیب رہے ؎

کار شیطان میکند نامش ولی ۔ گر ولی اینست لعنت بر ولی

خود آنکھیں کھول کر نہیں دیکھتا کہ غیر کو خدا تعالیٰ کی صفت میں شریک کرتا ہے تو خدا تعالےٰ
کی تنقیص شان نہ ہوئی ؟ مگر بدعتین زمانہ کے نزدیک خدا تعالیٰ کی تنقیص کچھ چیز ہی نہ
ہو۔ علاوہ ازیں یہ غلام دستگیر اپنے سوالات میں امکان کذب کو مورد لعنت اللہ
علی الکاذبین کا قرار دیتا ہے جس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ معاذ اللہ
تمام انبیاء تمام اولیاء تمام شہداء تمام اقطاب و ابدال بلکہ خود بھی مورد لعنت اللہ
علے الکاذبین کے ہیں تو کیا سب کو ملعون بنانا تنقیص اور توہین شان رفیع اُن کی
نہیں ہے۔ غلام دستگیر کے پیر و مرشد مولوی غلام محی الدین صاحب اپنے خلیہ میں
فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک کو ایک جانور کی گردن کے مماثل و مشابہ
فرماتے ہیں " بنوع گردن آہو مثال " تو پھر تمہارے پیر نے بھی توہین و تنقیص شان
کی۔ اُن کو بھی اہل سنت سے نکالو۔ چوتھے اور پانچویں اور چھٹے جوابات میں تمہارا
مدعا صحیح نقلی کیا نہ کوئی دلیل ذکر کی تو ان کا اس موقع پر ذکر کرنا خود لغو ہے مگر

Marfat.com

اس قدر لکھنا ضرور ہے کہ عموماً مجلس میلاد مبارک کی حرمت کو ہماری طرف نسبت کرنا محض جھوٹ اور افترا اور بہتان ہے۔ باقی جن امور محدثہ کو ہم نے ناجائز کہا ہے اگر کچھ حوصلہ ہے تو اُن کا استحسان ثابت کرے۔ پھر کالم صفحہ ۴ سطر ۶ میں لکھتا ہے۔ (ناحق اُن کی غیبت اور بہتان پر کمر باندھی) اسی صفحہ کے اسی کالم کی سطر ۳۳ و ۳۴ میں لکھتا ہے (اور ان کی غیبت اور بہتان بندی کریں) لفظ غیبت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عیوب اُن میں موجود ہیں اور بہتان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عیوب ان میں موجود نہیں۔ لیکن اگر ان عیوب کو ان میں جانتے ہو۔ مگر غیبت سمجھ کر اُن کا ذکر منع کہتے ہو تو تمہارے تمام محدثین پر یہ اعتراض ہے ورنہ غیبت کہنا غلط ہے اور اگر بعض کی نسبت غیبت اور بعض اخیر کی نسبت بہتان کہنا مراد ہے تو ذرا تفصیل فرمایئے کہ کون سے عیوب کی نسبت غیبت ہے اور کون سے کی نسبت بہتان۔ پھر بایں ہمہ روایات کا اعتراض قائم۔ اور یہ بھی خیال ہے کہ ماشاء اللہ بڑے عالم ہیں غیبت اور بہتان کو عجب نہیں ایک ہی سمجھے ہوں اور عطف تفسیری ہو۔ پھر اب ذرا اُن لوگوں کا حال بھی سن لیں جن کو غلام دستگیر نے عوام کے فریب دینے کے لئے علما ظاہر کیا اور ان کے جس فتوے پر دستخط کرا لئے اوّل جناب میاں صاحب کہ بچپن میں کچھ کتابیں صرف و نحو کی پڑھی تھیں پھر فقیری کی طرف متوجہ ہوئے اب محض خاندانی درویش ہیں مولوی عبدالرشید بسبب شدت ضعف اور کثرت امراض کے ان کی فہم ہی سلیم نہیں پھر مسائل دقیقہ معقولیہ و کلامیہ سے محض ناآشنا۔

میاں نبی بخش اویسی کہ عربی عبارت تک نہیں پڑھ سکتے۔ میاں احمد دین اویسی نے ابتدا میں ناقص طالب علمی کی تھی اب وہ بھی سالہا سال سے نہ رہی محمود اویسی محمد دین۔ یہ دونوں چھوٹے بھائی میاں احمد دین کے ہیں۔ یہ بیچارے طلبہ کی بھی شمار میں مشکل ہو سکتے ہیں۔ غلام نبی یہ مولوی عبدالرشید سے بھی پڑھا کم ہیں۔ حافظ غلام مصطفےٰ خان۔ غلام دستگیر کے پیر بھائی خضر صورت مگر منیہ اور قدوری سے زیادہ نہیں جانتے اور معتبر ذریعہ سے سنا گیا تھا کہ اپنے صاحبزادہ کی رعایت میں

جھوٹی شہادت دلوانے تک پر آمادہ تھے۔ حکیم عبید الحق بیرنی فرتوت بجز طبابت کے علوم معقولیہ و دینیہ سے اجنبی۔ قادر بخش واعظ۔ علوم عربیہ سے جاہل محض اور ایسی پر طامع و لالچی۔ غوث بخش۔ سراج احمد۔ سید زمان شاہ۔ انہوں نے بخوف جبر و اکراہ دستخط کئے جب دیکھا کہ مولوی گل محمد اور سید علی اور شاہ عالم نکالے گئے پھر تحقیقات مسائل دقیقہ میں ان کی استعداد محض ناکافی۔ غلام احمد۔ عزیز الدین گھڑی ساز۔ محمد امین فارسی خوان کہ ان کی استعداد عربی ہرگز ایسی نہیں جو کتاب سے ایسے مسائل سمجھ سکیں۔ یہ حال ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اس پر دستخط کئے ہیں۔ اگر کسی کو شک ہو تو ان کا حال دریافت کر لے۔ میں حیران ہوں کہ مولویوں کا تمام خاندان باقی۔ غفار۔ نور احمد۔ سعید اللہ۔ فیض احمد۔ فضل احمد۔ سعید اللہ۔ کریم اللہ۔ ادہر مقتدیوں کا خاندان ادھر محمد امین کا خاندان۔ حکیم عبید الحق کا خاندان۔ ان سب کے دستخط کیوں نہ کرا لیے اور زیادہ وثوق و اعتبار بڑھتا۔ بلکہ جب دستخط کے واسطے علم شرط نہیں رہا تو دستخط کنندوں کی مستورات کے دستخط کیوں نہ کرا لیے۔ یہ اس غلام دستگیر کی ہمیشہ کی چالاکی ہے کہ دھوکہ دہی کے واسطے ایسا ہی کیا کرتا ہے۔ پھر اس میں تو ایک یہ بھی کاریگری کی ہے کہ بعض دستخطوں میں جعل اور تحریف بھی کر لی ہے مثلاً سنا ہے سراج احمد نے لکھا تھا "میں بسبب کثرت مشاغل کتب متعلقہ مسائل متنازع فیہا کو نہیں دیکھ سکا۔ چونکہ معاملہ دین نازک ہے لہذا مجملاً لکھتا ہوں کہ جس شخص کے عقائد مخالف عقائد اہل سنت کے ہیں وہ مذہب باطل پر ہے۔ الراقم سراج احمد"۔ پس یہ حال اس کے فتوے کا ہے اور یہ کیفیت اس کے تصدیق کنندوں کی ہے۔ پھر اس بے دینی کو حج بیت اللہ کے برابر بلکہ راجح کہتا ہے۔ ہاں اس وجہ سے تو بیشک حج بیت اللہ پر راجح ہے کہ ہزاروں روپیہ کی رقم ہاتھ لگ گئی۔ یہ نعمت تو لاکھ حج مبرور سے بھی اس کے نزدیک بڑھ کر ہو گی۔ اس پر وہ مثل صادق آئی خسر الدنیا والآخرۃ۔ سبحانک وبحمدک اشہد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک۔ اس تحریر میں ہم نے بہت سے مدارج کا مجمل بیان کیا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ کسی وقت ہم اس کو تفصیل سے ظاہر کریں گے بلکہ عجب نہیں یہ مسئلہ پولیٹیکل ہو جائے

اور غلام دستگیر ہم کو مجبور کرے کہ ہم گورنمنٹ کو اس طرف متوجہ کریں۔ فقط

فن مناظرہ بالخصوص رد روافض ورد بدعات میں حضرت رح کو ید طولی تھا۔ آپ کی عادت نہ تھی کہ خود مناظرہ کی دعوت دیں یا چھیڑ چھاڑ کریں۔ مگر جب دوسرے فریق کی طرف سے وزن دیا جاتا تو اس وقت آپ شیر بن کر سامنے آتے اور مخالف کو جھوٹوں بھی یہ کہنے کا موقع نہ دیتے کہ مناظرہ سے بھاگ گئے۔ فریق مخالف نے آپ کی ضروریات وقتیہ اور تنگی و دشواری حالات ٹٹول کر اس کی تدبیر کی کہ اس وقت آپ مناظرہ نہ کر سکیں گے اور عدم قرار کا الزام لگا کر اپنے معتقدین میں اپنی کامیابی کا شور مچانا نصیب ہو گا۔ مگر آپ نے ہمیشہ اس چال کو سمجھا اور موقع ہی نہ دیا کہ آپ کی حقانیت پر کوئی دھبہ آئے۔ ایک مرتبہ آپ سفر حج سے واپس آرہے اور اہل راندیر کے اصرار پر ایک دن کے لئے راندیر ٹھہر گئے۔ چند مبتدعین نے جو کہ پہلے سے ٹھہرے ہوئے تھے اس شب جس کی صبح کو آپ چلنے والے تھے شور مچایا کہ مناظرہ کر لو۔ ہر چند کہ آپ چار مہینے سے سفر کا تعب اٹھا رہے تھے۔ اہل وعیال کا ساتھ تھا۔ وطن پہونچنے کی عجلت تھی۔ روانگی کی اطلاع آپ جگہ جگہ دے چکے تھے اور یہی فریق مخالف کی جیت تھی کہ مناظرہ کی دعوت پر لا محالہ جواب دیں گے کہ دوسرا وقت مقرر کرو۔ مگر آپ نے کسی ضرورت کی پرواہ نہ کی اور پہلی ہی تحریک پر کہلا بھیجا کہ وطن کی روانگی ملتوی کرتا ہوں اور منظور ہے شرائط میں بھی دیر لگانا نہیں چاہتا۔ جو شرط چاہو طے کرو اور یہیں کل صبح ۸ بجے جائے موعود پر پہنچ جاؤں گا۔" ادھر آپ نے احباب کو رفع انتظار کے لئے خطوط بھیج دئے چنانچہ بندہ کے نام بھی یہ خط آیا۔ مکرم مولانا مولوی عاشق الٰہی صاحب مدفیوضکم۔ السلام علیکم۔ آج ۱۰ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ کو قصد روانگی یہاں سے تھا۔ مگر یہاں کے مبتدعین کی تحریک سے مولوی ظہور الحسن رامپوری نے دعوت مناظرہ دی لہذا تا یدر وازہ پہونچانے کے لئے آج قیام کیا۔ چنانچہ بحمد اللہ مبتدعین ذلیل ہوئے۔ اب کل ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ یوم چہارشنبہ ۷ بجے فجر کو یہاں سے بمبئی روانگی ہوگی اطلاعاً عرض کیا گیا۔ فقط والسلام خلیل احمد عفی عنہ از راندیر۔

صبح حسب وعدہ جب آپ مقام مناظرہ پر پہونچے تو میدان خالی تھا اور دو گھنٹہ

Marfat.com

انتظار کے بعد معلوم ہوا کہ فریق مخالف کا تو راستہ ہی سے پتہ نہیں۔ چنانچہ آپ منبر پر آگئے اور دیر تک مسائل اختلافیہ کی تقریر کی اور یہ بھی فرمایا کہ ابھی وقت ختم پر موقوف نہیں جس وقت بھی میری ضرورت ہو میں مستقل سفر کر کے حاضری کے لئے تیار ہوں

مولوی فاروق احمد صاحب انبہٹوی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ سفر حج کو جاتے ہوئے راستہ میں مولوی دیدار علی الوری کی طرف سے آپ کو عین اُس وقت دعوت مناظرہ دی گئی جبکہ آپ جہاز میں سوار ہونے کو تیار تھے۔ آپ کے رفقاء نے جواب دے دیا کہ اس وقت تو گنجائش نہیں کہ جہاز تیار اور آخری ہے البتہ واپسی پر مناظرہ ہوگا۔ مگر آپ نے سُنا تو بے ساختہ فرمایا کہ نہیں نہیں ہم تیار ہیں۔ کل کو ہم قیام کریں گے اور صبح کو مناظرہ ہوگا مولوی صاحب سے کہا کہ مقام اور مباحث مناظرہ آج طے کرلیں۔ اور رفقاء کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مولوی صاحب مناظرہ کرتے ہیں تو ہمیں انکار نہ کرنا چاہیئے۔ حج بشرط زندگی دوسرے سال کرلیں گے۔ یہ بھی تو ایک دینی کام ہے۔ یہ جواب سُن کر فریق ثانی پر اوس پڑ گئی اور کوئی میدان مناظرہ میں نہ آیا۔ حضرت چند روز قیام فرما کر بمبئی روانہ ہو گئے۔ حالانکہ جہاز کی تاریخ روانگی گذر چکی تھی مگر الٰہی شان کہ اسی جہاز چار دن کسی غیر معمولی عذر سے ٹھیرنا پڑ گیا اور آپ اس پر سوار ہو کر عرب پہونچ گئے۔

تقریر اور تحریر دونوں قسم کے مناظرہ میں آپ کو ملکہ تامہ تھا مگر اخیر عمر میں ضعف دماغ کی وجہ سے آپ طویل تقریر پر قادر نہ رہے تھے اس لئے اپنے کسی خادم یا دوست کو مناظر بنا کر کھڑا کر دیتے اور خود پاس بیٹھ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ اخیر نومبر ۱۹۲۰ء کو امروہہ میں جو مشہور مناظرہ روافض کے ساتھ ہوا اس میں مولانا عبد الشکور صاحب کو مناظر بنا کر آپ نے کھڑا کیا اور خود جلسہ کے پورے وقت میں پاس بیٹھے رہے۔ حتی کہ اثناء تواریخ مناظرہ میں ۳۰ نومبر مطابق ۱۸ ربیع الاول آپ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے سانحہ انتقال کی اطلاع ملی مگر آپ میدان مناظرہ کو صرف اس لئے نہ چھوڑ سکے کہ فریق مخالف فرار پر محمول کر کے مخلوق پر اپنا رنگ جمائے گا۔ آخر جب فریق مقابل خائب و خاسر ریل میں سوار ہو لیا تب آپ امروہہ سے چلے۔

Marfat.com

اسی طرح اہل کوہ لنڈھور نے ایک مرتبہ آپ کو قادیانیوں سے مناظرہ کے لئے بلایا تو آپ فوراً روانہ ہوئے اور مولوی محمد یحییٰ سہسرامی کو کہ مدرسہ کے مدرس تھے مناظر بنا کر کھڑا کیا اور خود پاس بیٹھے رہے۔ ہاں تحریری مناظرہ میں چونکہ وسعت تھی اس لئے رعشہ کی وجہ سے خود لکھنا دشوار تھا کاتب کو پاس بٹھا کر جامع مانع تحریر لکھوا کر بھیج دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے مولانا عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم کو یہ تحریر بھیجی اور باوجودیکہ آپ خصوصی طور پر مخاطب نہ تھے مگر احقاق حق کے لئے مضطرب ہو کر از خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجی کہ النجم میں شائع کر دیں۔

حامداً و مصلیاً۔ از بندہ ناچیز احقر بگرامی خدمت مکرم و محترم مولانا مولوی عبدالشکور صاحب دامت مکارمکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ تعالیٰ و برکاتہ۔ آپ کے اخبار میں ایک عرصہ سے جناب سید مصطفیٰ حسین صاحب شیعی کے سوالات اور ان کے جوابات شائع ہو رہے ہیں۔ یہ حاضر کل النجم دیکھ کر مجھ کو بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ میں بھی اس بحث میں شامل ہوں۔ شاید میری قسمت یاوری فرمائے اور مجھ ناچیز کی گزارش حضرت سید صاحب کے لئے تشفی بخش ہو کر سید صاحب کے رجوع الی الحق کا سہرا میری ہی تحریر کے سر بندھے۔

لہٰذا بذریعہ النجم اول سید صاحب کی خدمت میں نہایت ادب کے ساتھ مستدعی ہوں کہ جناب نے تبدیل مذہب کے متعلق اہل سنت کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ اگر مجھ کو تشفی بخش جواب ملیگا تو میں سنی ہو جاؤنگا۔ اور اہل تشیع سے فرمایا تھا کہ میرے سوالات کا آپکی طرف سے اگر تشفی بخش جواب نہ ملیگا تو میں سنی ہو جاؤنگا۔ اگرچہ اہل سنت کا جواب بھی تشفی بخش نہ ہو۔

امر اول کے متعلق التماس ہے کہ جس قدر جوابات لکھے گئے وہ تشفی بخش تھے یا نہیں اگر تشفی بخش تھے تو حسب وعدہ تبدیل مذہب کا اعلان شائع فرما دیجئے اور اگر تشفی بخش نہیں ہوسکے اور آپ اپنے وعدہ تبدیل مذہب پر سچے دل سے ثابت قدم ہیں اور یہ وعدہ محض سیر باغ نہیں ہے تو میں خدمت عالی میں ملتجی ہوں کہ اس دفعہ پھر مکرر اپنا وعدہ تبدیل مذہب براہ بندہ نوازی اس عنوان سے النجم میں شائع کرا دیجئے:

میں سید مصطفیٰ حسین شیعی کورٹ انسپکٹر وارڈس خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر بلا تقیہ سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ اگر اہل سنت میں سے کسی نے میرے سوالات

کا جواب تشفی بخش دیا تو میں فوراً سنی ہو جاؤں گا۔

اور امر دوم کے متعلق یہ مضمون شائع فرما دیں کہ میں جو سوالات خدمت میں علمائے شیعہ کے اس سے پیشتر جواب کے لئے پیش کر چکا ہوں اور عرض کر چکا ہوں کہ اگر تشفی بخش جواب نہ ہوا تو سنی ہو جاؤں گا حضرات ابھی تحریر جواب میں عجلت نہ فرمادیں تا وقتیکہ میں اس کے بعد دوسری دفعہ اپنے سوالات شائع نہ کردوں۔

بندہ ناچیز اپنی تحریر کے آخر میں چند سوالات بھی مبحث خلافت کے متعلق لکھے گا۔ بجائے اپنے ان سوالات کے وہ سوالات جو میں پیش کروں گا اپنے شیعہ علماء دوست کی خدمت میں بھیج کر جواب تشفی بخش مانگیں اور تحریر فرمادیں کہ اگر جواب تشفی بخش نہ ہوئے تو میں بخلاف شاربان و غلیظ با تقیہ و تور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں سنی ہو جاؤں گا۔ اگر غیر تشفی بخش واقعی ہونے کی صورت میں اپنے وعدہ سے ذرا بھی انحراف کروں تو مجھ پر اس جھوٹ اور عہد شکنی کی پاداش میں خدا تعالیٰ قوی و عزیز کی وہ لعنت ہو جو ابلیس و یزید اور تمام اشقیاء پر ہو چکی ہے یا قیامت تک ہونے والی ہے:۔

اگر حضور نے میری ناچیز استدعا کے موافق اعلان شائع کر دیا تو بحول اللہ و قوتہ میں پوری سعی کروں گا کہ آپ کے سوالات کے تشفی بخش جواب کی پیشکش کروں اور مجھ کو حسب وعدہ صادقہ امام علیہ السلام پورا یقین ہے کہ مجھ کو میرے پروردگار کی طرف سے مزید تحقیقات تلقین ہوگی اور علمائے فریقین انشاء اللہ تعالیٰ بے اختیار کہہ اٹھیں گے کہ یہ جواب تشفی بخش ہے اور اگر آپ نے حسب استدعا نیاز مند یہ اعلان شائع نہ فرمایا تو اس سے جو اس کا شرمناک نتیجہ پیدا ہوگا وہ آپ خود دیکھ لیں گے۔ جناب مولانا عبد الشکور صاحب براہ بندہ نوازی سید صاحب کے اس اعلان کو خاص طور پر اہمیت کے ساتھ اپنے اخبار میں شائع فرمادیں اور دیگر اخبارات میں بھی درج کرا کر تمام دنیا کو اس مناظرہ کی طرف متوجہ فرمادیں۔ اور اس عاجزانہ تحریر کو اپنے اخبار کے کسی گوشہ میں جگہ دے کر بندہ کی عزت افزائی فرمادیں۔ فقط۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ابتداء میں تقریری مناظرہ سے میری طبیعت ڈرتی اور

با خصم کے سامنے بیٹھکر مرعوب ہو جایا کرتی تھی۔ میں نے اپنے حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک صحابی کا قصہ حدیث میں آتا ہے کہ وہ گھوڑے پر سوار نہ ہو سکتے تھے۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دُعا دے کر اُن کو گھوڑے پر بٹھایا تو اس کے بعد وہ اعلے درجہ کے شہسوار ہو گئے " اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے تصرفات اُمور طبیعیہ پر بھی اثر کرتے ہیں۔ لہذا حضرت میرے لئے دُعا فرما دیں کہ میرا ضعف قلب جاتا رہے اور میں مناظرہ کے وقت خصم سے مرعوب نہ ہوں " آپ فرماتے تھے کہ اس کے بعد وہ ضعف قلب ایسا رفع ہوا کہ کیسا ہی بڑے سے بڑا مولوی کسی اہل باطل کا سامنے آیا مگر مجھے اتنا بھی معلوم نہ ہوا جتنا ایک سمجھدار شاگرد سامنے بیٹھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور مناظرہ کے لئے دل بہت ہی کھل گیا الحاصل بہاولپور کا مناظرہ اس شان سے ختم ہو لیا کہ حضرت غیر ملکی بھرے مجمع میں ایسے زور سے تقریر فرما رہے تھے جیسے شیر دھاڑتا ہے اور آخر فریق ثانی کے بیان کئے ہوئے مقدمہ کی آپ نے گرفت فرما کر بآواز بلند کہا کہ یہ عین مذہب معتزلہ ہے اللہ کی شان کہ آپ ہم کو معتزلہ بنا رہے تھے خود ہی معتزلہ بن گئے ؎

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

یہ سُن کر سارا مجمع مبہوت ہو گیا اور مناظر کو آدھ گھنٹہ ساکت بیٹھے گذر گیا۔ سید چراغ شاہ جو برابر والے کمرہ میں ٹہل رہے تھے بار بار دانت پیستے اور رانوں پر ہاتھ مار رہے تھے کہ افسوس مقابلہ کے لئے کوئی سہارہ ستانی نہ ہوا کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے یہ خفت و ندامت آپ کے ساتھ مزید عداوت کا سبب بن گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو استعفاد دینے پر مجبور کیا گیا۔ آپ خود ہی بہاولپور سے بیزار تھے یہ تو صرف احقاق حق کا قصہ تھا کہ خود مختار ریاست میں دشمنوں کی قوت کا اندیشہ کئے بغیر آپ مناظرہ کے لئے چلے آئے تھے لہذا آپ نے استعفا دے دیا۔ مگر چند افسروں کی وہ دلی کدورت جو دینی معاملات میں آپ کی طرف سے بڑھ گئی تھی آپ کو جسمانی تکالیف پہونچانے کی تحریک کر رہی اور اس سے اُن کو غافل بنائے ہوئے

Marfat.com

تھی کہ ع دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است۔ آخر دنیا نے اس کو دیکھا اور سن لیا کہ فرعون بادشاہ مصر ہو کر موسیٰ علیہ السلام کا کبھی بال بیکا نہ کر سکا۔ چنانچہ تھانیدار کے نام حکم آیا کہ آپ کو گرفتار کر لیا جائے مگر خود تھانیدار ہی نے اس وقت جبکہ آپ مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے آپ کو اس کی اطلاع دے دی ادھر آپ کے ایک دوست مولوی احمد کتب فروش احمد پوری نے اس خفیہ کارروائی سے مطلع ہو کر آپ کے پاس یہ آیت شریفہ لکھ کر بھیجی ان الملأ یأتمرون بک لیقتلوک فاخرج انی لک من الناصحین۔ چنانچہ آپ شب میں روانہ ہو کر اسٹیشن پر آئے اور آخر شب میں جو گاڑی روانہ ہوتی تھی اس پر سوار ہو گئے۔ مولانا جمعیت علی صاحب وغیرہ اکثر احباب آپ کو اسٹیشن پر پہونچانے کے لئے ساتھ آئے گو بعد میں حکام کو اطلاع ہونے پر ان سے باز پرس ہوئی مگر انہوں نے اس کی پروا نہ کی اور آپ کے بعد عرصہ تک وہ حضرات ریاست میں ملازم و عہدہ دار رہے۔

بریلی کا قیام

آپ کا بہاولپور سے آنا تھا کہ ہر جگہ سے آپ کی طلب شروع ہو گئی۔ اسی اثناء میں حافظ محمد جعفر خان صاحب بریلوی جو نہایت ہی متبع سنت بزرگ تھے گنگوہ حاضر ہوئے اور حضرت امام ربانی کی خدمت میں اپنے مدرسہ مصباح العلوم کے لئے مدرس اول تجویز کرنے کی درخواست کی کہ قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے بمعیت مولانا یعقوب علی خان صاحب بریلوی کہ شاہ اسحاق صاحبؒ کے شاگرد تھے و مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی کہ اس وقت عربی کالج بریلی کے پروفیسر تھے ۱۲۸۵ھ میں حافظ جعفر خان صاحب کی کوٹھی واقع بازار کلاں کے حلقہ زیریں میں اس مدرسہ کا افتتاح فرمایا اور مصباح التہذیب عرف مصباح العلوم اس کا نام رکھ کر مولوی قیاذر علی صاحب دہلوی کو مدرس اول قرار دیا تھا۔ چند مدرسین کا تغیر و تبدل ہونے کے [illegible] کا زیادہ ہجوم ہوا تو شیدائے سنت حافظ جعفر خان صاحب نے

خود گنگوہ جانا منظور نہیں سمجھا اور امام ربانی نے حضرت کو چالیس روپیہ مشاہرہ پر مدرس اوّل بنا کر بریلی بھیج دیا۔

حافظ محمد جعفر خاں صاحب کپڑے اور گوٹہ وغیرہ کی تجارت کرتے اور تاجرانہ متمولانہ خوشحالی کے ساتھ دینی نعمتوں سے بھی مالا مال تھے کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی مہاجر مدنی قدس سرہٗ سے بیعت اور نسبت مجددیہ کے عاشق وشیدا ہونے کی وجہ سے تمامی بزرگان سلسلہ کے ساتھ عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ مصباح العلوم کا علمی صدقہ جاریہ آپ ہی کے نامۂ اعمال میں درج ہے کہ بریلی کی زمین میں حق کی تخم ریزی کے لئے آپ نے اپنی جان ومال کا چھاور کرنا فخر سمجھا۔ حضرت کا قیام بھی اسی کوٹھی کے اوپر تبرّک یہ کمرہ میں تھا جس کے نیچے مدرسہ اور بازار کے رخ اگلے حصہ میں دکانات تھیں حضرت اپنے ساتھ صاحبزادہ حافظ محمد ابراہیم کو لے گئے تھے کہ ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام بغیر اس کے مشکل تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ حافظ جعفر خاں صاحب کا بہت ادب واحترام فرمایا کرتے کہ بڑوں کے دیکھنے والے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی حافظ صاحب مرحوم حضرت کا اتنا احترام فرمایا کرتے تھے کہ گویا پیر ہیں۔ اس لئے جب تک حضرت کا قیام بریلی میں رہا دونوں وقت حضرت کا اور صاحبزادے کا کھانا حافظ صاحب کے مکان سے آتا رہا۔ چندہ بھی قلیل تھا اس لئے حضرت کی تنخواہ کا بار بھی حافظ جعفر خاں صاحب ہی پر تھے۔ حضرت کے بریلی تشریف لانے سے مدرسہ مصباح العلوم کے تن مُردہ میں جان پڑ گئی اور طلبہ وارکین مدرسہ سب ہی حضرت کے علم وفضل اور خُلق ودیانت کے معتقد ہو گئے۔ مدرسہ کے آمد وخرچ کا حساب بھی حضرت کے حوالہ تھا۔ مگر فراہمی چندہ اراکین مدرسہ اور حافظ صاحب کے بڑے صاحبزادہ علی احمد خاں مہتمم مدرسہ کا کام تھا۔ ہرچند کہ حضرت کو مختلف علوم وفنون کی متوسط اور بڑی کتابیں پڑھاتے ہوئے پندرہ سال گذر گئے تھے مگر شب میں اُس کتاب کا مطالعہ جس کا سبق صبح کو پڑھانا تھا گویا حضرت کی عادت ہو گئی تھی۔ چنانچہ بریلی تشریف لا کر بھی مغرب سے عشاء تک حضرت کتاب دیکھتے اور بعد نماز عشاء کھانا تناول

Marfat.com

فرما کر تھوڑی دیر بعد پھر مطالعہ میں مشغول رہتے اس کے بعد سو جاتے اور آخر شب میں اٹھکر تہجد پڑھا کرتے نماز فجر کے بعد تلاوت اور وظائف میں مشغول رہتے اور اشراق کے بعد مدرسہ میں تشریف لے آتے تھے۔ گرمی میں دس بجے تک اور موسم سرما میں ١١ بجے تک صبح کو دورہ حدیث اور بعد ظہر کے عصر تک فقہ کا درس دیتے تھے۔ دوپہر میں کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر قیلولہ فرمایا کرتے اور اسی درمیان میں جو وقت ملتا صاحبزادہ محمد ابراہیم کو پیار و شفقت کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت رح کا طرز تعلیم بہت ہی پیارا تھا کہ طلبہ کو نہ مارتے تھے نہ جھڑکتے تھے نہ ان کی فہم سے بالا تقریر کرتے اور نہ نفس مطلب سے زیادہ غیر ضروری بات بیان فرماتے۔ خندہ روئی و مسکراہٹ کے ساتھ پڑھاتے اور کوئی طالب علم واہی شبہات یا کجی کے سوالات کرتا تو بے رخی کے ساتھ ٹال دیتے اور نرمی کے ساتھ نصیحت فرمادیا کرتے تھے کہ اصل مطلب سمجھنے کی کوشش کرو اور زوائد کے پیچھے نہ پڑو کہ اس سے علم میں بے برکتی ہوتی ہے۔ مطالعہ دیکھنے کی طلبہ کو زیادہ تاکید فرماتے اور عبارت پڑھنے میں صرف و نحو کی رعایت پر بہت نظر رکھتے تھے۔ غلط اعراب پر ٹوکتے اور زور ڈلواتے کہ خود ہی طالب علم تصحیح کرلے تاکہ قواعد صرف و نحو کا عملی اجراء ہوتا رہے۔ پڑھانے کے ساتھ طلبہ کی صورت وضع اور عملی حالات پر بھی نظر رکھتے اور خلاف شرع بات پر سختی سے ٹوکتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ ابھی سے آزاد ہو گے تو پڑھ لکھ کر خود بھی ڈوبو گے اور دوسروں کو بھی ڈبو دو گے۔ علم سے مقصود ہے عمل۔ پس علم کے ساتھ ساتھ عمل کی پوری عادت ڈالو کہ پھر اس عادت میں لذت و حلاوت پیدا ہو۔ یہ خیال کہ عالم بن کر عمل کرلیں گے محض شیطانی خیال ہے۔ شریعت نے تو دس برس کے بچے کو مار کر نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ ابھی اس پر نماز فرض نہیں ہوئی کیونکہ جب تک پہلے سے عادت نہ ہو بالغ ہوتے

Marfat.com

ہی نماز کا پابند بن جانا دشوار ہے اور طالب علم تو بہر حال عمل کا مکلف بلکہ مقتدا بننے کا وقت قریب ہونے کے سبب عمل میں پختہ ہونے کا زیادہ ضرورت مند ہے اس لیے جتنی کوشش علم کی ترقی اور پڑھے ہوئے کے محفوظ رکھنے میں کی جائے اس سے زیادہ عمل کی رغبت اور پابندی شریعت کو ہر قدم پر ضروری سمجھنے میں کی جائے کہ مقتدا بن کر آزاد و طبع کا ایک دم مقید بننا بہت دشوار ہے۔ اور انہیں کو خوار و خراب ہی ہوتے دیکھا ہے جو طالب علمی کے اس زمانہ کی قدر نہیں کرتے جس میں تمام رحمت الٰہیہ کا ان پر نزول ہوتا اور فرشتے ان کے قدموں میں اپنے بازوؤں کا فرش بچھاتے ہیں۔

ایک وقت تھا کہ طلبہ کسی قابل ذی استعداد مدرس کے جویاں تھے اور یہ وہ زمانہ آیا کہ مدرس کو ذکی و سمجھدار طلبہ کی طلب ہوئی اور جیسے محنتی طالب علم آپ چاہتے تھے دیوبند وہ نہ مل سکے تو آپ کو وحشت ہوئی کہ ایسے درس میں علمی ترقی نہیں ہوسکتی اور آپ نے گنگوہ لکھا کہ کسی ایسی جگہ بھیج دیجیے۔ جہاں میری علمی ترقیات متوقع ہوں۔ نیز مدرسہ میں مدرس فارسی کی ضرورت تھی اس کی تجویز کے لئے بھی آپ نے حضرت کی خدمت میں لکھا چنانچہ یہ جواب آیا۔ از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ گرامی قدر مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہم۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمانید۔ آپ کا پہلا خط آیا تو چونکہ کوئی مدرس فارسی ذہن میں نہ تھا۔ جواب میں تامل ہوا۔ یہ دوسرا خط آیا اور عزیز ابراہیم حسن بھی پہنچا۔ تو وہ کہتا ہے کہ کتب فارسیہ کو محنت کر کے پڑھاؤں گا اور مطول بھی اس نے شروع کیا ہے۔ وہ میری ہمشیرہ زادہ کا پسر ہے۔ اکثر پنجاب میں رہا اور وہیں گھر بنا لیا اس واسطے آپ واقف نہیں اب وہ بتقریب اپنے نکاح کے کہ کیرانہ میں عقد ہوا ہے گنگوہ آیا تھا۔ اگرچہ اس کی رائے تحصیل علم دین کی ہو رہی ہے مگر بسبب نکاح کے معاش کا فکر ہو لیا ہے۔ لہٰذا اچھا ہے کہ بریلی میں رہے اور کچھ آپ سے خود بھی پڑھے۔ اگر وہ وہاں ہو گیا تو میری خوشی ہے۔ مگر اس قدر خیال

Marfat.com

رہے کہ اس کی قلیل خلاف مرضی پر سرزنش نہ ہو۔ اور زیادہ پر مجتاز ہو، موقوف کر دینے میں رنج نہ کروں گا۔ فقط۔ طلبہ کی شکایت بجا ہے۔ مگر اس زمانہ میں ایسے ہی طلبہ ہیں۔ زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز۔ صبر کر کے پڑھائے جاؤ اور ترک میں جلدی مت کرو۔ جب یاس ترقی سے ہو جائے اس وقت جو کچھ مقدر ہے ہو جائے گا مولوی محمود حسن کی صحت سے سرور ہوا۔ سلام مسنون ان کو اور حافظ احمد حسن اور حافظ محمد جعفر خاں اور شیخ محمد حسن وغیرہم کو فرما دیں۔ سبق سولہویں شوال سے شروع ہو گئے۔ ہر قسم کے طلبہ یہاں بھی ہیں۔ فقط۔

ہر چند کہ براہین قاطعہ کے متعلق یہاں بھی بہت کچھ شور مچا ہوا تھا مگر کسی کی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ مدرسہ میں آکر آپ سے ان مسائل کی بابت سوال کرے یا مناظرہ کی دعوت دے۔ بلکہ آپ کا دل چاہتا تھا کہ بھرے مجمع میں کوئی مناظرہ ہو جائے مگر اس کی نوبت ہی نہ آئی۔

حافظ جعفر خاں صاحب کے منجھلے صاحبزادے حافظ حضور احمد خاں جو حضرت کی قیام گاہ کے کمرہ مقابل غربیہ میں رہتے تھے تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا یعقوب علی خاں صاحبؒ نے جو کہ مولوی احمد رضا خاں کے والد مولوی نقی علی خاں کے استاد اور شاہ اسحاق صاحب دہلوی کے شاگرد خوش عقیدہ بزرگ تھے ایک مرتبہ حضرتؒ سے فرمایا کہ مسئلہ امکان کذب جو عموم قدرت کا مرادف ہے عوام تو عوام معمولی مولویوں کی سمجھ سے بھی باہر ہے، عالم ذکی و متبحر ہی سمجھ سکتا ہے، اس مسئلہ کو آڑ بنا کر بدعتی مولویوں نے عوام کو خلجان میں ڈال دیا۔ اور اہل حق کی طرف سے بدگمان بنا کر بھڑکا دیا۔ یہ مسئلہ آپ کو لکھنا نہ چاہیے تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت آپ کیا فرمائیں گے شاہ اسمٰعیل صاحب شہید کے متعلق جنہوں نے ترک بدعت کا کھول کھول کر بیان فرمایا جس کی بدعتیوں میں آج تک شورش برپا ہے۔ یہ سن کر مولانا مسکرائے اور خاموش ہو گئے۔

یہ ایک شبہ ہے جو اکثر دیندار طبیعتوں میں بھی پیدا ہو جاتا اور وہ مخالفین کی

شورش سے محزون و مصدوم ہو کر مخلصانہ و محبانہ طرز میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ آخر اس مسئلہ کی باوجودیکہ اس کے حق ہونے میں کلام نہیں مگر بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ فتنہ برپا ہو گیا۔ مگر بات یہ ہے کہ اوّل تو کسی کو یہ علم نہیں کہ فلاں بات کا اظہار سبب فتنہ ہو جائے گا۔ اور فلاں بات پر کوئی شورش نہ ہوگی۔ کہ مغیبات کا علم حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوم از خود ایک امر کی اشاعت میں اور کسی مستفتی کے استفتا پر جواب دینے میں بہت فرق ہے کہ امر دوم میں عالم پر اظہار حق ضروری ہے ورنہ صحابہ کی شان میں لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم۔ ایک بے محل قول ہوگا جس کا مقتضا یہ ہے کہ اہل حق سے ایسے امور کا صدور ضرور ہوگا جس پر مخالفوں کی طرف سے ملامت ہو اور ان کا ثبات قدم جانچا جائے گا۔ کہ اس کی پروا نہ کریں۔ پس کس کی طاقت ہے کہ لائم کو ملامت سے روکے اور کون صاحب حق ہے جو اس ملامت سے خائف ہو کر کلمۃ الحق سے باز رہا۔ سوم عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ دنیا کی نظروں میں کیسی ہی غیر ضروری بات ہو مگر اہل حق سے اس کا صدور ہو کر رہے تاکہ موافق و مخالف دودھ اور پانی بن کر جدا ہو جائے۔ پھر اس ابتلا سے جو ایک ہی وقت میں کسی عالم حقانی و شیخ ربانی کی خدا پرستی و مخلوق پرستی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ عوام و متبعین کے اخلاص و شائبہ ہوائے نفس دونوں کا امتحان لینے کے لئے منصب ارشاد کا جزو لاینفک ہو کر تجویز کی گئی ہے کون بچ سکتا یا مقدر کا مقابلہ کر کے کون اس سے روبراہ ہو سکتا ہے؟ چہارم جو قابل غور اور تحقیقی امر ہے وہ یہ ہے کہ شورش و مخالفت کا مدار عناد و تکبر پہ ہے نہ کہ کسی مسئلہ پر۔

پس جن لوگوں کی طبیعت میں کسی کی طرف سے اپنی بڑائی کے زعم میں عناد و حسد ہوگا وہ اس بات پر بھی شور مچائے گا جو کسی طرح بھی شور کے قابل نہ تھی۔ اور جس کو عقیدت ہو گی وہ بڑی سے بڑی بات پر بھی خلاف یا انکار نہ کرے گا بلکہ گرانی تک نہ لائے گا۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سیدھے سادے کھلے دعوے پر کہ کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے سرزمین عرب میں فتنہ و فساد کی وہ

آگ مشتعل ہو گئی جس نے بارہ برس تک عالم کو حیرت ناک منظر دکھایا۔ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضہ کو یہ سنکر بھی حیرت نہ ہوئی کہ آپ ایک لمحہ کے اندر بایں جسد مکہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے اور پھر ساتوں آسمان اور جنت و دوزخ کی سیر اور تمامی عالم بالا کی سیاحت سے فارغ ہو کر اپنے بستر پر تشریف لے آئے کہ اس قصہ معراج پر دوسرے ہنستے مذاق اڑاتے اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے تھے مگر حضرت صدیق کو تعجب اور شک بھی نہ تھا کہ یہ سیر و سیاحت طویلہ قلیل زمانہ میں خواب تھی یا حقیقت؟ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت صدیق عرض کرتے کہ یا رسول اللہ بات تو بالکل حق ہے مگر اس کا اظہار مناسب نہ تھا کہ فلاں آدمی کے متعلق ایک امر ہے جس کے اظہار سے خواہ مخواہ شورش ہوگی۔ تو میرے خیال میں حضرت صدیق اس مشورہ میں خیر خواہ نہیں بلکہ غلطی قرار پاتے اور صاف جواب یہ ہوتا کہ مخالف و معاند کے قلب سے عداوت کا نکالنا میرے بس کی بات نہیں اور قبل از وقوع معلوم کرنا کہ اس پر یہ نتیجہ مرتب ہوگا اللہ عالم الغیب ہی کے لئے مخصوص ہے۔ دوم میں اس کا مکلف بھی نہیں کہ معاندین کی رعایت ملحوظ رکھکر اپنی ناموس کو محفوظ رکھنے کی فکر کروں کہ ایسی شورش سے تو مخالفین نے اللہ رب العالمین کو بھی نہیں چھوڑا اور یہ بعوضہ و عنکبوت کا قرآن مجید میں ذکر آیا تو کہہ اٹھے بھلا ان حقیر جانوروں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ برتر کو شرم نہ آئی کہ رافع و اعلیٰ ذات ہو کر ایسے خسیس و دنی کا ذکر شروع کر دیا۔ پس جب اللہ عالم الغیب نے مخالفین کی شورش کو جان بوجھکر استغنا فرمایا بلکہ یہ مصلحت و خوبی مرتب فرمائی کہ اس تذکرہ سے خدا پرست و نفس پرست اور دوست و دشمن کا دنیا کو پتہ چل گیا تو میں کون کہ اللہ اپنے موافقین اور مخالفین کو یا مخلصین و منافقین کو ممتاز و متمیز کرنے کے لئے مجھے آلہ کار بنائے اور میں مصلحت بینی کا عذر پیش کروں ہاں دوستوں کی رعایت کہ ان کے فہم سے زیادہ بار ان پر نہ ڈالا جائے اور وہ کسی فتنہ میں نہ پڑیں اباحت کے تحت میں داخل ہے مگر بشرطیکہ اس کا علم ہو اور

نیت بھی بخیر ہو۔

یہیں اصل بحث کسی کلام کے حق یا باطل ہونے میں کرنا مضائقہ نہیں مگر جب اس کا حق ہونا واضح ہو جائے تو اب یہ الزام کہ اس کے اظہار کی ضرورت نہ تھی گویا اپنے کو مصلحت بین اور اہلِ حق کو دور اندیشی سے بے بہرہ سمجھنا ہے جو سوءِ ادب، اور ضعفِ عقیدت سے خالی نہیں کہ ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار　　دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

آج سیدنا آدمؑ سے لے کر اس وقت تک جتنے بھی ان گنت اللہ والوں کی فہرست مرتب ہو گی ان میں غالباً ننانوے (۹۹) فیصد ہوں گے جن کو مخالفین کی شورش کا یہ فتنہ پیش آیا پھر کس کس کو کہا جائے کہ فتنہ سے بچنا فرض تھا اور غیر ضروری بات کا اظہار کر کے عوام میں شور مچوایا اور سب وشتم کرنے والے کے دوستوں کا دل دکھوانا مناسب نہ تھا کہ یہ بھی محبوب کی ایک ادا ہے اور محب کا کام کہ برضا اس کے سامنے گردن جھکائے ؎

صبر کن در کار خضر اے بے نفاق　　تا نگوید خضر رو ہٰذا فراق

ہٰذہ سنۃ اللہ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

حافظ امیر اللہ صاحب بریلوی ایک صاحب تھے جنہوں نے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں۔ ایک شیعہ سے اختلافی مسائل میں ان کی کچھ گفتگو ہو گئی اور وہ پریشان ہو کر بریلی کے نامی علماء کے پاس آئے کہ ان سوالات کا جواب دیا جائے۔ حافظ سردار احمد بریلوی لکھتے ہیں کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی طرف سے ان کو جواب ملا کہ ہاں جواب تو ممکن ہے مگر ایک ہزار روپیہ ہونا چاہئے۔ حافظ صاحب نے فرمایا آخر جواب کے لئے اتنی کثیر رقم کی کیا ضرورت ہے؟ تو معلوم ہوا کہ ان کی مذہبی کتابیں خرید کر مطالعہ کی جائیں گی اس وقت جواب لکھا جائے گا۔ بغیر اس کے جواب ممکن نہیں ہے۔ اختلاف عقائد کے سبب ان کو حضرتؒ کے ساتھ مناسبت نہ تھی مگر مجبور با دلِ ناخواستہ

Marfat.com

وہ مصباح العلوم میں آئے اور حضرتؒ سے مسائل مسئولہ کا تذکرہ کیا۔ حضرتؒ نے جواب نوراً لکھ دیئے اور یہ فرما کر کہ اس بحث ہی کا انشاء اللہ خاتمہ کردوں گا مطرقۃ الکرامہ کی تالیف شروع کردی جس کا حصہ اول طبع ہو کر شائع اور اب نایاب ہو چکا ہے۔ حضرتؒ اس تمنا و انتظار میں کہ کاش علماء شیعہ اس کا جواب دیں چالیس برس گذار کر عالم قدس کو سدھار لیے مگر اس کا برائے نام بھی اب تک جواب نہیں ہوا۔ حافظ امیر اللہ صاحب جوابات دیکھکر حیران رہ گئے اور جب تک زندہ رہے اس کا اعتراف کرتے رہے کہ حضرت اپنے وقت کے علامہ ہیں۔ کم و بیش دو سال حضرتؒ نے بریلی میں قیام فرمایا اور آخر حضرت امام ربانی نے آپ کے لیے دار العلوم دیوبند کا قیام تجویز فرما کر آپ کو لکھدیا کہ گو تنخواہ میں دس روپیہ کا تنزل ہے مگر تمہاری علمی ترقی کا لحاظ کرکے اس کو پسند کرتا ہوں۔" حضرتؒ کو کمی بیشی کا خیال کیوں ہونے لگا تھا جب کہ آقائے روحانی کا مشورہ تھا آپ کے لیے تو بڑی دولت مرشد کی رضا و خوشنودی تھی اور اس صورت میں تو شیخ کا قرب جسمانی اور مرکز علوم کی خدمت کا وہ روحانی اغتناظ بھی شامل تھا جس کا شوق مدت سے آپ کے قلب میں جوش زن تھا اس لیے آپ روانگی دیوبند کے لیے تیار ہو گئے اور ظاہر کردیا کہ میں دیوبند جارہا ہوں یہاں کے لیے مدرس تجویز کرلو۔

اہل بریلی خصوصاً حافظ جعفر خان صاحب کے رنج و ملال کا کیا پوچھنا کہ اس قیام میں وہ لوگ حضرتؒ کے عاشق و فریفتہ ہو گئے تھے اور حضرتؒ کو بھی ان مصاحبوں کے ساتھ بالخصوص حافظ جعفر خاں صاحب سے بچہ بچہ کے ساتھ اتنا انس تھا کہ اُن کے گھر کو اپنا گھر اور ان کے بچوں کو اپنے بچے سمجھتے تھے اس لیے حضرتؒ کو بھی مفارقت کا رنج تھا مگر مصالح دینیہ اسی مفارقت کو مقتضی تھے۔ لہٰذا حافظ جعفر خاں صاحب بھی حضرت امام ربانی کی تجویز کو پختہ سمجھ لینے کے بعد خاموش ہو گئے۔ مگر یہ ضرور کہا کہ روانگی سے قبل آپ خود

Marfat.com

بھی اپنی جگہ کسی کو بٹھاتے جائیں کہ مدرسہ کا کام بند نہ ہو اور آپ کی تجویز آپ ہی
کے تقرر قیام کا حکم لے کر ہمارے سروں کا تاج بنی رہے مگر اب مدرس کی تنخواہ پچیس روپیہ
ہو گی کہ چالیس روپیہ حضرت ہی کے لئے مخصوص تھے حسن اتفاق سے مولوی سید محمد
عمر صاحب ولایتی بہ تلاش روزگار آنولہ گئے بعض صاحبوں کی سفارش لے کر انہیں دنوں
میں حافظ جعفر خاں صاحب کے پاس آئے اور جناب حافظ صاحب نے ان کو حضرت
کے سامنے پیش کر دیا حضرتؒ نے ان سے باتیں کیں اور پرکھ لیا کہ خوش عقیدہ ذی استعداد
اور نیک طبیعت عالم ہیں اس لئے پچیس روپیہ ماہوار پر ان کو راضی و دل نہاد پا کر
حافظ جعفر خاں صاحب سے فرمایا کہ مبارک ہو آپ کی خوش نصیبی ہے کہ گھر بیٹھے کام کا
مولوی مل گیا چراغ لے کر ڈھونڈتے تو پچاس روپیہ میں بھی ایسا شخص نہ ملتا یہ غیبی
سامان ہے اس کو نعمت الٰہیہ سمجھ کر قدر کرو۔ چنانچہ آپ مولانا ممدوح کو اپنی جگہ بٹھا کر
آخیر ۱۳۰۳ھ میں بریلی سے روانہ ہوئے اور دار العلوم دیوبند میں مدرس بن کر تشریف
لے آئے۔

ہر چند کہ آپ کا تعلق ملازمت مدرسہ سے قطع ہو گیا مگر آپ کے قلب کو مدرسہ
و اہل مدرسہ سے تا زیست ایسا تعلق رہا کہ اس کی ترقی و آبادی سے خوش ہوتے اور جب
اراکین و ممبران کے باہمی نزاع یا کسی امر میں مدرسہ کو نقصان پہنچانے والے اختلاف کو سنتے
رنجیدہ و مغموم ہوا کرتے تھے۔ نیز اہل حق کے ساتھ انس و محبت اور اتباع کی طرف
کشش اور رغبت کا جو تخم آپ نے بریلی کی زمین میں ڈالا اور دو برس اس کو سینچا اور
بڑھایا تھا وہ ضائع ہونے والا نہ تھا اس لئے آپ جب کبھی کسی حیلہ سے بریلی آ کر اپنی
لگائی کھیتی کو دیکھ جایا کرتے تھے اور دعا فرمایا کرتے تھے کہ بدعات کی ظلمت
دور ہو اور سنت کا نور چمکے چنانچہ آخر وہ بار آور ہو کر رہا۔ پھولا پھلا اور مہکا ۔

بس تجربہ کردیم دریں دار مکافات ‖ با دُرد کشاں ہر کہ درآویخت برآویخت

حافظ محمد جعفر خاں اور ان کے خاندان کو جن کے مکان پر حضرت نے دو سال رہائش
رکھی تھی دینی نعمت سے مالا مال ہونا مقدر تھا اس لئے بویا ہوا تخم محبت جو حضرتؒ

ان کی زمین قدب میں ڈال آئے تھے آخر اپنا رنگ لایا اور ان کے دو پوتے مولوی محمد فاروق و مولوی محمد اسحاق مرحوم سہارنپور و دیوبند رہ کر فارغ التحصیل اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ مولوی محمد اسحاق مرحوم تو حضرت کے ایسے گرویدہ رہے کہ طالب علمی کا زمانہ ختم کرکے بھی وطن کا رخ کرنا پسند نہ آیا اور سفر و حضر کے خادم بن کر حضرت کی خدمت میں رہ پڑے بلکہ ان کو تو اپنا مرنا بھی حضرت کے قدموں ہی میں بھلا معلوم ہوا اور انہوں نے اپنی قبر کے لئے سہارنپور سے بہتر کسی زمین کو نہ سمجھا۔ چنانچہ مرحوم کے بھائی حافظ سردار احمد لکھتے ہیں کہ بھائی مرحوم تپ کہنہ میں مبتلا ہو کر والدہ محترمہ کے بلانے پر بریلی چلے آئے اور علاج ہونے لگا مگر مرض میں کمی نہ ہوئی بلکہ دن دونی رات چوگنی ترقی شروع ہوگئی۔ لیکن جوں جوں مرض بڑھتا تھا ووں ووں مرحوم کو سہارنپور واپس جانے کا شوق بڑھتا تھا۔ آخر جب انہوں نے دیکھا کہ جس سے بھی کہتا ہوں وہ جواب دیتا ہے کہ جب تک صحت نہ ہو جائے سہارنپور جانا مناسب نہیں تو وہ اپنے مرض کو چھپانے اور افاقہ و صحت ظاہر کرنے لگے۔ آخر ایک دن مجھ سے فرمایا کہ بھائی مجھے ایک حصہ تو بیماری ہے اور دس حصہ یہاں کی ظلمت بدعات اور لوگوں کا متبع سنت نہ ہونا روحانی کو دق ہے جس سے میں اندر ہی اندر گھلا جاتا ہوں۔ اگر مجھے تم سہارنپور بھیج دو گے تو امید ہے حضرت کے قدموں میں پہنچ کر مجھے آرام ہو جائے گا اور آرام نہ بھی ہوا تو خاتمہ بخیر ہو کر آخرت کا آرام تو ضرور ہی ملے گا۔ مختصر یہ کہ انہوں نے کسی کی نہ سنی اور آخرہ سب عزیزوں کو آزردہ خاطر چھوڑ کر سہارنپور چلے گئے وہاں پہنچ کر اعزہ کی تسلین کے لئے اپنے افاقہ اور رو بصحت ہونے کے خطوط لکھتے رہے حالانکہ ان کی ہڈیوں تک پہنچ جانے والا بخار اندر ہی اندر گھاس میں چنگاری کا کام دے رہا تھا۔ آخر بارہ تیرہ دن بعد حضرت کا گرامی نامہ دادا صاحب کے نام آیا کہ اسحاق کی حالت ٹھیک نہیں ہے اور ان کے پاس ہر وقت ایک آدمی رہنے کی ضرورت ہے لہذا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ سردار احمد کو بھیج دو کہ اپنے ساتھ مولوی اسحاق کو لیتا آئے

جائیں۔ چنانچہ میں روانہ ہو کر سہارنپور مدرسہ میں اس وقت پہنچا جبکہ عصر کی نماز ہو چکی تھی اور بھائی اسحاق سہ دری کے ستون سے کمر لگائے باہر ہی بیٹھے تھے مجھے دیکھ کر تعجب سے کہنے لگے کہ خیریت تو ہے تم کیوں آئے میں تو اپنی حالت کا کوئی خط لکھا نہیں تھا۔ میں نے کہا ہاں تم نے تو نہیں لکھا مگر حضرت کا گرامی نامہ پہنچا کہ میں آکر تم کو بریلی لے جاؤں۔ یہ سنکر بالکل خاموش ہو گئے اور چہرہ پر حسرت برسنے لگی۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت نے دادا صاحب کی خیریت دریافت فرما کر مجھ سے کہا کہ مولوی اسحاق سے مل لئے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں مل لیا۔ فرمایا پھر کس گاڑی سے روانگی کا قصد ہے؟ میں نے عرض کیا جو گاڑی حضرت کے نزدیک مناسب ہو۔ فرمایا کل دن کے دس بجے کی گاڑی سے چلے جاؤ۔

بعد مغرب بھائی مرحوم جو اب تک اسی قلق و حسرت میں چھر رہے تھے مجھ سے فرمانے لگے بھائی کیا واقعی تم مجھے بریلی لے جاؤ گے؟ میں نے کہا ہاں حضرت کا یہی حکم ہے اور دس بجے دن کی گاڑی طے ہو گئی۔ فرمایا اچھا حضرت سے کل شام تک ٹھہرنے کی اجازت لے لو۔ میں نے کہا کہ حضرت سے مراجعت کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتا۔ یہ سنکر عزیز نے قلق کے ساتھ اتنا کہا میری آرزو تو یہ تھی کہ میری مٹی یہاں عزیز ہوا اور حضرت میرے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور پھر خاموش ہو گئے۔

زندہ کنی عطاء تو در بکشی فدائے تو جاں شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

مولوی اسحاق مرحوم کو در حقیقت حضرت کے ساتھ عشق تھا اور اسی نے ان کو یہ جوان موت خوشگوار بنا دی تھی کہ وہ مرنے کے متمنی تھے مگر شیخ کے قدموں کے نیچے۔ اور یہی ان کی آخری زندگی کا منتہائے مراد تھا ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

محب کو ایسی موت اگرچہ وہ جوان مرگ ہو بیاری معلوم ہوا کرتی اور وہ اس کو لقاء محبوب حقیقی کا واسطہ سمجھکر اس کی آرزو کرتا اور کہا کرتا ہے ؎

خرم آں روز کہ ازیں منزل ویراں بروم راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم

Marfat.com

نذر کردم کہ گر آید بسر این غم روزے ‏ ‏ تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

مگر نتیجہ محبت کا ثمرہ محبوب کی طرف اطاعت ہے لہذا مرحوم کی تمنا حسرت سے بدل گئی اور وہ سمجھ کر بہتر ہے آخری ٹی بھی کچھ دور نہیں کبھی تو تشریف لانا ہو ہی جائے گا راضی برضا ہو گئے ؎

کشتۂ کہ عشق دارد نگذاردت بدیں ساں ‏ ‏ بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

بعد مغرب کہنے لگے دل چاہتا تھا کہ آج حضرت رح اپنا پس خوردہ کھلا دیتے کہ پھر خدا جانے نصیب ہو یا نہ ہو۔ مگر کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ خدا کی شان اتنا کہنے سے قبل حضرت کے مکان سے پیالہ آیا اور آدمی نے کہا کہ یہ حضرت نے اپنا بچا ہوا کھانا مولوی اسحاق کے لئے بھیجا ہے کہ رغبت ہو تو کھا لیں۔ مگر اس وقت مرحوم پر غشی طاری تھی لہذا اس کو رکھ دیا گیا اور اسی حالت میں عشاء کی نماز ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد ان کو افاقہ ہوا اور میں نے ان کو حاجت ضروری سے فارغ کر کے وضو کرایا اور انہوں نے اپنے حجرہ میں عشاء کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد کھانا مانگا اور حضرت کا پس خوردہ رغبت کے ساتھ کھایا کر ضروری اسباب سفر کے متعلق کہتے سنتے رہے۔ تکان کی وجہ سے مجھ پر نیند کا غلبہ تھا اس لئے ۱۲ بجے انہیں کے پاس فرش پر لیٹ رہا۔ مگر مرحوم کو پیاس زیادہ تھی اس لئے ذرا ذرا دیر بعد اٹھ کر ان کو پانی یا عرق گاؤزبان پلاتا رہا اور پھر سو گیا تقریباً صبح کے ۴ بجے تھے کہ میری گھبرا کر آنکھ کھلی اور میں نے بھائی کو آواز دی۔ جواب نہ پایا تو میں پلنگ پر اٹھا اور دیکھا کہ طلسم عالم ہستی کا عقدہ کھل رہا ہے اور عزیز بسوئے عالم قدس کوچ کر رہا ہے۔ میں بآواز کلمہ طیبہ پڑھنا شروع کیا کہ ایک معمولی سی ہچکی آئی اور بجائے ریل کے سفر آخرت شروع ہوا اور ختم بھی ہو لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس وقت مجھ پر جو کچھ گذری اس کو بیان کروں کہ یہ واقعہ ہے ؎

موت پر کچھ بس اگر چلتا کسی کے ہجر میں ‏ ‏ میں تو کیا کوئی نہ ہوتا شرمسار زندگی

صبح کو حضرت تشریف لائے اور تھوڑی دیر میں مسلوں شہید کو نہلا کر اور سفید پوشی بنا

Marfat.com

کر دارالطلبہ میں لا رکھا گیا۔ حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی کہ جان نثار کی دلی آرزو بر آئی اور ۹ بجے سے قبل دفن سے فارغ ہو گئے

پھر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے — کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

پھر حافظ سردار احمد بھی جو کہ آزاد طبیعت رکھتے تھے بیعت کے خواہشمند ہوئے مگر حضرت نے انکار فرما دیا کہ تم متبع شریعت نہیں ہو۔ مگر جب انہوں نے وعدہ کیا کہ عمل کروں گا تو حضرت نے بیعت فرما لیا اور بھائی کی جگہ دین کی دولت اور سنت محمدیہ کی محبت لے کر وہ تیسرے دن اپنے گھر واپس آ گئے پھر عرصہ بعد انکے دیگر عزیزوں نے اور خود حافظ جعفر خاں صاحب اور ان کے بیٹوں حافظ ظہور احمد حافظ عمر احمد منشی جمیل احمد اور مستورات کنبہ نے بھی حضرت کا باقاعدہ دامن پکڑا اور بیعت ہو کر داخل سلسلہ ہوئے۔ اللہ کی شان ہے کہ بریلی کی زمین سے وہ لوگ پیدا ہوئے جن کو مقناطیسی کشش نے سہارنپور پہنچایا اور خود سہارنپور کی مٹی سے پیدا ہونے والے بعض نفوس اس دولت علیہ ستیہ سے محروم بلکہ مخالف و معاند رہے۔

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم — ز خاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی است

پھر آپ کا یہ فیضان باطنی اسی خاندان تک محدود نہیں رہا بلکہ آگے بڑھا اور جس مرتبہ بھی آپ کو کسی ضرورت سے بریلی تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا کچھ نہ کچھ اہل بریلی بدعات سے تائب اور آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوتے رہے۔

محمد یسین خاں ایک تعلیم یافتہ شخص محکمہ آبکاری کے انسپکٹر تھے وہ بریلی سے چل کر سہارنپور حاضر ہوئے اور کچھ پڑھنے کے لئے وظیفہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا بغیر بیعت کے فائدہ تام نہ ہوگا اور نفس و شیطان و اشتغال دنیا اس نیک کام سے باز رکھا کرتے ہیں یہ جامع الفاظ کچھ ایسے دل پر بیٹھے کہ فوراً درخواست بیعت کی مگر حضرت نے تامل فرمایا اور استخارہ کرنے کا حکم دیا۔ استخارہ کے بعد جب انہوں نے عرض کیا کہ الحمد للہ ارادہ میں پختگی اور بیعت کی ضرورت کو زیادہ محسوس پاتا ہوں تو آپ نے داخل سلسلہ فرما لیا اور ارشاد فرمایا کہ تمہاری نوکری ناجائز اور تنخواہ حرام ہے۔

Marfat.com

ہے کہ شرابیوں کے ساتھ کسی نوع کا تعلق بھی مسلمان کو جائز نہیں۔ اس سے بچنا ضروری ہے کہ رازق حق تعالیٰ ہے اور رزق کا وعدہ فرما چکا ہے جس میں تخلف نہ ہوگا چنانچہ حاضری کے وقت ان کو بیعت کا خیال بھی نہ تھا مگر تائب ہوئے اور ایسے تائب ہوئے کہ نوکری سے مستعفی ہو کر خود مع اہل وعیال کے خورد و نوش کی تکلیف مدت تک اٹھائی مگر جس کو حرام سمجھ لیا تھا اس کے پاس نہ گئے۔ اب بچوں کو پڑھانے کے مختصر معاوضہ پر قانع اور ذکر و شغل میں والہانہ طریق پر عامل ہیں خود لکھتے ہیں کہ بیعت کے بعد رات ہی کو تہجد کے لئے اٹھا تو ہاتھوں میں ایک ایسا برقی اثر پایا تھا جس سے ہاتھ ٹوٹے جاتے تھے اور تہجد پر مداومت کا یہ پہلا سبق تھا کہ اس اندرونی لذت کو کوئی نظیر نہ ملتی تھی۔

چند ماہ بعد ۱۳۲۰ھ میں انھوں نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص ان سے جدا ہو رہا ہے اور ان کی جدائی ان پر اس درجہ شاق ہے کہ رو رہے ہیں اور اتنی آہ و بکا کر رہے ہیں کہ کلیجہ نکلا جا رہا ہے۔ صبح کو حضرت کی خدمت میں خواب لکھ کر بھیجا تو حضرت کا جواب آیا۔ عجب نہیں تعبیر یہ ہو کہ میرا ارادہ عنقریب سفر حج کا ہے اور میں عربستان جا رہا ہوں۔ یہ معلوم کر کے کہ حضرت بیت اللہ کا عزم فرما چکے حضرت کی ہمرکابی و معیت کا شوق ان پر غالب ہوا اور آخر قدرت نے سامان سفر ان کے لئے باسانی مہیا کر دیا کہ وہاں صرف عزم اور پختگی کی جانچ ہوتی ہے ورنہ خزانہ غیب میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ چنانچہ حضرت کے ہمرکاب یہ بھی روانہ ہوئے اور اس دولت حج و زیارت سے جس کا کبھی وسوسہ بھی نہ گذرا تھا مالا مال ہو کر صفر ۱۳۲۱ھ میں واپس آ گئے۔

مدرسہ مصباح العلوم میں تنظیم کی کچھ خرابیاں پیش آنے پر اصلاح کے لئے شروع ۱۳۲۲ھ میں حضرت کو بریلی تشریف لانا پڑا اور اس مرتبہ حضرت کا قیام پرانے شہر میں حافظ حاجی محمد نعمان صاحب سوداگر چوب کے مکان پر ہوا کہ حافظ جعفر خاں صاحب کے عزیز تھے اور ان کے مکان پر ہر قسم کی راحت کا سامان مہیا۔

Marfat.com

تھا۔ چند ہی روز قبل ان کی بہو نے خواب دیکھا تھا کہ ایک براق آیا جس پر یہ سب لوگ سوار ہو گئے بجز خاں صاحب کی بڑی لڑکی کے کہ وہ سوار نہیں ہوئیں اور ان کے بھائی نے کہا کہ یہ پھر سوار ہو جائیں گی۔ اس خواب پر یہ خوش نصیب خاندان خود بخود کسی مقبول خدا شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا مشتاق بن چکا تھا کہ حضرت کے بریلی پہنچ کر قدرتی طور پر انہیں کے مکان پر قیام کا سامان فراہم ہوا۔ صبح ڈاک سے حضرت اترے تو خاں صاحب کے صاحبزادے صدیق احمد خاں موٹر لئے ہوئے موجود تھے کہ ان کو حافظ جعفر خاں صاحب نے بذریعہ تار اطلاع دے دی تھی۔ چنانچہ حضرت نے نماز فجر باجماعت اسٹیشن پر پڑھی اور موٹر میں سوار ہو کر خاں صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔ وہ دن مدرسہ کی امداد اور دفع نزاع باہمی میں گزارا اور اگلے دن یہ تمام خاندان مرد و زن حضرت سے بیعت ہوا بجز لڑکی کے کہ وہ اپنی سسرال تھی اور ہر چند اس نے کوشش کی کہ گھر آ جائے مگر نہ آ سکی۔ واپسی سہارنپور کے وقت خاں صاحب نے سو روپیہ کا نوٹ حضرت کی نذر کیا مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ مجھے جو تنخواہ مدرسہ سے ملتی ہے وہ خرچ کو کافی ہو جاتی ہے لہٰذا اس کی حاجت نہیں۔ اگر ضرورت ہوگی تو پھر منگا لوں گا اس وقت معاف کرو۔

میں نے اکثر دیکھا ہے کہ بیعت کرنے پر حضرت کی خدمت میں اگر نذر پیش کی گئی تو حضرت نے کبھی قبول نہیں فرمائی کہ صورتاً توبہ کرانے کا معاوضہ بن جاتا ہے اور اس رسم کے مشابہ ہے جو آج کل دنیا دار پیروں میں چل رہی ہے ہاں اس کے بعد انس و محبت کا تعلق پیدا ہو کر اگر کوئی قلیل سے قلیل ہدیہ بھی پیش کرتا تو مسنون طریقہ پر آپ اسے بخوشی قبول فرماتے چنانچہ سہارنپور سے تذکرہ طلب فرماتے حضرت نے اس بارے میں حافظ جعفر خاں صاحب کی سفارش بھی قبول نہ فرمائی اور خرچ کو روانہ ہو جانے پر جب خاں صاحب ممدوح نے بذریعہ [illegible] بطور ہدیہ خدمت [illegible] ارسال کیا تو آپ نے قبول فرما لیا کہ اس کا [illegible] تعلق محبت تھا جو کہ للہ [illegible]

علالت و الم ہے اور اس کا ذکر تناول شکم سیری کی وجہ سے ممنوع و قبیح ہے نیز جب
حضرت کسی معاملہ میں تصفیہ کے لیے باقاعدہ بحکم ہو کر جاتے تو کسی نوع کی مالی اعانت
سے آپ کو گرانی ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ مجھے خوب یاد ہے سہارنپور میں دو شخصوں نے کہ
دونوں کو حضرت سے پرانا تعلق تھا آپ کو سر پنچ بنایا تو آپ نے منظور فرما کر بعد
مغرب کا وقت سماعت قضیہ کے لیے مقرر فرما دیا۔ ایک فریق نے کہ ان کو حضرت
سے زیادہ بے تکلفی تھی عرض کیا کہ پھر کھانا بھی حضرت وہیں تناول فرمائیں۔ آپ نے
چیں بہ جبیں ہو کر فرمایا آج کی حاضری دوسری نوع کی ہے آج تو پانی بھی تمہارے گھر کا گوارا
نہیں یوں بہتیری دفعہ کھایا ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی کھاؤں گا۔ مدرسہ مظاہر علوم اس
وقت دیوبند کی سرپرستی میں تھا اور حضرات دیوبند نے اپنی سفر سے معذوری ظاہر
کرتے ہوئے خود تجویز کیا تھا کہ سہارنپور سے حضرت کو نہ بلایا جائے باوجود اس کے
حضرت نے حفظ نفس کی بھی پابندی فرمائی کہ حافظ جعفر خاں کو دیوبند واپس بھیجا کہ
مہتمم صاحب سے استعفاء کی تحریر لے کر آؤ چنانچہ جب دیوبند سے یہ تحریر پہنچی کہ آپ ہماری
طرف سے قائم مقام ہو کر جائیں اور آپ کا فیصلہ بھی یقیناً ہمارا ہی فیصلہ ہوگا۔ تب
حضرت نے بریلی کا سفر منظور کیا اور اس وقت بھی یہی احتیاط فرمائی کہ مدرسہ کے کسی
ممبر یا رکن کی دعوت منظور نہ کی۔ ان حضرات کی بیعت کا قصہ بھی اسی سفر میں پیش آیا
اس لیے عجب نہیں ہدیہ سے انکار میں اس کمال تقویٰ کا اثر بھی شامل ہو جس کو حضرت
دل ہی میں رکھتے اور کسی سے اظہار نہ فرمایا کرتے تھے۔ بہرحال انہیں دو دن کے قیام میں
بیعت کی افواج بریلی کے اور لوگ بھی داخل سلسلہ ہوئے اور حضرت بعد نماز مغرب حافظ
علی احمد کے مکان پر تشریف لے گئے کہ انہوں نے حضرت کے لیے کھانا تیار کیا تھا
کھانا تناول فرما کر واپس سہارنپور آ گئے۔

بریلی میں حضرت کے متوسلین سے مجھے زیادہ واقفیت نہیں مگر حافظ جعفر خاں
اور حاجی محمد خاں صاحب کے خاندان کو تو دیکھا ہے کہ ما شاء اللہ بچہ بچہ کے قلب میں
محبت کا ولولہ موجزن رہتا ہے خصوصاً ان کے ہر شخص سے شوکت اور محبت کا رنگ رہتا ہے جو بھی جیسے

Marfat.com

شہر میں ان شیدایانِ سنت کا وجود جن کو طرح طرح کے ابتلا بھی پیش آئے ایک نعمتِ الٰہیہ ہے کہ دہلی بریلی ہے جس سے حضرت پر صدائے تکبیر بلند ہو رہی ہے اور اسی بریلی کے باشندے ہیں جن کا دل باوجودیکہ چند گھنٹے حضرت رحؒ سے آشنا ہوا ہے مگر آج حضرتؒ کو رو رہا اور زبان بیساختہ پکار رہی ہے ؎

پس ازسی سال این معنی محقق شد بخاقانی | کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

قلوب میں تصرف کرنے والے خدائے ذوالجلال کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اہل حق کا وجود کسی کے لئے وسیلۂ رحمت ہے اور کسی کے لئے آلۂ نقمت و زحمت یُضِلُّ بِهٖ کَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ کَثِیْرًا ؎

پیش قبطی خون بود آں آب نیل | آب باشد پیش سبطی جمیل
جادہ باشد بحر زا اسرائیلیاں | غرق گہہ باشد زفرعون عوان
باد بُد بر عادیاں گرز و تبر | لیک بُد بر ہود در تومش ظفر
گلستاں باشد براہیم تار | لیک بر نمرود باشد زہر مار
بر سمندر باشد آتش خانماں | لیک باشد بر دگر مرغاں زیاں
نزد عاشق درد و غم حلوا بود | لیک حلوا بر خساں بلوا بود

حضرتؒ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا فوری ثمرہ یہ ہوا کہ حاجی محمد خاں صاحب جن پر عرصہ دراز سے حج فرض تھا اور ارادہ بھی کرتے تھے مگر کامیاب نہ ہو سکتے تھے آئندہ ہی رجب ۱۳۴۵ھ میں عازم ہو گئے اور یک لخت تمامی مشاغل و ضروریات کو پس پشت ڈال کر حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے پچاس ہزار روپیہ خرچ کیا اور اس بشاشت و فراخ دلی سے کہ جس دوست بلکہ امام مسجد بنگالی طالب علم نے بھی خواہش کی کہ مجھے بھی ساتھ لے چلئے تو بجز بہت اچھا کے کچھ جواب نہ دیا چنانچہ گھر کے لوگ تو بیوی بڑا لڑکا لڑکی اور بہو صرف چند ہی تھے باقی احباب اور ملازمین سب ملا کر پانچ نفر ہوئے جنہوں نے اس خوش نصیب بزرگ کی دریا دلی سے منتفع ہو کر حج و زیارت کا وہ نفع اٹھایا ہے کہ جس کے لئے ہزاروں مسلمان ترستے ہیں

ہیں اور نصیب نہیں ہوتا۔

اسی سفر میں آپ کی لڑکی بھی ساتھ گئی اور جب سب لوگ مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت کے قریب مکان کرایہ پر لے کر مقیم ہوئے کہ خدمت میں حاضری مستورات کی آسان ہو تو لڑکی بھی بیعت ہوئیں جو اس وقت محروم رہی تھی اور اس طرح پر اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی جو دو سال ہوئے ان کی بھاوج نے دیکھا تھا۔ حضرتؒ کے آخیر دور میں اس خاندان کے لیے آخری زیارت مقدر تھی کہ یہ سامان ہوا اور یہ لوگ کافی مدت حضرت کی خدمت میں قیام کر کے بافیت جسمانی و ترقیات روحانی وطن واپس آئے۔ چند ہی ماہ کے بعد حضرت کے وصال کا تار آگیا اور وہ چیز ہی نہ رہی جو مقناطیس بن کر آہن قلوب کو کھینچا کرتی تھی ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

یہ میں نے خاص طور پر دیکھا ہے کہ حضرت کو اپنے متوسلین کے متعلق حج کا خاص اہتمام رہتا اور جن پر حج فرض ہوتا ان کو تو خاص تاکید کے ساتھ فرمایا ہی کرتے کہ فریضہ حج ادا کرنے میں غفلت و سستی نہ کرو کیا خبر ہے موت کب اور کس وقت آجائے نفل حج کے لیے بھی کوئی خیال ظاہر کرتا تو حضرت اس کو پختہ فرما دیتے اور اجازت ہی نہیں دیتے بلکہ روانگی سے قبل اس سے ملنے جاتے کچھ نہ کچھ ہدیہ پیش فرماتے اکثر دہلی تک مشایعت کرتے اور رخصت کے وقت متضرعانہ لہجہ میں دعا کی اس طرح درخواست کیا کرتے تھے کہ مواقع اجابت میں مجھے بھی یاد رکھنا بالخصوص یہ دعا کہ حق تعالیٰ اس مٹی کو یثرب کی مٹی میں شامل فرمائے کہ یہی منتہا ئے مُراد ہے۔ آج پچیس برس ہوئے کہ ۱۳۲۱ھ میں جب پہلے سفر حج کو بندہ حجاز روانہ ہونے لگا تو حضرتؒ باوجودیکہ امام ربانی حیات تھے اور مجھے حضرت کے ساتھ اس وقت یہ نیازمندانہ خصوصی تعلق نہ تھا مگر حضرت رخصتی ملاقات کے لیے میرٹھ تشریف لائے اور مکہ مکرمہ میں میرے پاس حضرت کا جو خط پہنچا اس کے یہ جگر سوز الفاظ مجھے اب تک یاد ہیں۔ عزیزمن مجھے بھول نہ جانا۔ گو سیہ کار اس قابل نہیں مگر ہو بن بیٹھے

Marfat.com

کہ مدینہ منورہ کی مٹی میں ملنا نصیب ہو بس اسی دعا کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ اہلیت بخش کر جوار رسول نصیب فرمائے ؎

بچو یا حبیب تشنئی وبادہ پیمائی   بہ یاد آر محبان بادہ پیمارا

مجھے وہ مضمون ہمیشہ یاد رہا تھا کہ آپ اپنی مراد کو پہنچے اور کانوں نے سن لیا کہ حضرتؒ عالم قدس کو سدھار کر جنت البقیع میں دفن ہو لئے باوجود آپ کے کوہ استقلال ہونے کے عشق رسول کی آگ آپ کی رگ رگ میں اتنا اثر کر گئی تھی کہ آپ نے بارہا عرب کا سفر صرف اسی شوق و آرزو میں کیا کہ ہر مرتبہ آپ کی ہجرت کا شور عوام کی زبانوں پر مچا آخر جب وقت آیا تو وہ پورا ہو کر رہا اور وہ آتش فراق بلقاء محبوب ٹھنڈی ہوئی جس نے آپ کو صرف ایک دروازے کا نشان رکھا تھا مجھے خوب یاد ہے آپ مولانا تھانوی کا وعظ بڑے شوق سے سنتے اور کبھی کبھی فرمایا کرتے کہ مجھے تو مولانا کے وعظ میں اس شعر پر بڑا مزہ آتا ہے ؎

ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال ماہے   چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے

یہ بھی میں نے دیکھا ہے کہ جب جب اس شعر کو سنتے تو چہرے کا رنگ بدل جاتا اور وجد کی کیفیت آپ پر طاری ہوتی تھی کو آپ ضبط فرما جایا کرتے۔

اسی کا اثر تھا کہ آپ اپنے دوستوں کو حج و زیارت کی خاص طور پر ترغیب دیتے اور چاہتے تھے کہ سب اس آستانہ محب و محبوب کے والہ و شیدا بنے ہوئے دنیا سے اٹھیں۔ اس اہتمام کے بیسیوں واقعات میری نظر سے گزرے جس میں ایک نمونہ حافظ ریاض الاسلام کاندھلوی کا ہے کہ ان پر حج فرض تھا مگر اس کے ادا میں بہت ہی کچھ موانع ان کو پیش تھے مگر جب حضرتؒ نے قطعی حکم فرما دیا کہ تم کو ضرور جانا چاہیئے کہ آج دم نکل گیا تو کوئی عذر بھی اللہ کے ہاں قابل سماعت نہ ہوگا تو یہ پنتہ ہو گئے اور پھر ایسے پختہ ہوئے کہ ہر چند زور دیا گیا کہ اس سال ملتوی کر دو مگر یہ نہ مانے اور سب تعلقوں کو پس پشت ڈال کر مع اہلیہ و خوش دامن کے کہ ان پر بھی حج فرض تھا مردانہ وار حج و زیارت کر کے واپس وطن آ گئے۔

Marfat.com

حکیم عبدالغنی صاحب مقیم غازی آباد نے جو کہ اکثر حضرت کے معالج رہتے تھے آپ کی علالت سنکر آخری زمانہ میں مدینہ منورہ ایک نسخہ لکھکر بھیجا تو آپ نے اسی کو حیلہ بنا کر حاضری حرمین شریفین کی ان کو اس طرح ترغیب دی کہ خط لکھا۔ السلام علیکم۔ علاج کی صورت یہ ہے کہ امسال آپ حج کا ارادہ کریں اور رجب میں روانہ ہو کر پہلے مدینہ منورہ حاضر ہوں اور یہاں وہ تین مہینے قیام کر کے میرا علاج کریں اور مکہ مکرمہ جاکر حج کر کے وطن واپس ہو جائیں۔ یہ ترکیب علاج کی ممکن ہے۔ ورنہ خیر۔ فقط والسلام

مجھے جہاں تک علم ہے حضرت کے متوسلین میں ایک بھی ایسا نہ ہوگا جس پر حج فرض ہوا ہو اور وہ ادا نہ کر آیا ہو۔ ہاں ایسے بکثرت ہوں گے جو دو تین بلکہ چار پانچ مرتبہ اس نعمت سے مالا مال ہو آئے کہ بیت اللہ و بیت الرسول کی مخلصانہ زیارت اور قلیل وقت کی بھی محبانہ حاضری نفع روحانی میں اولیاء اللہ کی اُمس صحبت سے کم نہیں جس کے متعلق مولانا روم لکھتے ہیں ؎

صحبت نیکاں اگر یک ساعت است بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

یک زمانہ صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

الحاصل یہی نہیں کہ بریلوی خاندان نے دخول سلسلہ کی صرف برکت پر اکتفا کیا ہو بلکہ حامد یار خاں اور صدیق احمد خاں نے اکتساب بھی شروع کیا اور بحمد اللہ واردات اور انوار و تجلیات سے کامگار ہوئے۔ دونوں کی بیبیاں اور ہمشیر بھی اپنے معمولات یومیہ پر باوجود نسوانی ضعف و موانع اور طرح طرح کی مشغولیت خانہ داری کے ایسی پابند ہوئیں کہ دوسروں کو اُن سے سبق ملا۔ ایک مرتبہ حامد یار خاں نے شکایت لکھی کہ ذکر میں وہ لذت نہیں آتی جو پہلے آتی تھی اور اس لئے مداومت دشوار ہے تو حضرتؒ نے فوراً جواب دیا۔

عنایت فرمایم حامد یار خاں صاحب سلمہٗ۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ پہنچا۔ بغور سنو۔ مقصود اصلی ذکر ہے خواہ طبیعت لگے یا نہ لگے۔ پراگندہ و منتشر ہو یا مجتمع۔ اپنے معمولات کو ہر حال میں پورا کرنا چاہیے۔ یہ غلط راستہ ہے کہ ذوق و شوق ہو تو ادا

Marfat.com

پورے کیے جائیں ورنہ پورے نہ کیے جائیں۔ ذوق وشوق نہ مقصود ہے نہ اختیاری امر ہے جو اپنا کام ہے وہ کیے جائیں۔ اور جو علاوہ حق ہے اس کو اسی کے سپرد رکھیں بدون دل بستگی کے ذکر پر مداومت زیادہ مفید اور موجب اجر ہے۔ ذوق وشوق کے ساتھ ہر شخص کام کیا کرتا ہے مگر عبدیت اسی وقت معلوم ہوتی ہے کہ بلا ذوق شوق بھی ذکر پر مداومت کی جائے۔ عزیزی صدیق احمد صاحب کو بعد سلام مسنون مزاج پرسی کریں۔ انشاء اللہ دو چار روز میں بخار کی شکایت رفع ہو جائے گی صحت کی بھی اطلاع فرمائیں۔ فقط السلام۔ خلیل احمد از سہارنپور ۲۵ ربیع الثانی ۴۲ھ

اکثر ذاکرین کو یہ مرحلہ پیش آتا ہے کہ شروع شروع قلب کو ایک حظ والتذاذ آتا ہے اور بعد میں خواہ عادت ہو جانے کے سبب یا غذا میں طبعی یا شرعی بے اعتدالی یا اختلاط نا جنس کی وجہ سے یا اللہ پاک کی طرف سے غلامی وعبدیت کے جانچنے کے لئے وہ لذت یکدم معدوم ہو جاتی ہے۔ جس کا اثر یہ ہونا چاہیے تھا کہ کام سے اپنے باز نہ آئے اور سبب کو تلاش کرکے اس کی تلافی کرے نہ یہ کہ ذکر کو بے نفع سمجھ کر چھوڑ دے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ جیسے آقا اگر انعام دیتا رہا تو کام کیا اور کسی دن ہاتھ روک لیا تو نوکر نے بھی کار خدمت چھوڑ دیا۔ ایسے خود غرض مزدور کی آقا کے دل میں محبت کیسے ہو سکتی ہے۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن — کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

پھر یہ انعام کیا تھوڑا ہے کہ اپنے ذکر کی توفیق بخشی ورنہ کس کی مجال ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے شاہی دربار میں حاضر ہو سکے۔ لہذا اس کی توفیق کا ہر وقت طالب رہے حافظ محمد حسین اجراڑوی نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت کیا کروں انشراح نصیب نہیں ہوتا۔ فرمایا بھائی یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ کی توفیق پر ہے بندہ کا اس میں کیا چارہ۔ بہر حال کام سے باز نہ آئے جتنا کچھ ہو جائے توفیق الٰہی سمجھ کر شکر ادا کرے ہمت بلند رکھے اور دروازہ سے چپٹا رہے کہ کبھی نہ کبھی کھلے گا مایوس نہ ہو۔

Marfat.com

اگرچہ دور افتادم بدیں اُمید خورسندم ٭ کہ شاید دست من بار دگر جاناں من گیرد

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت تہجد کو آنکھ نہیں کھلتی فرمایا بھائی ہمت کرو کہ کوئی کام دنیا کا ہو یا دین کا بغیر ہمت کے نہیں چلتا۔ اور دیکھو کہ کسی معصیت کی سزا تو نہیں ممکن ہے کھانے پینے میں بے احتیاطی ہوئی ہو یا قولی و فعلی کوئی گناہ صادر ہوا ہو۔ اگر ایسا ہے تو ضرورت ہے توبہ و استغفار کے اضافہ کی کہ ذکر پہ ذکر بڑھایا جائے نہ یہ کہ ذکر ہی چھوڑ دیا جائے کیونکہ

ہر چہ برتو آیدت ظلمات و غم ٭ آں ز بیباکی و گستاخی ست ہم

غم چو بینی زود استغفار کن ٭ غم بامر خالق آمد کار کن

اور نہ یہ تصرفات ہیں متصرف حقیقی کے جن سے اس کی کائنات کا کوئی ذرہ بھی خالی نہیں اور چونکہ اس کا کوئی فعل کیسا ہی نفس کو ناگوار کیوں نہ گزرے حکمت سے خالی نہیں لہٰذا یہ معالجہ ہے اور مریض کو کوئی حق نہیں کہ طبیب کی دوائے تلخ سے منہ پھیرے

چونکہ قبض آید تو در وے بسط بیں ٭ تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو ٭ آں صلاح تست آئیس دل مشو

بہرحال راہرو کا یہ کام ہے کہ اپنے کام کی دھن میں لگے اور مزہ و بدمزگی کو پس پشت پھینکے

کار کن کار بگذر از گفتار ٭ کاندریں راہ کار آید کار

محب کی نگاہ طالب التذاذ نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطمح نظر صرف رضائے محبوب ہے، جس حال میں دیکھے وہی نعمت اور اسی میں لذت ہے

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب ٭ کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

شریعت کو جو کہ رضائے خالق جل شانہ کا سانچہ و معیار ہے اتنا مضبوط تھامے کہ جان قفس تن سے نکل جائے مگر یہ وصال محبوب کی رسی ہاتھ سے چھوٹے دم نکلے مگر محبوب کا کام اپنا ہوا نکلے ورنہ سلوک اور اللہ کی طلب کا نام نہ لے کہ

Marfat.com

ہر دو گہ اختصار بباید کرد یک کار ازین دو کار بباید کرد
یا تن برضائے دوست بباید داد یا قطع نظر ز یار بباید کرد

صدیق احمد خاں نے ایک مرتبہ تہجد کی پابندی نہ ہونے کا آپ سے شکوہ کیا تو آپ کا مدینہ منورہ سے جواب آیا۔

عنایت فرمایم صدیق احمد خاں صاحب سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کا خط پہنچ کر موجب مسرت ہوا۔ آپ کے والدین اور متعلقین خیریت سے کل یہاں پہنچ گئے۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ آٹھ دس روز میں یہاں سے واپسی ہوگی اور انشاء اللہ بخیریت پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تم کو بھی یہ دولت نصیب فرمائے۔ تم نے لکھا کہ نماز تہجد نہیں ہوتی۔ میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ تم کو ہمت اور توفیق دے۔ بات یہ ہے کہ ہر کام ہمت سے ہوتا ہے۔ جب آدمی آرام طلبی میں پڑ جاتا ہے اور دنیوی لذات کی طرف مائل ہو تو کوئی کام دینی اور دنیوی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہمت کر کے کام کرو اور اپنے گھر میں بھی میری طرف سے دعا کہو اور نیز تم کو چاہیئے کہ اپنی اہلیہ کے ساتھ اخلاق کا معاملہ کیا کرو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی[۱]۔ فقط والسلام اور دوسرے خط میں اس طرح تعلیم فرمائی کہ جب انسان کسی ایک کام میں مشغول ہوتا ہے تو دوسرے کی طرف مشغولی کم ہو جاتی ہے۔ خصوصاً دین اور دنیا باہم متضاد ہیں۔ دنیا میں انہماک شوق لقاء اللہ سے مانع ہوتا ہے اور اس کے چھوٹنے کے لئے تو ایک بہانہ چاہیئے لہٰذا نہایت رغبت کے ساتھ اپنے وظائف و اوراد میں مشغول ہو جائیں حق تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔ فقط والسلام

سید شمس الحسن گلاؤٹھی سب اوورسیر ریاست دیوان لے جب عدم حصول واردات پر تاسف لکھا تو حضرت کا یہ والا نامہ گیا جس کے مختصر و جامع الفاظ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں:۔

---

[۱] تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے اہل کیساتھ خوش معاملہ ہو اور میں خود اپنی اہل کیساتھ بہترین خوش

عنایت فرمایم سید شمس الحسن صاحب سلمہ۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ پہنچا مژدۂ عافیت
طمانینت بخش ہوا اور بحمد اللہ میں بھی مع متعلقین بخیریت ہوں۔ الحمد للہ کہ ذکر بارہ تسبیح
آپ کا استقلال کے ساتھ جاری ہے مگر آپ کی حسرت اس پر کہ حالات و واردات سے
طبیعت عاری ہے موجب افسوس ہے حق تعالیٰ شانہٗ کی یہ نعمت کیا کچھ کم ہے کہ اس نے
اپنے لطف و کرم سے آپ کو مداومت ذکر بارہ تسبیح کی عطا فرمائی ہے۔ ذکر منشور ولایت
ہے جس کو ذکر کی توفیق دی گئی گویا فرمان ولایت اس کو مل گیا۔ حالات و واردات غیر مقصود
ہیں اور نہ ہر ایک کو پیش آتے ہیں۔ یہ تو بچوں کا ایک کھیل ہے اور اس کی تمنا فضول ہے۔
لہذا آپ اپنی حسن حالت پر حق تعالیٰ شانہٗ کا نہایت شکر ادا کریں اور اس نعمت عظمیٰ
کو غنیمت سمجھیں کیونکہ شکر نعمت موجب مزید نعمت ہے اور ناشکری موجب سلب نعمت
ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ناشکری سے بچائیں۔ فقط والسلام۔ خلیل احمد سہارنپوری یکم شعبان سنہ ۱۳۴۴ھ

دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور

دار العلوم دیوبند ہندستان بلکہ اس صدی میں دُنیا کی وہ مشہور اسلامی درسگاہ
ہے جس کی چار دانگ عالم میں خداداد شہرت کسی تقریب و توصیف کی محتاج نہیں۔ گذشتہ
صدی میں قطب العالم مولانا سید احمد صاحب بریلویؒ کا مع اپنے مجاہدین گروہ کے
جب اس بستی پر گذر ہوا تو آپ نے خوش ہو کر یوں فرمایا تھا کہ یہاں علم کی بو محسوس
ہوتی ہے۔ قدرت کے ہاتھوں اس ادراک معنوی کا اس طرح ظہور ہوا کہ ۱۵ محرم سنہ ۱۲۸۳ھ
کو اس مدرسہ کی بنیاد پڑی اور یہ درسگاہ جو آئندہ چل کر عرب و عجم اور تبت و بخارا
تک کے طالبان علوم کا مرجع بننے والی تھی چھتہ کی مسجد میں مختصر مکتب کی صورت میں
قائم ہوئی کہ ملا محمود صاحب پندرہ مشاہرہ پر مدرس اول قرار پائے اور بستی کے اکیس ۲۱
طلبہ نے عربی پڑھنا شروع کیا۔ اخیر سال میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس اول
ہو کر تشریف لائے کہ اول بیس روپیہ تنخواہ ہوئی اور چھ عرصہ کے بعد تیس روپیہ ہو گئی۔
مولانا سید احمد صاحب دہلوی مدرس دوم و مولانا ملا محمود صاحب مدرس سوم بنائے گئے

Marfat.com

گئے اور نظام اہتمام شاہ عبدالغنی صاحب کے خلیفہ راشد مولانا رفیع الدین صاحب کے ہاتھ میں دیا گیا۔ سرپرست امام ربانی حضرت مولانا گنگوہی تجویز ہوئے اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے اگرچہ ظاہری خدمت کا نام اپنے لئے پسند نہ فرمایا مگر مدرسہ کی اصل روح رواں آپ ہی کا وجود باجود تھا کہ علوم دینیہ کا شیوع آپ کی منتہائی مراد اور مدرسہ کی ترقیات آپ کے تن کے لئے گویا حیات تھی۔

قدرت نے کچھ ایسے مقبولین مخلصین افراد کو ایک جگہ جمع فرما دیا تھا جس کی نظیر شاید دنیا نے کم دیکھی ہو اور انہیں نائبین رسالت کی توجہات کا اثر تھا کہ ایسے تاریک زمانہ میں جبکہ مدرسہ جاری کرنے کا نام لینا بھی دشوار تھا سال ختم ہونے سے پہلے ہی۔۔ بنارس و پنجاب اور کابل کے طلبہ جمع ہو گئے کہ امتحان کے وقت طلبہ کی تعداد اٹھتر تھی پھر جب طلبہ کی کثرت ہوئی تو مسجد قاضی کے متصل مکان کرایہ پر لیا گیا اور ۱۲۹۱ھ میں مدرسہ کے لئے مکان تجویز ہو کر ۱۲۹۲ھ میں یہ بنیاد رکھی گئی جہاں اب مدرسہ ہے اس کے بعد تو اس منبع سے علوم اسلامیہ کے وہ چشمے جاری ہوئے جس نے اطراف واکناف عالم کے تشنگان کتاب اللہ و کتاب الرسول کو سیراب کر دیا اور دنیا کی کوئی سمت باقی نہیں رہی جہاں اس کی نہر کا سلسلہ نہ پہنچ گیا ہو۔

انقلاب چونکہ ہر جزو عالم کے ساتھ لگا ہوا ہے جیسے روح کے ساتھ بدن اس لئے اس کو بھی حوادث اور زلازل پیش آئے ۔ ۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ میں جبکہ مدرسہ کی عمر کا چودھواں سال تھا حضرت قاسم العلوم نے بمرض ضیق النفس دنیا کو الوداع کہا اور پانچ سال بعد ۱۳۰۲ھ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے بمرض ہیضہ اپنے وطن نانوتہ ضلع سہارنپور میں درجہ شہادت حاصل کیا اور آخر میں حضرت مولانا رفیع الدین صاحب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ چلے گئے۔ اور آخر وصال فرما کر اپنے شیخ کے متصل قبہ عثمانی کے باہر مدفون ہوئے ۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ اس مدرسہ کے سابقین اولین طلبہ میں تھے کہ ۸۶ھ میں آپ نے کنز الدقائق اور میبذی مختصر معانی کا امتحان دیا اور

Marfat.com

سنہ ۱۲۸۵ھ میں ہدایہ، مشکوٰۃ اور مقامات وغیرہ کے امتحان میں شریک ہوئے پھر سنہ ۱۲۸۶ھ میں کتب صحاح ستہ اور بعض دیگر کتب اپنے فخر زمانہ استاد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے پڑھیں جو اس وقت میرٹھ میں منشی ممتاز علی کے مطبع کی خدمت تصحیح قبول فرمائے ہوئے تھے آخر فارغ ہو کر سنہ ۸۸ھ میں اسی مدرسہ کے معین المدرسین بنے اور ۱۹ ذیقعدہ سنہ ۹۰ھ کو آپ کی دستار بندی ہوئی اور سنہ ۹۲ھ میں آپ مدرس چہارم قرار دیئے گئے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب کی وفات کے بعد مولانا سید احمد صاحب دہلوی جو بالخصوص فنون ریاضیہ میں امام وقت تھے چالیس روپیہ مشاہرہ پر مدرس اول قرار پائے اور ملا محمود صاحب تیس روپیہ پر مدرس دوم۔ اس وقت حضرت شیخ الہند بمشاہرہ تیس روپیہ پر مدرس سوم ہوئے اور آپ کی جگہ مولوی عبد العلی صاحب مدرس چہارم بنائے گئے۔ دو ہی سال گذرے تھے کہ ملا محمود صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس انقلاب میں حضرت مولانا مدرس دوم بنا دیئے گئے مگر اسباق آپ کے متعلق صحاح ستہ اور بڑی کتابوں کے رہے سنہ ۹۵ھ میں جب مولانا سید احمد صاحب بعض مصالح سے بڑی تنخواہ پر بھوپال تشریف لے گئے تو باتفاق آراء آپ کو اسی چالیس روپیہ مشاہرہ پر مسند صدارت پر بٹھایا گیا اور مولوی عبد العلی صاحب مدرس دوم بنائے گئے۔ تین سال گذرے تھے کہ مولوی عبد العلی صاحب بھی تشریف لے گئے اور اب حضرت امام ربانی کی دور بین نظر نے حضرت کا انتخاب فرما کر آپ کو بریلی سے بلا بھیجا۔ آپ سنہ ۱۳۰۸ھ میں تیس روپیہ مشاہرہ پر دار العلوم دیوبند کے مدرس دوم قرار پائے۔ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۹ھ سے آپکی علاوہ تینتیس روپیہ اور محرم سنہ ۱۳۱۴ھ سے پینتیس روپیہ کر دی گئی۔ آپ چھ سال وہاں رہ کر جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۲ھ کو روانہ ہوئے اور آپ کی جگہ مولوی عبد العلی صاحب تشریف لائے جو مدرسہ مراد آباد میں مدرس اول تھے

حضرت شیخ الہند عمر میں حضرت سے ایک سال بڑے تھے کہ آپ کی ولادت سنہ ۱۲۶۸ھ میں بمقام بریلی ہوئی جبکہ آپ کے والد مولانا ذو الفقار علی صاحب بسلسلۂ ملازمت مع اہل و عیال وہاں مقیم تھے۔ اس ہم عمری کے ساتھ بچپن میں کچھ دنوں ہم سبق اور ہم مکتب ہونے کا اتحاد رہا اور پھر ایک شیخ کے دامن گرفتہ اور پیر بھائی ہونے کے تعلق

Marfat.com

نے تو اس یگانگت کو ایسا شیریں بنا دیا گویا ایک جان اور دو قالب بن گئے۔ سید شمس الحسن کا بیان ہے کہ میرے والد سید احمد حسن مرحوم دیوبند میں ہر دو حضرات کے ہم سبق رہے اور حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر رہا کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ مولانا کی والدہ کو میرے ساتھ اتنی شفقت تھی جب تک میں نہ آجاتا مولانا کو کھانا نہیں دیتی تھیں یہ بھی فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب اس قدر ذہین تھے کہ طالب علمی میں کبھی مطالعہ بھی اہتمام سے نہ دیکھا مگر سبق میں کسی سے کم تیز نہ رہے اور مولانا خلیل احمد جب انبہٹہ سے آئے تو ان کے ابتدائی کتابوں کے سبق میرے سپرد ہوئے مگر وہ اتنے تیز نکلے کہ چند ہی روز میں ہمارے ہم سبق ہو گئے۔ مجھے ہر وقت کتاب کا کیڑا بنا ہوا دیکھ کر ان صاحبوں نے میرا نام چرخہ رکھ دیا تھا۔ وہ وقت نکل گیا مگر اب ملنے کا جب کبھی اتفاق ہوتا ہے تو جس بے تکلفی و محبت سے ملتے ہیں وہ بیان میں آنے کے قابل نہیں۔ پھر کیا پوچھنا دونوں ذہین و ذکی روحانی بھائیوں کا جنہوں نے عمر کا اکثر حصہ قرب جسمانی کے ساتھ گزارا اور طفولیت و شباب اور کہولت و شیخوخت ہر حصہ حیات میں ایک دوسرے کے فریفتہ و غمگسار رہے۔

لینڈھور میں چودھری لیاقت علی خاں کی کوٹھی پر ایک مرتبہ ان سب حضرات کا اجتماع ہوا اور لوگوں نے خواہش کی کہ کسی طرح حضرت شیخ الہندؒ کا وعظ سنیں۔ مولوی میر شاہ خاں بولے کہ اس میں کامیابی ہو سکتی ہے تو صرف مولانا خلیل احمد کو کہ وہی ایسی ہستی ہے جو مولانا سے زور کہہ سکتی ہے اور مولانا ان کی بات کو نیچا نہیں ڈال سکتے۔ ورنہ سچ یہ ہے کہ ہم بھی ہمیشہ اسی ارمان میں رہے اور اب تک حضرت کا وعظ نہیں سنا۔ چنانچہ سب لوگ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آج تو کسی طرح مولانا کا وعظ سنوا ہی دیجیے۔ حضرتؒ نے فرمایا بہت بہتر اور اس کے بعد مولانا کے پاس آکر بے تکلف لہجہ میں فرمایا۔ دوستوں کی خواہش ہے کہ آج بعد ظہر کچھ بیان فرما دیجئے۔ مولانا نے جو کہ استاذ الکل ہو کر ادنیٰ طالب علم کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے فرمایا مجھے تو وعظ کہنا ہی نہیں آتا حضرتؒ نے فرمایا یہ کون کہتا ہے کہ آپ کو وعظ

Marfat.com

کہنا آتا ہے اور آپ وعظ کہیں۔ درخواست یہ ہے کہ جس طرح مدرسہ میں بیٹھکر حدیث کا ترجمہ فرماتے ہو یہاں مسجد میں بیٹھکر کسی حدیث کا ترجمہ سُنا دو۔ حضرت مولانا کی اُس وقت عجیب حالت تھی کہ نہ اقرار کئے بن پڑتی تھی نہ انکار کئے۔ آخر جب دیکھا کہ مفر نہیں تو فرمایا اچھا مگر اس شرط پر کہ تم موجود نہ ہو۔ حضرت رحؒ نے فرمایا بہت اچھا مجھ سے اتنی وحشت ہے تو میں بعد نماز چلا آؤں گا۔ میری وجہ سے یہ عمدہ لوگ کیوں محروم رہیں حضرتؒ مولانا مسکرا کر چپ ہو رہے اور حضرت نے لوگوں سے کہدیا کہ جابجا بیٹھئے درخواست منظور ہے اور بعد ظہر مولانا کا بیان ہوگا۔ چنانچہ بعد ظہر حضرت مولانا کو منبر پر بیٹھنے کا اصرار کیا گیا مگر آپ نہ اٹھے اور جب دیکھ لیا کہ مولانا خلیل احمد صاحب سنتیں پڑھکر روانہ ہوئے تو بیچ کے در میں بیٹھکر بیان شروع فرمایا۔ میں بھی حاضر تھا کیا کہوں کہ اس سادہ ترجمہ اور پست لہجہ کی مسلسل تقریر میں کیا شیرینی تھی جسکی حلاوت زبان قلب میں آج تک موجود ہے۔ حضرت رحؒ نے جب دیکھا کہ وعظ شروع ہوگیا تو باہر باہر دوسرے راستہ آکر اندر دالان میں اس طرف بیٹھ گئے جدھر مولانا کی پشت تھی اور بیان ختم ہونے پر جلدی سے بالا بالا اُسی راستہ اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ دوسرے وقت جب اجتماع ہوا تو حضرت نے فرمایا تم نے تو بہتیرا چاہا کہ سب وعظ سُنیں مگر ہمیں نہ سُنے لیکن ہم نے سُن ہی لیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کس طرح؟ فرمایا ہم بھی تمہارے پشت ایک گوشہ میں آ بیٹھے۔ مولانا نے فرمایا پشت پناہ بننے کے لئے تم آئے کدھر سے اور وعدہ کرنے کے بعد خلاف کیسے کیا؟ فرمایا میں نے تو یہی کہا تھا کہ نماز کے بعد چلا آؤں گا۔ یہ تو نہیں کہا تھا کہ پھر مسجد ہی میں نہ جاؤں گا اور آخر اس کی کوئی وجہ بھی کہ عمر بھر میں ایک وعظ ہو اور وہی ہمارے کانوں میں نہ پڑے۔ غرض دیر تک انبساط کے ساتھ مزاح ہوتا رہا اور حاضرین اس کا مزہ لیتے رہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی مستقل سوانح حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب مرتب اور شائع فرما چکے اور وہی اس خدمت جلیلہ کے اہل بھی تھے۔ مجھے بھی حضرت کی خدمت میں بارہا حاضری کا اتفاق ہوا اور اب نظریں ڈھونڈتی ہیں کہ اس بے نظیر ہستی کی جیسے

Marfat.com

امام ربانی علم کا کھلا فرمایا کرتے تھے کہاں اور کس طرح دیکھوں ۔علم ظاہری کے لحاظ سے آپ کی شانِ محدثیت دنیا پر کھل گئی کہ کامل اڑتیس ۳۸ سال آپ نے علوم دینیہ کی اشاعت و تدریس میں صرف کئے اور کابل، قندھار، بلخ، بخارا، تاشقان، چین، تبت، الہ۔ اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ تک، کے لوگ آپ کے شاگرد بنے بلکہ بالخصوص ترکی و شامی بھی منتفع ہوتے کہ آپ سے مستفید ہو کر دوسروں کو فائدہ علمیہ پہنچانے والوں کی تعداد اس وقت شمار سے بیرون ہے۔ مگر آپ کے علم باطنی کا پورا ادراک بڑی ہستیاں بھی نہ کر سکیں کہ استغنا و فنائیت آپ میں حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ آپ ایک حال میں ہر وقت غرق رہتے تھے جس کا خلاصہ اللہ کا بول بالا ہونے کی تمنا و سعی میں مر مٹنا ہے۔ اور باوجودیکہ آپ قد و قامت میں مختصر اور جثہ میں ضعیف و نحیف تھے مگر آپ کی ہمت اور باطنی قوت اتنی بڑھی ہوئی کہ اٹل پہاڑ کو دھکیل دینا اپنی ہمت کے سامنے کچھ دشوار نہ سمجھتے تھے ۱۳۲۳ھ میں آپ کا سفر حجاز جو آخر کار چھ سالہ مصر و بالٹا کی اسارت اور طرح طرح کی صعوبت و مشقت پر ختم ہوا جس وقت پیش آیا تو بندہ بھی حاضر تھا اور وقار و استقلال کا وہ حیرت بخش منظر دیکھ رہا تھا جو اب دنیا میں دیکھنا نصیب نہ ہو گا۔ چونکہ مرد و عورت یگانہ و بیگانہ ہر شخص کو خیال تھا کہ آپ ہجرت فرما کر ہندوستان چھوڑ رہے ہیں۔ اس لئے جس کو ذرا سا بھی آپ کے ساتھ تعلق محبت تھا وہ اس رخصت کو آخری زیارت سمجھ کر رو رہا تھا۔ گھر آپ کے رشتہ داروں اور کنبہ کی عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ مگر مردانہ ہی سے آپ کو ایک لمحہ کی فرصت نہ تھی کہ گھر میں جا کر صاحب فراش بی بی اور نازک دل لڑکیوں کو الوداع کہیں۔ ریل پر سوار ہونے کا وقت قریب آ گیا اور آپ کو اس مردانہ ازدحام سے مہلت نہ ملی جو کئی ہزار کی تعداد میں جمع اور اضطراب کے ساتھ آپ کی آخری دید کا خواہشمند تھا۔ آخر آپ کے چھوٹے بھائی مولانا محمد حسن صاحب آپ کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہتے ہوئے آپ کو زبردستی گھر میں لائے کہ معصوم بچیوں اور بیمار بیوی کا بھی کوئی حق ہے جو صبح سے منہ دیکھنے کو تڑپ رہی ہیں۔ چنانچہ آپ نے اندر قدم رکھا تو صاحبزادیوں اور

Marfat.com

کُنبہ کی محرم عورتوں نے آپ کو گھیر لیا۔ بندہ اُس وقت دروازے پر کھڑا تھا اور عزیزوں کی اس وقت جو حالت تھی کہ گویا جنازہ گھر سے نکل رہا ہے اس پر میرا کلیجہ نکلا جاتا تھا مگر اللہ رے استقلال حضرتؒ کوہ سکوت بنے ہوئے سب کی آہ وزاری سُنتے رہے اور آخر بی بی اور بچیوں سے جو روتے روتے بیہوش ہوا چاہتی تھیں یہ کہہ کر کہ آخر شور وغل سے نتیجہ کیا؟ اب سوائے اس کے کہ میری کھال میں بھُس کر کے رکھ لیا جاوے کہ آپا زندہ بیٹھا ہے اور مجھ میں کیا رہ گیا۔ آخر کیا ہمیشہ یہیں بیٹھا رہوں گا اور مروں گا نہیں؟ پس صبر کرو اور اس ذات پر نظر رکھو جو تمام عالم کا محافظ و مربی ہے" اپنا دامن چھڑا کر آپ چل دئے اور السلام علیکم کہکر مردانہ میں آ گئے۔ زندگی میں موت کا منظر دیکھتے ہوئے آخری سفر کا یہ استقلال میرے لئے تو اتنا حیرت بخش ہوا کہ دیر تک مبہوت بنا کھڑا رہا مگر آپؒ کے نزدیک ایک چلتی ہوئی معمولی سی بات تھی کہ باہر آتے ہی آپ نے میٹھک کا جس میں عمر گذری تھی قفل لگایا اور کنجی بھائی کو دے کر رومال کمر سے لپیٹا اور ایسی تیز سپاہیانہ چال سے پیدل اسٹیشن کو روانہ ہوئے کہ قوی و تندرست چلنے والے تھک جاتے تھے مدینہ کی تمنا میں حاضرین نے اسٹیشن تک دو روپیہ پر پالکی طے کر لیا تھا اس لئے آپ نے سواری پسند نہ کی اور جس وقت آپ ریل پر پہنچے تو اتنی لاتعداد مخلوق جمع تھی جس کی گنتی نہیں ہو سکتی اس کے بعد جو کچھ طائف اور مصر و مالٹا میں گذرا وہ بزبانِ حال یوں کہتا ہے کہ

قیس و فرہاد کا قصّہ تو سُنا ہنس ہنس کر ۔ اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

مگر جب آپ واپس آئے تو اس مسکراہٹ و ثبات قدم کے ساتھ واپس آئے کہ ہر ادنیٰ سے ادنیٰ کو چھاتی سے لگاتے اور خوش ہو کر باتیں کرتے تھے۔ آپ حقائق کے مشاہدہ میں ہر وقت غرق رہتے اور مخلوق سے غایت درجہ انبساط برتتے مگر جب خالی بیٹھتے تو معلوم ہوتا کہ کسی فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ بندہ حاضر تھا آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا مولوی عاشق الٰہی ایک بات کہوں ؟ ہم نے اپنے بڑوں سے سُنا ہے کہ ہندوستان پہلا ظالم کی زمین کی بیخی کہ دُور کیوں لیا جائے خود ہمارے اضلاع میں بھی

جنازہ کی نماز پڑھانے والا مشکل سے ملتا تھا۔ اور آج علم کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ شہر تو شہر کوئی قصبہ بلکہ شاید کوئی گاؤں بھی ایسا نہ ہو جہاں کوئی مولوی نہ مل جائے اس کے بعد ذرا دوسرا پہلو دیکھو کہ غدر کا زمانہ گذرے کچھ مدت نہیں ہوئی کہ ابھی اُس کے دیکھنے والے بھی زندہ ہیں۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ پھانسی گڑی ہوئی تھی اور ان ناکردہ مظلوموں کا پرا بندھا ہوا تھا جن کو پھانسی کا حکم دیا جا چکا تھا وہ لوگ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ایک نعش کو اتارا جا رہا اور دوسرے زندہ کو چڑھایا جا رہا ہے۔ اس طرح پر موت ان کی نظر کے سامنے تھی اور اُن کو عین الیقین تھا کہ چند منٹ بعد میرا شمار مُردوں میں ہوا چاہتا ہے با ایں ہمہ کوئی ڈھونڈ ھ لا بھی ان کے متعلق ضعفِ ایمان کا یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ کسی نے بھی موت سے ڈر کر اسلام سے انحراف یا تبدیل مذہب کا خیال کیا ہو۔ باوجود قلت علم اور غلبہ جہالت کے اُن کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ مرنا قبول تھا مگر مذہب پر حرف آنا قبول نہ تھا۔ اور آج باایں کثرتِ علم ضعفِ ایمان کا یہ حال ہے کہ ذرا ڈنڈے کے خوف یا دو پیسہ بلکہ دو حرف انگریزی کے عطیہ کی طمع دلا کر جو چاہے کہلوا لو اور جو چاہے کرا لو عجیب بات ہے کہ قلتِ علم کے وقت ایمان میں اتنی قوت اور کثرتِ علم کے زمانہ میں ایمان کی اتنی کمزوری۔ اس کے بعد فرمایا سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک جگہ علامت قیامت بیان کیا علم کا کم ہونا اور دوسری جگہ فرمایا کہ قیامت کے قریب علم زیادہ ہو جائے گا۔ اہل باطن نے بغیر دیکھے نورِ فراست سے تطبیق دی تھی مگر ہم بدنصیبوں نے اُس وقت کو آنکھوں سے دیکھ لیا کہ صورتِ علم کثیر ہوگئی مگر حقیقتِ علم قلیل ہوگئی اور یہ خاص علامت ہے قربِ قیامت کی۔

ایک مرتبہ ایسے ہی فکر سے افاقہ پاکر فرمانے لگے مولوی عاشق الٰہی میں غور کیا کرتا ہوں ابھی چند سال ہوئے چندوں میں اتنی قلت تھی کہ دو دو چار چار پیسے بھی قدم کے ساتھ لیے جاتے تھے اور مدرسین و طلبہ کو چھپر کے سایہ میں بیٹھنا بھی نعمت معلوم ہوتا تھا با ایں ہمہ علماء ایسے تیار ہوتے تھے کہ باید و شاید۔ آج ہم اہلِ ردکھی منہ کھی

کھا کر پڑھنے والوں کی بدولت دین کا ماہتاب چمک رہا ہے۔ اور اب چندوں کا یہ حال ہے کہ ریاستوں سے ہزار ہا روپیہ مقرر اور امراؤ متمول تاجروں سے کثیر کثیر رقمیں آتی ہیں۔ مگر نہ علم میں وہ برکت ہے نہ حال اور عمل میں وہ اخلاص۔ مدارس کو دیکھو تو تعمیرات زائدہ میں ترقی اور عالیشان عمارتوں کی بھرمار۔ طلبہ کو دیکھو تو ہر طرح امراء جیسے باورچی خانے اور اس پر بھی ان کو شکایت اور اعتراض۔ آہ زمانہ ہی پلٹ گیا۔ ظاہرداری ہر جگہ بڑھ گئی اور بطن و اندروں ہر چیز کا جاتا رہا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ پہلے جو نتیجہ پیسوں میں نکلا وہ آج ہزاروں روپیہ میں بھی نہیں نکلتا۔ ذرا سکوت فرما کر خود ارشاد فرمایا کہ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ آتی ہے کہ اس زمانہ میں حلت حرمت کا اہتمام مسلمانوں کے قلوب سے جاتا رہا اور حب مال نے یہ جر لیا کہ روپیہ کمانے کی فکر میں حدود شرعیہ کا تذکرہ بھی لوگوں کو ناگوار گذرنے لگا ہے اس لئے پہلے جو کچھ مدرسوں میں آتا تھا اگرچہ مقدار میں قلیل ہوتا تھا مگر حلال خالص اور محنت و ریاضت کا کمایا ہوا با برکت آتا تھا۔ لہذا اس کے ثمرات بھی شیریں اور با برکت مرتب ہوتے تھے۔ اور آج گو مقدار میں کثیر آتا ہے مگر اس میں اکثر حصہ وہ ہوتا ہے جس میں شریعت کے جواز و عدم جواز کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ لہذا وہ یہاں آکر بھی یا مٹی میں ملائے جانے کے قابل ہوتا ہے اور فضول تعمیرات میں خرچ ہو جاتا ہے یا زوائد امور میں صرف ہو جاتا ہے چھٹ چھٹا کر جو حلال بچتا ہے وہ تعلیم میں صرف ہوتا ہے مگر وہ اقل قلیل ہے لہذا علم مؤثر عمل کا ثمرہ بھی اقل قلیل صدق اللہ العلی العظیم الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات حضرت پیران پیرؒ فرماتے ہیں اے لوگو میں تمہارے مصارف دیکھ کر مداخل کا پتہ چلا لیتا ہوں کہ

۵؎ درس کے لئے راحت کا مکان یا طلبہ کے قیام کی جگہ جس کا نام دار الطلبہ ہے علاوہ اس کے کہ مہمانانِ رسول کا احترام واکرام اور راحت رسانی ہے عمل نگرانی پر قدرت اور تحقیر سے تحفظ کا سبب ہونے کے سبب اصل ضرورت میں داخل ہے ۱۲

Marfat.com

تمہارا پیسہ حرام جگہ صرف ہوا دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ ضرور حرام طریق سے حاصل ہوا تھا لہٰذا مال حرام بود بجائے حرام رفت۔ اور مباح جگہ صرف ہوتا دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ جائز صورت سے کمایا گیا تھا اور اگر خاص اہل اللہ پر یا عین خوشنودی خدا کے مواقع پر خرچ ہوتا دیکھتا ہوں، تو سمجھ لیتا ہوں کہ صرف اباحت ہی نہیں بلکہ طاعت ورضائے حق کے ساتھ حاصل کیا ہوا تھا۔ پس جیسا بیج ویسا درخت اور جیسا تخم ویسا اس کا پھل۔ عوام شکایت تو کرتے ہیں کہ اب علماء ایسے کیوں نہیں جیسے پہلے تھے مگر اس پر غور نہیں کرتے کہ ان کا کمایا ہوا پیسہ جو مدرسوں میں آتا ہے ویسا خالص اور پاک نہیں ہے جیسا ان کے بزرگوں اور اسلاف کا تھا۔ وہ اپنا کسب مال اللہ کی مرضی کے موافق کریں اور اس کو طلبہ کی خورد ونوش بنائیں تو پھر علماء پہلے سے دیندار محتاط اور مخلص اللہ والے خاشع وخاضع تیار ہونے کیا دشوار ہیں۔ الحاصل حقائق علمیہ جن کا مرتبہ کشوف کونیہ سے بدرجہا ارفع واعلیٰ ہے ہر وقت آپ کے قلب پر وارد ہوتے اور موقع موقع پر آپ اس کا اظہار بھی فرماتے رہتے تھے۔ قدرت نے آپ کو اس صدی میں ایک خاص خدمت علم وعمل کے لئے پیدا کیا تھا اس لئے اس وقت سے جبکہ آپ بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے آپ کو شجاعت اور اپنے آقا پر جان نثاری کا مادہ آپ کے قلب میں موجود تھا۔ آپ کو بچپن سے شکار کا شوق تھا۔ مگر نہ اس لئے کہ طرح طرح کے گوشت کا مزہ چکھیں بلکہ اس لئے کہ قوی مسلمان کو ضعیف مسلمان پر فوقیت ہے اور اسلام چاہتا ہے کہ جس صورت سے مسجد کے مُلا ہو کہ نماز کی صف میں دلق پوش مسکین بنے کھڑے ہو اسی طرح میرت وہمت سے شہ سوار سپہ سالار ہو کہ امارت وقیادت کی لوا ہاتھ میں دے دی جائے تو اس کی حرکت دشمنوں کے دل دہلا دے۔ بغاوت تو بڑی چیز ہے اپنی سرکار کے خلاف کا کبھی وسوسہ بھی آپ کو نہیں گذرا مگر آپ کی اس جامعیت کے سبب بدظنوں کو طرح طرح کے خیالات قائم کرنے کا موقع ملا اور ہوا جو کچھ ہوا کہ آپ کے مراتب میں ترقیات ہوئیں اور دنیوی جاہ کے ساتھ آپ کا اخلاص آخر کو اس دنیوی جاہ واقتدار کا بھی سبب ہوا جس نے آپ کے مخالفوں سے بھی آپ کی مدارج کرا دی ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ سہ شنبہ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء

Marfat.com

کہ آپ دنیا سے رخصت ہوئے مگر اس طرح کہ دنیا کے جم غفیر کو اپنا والہ و شیدا بنا کر اور علمی و عملی ایسی یادگار چھوڑ گئے جو عرصہ دراز تک قائم رہے گی۔ وفات کا مادہ تاریخ یہ ہے ع عالم کی موت جان لو عالم کی موت ہے

وصال سے دو دن قبل بندہ حاضر ہوا تو ضعف کی وجہ سے آپ کو کروٹ بدلنا دشوار تھا اور اکثر غشی طاری رہتی تھی مگر جب خادم نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دیتا تو آپ ایسے مستعد ہو جاتے تھے گویا تندرست ہیں۔ میری موجودگی میں عصر کا وقت آیا اور خادم نے آپ کے کان کے قریب منہ لا کر کہا کہ نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور اشارہ کیا کہ بیٹھے نماز دو۔ چنانچہ دو آدمیوں نے آپ کو اٹھا کر بٹھایا اور تیمم کرایا اس کے بعد پلنگ کے نیچے مصلے پر آپ کو کھڑا کر دیا اور آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ اب چھوڑ دو سہارے کی ضرورت نہیں میں مجسم حیرت بنا ہوا دیکھ رہا تھا کہ ضعیف جثہ جس سے پہلو بدلنا دشوار تھا کس ہمت کے ساتھ ظاہری سہارے کے بغیر ایسا چست کھڑا ہے گویا مضبوط سپاہی ہے جس کو پہرہ پر تعینات کیا گیا ہے چونکہ آپ دہلی میں بغرض علاج ٹھہرے ہوئے تھے اس لئے قصر نماز پڑھی اور دوسری رکعت پر جب سلام پھیرا تو بے اختیار گاؤ تکیہ پر سر رکھ دیا اور دیر تک بات یا اشارہ بھی نہ فرما سکے۔ بس وقتی طاقت تھی جو صرف نماز کے ذوق فرض ادا کرنے کے لئے بجلی کی طرح بدن میں جاری ہوتی اور سلام پھیرتے ہی نکل جاتی تھی کہ پھر وہی ضعف دبا لیتا اور آپ کو فرش پر گرا دیتا تھا۔

تو دور و گم شدہ وصال این است بس   گم شدن گم کن کمال این است بس
خشک تار و خشک چوب خشک پوست   از کجا مے آید این آواز دوست

حضرت رحمۃ اللہ علیہ شریف حسین کی شورش میں جب والیئ ہندوستان کے قصد سے چلے تو حضرت شیخ الہند طائف میں تھے اور جب آپ مکہ معظمہ آئے تو معلوم ہوا کہ مولانا خلیل احمد صاحب چلے گئے مگر بانتظار جہاز جدہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں تو آپ اونٹ پر سوار ہو کر جدہ آئے اور محض رخصتی ملاقات کے لئے سنگستان عرب کا وہ زمانہ

قطع کیا جس کو حجاج مجاہدہ سمجھتے ہیں: آخر چند روز قیام فرما کر آپؒ ادھر روانہ ہوئے کہ اسیر مالٹا بن کر بہت کچھ حاصل کرنا مقدر تھا اور حضرتؒ ادھر آئے کہ یثرب کی مٹی میں شامل ہونے سے قبل چند علمی و عملی صدقاتِ جاریات کی تکمیل کرنا باقی رہ گئی تھی اور آخر چھ سال کے اندر عالمِ برزخ میں پھر دونوں حضرات ایک لوا کے نیچے محشور ہوتے کے لیے جمع ہو گئے کہ رنگ جدا جدا تھا مگر مقصود واحد ہے

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت را می شناسم

دارالعلوم دیوبند کے مدرس دوم ہونے کی حیثیت سے مسلم شریف کا سبق حضرتؒ کے پاس خاص التزام سے رہا اور آپ اس کا اتنا اہتمام فرماتے تھے کہ دوپہر کو وقتِ معمول سے پہلے آپ خانقاہ سے مدرسہ میں تشریف لاتے اور نودرہ میں طلبہ کے ساتھ نماز باجماعت پڑھ کر سبق شروع فرما دیتے۔ بارش کے موسم میں پائینچے چڑھا کر خانقاہ سے چلتے اور کبھی ایسا نہ ہوتا کہ معمولی عذر پر مدرسہ تشریف نہ لائیں توضیح تلویح اور ہدایہ اخیرین کے اسباق بھی آپ کے پاس رہتے اور ادب کی کتابیں بھی آپ ہی کے سپرد ہوا کرتی تھیں۔ چھ سالہ مدتِ قیام میں جس قدر طلبہ نے دارالعلوم میں دورۂ حدیث پڑھا وہ سب آپ کے شاگرد ہیں جن میں مشہور یہ ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری مولوی ولایت حسین صاحب دیوارہ ضلع گیا۔ مولانا صدیق احمد صاحب مہاجر مدنی برادر مولانا حسین احمد صاحب۔ مولانا محمد یسین صاحب شیرکوٹی۔ مولوی گل محمد خان صاحب مدرس حال دیوبند اور مولوی انتظار حسین صاحب سہسپوری۔

وہ زمانہ حاجی عابد حسین صاحب دیوبندی کے اہتمام کا تھا اور ممبران کے اضافہ کی آڑ میں کچھ ایسا فتنہ برپا ہوا جس نے اہل مدرسہ کو پریشان کر دیا کہ کچھ اہل شہر بھی مخالفین میں شریک ہو گئے اور اتنا زور دیا گیا کہ یا ہماری خواہش کے موافق ہو ورنہ مدرسہ استبداد کی بدولت بند ہو جائے گا۔ شرپسند بدمعاشوں کی دھمکیاں جدا تھیں اور حکامِ رسی کے نازپرسیت کو مغلوب کرنے کا دعویٰ جدا تھا کہ ہمدردانِ مدرسہ کو یہی اندیشہ تھا مدرسہ آندھی کے جھونکوں سے متزلزل ہو جائے گا۔ مثل مشہور ہے "ملاّ کی دوڑ مسجد" ان روحانی

بھائیوں نے بھی آثرایجی پریشانی وبیکسی کا اظہار بذریعہ تحریر اپنے باپ سے کیا تو دم
سرپرست بھی تھے تو یہ تسلی بخش جواب آیا جو استقامت کا مجسمہ اور شفقت کی تصو
اسی خط کا فوٹو لے کر اعلیٰ کاغذ پر طبع بھی کر دیا گیا ہے کہ جن کو حضرت گنگوہیؒ کی تحر
بجنسہٖ دیکھنے کا شوق ہو وہ زیارت کر سکیں اور یادگار بنا کر پاس رکھ سکیں کہ اب نہ وہ
باقی ہے نہ تحریر کرنے والا قیمت لا رہے از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ برادران مکرم جنا
مولوی محمود حسن صاحب و مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہما بعد سلام مسنون مطالعہ فر
آپ دونوں کے چند خطوط پہنچے جن سے وہاں کا حال معلوم ہو رہا ہے۔ آج مولوی خلیل ا
صاحب کا خط آیا جس سے پریشانی مدرسین کی دریافت ہوئی لہٰذا یہ تحریر ضروری ہوئی م
پیارے دوستو تم کو کیوں اضطراب و پریشانی ہے۔ تم تو من یتوکل علی اللّٰہ فہو حسبہ
پر قانع رہو اور مدرسہ سے آپ کو فقط اتنا تعلق ہے کہ درس دیئے جاؤ۔ اگر مدرسہ
حق تعالیٰ کرا دے گا تم اپنے گھر بیٹھ رہنا۔ اگر مفتوح رہا درس میں مشغول رہنا جو تم
درس کرانا اہل شہر کو منظور نہ ہوگا تو دوسرا باب مفتوح ہو جائے گا۔ تم کس واسطے پریشا
ہوتے ہو۔ خبر بھی مت ہو کہ کیا ہو رہا ہے اپنا کام کیئے جاؤ تمہارے برابر تو کسی کے
دیا نہیں چلتے۔ تم کیوں بے دست دپا اپنے آپ کو لکھتے ہو۔ جس کام کے تم ہو اس
مکرار نہیں۔ اب فقط نزاع یہ ہی ہے کہ اہل شوریٰ کی زیادت ہو تمہارا کیا حرج۔
تم اپنا کام کرو حاجی صاحب مصلحت کا کام کرتے ہیں۔ وہ اپنی تدبیر میں رہیں خو
کچھ ہو ہماری تمہاری مرضی کے موافق ہو یا مخالف۔ اور اہل شوریٰ خود سب اختیا
حاجی صاحب کو دے کر مطمئن ہو گئے تو تم پر کیا بار ہے پس تم جیسے لوگوں سے تر
کا ہونا بے موقع ہے۔ تم کسی امر میں لب کشا مت ہو۔ کوئی پوچھے تو جواب دو کہ ا
کے باب میں ہم سے پوچھو جو ہمارا کام ہے۔ انتظام وغیرہ کو نہ ہم جانیں نہ ہم دخل دیں
اندیشۂ بد معاشاں بھی کیوں کرو۔ اس شعر حضرت شیخ المشائخ قدس سرہٗ کو مدنظر رکھ

قصد ظالم بسوئے کشتن ما — دل مظلوم ما بسوئے خدا
او دریں فکر تا بما چہ کند — ما دریں فکر تا خدا چہ کند

Marfat.com

یہ ان روز ازل مقدر ہو چکا ہے ذرّہ ذرّہ جو واقع ہو گا مدرسہ کے امور میں بھی بس وہ ہی ہو گا اور ہو کر رہے گا خواہ کوئی دفع کرے یا واقع کرے پھر تم کیوں گرشتہ ہوتے ہو۔ ہرچہ از محبوب رسد شیریں بود۔ ہم کون ہیں؟ بے اختیار محض ہیں۔ اگرچہ بظاہر مختار ہیں۔ ہم پر جو گذرے گا وہ عین لطف ہو گا اور جو عالم میں فساد ہو گا وہ عین مصلحت ہو گا خواہ خرابی مدرسہ ہو یا بقا خواہ عزت و تضعیف ہمارا تمہارا ہو خواہ ذلت و عزل۔ تم یہ سب قانع بازیگر کے سانگ سمجھ کر اپنے درس کے شغل میں بسر کرو۔ این و آں کو زید و عمر پر چھوڑو۔ ہر کس بخیال خویش خبطے دارد۔ نہ کوئی مفسد کچھ کر سکے نہ کوئی مصلح کر سکتا ہے سب فاعل مختار کرتا ہے وما تشاءون الا ان یشاء اللہ؂

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ؎ کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد و ھو ارحم الراحمین

بس تمام ہوا قصہ وہاں کی خیر کا مشتاق ہوں بشر ہوں اپنے دوستوں کا دعا گو خیر طلب ہوں۔ تم کو کوئی گزند نہیں مطمئن رہو۔ نہ مدرسہ کہیں جائے۔ ہر شخص کو اپنے اپنے خیال پر نازاں جان کر کالائے بد بریش خاوند کرد اور دم بخود ہو کر ہی لوتق وہی نیوش دچیرے سے محزوش۔ فقط۔ سب عزیزوں کو بعد سلام مسنون یہ ہی مضمون جان بخش بعد سلام مسنون فرما دیں۔ جو دوستان اہل تدبیر ہیں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں بعد سلام مسنون مضمون شکر و رضا ان سے کہہ دیں۔ اور جس کو چاہو سلام کہو۔ بنا دیہ وقت اور یہ شورش اہل فساد عین مصلحت ہے ان کا جس قدر غلغلہ ہو گا اسی قدر مفید ہو گا۔ انجام خیر ہی خیر واسباب و دائم رہے گا۔ رشید احمد؂

مدرسہ آخر اللہ کا کام تھا اور اللہ کی چیز تھی اس لئے آندھیاں خوب خوب چلیں مگر اوپر ہی اوپر زور دکھا کر فنا ہو گئیں۔ اور بگولے شور و غل مچاتے رہے مگر اپنے ہی چکر میں گھوم کر تمام ہو گئے کہ مدرسہ کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ بلکہ شعبان ۱۳۱۰؁ھ میں اہتمام

؂ حضرت گنگوہی کے اس والا نامہ کا فوٹو طبع کرایا گیا تھا جس کی چند کاپیاں موجود ہیں گویا ہو بہو حضرت کی تحریر ہے جن پوتوں کو اپنے دادا کی روشن تحریر دیکھنے کی تمنا ہو وہ جلد طلب کریں قیمت ۸؍ ہے

منشی فضل حق صاحب کے نام تبدیل ہو کر شورش کا پرانا برس کے لئے خاتمہ ہوگیا اور آخر ۱۳۱۱ھ میں منشی صاحب مستعفی ہوئے تو مولانا محمد منیر صاحب مہتمم مقرر ہوئے اور آخر کار ۱۳۱۳ھ میں زمام مدرسہ بانی مدرسہ کے جگر گوشہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے ہاتھ میں آئی جو اس وقت مدرسہ کے مدرس سوم تھے اور اس کی تحریک حضرت نے فرمائی تھی۔

میاں صاحب مولانا سید اصغر حسین دیوبندی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں بزمانۂ اخیر حضرت رحمہ نے مہتمم صاحب مرحوم کے متعلق اپنے اخلاص و محبت کے ذکر میں نہایت وثوق کے ساتھ فرمایا کہ حافظ احمد صاحب رحمہ کے اہتمام کے متعلق حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں سب سے اول میں نے تحریک کی تھی۔ اس وقت تک کسی کو خیال بھی نہ تھا اور فرمایا کہ تحریک ہی کر کے نہیں چھوڑ دی بلکہ حسب موقعہ یاد دہانی اور تائید بھی کرتا رہا۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ حضرت کی بصیرت صادقہ تھی کہ اتنا عمدہ انتخاب فرمایا جس سے دارالعلوم کو اتنی ترقی ہوئی۔ نیز فرمایا کہ بعض لوگوں کی نسبت مجھے معلوم ہوا تھا کہ حضرت گنگوہی کی خدمت میں میری نسبت کچھ پہنچا کر حضرت کے اعتماد و تعلق کو کم کرنا چاہتے ہیں لیکن واقعی امر یہ ہے کہ یہ سب ایسی ہی معمولی سماعی باتیں تھیں۔ یقین کے ساتھ کبھی معلوم نہیں ہوا کہ میری نسبت کسی نے ایسا ارادہ یا معاملہ کیا ہو اور اب الحمد للہ میرے دل میں کسی کی طرف سے کوئی خلش اور شکایت نہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی جو میرے دل میں آئی اور میں پڑھنا چاہتا تھا: ونزعنا ما فی صدورھم من غل۔ (یعنی اہل اللہ کے قلوب سے رنجش باہمی نکل جانے کا مصداق اور وقوع بعض دفعہ دنیا ہی میں ہو جاتا ہے)

حضرت صورت اور سیرت میں اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے بہت مشابہ تھے۔ اسی تحریک اہتمام کے زمانہ میں کسی نے حضرت سے کہا کہ آپ سعی تو کر رہے ہیں مگر حافظ صاحب کے مہتمم ہو جانے کے بعد آپ مدرسہ میں نہیں رہ سکتے کہ وہ آپ کو اس نگاہ سے نہیں دیکھتے جس نگاہ سے ان کے باپ نے آپ کے ماموں کو دیکھا، مگر آپ مسکرا دیئے اور فرمایا کہ میں رہوں یا نہ رہوں مدرسہ ترقی و عروج کے زینہ پر چڑھتا

Marfat.com

رہے کہ میرے لئے دوسرا دروازہ مفتوح ہو جائے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی تنخواہ کی
خاطر مدرسہ کی ترقی کا خیال چھوڑ دوں۔ اس کے بعد کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی
اور آخر آپ نے اپنے کو کامیاب دیکھ لیا کہ مدرسہ کا اہتمام حافظ صاحب کے ہاتھ
سے نہ نکلا یہاں تک کہ ۴ جمادی الاوّل ۱۳۴۷ھ میں خود حافظ صاحب نے دنیا کو چھوڑ دیا
اور حیدرآباد سے واپسی میں کہ مدرسہ ہی کی ضرورت کے لئے سفر کیا تھا اسٹیشن نظام
آباد پر انتقال فرما کر حیدرآباد کے مقبرہ خطۂ صالحین میں دفن ہوئے۔

قدرت کو منظور تھا کہ دونوں نحیف الجثہ قوی القلب حضرات کے فیضان ظاہری
و باطنی کا جدا شیوع ہو اور ہر ایک اپنے اپنے استاد کے لگائے ہوئے باغ کا مستقل
باغبان بنے اس لئے آپ کو دیوبند چھوڑنا پڑا جس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ کے استاد
حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کہ مدرسہ کی روح رواں تھے اور آپ ہی کے نام پر مدرسہ
کا نام مظاہر علوم رکھا گیا ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ کی شب میں بمرض درد گردہ وصال فرما
گئے۔ تو آپ کی جگہ بٹھانے کے لئے مدرس اوّل کی تلاش ہوئی ۱۳۰۳ھ میں مولوی عبد العلی
صاحب کو کہ مدرس دوم تھے قائم مقام مدرس اوّل بنا دیا گیا مگر ۱۳۰۶ھ میں مولانا رخصت
لے کر مرادآباد گئے اور وہاں سے استعفا بھیج دیا۔ تو مولوی احمد علی صاحب میرٹھی جو کہ مدرس
دوم تھے اور مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے صاحبزادے مولانا حبیب الرحمٰن
صاحب جن کا جدید تقرر ہوا تھا ایک درجہ میں رہے کہ مدرس اوّل کسی کے نام پر نہ لکھا
جاتا اور کیفیت میں اندراج نام کے لئے تقدم و تاخر کی بھی رعایت نہ ہوتی تھی۔ [illegible]ھ
میں مولوی احمد علی صاحب کو مدرسہ سے علیحدہ کر دیا گیا اور اب مولانا حبیب الرحمٰن کے
نام پر مدرس اوّل لکھا جانے لگا۔ ربیع الاوّل [illegible]ھ میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب
ایک ماہ کی رخصت لے کر حیدرآباد گئے اور وہیں معقول تنخواہ پر قیام فرما کر سہارنپور
استعفا بھیج دیا۔ تب ممبران مدرسہ نے حضرت گنگوہی کی خدمت میں زور کے ساتھ درخواست
کی کہ مولانا خلیل احمد صاحب دیوبند میں مدرس دوم ہیں یہاں ان کو مدرس اوّل بنا کر
بھیج دیا جائے کہ دونوں مدرسے حضرت ہی کے زیر سرپرستی ہیں۔ چنانچہ حضرت نے

منظور فرما کر مولانا کو لکھدیا اور آپ ۸ جمادی الثانیہ سنہ ۱۴ھ کو خیر و برکات کے مظہر ثانی بن کر مظاہر علوم میں تشریف لے آئے۔ اس وقت مدرسین کی تنخواہیں حسب ذیل تھیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدرس اول چالیس روپیہ مولانا عنایت الٰہی صاحب مہتمم و مدرس بیس روپیہ مولانا ثابت علی صاحب مدرس پندرہ روپیہ مولوی محمد اسلم صاحب مدرس دس روپیہ۔

ہر چند کہ سال کے ختم ہونے میں صرف دو مہینے باقی تھے مگر اس میں بھی آپ کی تعلیمی کاوش کانی سے زائد ہوئی کہ جو کتابیں ناتمام رہ گئی تھیں ان کو ختم کرایا اور چند کتابیں از ابتدا تا آخر پڑھائیں۔ توضیح تلویح از صہ ۱۸۸ تا صہ ۲۴۰ دیوان حماسہ از صہ ۱ تا صہ ۳۲ رشیدیہ از صہ ۳۲ تا ختم شرح وقایہ جلد دوم از صہ ۲۷ تا ختم موطا امام مالک از اول تا کتاب اللقوم موطا امام محمد تمام شرح نخبہ از ابتدا تا صہ ۸۰ اور سراجی از ابتدا تا صہ ۱۹۔

دوسرا سال سنہ ۱۵ھ شروع ہوا تو دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں اور ادب و منطق وغیرہ کے مختلف بڑے اسباق آپ کے سپرد ہوئے اور ختم سال پر آپ کے تعلیمی نقشہ میں کتب ذیل کا اندراج ہوا۔ بخاری شریف تمام۔ ابوداؤد شریف تمام۔ ترمذی شریف تمام مسلم شریف تا صہ ۱۰۲ شرح نخبہ تمام شرح عقائد مع خیالی تمام۔ حسامی تا صہ ۱۴۶ مقامات حریری ۲۵ مقامہ ملا جلال تمام ایضاً دوبارہ تمام سلم العلوم تصورات ملا حسن تمام میر زاہد رسالہ تمام غلام یحییٰ تمام حمداللہ تا صہ ۷۹ مطول تا صہ ۱۱۱ اور تلخیص المفتاح تا صہ ۵۔

قلت تنخواہ کی وجہ سے آپ نے اہل و عیال کو دیوبند ہی میں اپنے پاس بلا لیا تھا کہ علیحدہ رہنے میں گذر مشکل تھا۔ چنانچہ سہارنپور تشریف لائے تو یہاں بھی متعلقین ساتھ آئے۔ دیکھنے کو تو سہارنپور میں پانچ روپیہ آپ کی ترقی ہوئی مگر خرچ اتنا بڑھ گیا کہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے آپ کی تنخواہ خرچ ہو جایا کرتی کہ وطن قریب تھا اور رشتہ داروں کی آمد و رفت بکثرت ہونے لگی۔ ادھر گنگوہ کا قرب ہوا اور آپ کے اپنے ہادی و مرشد کی زیارت کا شوق ہر جمعہ کو حاضری پر مجبور کرنے لگا۔ پھر مروت و سخاوت آپ کے خمیر میں ملی ہوئی تھی اس لئے اس مقدس سفر میں جتنے رفقا آپ کے ساتھ ہوتے ان سب کا کرایہ آپ خود

دینے کی کوشش کیا کرتے۔ سہارنپور چونکہ ضلع تھا گنگوہ وانبہٹہ اور دیوبند کا اس لئے کوئی واقف یا عزیز کسی شہری یا عدالتی ضرورت سے بھی آتا تو آپ گوارا نہ فرماتے کہ سرائے میں ٹھہرے یا بازار سے کھائے۔ پھر ماشاء اللہ کنبہ کثیر اور برادری کا جتھہ بڑا تھا۔ اس لئے تقریبات غمی و شادی میں اپنی اور اہل وعیال کی شرکت کو بھی آپ حسن معاشرت اور صلہ رحمی کے درجہ میں ضروری سمجھتے تھے۔ کہ یہ شیریں تعلقات انجام کار ہدایت و اصلاح کا سبب بنتے ہیں۔ ان تمامی وجوہ سے آپ تنگدست رہے مگر آپ کے استقلال اور توکل نے کسی پریشانی کا کبھی اثر نہ لیا۔ اور یہ فکر تو پاس بھی نہ پھٹکا کہ کہیں دوسری جگہ زیادہ تنخواہ پر جائیں یا کسی ریاست سے وظیفۂ اعانت کے خواہشمند ہوں۔ جب قرض کچھ بڑھا تو جدی ترکہ میں آپ کو جو کچھ ملا تھا اس کا کوئی جُز فروخت کر کے سبکدوشی فرمالی اور اپنے تعلیم کے کام میں اتنے مستعد ہو کر مشغول رہے کہ ماتحت مدرسوں پر بھی اس کا اثر پڑتا اور وقت مقررہ سے حاضری میں ذرا بھی کسی کو دیر ہوتی تو وہ حضرت کو موجود اور پڑھانے میں مشغول دیکھکر خود شرما جایا کرتا تھا۔ وقت کا انضباط اور معمول پر مداومت آپ کے لئے کچھ ایسی طبعی شے بن گئی تھی کہ آندھی ہو یا مینہ، صحت ہو یا مرض، عسر ہو یا یسر کچھ ہی کیوں نہ ہو جو ارادہ آپ کرتے یا وعدہ فرمالیتے جب تک بالکل ہی مجبور نہ ہو جائیں کسی بڑے سے بڑے مانع و مزاحم سے بھی متزلزل نہ ہوتے تھے۔ ایک بار حضرت مولانا تھانوی مدرسہ میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ موضع شیخ پورہ کے ایک مخلص نے حضرت کی مع خدام اور حضرت مولانا تھانوی کے سب کی دعوت کردی جس کو حضرت نے قبول فرمالیا۔ کہ اخلاص اور فقر کی آپ بہت زیادہ رعایت اور قدر فرمایا کرتے تھے۔ دوسرے دن کے لئے ایک سہارنپوری تاجر نے تمام مجمع کو مدعو کیا۔ اور حضرت نے وعدہ فرمالیا کہ بہتر ہے صبح کو انشاء اللہ واپس آجائینگے اور دوپہر کا کھانا تمہارے یہاں کھائیں گے۔ شام کو گاؤں گئے اور شب کو قیام فرمایا۔ صبح کو روانگی کا وقت آیا تو ایسے زور کی بارش کہ چند قدم چلنا مشکل۔ مگر حضرت کے ارادہ میں تزلزل نہ آیا۔ اور ہر چند ہی اہل موضع کا اصرار ہوا کہ ایسی حالت میں حضرت سفر نہ فرمائیں۔ مگر حضرت نے فرمایا نہیں بھئی آج دوپہر کی دعوت فلاں شخص کی قبول کر چکے اور وعدہ ہو

چکا ہے کہ صبح کو آ لیں گے۔ غرض چل دیئے اور خوب بھیگتے ہوئے ٹپری اسٹیشن پر آ کر
ریل میں سوار ہو گئے۔ اسٹیشن سہارنپور پر اتر کر گاڑی میں بیٹھے آ رہے تھے کہ راستہ
میں وہ تاجر ملے اور حضرت نے گاڑی ٹھہرا کر ان کو اطلاع دی کہ ہم لوگ اپنے وعدہ
پر آ گئے ہیں۔ وہ پریشان ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت بارش اتنی زور کی تھی کہ مجھے آپ کے
واپس تشریف لانے کی بالکل امید نہ تھی اس لئے میں نے کچھ سامان نہیں کیا۔ اب کل صبح
کی دعوت ہے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت کا حلم اور میرا غصہ
دیکھنے کے قابل تھا۔ مگر بوجہ ادب کے غصہ ظاہر نہ کر سکتا تھا۔ اور مولانا نے یہ بھی منظور
فرما لیا۔ حالانکہ حضرت خود ہمارے ساتھ واپس آ رہے تھے اور گھر والوں کو اطلاع تھی
کہ آنے والے مجمع کی دعوت ہو چکی ہے۔ مگر آتے ہی حضرت نے کھانے کا انتظام فرمایا۔
اور سارا مجمع تا وقت حضرت کا مہمان ہوا۔ اگلا دن ہوا تو حضرت حسب وعدہ داعی
کے گھر جانے کو تیار ہوئے۔ مگر میں نے کل کے غصہ کی وجہ سے انکار کر دیا اور ظاہری عذر
کیا کہ سویرے بھوک نہیں لگتی۔ اور دیر ہو جانے سے ریل نہ ملے گی اور مجھے کل وطن جانا ضروری ہے
حضرت مزاج شناس تھے اور بات کو سمجھ چکے تھے مگر ساتھ ہی صاحب تدبیر بھی تھے۔ اور ہر
دو مخالف پہلوؤں کو سنبھالا کرتے تھے۔ اس لئے سفارش فرمائی کہ شریک تو ہو جاؤ اگر
رغبت ہوئی تو کھا لینا ورنہ اصرار نہ ہوگا۔ چنانچہ مولانا شریک ہوئے اور تھوڑی
دیر بعد اجازت لے کر بغیر کھائے روانہ ہو گئے۔ مگر صاحب دعوت کو مکان سے
باہر ساتھ لا کر خوب سرزنش کی اور کان کھولے کہ بزرگوں کے حلم و تواضع سے مغرور ہو کر ایسی
نامعقول حرکت پھر نہ کریں۔

ایک مرتبہ حضرت نے میرٹھ تشریف لانے کے لئے وقت مقرر فرما کر خط کے
ذریعہ مجھے اطلاع دی۔ اتفاق سے تمام رات اتنی شدید بارش رہی کہ گھر سے نکلنا مشکل
تھا۔ میں نے اسٹیشن پر حاضری کا قصد کیا تو دوستوں نے احمق بنایا کہ ابر اتنا غلیظ و وسیع
ہے کہ یہ موسلا دھار مینہ سو سو میل سے کم نہیں۔ ایسی حالت میں حضرت کا گھر
سے چلنا وہم میں بھی نہیں آتا۔ بالخصوص جبکہ کوئی شدید ضرورت بھی محرک سفر نہیں

Marfat.com

ہے۔ ہر چند کہ دل میرا بھی مانتا تھا کہ اس حالت میں سفر ہرگز نہ ہوگا۔ مگر بارہا حضرت رحمہ اللہ کے وعدے پہ جانے اور پختگی کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے محض واہمہ پر چل نکلا۔ اور شدت بارش کی وجہ سے کوئی سواری بھی نہ ملی۔ تو پیدل روانہ ہو گیا۔ اسٹیشن پر پہنچتے ہی گاڑی آئی اور حضرت رح نظر آئے کہ کھڑکی سے منہ نکالے جھانک رہے ہیں میں نے اپنی حاضری پر اس وقت حق تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا کیا اور حیران ہو گیا کہ مجھ کو حیران ہو کر اسٹیشن تک آنا مشکل تھا۔ اور حضرت رح باوجود پیری سہارنپور سے سفر کر رہے ہیں اور وقت موعود پر پہنچ رہے ہیں۔ وہم ہو کہ شاید سہارنپور میں بارش کا یہ زور شور نہ ہو۔ مگر حضرت رح نے گاڑی سے اترتے ہی سینہ سے لگا کر فرمایا کہ تو نے کیوں تکلیف کی۔ بارش تو چلتے وقت وہاں اتنی تھی کہ دروازے سے باہر آنا مشکل تھا۔ مگر وعدہ کر چکا تھا۔ خیال ہوا کہ دوستوں کو انتظار کی تکلیف ہوگی اس لئے بند گاڑی کرایہ کی منگا کر اسٹیشن پر آیا اور جوں توں کر کے سوار ہو گیا۔

حافظ قمر الدین صاحب نے اپنی لڑکی کے عقد میں حضرت کو شامل کے لئے مدعو کیا اور حضرت رح نے باوجودیکہ ان دنوں ضعف پیری اور مرض کے سبب چند قدم چلنے سے بھی معذور تھے۔ مگر حافظ صاحب کے ساتھ محبت پدرانہ ہونے کے سبب منظور فرما لیا۔ اتفاق سے ایک دن قبل بذریعہ تار آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے چھوٹے بھائی مولوی رشید احمد جو دہلی میں زیر علاج تھے سخت بیمار ہیں۔ اور آپ کا پہنچنا ضروری ہے۔ اس تار پر آپ فوراً تیار ہو گئے۔ اور شرکت نکاح کے وعدہ کا فوراً انتظام فرمایا کہ اماں جی اپنے بھائی حاجی مقبول احمد کے ساتھ وقت معینہ پر غازی آباد روانہ ہو جائیں۔ دہلی سے جس وقت گنجائش پاؤں گا وقت پر غازی آباد پہنچ لوں گا۔ گاڑی شام کو جانے والی تھی۔ اس لئے آپ نے مدرسہ کے اسباق پڑھائے۔ اور پھر اسٹیشن پر پہنچ کر ریل میں سوار ہو گئے۔ آپ کی روانگی کے بعد دوسرا تار آیا کہ بھائی رشید احمد کا انتقال ہو گیا۔ اور وہ تار بھی آپ کو اسٹیشن پر پہنچا دیا گیا۔ جبکہ آپ ریل میں بیٹھ چکے تھے بھائی کی وفات کا صدمہ اور اس پر یہ فکر مزید کہ بی بی بچے محض علاج کے لئے دہلی آئے ہوئے تھے کس قدر پریشان ہوں گے کہ دفن کفن کا انتظام بھی پردیس میں بیوہ اور یتیموں کو مشکل ہوگا۔ بایں ہمہ آپ وعدہ نہ بھولے اور مزید تاکید فرمائی کہ مقبول احمد سے کہہ دینا کہ اپنی بہن کو

Marfat.com

لے کر وقت پر غازی آباد پہنچ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ حافظ قمرالدین کو پریشانی ہو۔ حزن اور فکر در فکر کے ساتھ یہ حیرانی جدا تھی کہ گاڑی بارہ بجے شب کو دہلی پہنچے گی۔ اور مرحوم کے قیام کی جگہ بھی معلوم نہیں۔ کہ کس مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے موسم بھی سردی کا ہے کہ سب اپنے لحافوں میں مکانات کے اندر پڑے سوتے ہوں گے۔ کسی کو آواز دینا اور پتہ کرنے کے لئے جگانا بھی مشکل۔ مگر آپ کا استقلال ہر جگہ آپ کو تھامتا اور کہتا تھا کہ جیسا بھی کچھ پیش آئے گا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ آپ دہلی پہنچے اور اس کوچہ میں قدم رکھا جس کا نام تار میں لکھا تھا۔ مگر وہاں آدم نہ آدم زاد۔ رات اندھیری اور نہ کوئی دوکان کھلی ہوئی نہ مکان جگہ جگہ گنٹ اور کنکر پڑا ہوا تھا۔ اور آپ تنہا تھے۔ ایک جگہ ٹھوکر کھائی اور گھٹنے میں چوٹ بھی آئی۔ مگر آپ اس خیال میں آگے بڑھتے رہے کہ کوئی نظر آئے۔ تو کچھ اتہ پتہ معلوم ہو۔ دیر کے بعد آپ کو ایک واقف کا مکان نظر آیا۔ اور آپ نے دروازے پر دستک دے کر ان کو جگایا۔ وہ باہر آئے تو حضرت کو کھڑا دیکھا اور کہا کہ بھائی رشید احمد کو تو دفن بھی کر چکے اور ان کی بی بی اور بچیاں علی گڑھ روانہ ہوگئیں۔ یہ سنتے ہی حضرتؒ نے علی گڑھ جانے کا عزم کر لیا۔ اور ہر چند انہوں نے عرض کیا کہ حضرتؒ آرام فرمالیں مگر آپ نے فرمایا کہ وقت بہت کم ہے۔ کل شام کو مجھے ایک عقد میں غازی آباد شریک ہونا ہے۔ اور اس سے قبل بیوہ اور یتیم بچیوں کو دیکھ لینا۔ اس لئے آپ فوراً واپس ہوگئے۔ اور آخر شب میں جانے والی گاڑی سے علی گڑھ روانہ ہو گئے۔ ۱۰ بجے مکان پر پہنچے۔ اور یتیم بھتیجیوں کے سر پر ہاتھ رکھا۔ بیوہ کو تسلی دی اور مرحوم بھائی کے مرض وفات اور انتظام دفن و کفن کے حالات پوچھتے رہے۔ دو گھنٹہ بعد گاڑی غازی آباد واپس آتی تھی۔ اس لئے آپ نے جاتے ہی فرما دیا کہ وعدہ کر چکا ہوں بعد عصر ایک نکاح میں شرکت کا۔ اس لئے اس وقت ٹھہر نہیں سکتا اور ہر چند بچیوں کا اصرار ہوا کہ رات کو چلے جانا۔ مگر آپ اپنے نظام اوقات کو نہ توڑ سکے۔ تمام ضروری انتظامات فرما کر دوبارہ آنے کا وعدہ کرکے وقت سے قبل اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ یہاں آکر معلوم ہوا کوئی میلہ ہے اور سواریوں کی اتنی کثرت ہے کہ سیکنڈ کلاس میں بھی جگہ ملنا ناممکن۔ اس پر بھی آپ نہ گھبرائے اور

Marfat.com

ارادہ میں تذبذب نہ لائے۔ فوراً سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ خرید لیا۔ گاڑی آئی تو درحقیقت کشا کشی کی یہ حالت کہ الامان الامان سیکنڈ کلاس میں بھی گھسنے تک کی جگہ نہیں۔ آخر بدقت تمام آپ اندر پہنچے اور بیت الخلا سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ گاڑی چل کر جب دو اسٹیشن نکل لی تو آپ نے دیکھا کہ مسافر زیادہ اترے اور زیادہ چڑھتا ہے اس لئے گاڑی جب ٹھہری تو آپ اترے اور ڈیوڑھے ۔۔ یہ میں کچھ جگہ پا کر اس میں آ بیٹھے کہ سیکنڈ کلاس میں تنگی کے ساتھ ناجنسوں کی بہت زیادہ کوفت کا سبب تھی۔ وہیں آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی اور عصر سے کچھ بعد آپ غازی آباد پہنچ گئے۔ بندہ بھی چونکہ شریک عقد تھا۔ اور اکثر کو حضرت کی شرکت سے مایوس پا رہا تھا۔ مگر یقین کئے ہوئے تھا کہ کچھ ہی کیوں نہ ہو حضرت جب شرکت کا وعدہ فرما چکے تو اپنی انتہائی کوشش میں حبہ برابر کمی نہ فرمائیں گے۔ اور وقت پر ضرور پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ مغرب کی جماعت کھڑی ہوا چاہتی تھی کہ حضرت رح کا چہرہ مبارک نظر آیا۔ اور بلبلیں اس گلاب پر قربان ہونے لگیں۔

دو چار دس بیس نہیں بلکہ صدہا واقعات ایسے ملیں گے جن میں ہر واقعہ اس کی مستقل شہادت ہے۔ کہ پابندی وقت اور ایفاء وعدہ کا اہتمام آپ کی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا۔ اور کوئی صعوبت کیسی ہی دشوار کیوں نہ ہو آپ کی ہمت اور حوصلہ کو داب نہیں سکتی تھی۔ پھر کیا پوچھنا حاضری مدرسہ اور پابندی اسباق کا جو کہ آپ کا فریضۂ منصب اور سارے کاموں میں اصل تھا۔ کہ اس کی پابندی نے تو تمام ملازمین مدرسہ کو وقت کا پابند بنا دیا تھا۔ اور بغیر اس کے کہ کوئی نگرانی کرے ہر چھوٹا بڑا اپنے وقت پر مدرسہ میں موجود اور خدمت مفوضہ میں مشغول نظر آتا تھا۔ آپ کا غایت مقصود یہ تھا کہ تمامی نصاب سال بھر کا ہر مدرس کے پاس ایسے ماہواری اوسط سے پورا ہو کہ ختم سال پہ نہ کوئی سبق بچے اور نہ آخر سال میں ختم کتاب کی خاطر زیادہ زیادہ سبق ہو کہ پڑھنے والوں کی سمجھ میں بھی نہ آسکے۔ آپ کی تقریر مختصر اور جامع ہوتی تھی۔ صاف اور عام فہم لفظوں میں عبارت کا ترجمہ کرتے اور مطلب سمجھایا کرتے تھے۔ آواز زیادہ اونچی نہ تھی مگر پھر بھی پچاس ساٹھ طلبہ کے دائرہ تک بآسانی پہنچتی تھی۔ مفہوم عبارت سمجھانے

کے بعد آپ طلبہ کو شبہ اور اعتراض کا موقع دیتے اور پھر مسکرا کر اس کا جواب دیا کرتے تھے۔ بات کرتے ہیں آپ کے دہن سے پھول جھڑتے اور تقریر گویا موتیوں کی لڑی ہوتی تھی۔ آخیر عمر میں آپ کی آواز مرتعش ہو گئی تھی۔ مگر تسلسل و حلاوت وہی تھا جو جوانی کے زمانہ میں تھا۔ بڑے درجہ کی پندرہ سولہ ضخیم کتابوں کا ختم سال سے قبل کام کرا دینا آپ کے لئے معمولی بات تھی۔ اور کامل چھ سات گھنٹہ درس دینا اور دماغ و زبان سے مسلسل کام لئے جانا آپ کی عادت بن گیا تھا۔ درس سے فارغ ہو کر آپ فتاوی نویسی میں مشغول ہوتے اور اس کے لئے بھی جو وقت مقرر کر لیا تھا اس میں تخلف نہ ہوتا پھر آئے ہوئے خطوط کے جوابات لکھاتے۔ اور اس کا بھی اس قدر التزام و اہتمام تھا کہ جس خط کا جواب نہ گیا۔ اس کا یقین ہو جاتا تھا کہ پہنچا نہیں۔ بالخصوص جن خطوں میں ٹکٹ رکھا ہوتا اس کا جواب تو جلد سے جلد لکھواتے تھے کہ بار امانت سے سبکدوشی ہو۔ ضروری سے ضروری کام آپ مدرسہ کا وقت ہو جانے پر ملتوی کر دیتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ گھر میں اناج یا آٹا نہیں اور مدرسہ کا وقت آگیا تو آپ مدرسہ میں آجاتے اور منتظر رہتے کہ کوئی دوست آجائے تو اس سے آٹا منگوا کر گھر میں پہنچا دیا جائے۔ ایسا بھی ہوتا کہ کوئی نظر نہ آتا یا آپ مشغولیت میں بھول جاتے اور جب فارغ ہو کر کھانے کا وقت آتا تب آپ کو خیال ہوتا کہ آٹا تو تھا ہی نہیں روٹی کہاں پکی ہو گی۔

سنہ ۱۴ھ سے آخیر سنہ ۴۵ھ تک کا تعلق مظاہر علوم سے رہا اور کامل اکتیس برس آپ نے ایک جگہ بیٹھ کر علوم دینیہ کی خدمت تدریس میں صرف کئے کہ ۲۹۱ طلبہ فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ سے سند لے کر رخصت ہوئے۔ جو ہندوستان کے تمام اطراف میں اور حجاز و یمن تک پھیلے کہ بحر خلیل کی انہار جاریہ بن کر ملکی خشک زمین کو سیراب کریں۔ اور قیامت تک یہ سلسلہ کہ ایک ایک مستفید سو سو کو عالم بنا کر آبیاری ارض یابس کے قابل بنائے۔ اس بے شمار اور ان گنت تعداد میں پہنچ گئے ہیں جس کا علم بس اللہ ہی کو ہو سکتا ہے۔ اور وہ سب کارنامے حضرتؒ ہی کے نامۂ اعمال میں درج ہوتے رہیں گے۔ والباقیات الصالحات خیر عند ربک ثوابا و خیر املا۔

۱۲۸۹ھ سے ۱۳۱۴ھ تک منگلور، بھوپال، بہاولپور، سکندرآباد، بریلی اور دیوبند کی پچیس سال تک تدریس علوم و نفع رسانی خلق کو تھوڑی دیر کے لیے علیحدہ رکھا جائے تو صرف مدرسہ مظاہر علوم کے صدقات جاریات آپ کے اتنے کثیر در کثیر ہیں کہ ان کی نظیر اس صدی میں بمشکل ملے گی۔ اور ایک ایسے شخص کے لئے جو اس کا سچا طالب ہو کہ بندے کو دنیا میں آکر کیا کرنا چاہیئے۔ آپ کی سوانح بتائے گی کہ بس اس تعلیم کی اشاعت میں ہر مٹنا چاہیئے جو خالق جل شانہ کی طرف سے سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم تک پہنچی اور اسی کی خدمت میں ہر سانس گزارنا چاہئیں۔ جو لمحات مہلت بناکر مولیٰ کریم کی طرف سے ہم کو عطا ہوئے ہیں۔ کہ یہی ہر وقت کا شغل ناز اور فخر کے قابل ہے ؎

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است ‏ ‏ افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ‏ ‏ کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اور باوجود دینی خدمات میں فنا ہو جانے کے کبھی اس کا وسوسہ بھی نہ آیا کہ آخرت کا ذخیرہ کچھ جمع ہو گیا۔ جب فرمایا بچشم نم ہو کر یہی فرمایا کہ دوستوں کے حسن ظن پر جی رہا ہوں کہ شاید کسی کے طفیل مغفرت ہو جائے اور حق تعالیٰ اپنے صلحاء کے حسن ظن کی لاج رکھ لے ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنم ‏ ‏ منت شناس ازو کہ بخدمت بگذاشتت

ایک مدرسہ کی تاریخ کا پہلا ورق تھا کہ مولانا سعادت علی صاحب فقیہ سہارنپوری کے قلب میں دینی مدرسہ جاری کرنے کا خیال ہوا۔ اور یکم رجب کو محلہ قاضی میں آپ نے اس کی بنیاد رکھی۔ مولوی سخاوت علی صاحب انبہٹوی کو تیرہ روپیہ ماہوار پہ مدرس بناکر بٹھا دیا۔ اور مولوی عنایت الٰہی صاحب و حافظ قمر الدین صاحب کو کہ مولانا سعادت علی صاحب سے عربی پہلے سے پڑھا کرتے تھے۔ مدرسہ کا ابتدائی طالب علم بنایا۔ چونکہ مولوی سخاوت علی صاحب نے نحو میر شروع کرائی اور خود مولانا نے بلا تنخواہ مدرسہ کی سرخدمت کو تنہا انجام دیا۔ پھر مولانا احمد علی صاحب نے معاونت فرمائی اور تین ماہ

Marfat.com

لغہ تو ان ۱۳۸۳ھ میں مولانا محمد مظہر صاحب صدر مدرس مقرر ہوئے۔ تو مولوی سخاوت علی صاحب مدرس دوم ہو گئے۔ اس ابتدائی سرنامہ کو دیکھئے اور ایک اس وقت کو جبکہ حضرت رح نے سفر حجاز کے لئے ڈیڑھ سال کی رخصت لی اور مدرسہ کو اپنے تلامذہ خدام کے حوالے فرما کر ۱۰ شوال ۱۲۹۴ھ کو عرب سدھارے کہ مالی اور علمی ترقیات میں اس عروج پر پہنچ چکا تھا۔ جس نے ابتدائی زمانہ کو الیسا بنا دیا تھا جیسے یوسف علیہ السلام کے شاہ مصر بن جانے کے زمانہ میں آپ کے کنعان سے نکل کر بازار مصر میں آنے کا وقت کہ پہلا زمانہ دیکھنے والا اگر اس حالت کو اچانک دیکھے تو برادران یوسفؑ کی طرح یہ بھی نہ سمجھے کہ ہم جس کا نظارہ کر رہے ہیں اس سے کچھ سابق تعارف ہے یا نہیں۔ اس درمیان میں مدرسہ کو مختلف حوادث و انقلابات پیش آئے جن کا پیش آنا دنیا میں آنے والی ہر چیز کے لئے ضروری ہے اور جن کے مفصل حالات مدرسہ کی سالانہ کیفیت میں درج ہیں جو اب تک مدرسہ کی یادگار بنی ہوئی رکھی ہیں۔ مگر بحمداللہ...... وہ عروج جو حضرت کے ہاتھوں مدرسہ کے لئے روز اول ہی مقدر ہو چکا تھا۔ کسی حال ہبوط پذیر نہ ہوا اور ایسی علمی اسلامی یادگار بن کر صفحۂ ہستی پر موجود ہے۔ جس کو بعض امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت دنیا میں بے نظیر کہنا بے موقع نہیں کہ علمی افادہ کے ساتھ اب تک طلبہ[1] کے عملی حالات پر بھی اہتمام کے ساتھ نظر رہتی ہے اور تمامی[2] موجودہ مدرسین حضرت ہی کے تلامذہ و مریدین ہیں۔ اور ان کی مخلصانہ و متوکلانہ معیشت اس وقت نمونۂ سلاف ہے۔ کہ قلیل تنخواہ پر اس اہتمام و شوق کے ساتھ خدمات مفوضہ انجام دیتے ہیں۔ جو دوسری جگہ کثیر تنخواہیں لینے والے بھی انجام نہیں دیتے۔ کیونکہ دیکھ چکے ہیں کہ انکے پیشوا نے تنگئ معاش کی مختلف صعوبتیں اٹھائیں۔ مگر قرض لینا بھی گوارا نہ کیا۔ جو اثر پڑا وہ آپ کے بطن وجسد پر پڑا۔ مگر مدرسہ سے ایک وقت غیر حاضر رہنا یا ایک سبق پر بھی فاقہ کے ضعف و اضمحلال کا اثر ڈالنا آپ کو پسند نہ آیا۔ بڑے بڑے زلزلوں میں بھی آپ

---

[2] بجز ایک مدرس ابتدائی شعبہ کے کہ ان کو تلمذ بہت حاصل نہیں گو محبت و عقیدت مثل تلامذہ ہے ۱۲

مدرسہ سے نہ اٹھے اور اپنے نفس یا اہل وعیال کی خوش عیشی کی خاطر آپ نے محلہ سے بھی باہر قدم نہیں نکالا۔ ہاں مدرسہ کی خاطر آپ نے نہ گرمی دیکھی نہ سردی نہ ضعف پیری کا خیال کیا نہ رمضان کی تعطیل اور روزوں کی دشواری کا۔ نہ ریل کے سفر سے گھبرائے نہ جہاز کے سفر سے۔ راندیر۔ بمبئی۔ رنگون۔ بہاولپور اور ریاست جونا گڑھ جیسے مقامات بعیدہ مدرسہ کو نفع پہنچنے کی طمع پر آپ کے لئے اس بڑھاپے کے زمانہ میں ایسے تھے جیسے سہارنپور سے انبہٹہ یا دیوبند۔ سنہ ۱۳۱۳ھ تک کامل سولہ برس آپ کو گذرے کہ آپ کی تنخواہ میں ایک روپیہ کی بھی ترقی نہیں ہوئی ہاں جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۲۳ھ میں جب تمام ملازمین مدرسہ کو ترقیاں دی گئیں تو آپ کی تنخواہ میں بھی دس روپیہ کا اضافہ کر دیا گیا جس کو آپ نے با دل ناخواستہ قبول کیا اور فرماتے رہے کہ چالیس روپیہ ہی کے قابل کام کرنا مشکل ہے۔ اب پچاس روپیہ کے قابل کام کس طرح انجام دوں۔

سنہ ۱۳۲۵ھ سے چونکہ حضرتؒ پر تنہا مدرسہ کا بار پڑ گیا اور مدرسہ ہی کے ساتھ آپ کو گویا عشق تھا اپنی ضروریات کے لئے آپ کو اسفار پر مجبور کرنے لگا تھا اس لئے دو متضاد خدمتوں کا بیک وقت انجام دینا آپ کو دشوار ہوا ہر چند آپ نے کوشش کی کہ اسفار سے واپس آ کر اسباق مافات کی تلافی کر دوں مگر وقت میں ربڑ کی خاصیت نہیں ہے کہ بڑھانے سے بڑھ سکے اس لئے آپ قادر نہ ہوئے۔ جمادی الثانیہ میں آپ نے دیکھا کہ سالانہ امتحان کا صرف ایک مہینہ باقی ہے اور دورہ کی کتابیں سب ناتمام ہیں ادھر اسفار کی وجہ سے آپ کی طبیعت بھی ناساز ہو گئی کہ ہمت بھی فرما دیں تو پورا نہیں کر سکتے اس لئے آپ نے گنگوہ سے مولوی محمد یحییٰ صاحب کو بلوایا کہ قائم مقام بن کر ناتمام کتابیں ختم کرا دیں۔ چنانچہ رجب سنہ ۱۳۲۶ھ میں مولانا آئے اور ۸ روز میں کتابیں باحسن وجوہ ختم کرا کر واپس تشریف لے گئے سنہ ۱۳۲۷ھ میں بھی یہی صورت پیش آئی اور مولانا ممدوح نے کہ بارگاہ گنگوہ کے پیش کار رہنے کے وقت سے حضرتؒ کے خاص محبوب اور لاڈلے تھے ناتمام کتابوں کی تکمیل کرائی اور حضرتؒ کی تنخواہ باضابطہ وضع ہونے دی۔ آخر حضرتؒ نے دیکھا کہ اسفار کی ضرورت روز افزوں ہے اور

Marfat.com

بار بار اس عارضی نظم کا اہتمام دشواری سے خالی نہیں لہٰذا مولانا کو مجبور کیا کہ مدرسہ میں مستقل قیام کریں اور دورہ کے اسباق قبول فرمائیں۔ چنانچہ مولانا کو حضرت کے حکم کی تعمیل کرنا پڑی اور جمادی الاول ۱۳۲۰ھ میں مستقل قیام فرما کر حضرتؒ کو راحت پہنچائی کہ جس وقت بھی جہاں جانے کی ضرورت ہو حضرت آزادی کے ساتھ جائیں اور اپنے متعلقہ اسباق کے ساتھ حضرتؒ کے اسباق بھی مولانا پڑھائیں۔ مگر مولانا کی شرط یہ تھی کہ تنخواہ نہ لوں گا چنانچہ ہر چند ہی سرپرستان مدرسہ کا اصرار ہوا مگر آپ نے اس کو منظور نہ کیا۔ ہاں جب حضرتؒ سفر میں جاتے اور قائم مقام بن کر حضرت کے اسباق پڑھاتے تو وہ تنخواہ وصول فرماتے اور مکان پر جا کر اماں جی کے حوالے کر آتے تھے چنانچہ حضرت کا چوتھا سفر حج جو بمعیت مولانا شاہ زاہد حسین صاحب رئیس بہٹ ۱۳۲۸ھ میں ہوا وہ اسی صورت سے ہوا کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے پانچ مہینے قائم مقام بن کر حضرتؒ کے اسباق پڑھائے اور ہر مہینہ تنخواہ وصول کر کے اماں جی کو پہنچاتے رہے کہ وہ اس سفر حج میں حضرتؒ کے ہمراہ نہ تھیں یہی وجہ ہے کہ تمام سال کی تنخواہ کیفیت میں حضرت کے نام درج ہے اور حضرت بلا تردد یہ تنخواہ لیتے رہے ورنہ اصالتاً مولانا محمد یحییٰ صاحب نے خدمت درس پر کبھی ایک حبہ بھی نہیں لیا اور یہ ان کی مخصوص اور امتیازی شان تھی۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے اور حضرت گنگوہیؒ سے نسبت رکھنے والوں میں شاید کوئی ایسا ہو جو مولانا سے واقف نہ ہو۔ ان کا تاریخی نام بلند اختر تھا اور وطن اصلی کاندھلہ ضلع مظفر نگر۔ ان کے والد مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ دہلی کے آخری بادشاہ ظفر کے سمدھیانہ میں بچوں کی تعلیم پر ملازم تھے جو غدر کے بعد شاہ نظام الدین میں رہتے اور اس تقریب سے مولانا بھی وہیں مقیم تھے۔ مولانا کا جدی نسب حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب سے اور مولوی مظفر حسین صاحب سے چھٹی پشت مولوی محمد فیض پر اس طرح جا ملا ہے کہ مولوی محمد یحییٰ بن محمد اسمٰعیل بن غلام حسین بن حکیم کریم بخش بن حکیم غلام محی الدین بن مولوی محمد ساجد بن مولوی محمد فیض بن مولوی

Marfat.com

محمد شریف بن مولوی محمد اشرف بن جمال محمد شاہ [illegible] بن بابر

بن شہاب الدین بن شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل بن شیخ قطب شاہ۔

مولانا کی والدہ بی بی صفیہ بنت مولوی ضیاء الحسن بن مولوی نور الحسن بن مولوی ابو الحسن بن مفتی الٰہی بخش بن شیخ الاسلام وہ حافظ قرآن بزرگ تھیں جن کے حیرت انگیز معمولات یومیہ پہلے درج کر چکا ہوں کہ مولانا مظفر حسین بن مولانا محمود بخش بن شیخ الاسلام کی نواسی اور امی مرحومہ کی بیٹی تھیں۔ مولوی محمد یحییٰ صاحب فطرتاً ذہین و ذکی اور طبعاً اور لطیف المزاج پیدا ہوئے تھے۔ ان کی والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ میرے دودھ کم تھا اس لئے یحییٰ کو مرضعہ نے دودھ پلایا مگر حالت یہ تھی کہ اس کے کپڑے اگر میلے ہوتے تو یحییٰ رویا کرتا اور دودھ نہ پیتا تاوقتیکہ وہ نہا کر کپڑے نہ بدل لیتی۔ آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور اس کے بعد چھ مہینے تک مسلسل اپنے والد کی طرف سے مامور رہے کہ جب تک قرآن مجید پورا حفظ نہ پڑھ لو گے روٹی نہ ملے گی نان ختم کے بعد تمام دن چھٹی۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں عموماً ظہر سے قبل پورا کلام مجید ختم کر لیا کرتا اور پھر کھانا کھا کر چھٹی کے وقت میں اپنے شوق سے فارسی پڑھا کرتا تھا۔ حفظ قرآن کے زمانہ میں بھی آپ نے باپ سے پوشیدہ فارسی کے بہت سے دواوین و قصص از خود دیکھ لئے تھے اور باوجود اس کے حفظ قرآن کے سبق پر اثر نہیں آنے دیا۔ چھ مہینے گذرنے پر باپ نے عربی شروع کرائی اور خود ہی پڑھائی آپ کے والد اکابر اہل اللہ میں سے تھے وظائف کے زیادہ پابند اور تہجد کا خاص اہتمام فرمانے والے اس لئے مولانا کو اور آپ کے بڑے بھائی مولوی محمد صاحب کو تو اکثر طویل نفلیں پڑھتے مگر مولوی یحییٰ صاحب چند مختصر نوافل پڑھ کر کتاب دیکھنے میں لگ جاتے کہ طبیعت اس پر مجبول تھی مولانا فرمایا کرتے تھے کہ والد صاحب کو وظیفے اوراد کا خاص اہتمام تھا اور ہم پر بھی اصرار تھا کہ پابندی کریں مگر مجھے علم کی دھن تھی اس لئے بغیر وضو کرتا ہوا بھی فارسی اور عربی کی عبارت یاد کیا کرتا تھا اور جب طلب [illegible] کو سنتے تو ملامت کے طور پر فرمایا کرتے تھے خوب دشمن کی دعائیں پڑھی

جاری ہیں شرم کی بات ہے۔

مولانا محمد یحیٰ صاحب کی علمی استعداد اور علوم نقلیہ کے ساتھ فنون عقلیہ کی مہارت تامہ اس نو عمری میں مسلم و مشہور ہونے کے ساتھ علماء عصر میں حیرت کی نظروں سے دیکھی گئی کہ بڑوں بڑوں کو مولانا سے علمی مکالمہ کرنے میں تحیر تھا مگر اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اکثر کتابیں آپ نے خود دیکھی ہیں اور استاد سے بہت ہی کم پڑھی ہیں عربی ادب میں آپ کو اتنی مہارت تھی کہ نثر اور نظم دونوں بے تکلف لکھتے مگر یوں فرمایا کرتے تھے کہ تمام ادب میں استاد سے میں نے صرف مقامات حریری کے ۹ مقامے پڑھے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ استاد نے کہہ دیا تھا میرے مکان کو آتے جاتے راستہ میں پڑھ لیا کرو اس لئے میں ساتھ جاتا اور راستہ میں پڑھا کرتا اور اکثر جگہ استاد فرما دیا کرتے کہ اس لفظ کے معنی مجھے معلوم نہیں خود دیکھ لینا۔ یہ ادب کے استاد شیخ الہند کے بھائی حکیم مولانا محمد حسن صاحب دیوبندی تھے اور اس لئے آپ ان کا ہمیشہ احترام بھی بہت کرتے اور استاد کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ محض اسی کی خاطر مولانا کا چند روز دیوبند قیام رہا کہ نصف مقامہ یا کچھ زیادہ روانہ ہو جایا کرتا۔ ۹ مقامے پڑھکر آپ وہاں سے کاندھلہ آگئے اور وطن کے مدرسہ عربیہ میں مولوی ید اللہ صاحب سنبھلی سے کہ معقولات میں مشہور تھے منطق کا سبق شروع کر دیا مگر وہ علم ادب سے ناواقف تھے اس لئے ایک گھنٹہ مولوی محمد یحیٰ صاحب ان سے حمد اللہ پڑھا کرتے اور ایک گھنٹہ مولوی ید اللہ صاحب آپ سے مقامات حریری پڑھا کرتے تھے۔

فرماتے تھے کہ حمد اللہ میں نے ۱۸ دن میں پڑھا کہ ظہر کے بعد اس کا سبق ہوتا تھا۔ اس لئے صبح ہی میں حمد اللہ اور اس کے حواشی لے کر مطالعہ دیکھنے کو نانی اماں کی چھت پر جا بیٹھتا اور ۱۲ بجے اتر کر روٹی کھایا کرتا تھا۔ بسا اوقات حمد اللہ کے سبق میں استاد سے بحث ہو جاتی کہ میں جو مطلب سمجھا ہوتا وہ اس کو غلط بتاتے اور دوسرے عنوان سے تقریر فرماتے تھے۔ میں کہہ دیا کرتا تھا کہ مطلب تو یہی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں مگر گفتگو مقامات کے گھنٹہ میں کرونگا ورنہ میرا سبق ناقص رہ جائے گا۔ آپ فرمایا کرتے

Marfat.com

تھے کہ سُلّم مجھے ازبر یاد تھی اور تسبیح نے کہ میں نے اس کی عبارت کو از اوّل تا آخر دو دو سو مرتبہ پڑھا ہے۔

ابھی وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے دیکھا ہے کہ ادب کی اکثر درسی کتابیں مولانا محمد یحیٰ نے محض اپنے حافظہ سے لکھ کر طلبہ کو دے دیں اور چلتے پھرتے نہایت بے پروائی کے ساتھ پڑھائی ہیں چنانچہ نفحۃ الیمن متنبی اور حماسہ تمام ان کے لکھے ہوئے اب بھی موجود ہیں منطق اور ادب کے علاوہ باقی کتابیں آپ نے دہلی میں مدرسہ حسین بخش میں پڑھیں مگر حدیث پڑھنے کا خیال دل سے نکال دیا تھا کیونکہ یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ دہلی میں حدیث پڑھنے سے آدمی غیر مقلد ہو جاتا ہے فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائی مولوی محمد صاحبؒ نے چونکہ حدیث گنگوہ میں پڑھی تھی اسلئے میں حضرتؒ کا معتقد تھا اور میں نے ٹھان لی تھی کہ حدیث پڑھونگا تو گنگوہ میں پڑھونگا ورنہ نہیں پڑھوں گا مگر زمانہ وہ تھا کہ حضرت امام ربانی کی آنکھ میں نزول ماء شروع ہو چکا اور حضرتؒ نے دورہ کا درس بند فرما دیا تھا۔ یہاں امتحان کا وقت قریب آیا تو اہل مدرسہ نے مولوی محمد یحیٰ صاحب کا نام بھی بخاری شریف کے امتحان میں لکھ دیا حالانکہ آپ نے اس کا ایک سبق بھی نہیں پڑھا تھا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اہل مدرسہ نے والد صاحب پر زور دیا تو انہوں نے فرمایا یحیٰ کیا حرج ہے ابھی پانچ مہینے باقی ہیں اس میں پڑھ لو۔ چنانچہ وہ پانچ مہینے میں نے نظام الدین کے حجرہ میں اس طرح گذارے ہیں کہ خود مسجد کے رہنے والوں کو معلوم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں بجز ان دو لڑکوں کے جن کے ذمہ میری روٹی اور وضو کے لئے پانی لانا مقرر تھا۔ چنانچہ اسی دوران میں کاندھلہ سے میری نکاح کی طلبی کا تار آیا تو لوگوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مکتوب الیہ عرصہ سے یہاں نہیں ہے اور نہ معلوم کہاں چلا گیا۔ جب ان طلبہ کو خبر ہوئی تو مجھے بھی تار کی اطلاع ہوئی۔ غرض اس دوران میں میں نے بخاری شریف سیرۃ ابن ہشام طحاوی ہدایہ اور فتح القدیر بالاستیعاب اس اہتمام سے دیکھی ہیں کہ مجھے خود حیرت ہے۔ اتفاق سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ممتحن تجویز ہوئے اور تشریف لائے تو میرے جوابات دیکھ کر یہ لفظ فرمائے کہ ایسے جوابات مدرس بھی نہیں لکھ سکتا، اور اسی بنا پر حضرتؒ نے جب گنگوہ حاضر ہوئے تو امام ربانی سے

Marfat.com

سفارش فرمائی کہ ایک مرتبہ دورہ میری خاطر مولوی یحییٰ کو اور پڑھا دیجئے کہ ایسا شاگرد حضرت کو نہ ملا ہوگا۔ چنانچہ حضرت نے وعدہ فرما لیا اور اب حضرت کا وہ آخری دورہ ہوا جس کو آخری دور کا آخری منظر کہا جاتا ہے اور مولوی یحییٰ کے طفیل ایک کثیر جماعت جو مایوس ہو چکی تھی اس آخری بہار کے دیکھنے کو پھر گنگوہ میں جمع ہو گئی مولوی محمد یحییٰ صاحب کا دوبارہ دورہ پڑھنے کے لئے گنگوہ آنا گویا حضرت کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کر کے آنا تھا کہ بارہ برس تک جانے کا نام نہ لیا حتیٰ کہ امام ربانی دنیا سے سدھار گئے۔ اور وہ بہار ہی ختم ہو گئی جس نے دنیا کو قرونِ اولیٰ کا منظر دوبارہ دکھانے کے لئے اپنی طرف کھینچا تھا۔ آپ کا قیام لال مسجد کے حجرہ میں ہوا اور آخر تک وہ حجرہ آپ کے پاس رہا۔

مولانا فرمایا کرتے تھے کہ دورہ میں میری ایک حدیث بھی کبھی نہیں چھوٹی گاؤں قریب تھا مگر میں خود جانے کا نام تو کیا لیتا والدہ کے اصرار پر حضرت مجھے خود امر فرماتے تو سبق کے حرج کا عذر کر دیا کرتا تھا۔ عید کے موقع پر حضرت نے یہ وعدہ فرمایا کہ سبق میں تمہارا انتظار کیا جائے گا اور مجھے حکم دیا کہ تمہاری والدہ کا بار بار تقاضا ہے جاؤ گھر ہو آؤ تو میں کاندھلہ گیا اور فوراً واپس آ گیا۔ جو صاحب قراءت کیا کرتے تھے ترمذی کا ایک باب چھوڑ کر دوسرے باب سے پڑھنے لگے۔ ہر چند میں نے اور دیگر شرکائے سبق نے اصرار کیا کہ ایک باب چھوٹ گیا مگر وہ یہی کہتے رہے کہ نہیں وہ ہو چکا۔ چند روز بعد جب دوسری مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ کاندھلہ ہو آؤ تو میری زبان سے نکلا کہ حضرت پہلی ہی مرتبہ کا قلق ہے کہ ایک باب چھوٹ گیا۔ حضرت نے فرمایا اچھا کل اس کو پڑھائیں گے۔ چنانچہ دوسرے روز وہ باب پڑھایا اور اتنی طویل تقریر فرمائی کہ حد نہیں۔ اس دن کا قاری کچھ ایسا مدہوش تھا کہ سبق کم ہونے پر اس کو غصہ آیا اور جب تقریر تمام ہو چکی تو میری طرف مخاطب ہو کر کہا کوئی اور حدیث رہ گئی ہو تو وہ بھی پڑھ لو۔ میں اور حضرت قدس سرہ دونوں چپ کہ زبان سے کچھ نہ فرمایا مگر غصہ کی وجہ سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ سنا ہے کہ یہ طالب علم کچھ ہی مدت بعد باؤلا ہو گیا اور عقل

جاتی رہی اعوذ باللہ من غضب اللّٰہ و غضب رسولہ و غضب اولیائہ فقط

آہ مولوی محمد یحییٰ مرحوم میرے محسن اور مخلص دوست تھے جن کے کمالات محققیہ اور حالات سبقیہ بیان کرنے کو مستقل تالیف کی ضرورت ہے آخر کوئی بھید تھے کہ امام ربانی کو اولاد سے زیادہ پیارے ہوئے کہ حضرتؒ انکو بڑھاپے کی لاٹھی اور نابینا کی آنکھیں فرمایا کرتے اور کسی ضرورت سے وہ چند منٹ کے لئے اِدھر اُدھر ہو جاتے تو امام ربانی بےچین اور بیکل ہو جایا کرتے تھے بارہ برس کامل اس لاڈ اور پیار میں گذرے کہ کوئی اس کی نظیر بیان نہیں کرسکتا حتّٰی کہ امام ربانی کا وصال ہو گیا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے جن کی دُوربین بصیرت بارہ برس پہلے سمجھ چکی تھی کہ مولوی یحییٰ کوئی بھید ہیں گنگوہ جا کر وہ عمامہ جو آپ کو مرشد العرب والعجم کے دست مبارک سے عطا ہوا اور اصل بیچوں پر سیا ہوا اب تک محفوظ رکھا ہوا تھا یہ کہتے ہوئے اپنے دست مُبارک سے مولوی یحییٰ کے سر پر رکھدیا کہ اس کے مستحق تم ہو اور میں آج تک اس کا محافظ و امین تھا۔ الحمد للہ کہ آج حق کو حقدار کے حوالہ کر کے بار امانت سے سبکدوش ہوتا ہوں اور تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی طالب آئے تو اس کو سلاسل اربعہ میں بیعت کرنا اور اللہ کا نام بتانا۔

مولوی محمد یحییٰ صاحبؒ بھی خود صاحب بصیرت تھے اور بارہ برس امام ربانی کے پیش کار بن کر گذار چکے تھے کہ سب ہی چھوٹے بڑے اسی دربار میں آتے اور حاضری دیا کرتے تھے مگر شروع سے ان کے قلب میں حضرتؒ کی ایک خاص عظمت تھی اور اُس وقت بھی جبکہ گنگوہ کا دربار قائم ہونے کے سبب کسی کو وہم بھی نہ تھا کہ چند روز بعد ہر مجاز کا دربار جُدا قائم ہوگا فرمایا کرتے تھے کہ مولانا خلیل احمد صاحب سے تعلق رکھنے والا کبھی محروم نہیں رہ سکتا اور مولانا کی ایک شان خاص ہے جو بیان میں نہیں آسکتی یہی سبب ہے کہ آپنے جس مخلص کو بھی امام ربانی کے بعد انہوں نے مشورہ دیا یہی دیا کہ حضرتؒ کی طرف رجوع کرو۔ اور جس دوست کی خیر خواہی پر مٹے اس کو مجبور کیا کہ حضرت سے بیعت ہو اور آستانہ خلیلیہ سے نہ ہٹو کہ یہاں سے محروم جانے والا

کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ایک مرتبہ میری درخواست پر رمضان میں قرآن شریف سنانے کے لئے میرٹھ تشریف لائے تو میں نے دیکھا دن بھر میں چلتے پھرتے پورا قرآن مجید ختم فرما لیتے اور افطار کا وقت ہوتا تو اُن کی زبان پر قل اعوذ برب الناس ہوتی تھی۔ ریل سے اُترتے تو عشا کا وقت ہو لیا تھا۔ ہمیشہ باوضو رہنے کی عادت تھی اس لئے مسجد میں قدم رکھتے ہی مصلے پر آ گئے اور تین گھنٹے میں دس پارے ایسے صاف اور رواں پڑھے کہ نہ کہیں لکنت تھی نہ متشابہ گویا قرآن شریف سامنے کھلا رکھا ہے اور با طمینان پڑھ رہے ہیں تیسرے دن ختم فرما کر روانہ ہو گئے کہ نہ دَور کی ضرورت تھی نہ سامع کی۔ یہ بھی مولانا کی خصوصی شان تھی کہ بالاصالت کبھی تنخواہ نہیں لی اور کبھی درس پر کسی قسم کا معاوضہ گوارا نہیں فرمایا۔ اس کا شوق تھا کہ بچوں کو گھیر گھار کر عربی تعلیم میں ڈالتے اور اس کی خاطر ان کو طلبہ کے ساتھ ایسا مشفقانہ بیدردانہ برتاؤ کرنا پڑتا تھا جس پر بعض بدنیت بدگمانوں کو بدظنی کا موقع ملتا تھا اور اس کے ساتھ ہی چونکہ بے نفسی حد سے زیادہ تھی اس لئے طلبہ میں ایسے گھلے رہتے تھے گویا ہم سبق طالب علم ہیں جن میں ہر قسم کا ہنسی مذاق ہوتا ہے۔ اس طرز سادگی پر بدگو کو دوسرا تائیدی موقع ملتا مگر آپ ایسے مست و مدہوش تھے اور فرمایا کرتے تھے میاں خدا سے معاملہ صاف ہونا چاہیئے کہنے بھی دو جس کا جو دل چاہے کہا کرے میرا کیا بگڑتا ہے" میں نے بارہا دیکھا کہ کھانے کا وقت ہوتا تو سارے طلبہ سے کہتے اپنے اپنے کھانے لے آؤ۔ اور جب مختلف قسم کے کھانے سب لے آتے تو کسی کو دال ملی اور کسی کو ساگ۔ کوئی گوشت لایا اور کوئی ترکاری تو اپنے گھر سے بھی کھانا منگاتے اور ایک طشت یا کونڈے میں سب کھانوں کو مخلوط کر کے فرماتے کھاؤ بسم اللہ۔ طلبہ کی اکثر دعوت کیا کرتے اور خفیہ طور ان کی تمامی ضروریات مالیہ پوری فرماتے۔ یتامیٰ و بیوگان اور بیگانہ و بیگانہ محتاجوں کی پوشیدہ طریق سے اتنی خدمت کرتے کہ سُننے والا حیران ہو جائے۔ سادگی اور اپنے نفس کی طرف سے استغنا کا یہ عالم تھا کہ شاید گھر میں پانچ روپیہ کا غلہ بھی ایک دفعہ نہیں ڈلوایا

بلکہ مصارف خیر پر خرچ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت انتقال ہوا تو آٹھ ہزار روپیہ کے مقروض تھے اور کسی کو خبر بھی نہ تھی کہ کس مد میں قرض ہوا۔ اللہ پاک نے بیٹا بھی باپ کا نمونہ عطا فرمایا تھا اس لیے اس نے سارا قرض اس ذخیرۂ کتب سے ادا کیا جو باپ نے چھوڑا تھا اور ہر بات میں باپ کا سچا جانشین ہونے کے سبب حضرتؒ کا ایسا نورِ نظر بنا جیسا باپ حضرت گنگوہیؒ کا بنا تھا۔ فللہ الحمد کہ علم شریعت و طریقت دونوں میں کامگار رہا اور تعلیقات ابوداؤد میں بالتخصیص حضرتؒ کا قوت بازو بن کر بارگاہ خلیل سے وہ انعام پایا جس پر ہمعصروں کو جو کچھ بھی غبطہ ہو وہ کم ہے کہ حضرتؒ نے ختم تعلیقات کے بعد مجاز طریقت بنا کر مدینہ منورہ سے واپس کیا اور شیخ الحدیث خطاب عطا فرما کر اپنے مدرسہ میں بٹھانے کا امر فرمایا بعض اراکین کو بعض مصالح کی بنا پر پس و پیش ہوا تو حضرت نے مدینہ منورہ سے بندہ کو تحریر فرمایا کہ مولوی زکریا ماشاءاللہ اس خطاب کے اہل ہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ حدیث میں ان کو کتنا تبحر حاصل ہے لہذا اگر مدرسہ والوں کو اس خطاب کے دینے میں تامل ہے تو تم میری طرف سے یہ خطاب دے دو اور مدرسہ کے انتظامات جزئی و کلی میں ان کی رائے کو دخیل بنا کر مشیر ناظم قرار دو۔

مولوی عبداللہ صاحب گنگوہیؒ کہ حضرت کے مجاز طریقت تھے مولانا محمد یحییٰ صاحب ہی کے شاگرد اور مارے باندھے ادھر لائے ہوئے تھے کہ انگریزی اسکول میں پڑھا کرتے اور اپنے محلہ والی مسجد میں جس کا حجرہ مولوی محمد یحییٰ صاحب نے اپنے قیام کے لئے رکھا تھا کبھی کبھی نماز کو آجایا کرتے تھے آپ نے تاڑ لیا کہ نماز کا شوق رکھتا ہے اس لئے کیا عجب ہے دینی تعلیم کی طرف رغبت پا جائے لہذا صاحب سلامت پیدا کی اور بہلا پھسلا کر خارج وقت میں عربی پڑھنے کا شوق دلایا۔ مولوی عبداللہ کہنے میں آگئے اور میزان شروع کر دی۔ ذرا غبی زیادہ تھے۔ ایک دن مولانا نے دو گردان یاد کرنے کو کہدیا جن کو رٹتے رٹتے شام ہو گئی۔ مولانا نے فرمایا خدا کے بندے کیا ظلم ہے کہ ایک گردان میں شام کر دی۔ کہنے لگے ہیں مولوی صاحب یہ تو دو تھیں، دو تھیں اور یہ کہکر رونے لگے۔ غرض اسی طرح پھسلا کر آگے چلایا اور نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی چھوٹی

Marfat.com

گئی اور عربی کے ہو رہے۔ حق تعالیٰ نے خوش نصیب بنایا تھا لہٰذا اوّل عالم باعمل ہوئے اور پھر سالک مجاز طریقت۔ اس بنا پر مولانا مرحوم کے اعمال حسنہ بھی مولوی محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کے نامہ اعمال میں درج ہیں ورنہ جس انگریزی میں پڑ لئے تھے وہ خدا جانے کہاں پہنچاتی۔ مولوی محمد یحییٰ صاحب کی وفات کے بعد اپنے استاذ زادہ مولوی محمد زکریا صاحب سے مولوی صاحب کو محبت بڑھ گئی تھی اور باوجود عمر میں بڑے ہوئے انکا احترام فرمانے لگے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ مولوی زکریا صاحب میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر بتاؤ۔ خواب یہ ہے کہ آسمان سے ایک بڑا انار گرا اور زمین پر گرتے ہی اس کے سب دانے جدا جدا ہو گئے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب تشریف رکھتے ہیں اور فرما رہے ہیں بھائی اس انار میں ایک دانہ میرا بھی ہے۔ یہ خواب سنا کر تعبیر کا تقاضا کیا اور جب مولوی زکریا صاحب نے بار بار یہی جواب دیا کہ مجھے تعبیر دینا نہیں آتی تو فرمایا اچھا میں بتاؤں تعبیر۔ کہ وہ دانہ میں ہوں اور میں تو آخر مولوی صاحب کا ہوں ہی۔ اور یہ بشارت ہے میری موت اور پھر مغفرت کی۔ چنانچہ چند ماہ بعد اسی سال مولانا کا وصال ہو گیا اور دق میں مبتلا ہو کر ہنستے اور باتیں کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گنگوہ میں دورہ حدیث پڑھتے وقت اس کا بھی اہتمام کیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریرات جو سبق میں سنتے وہ خارج وقت میں ضبط کر کے نقل فرماتے اور لکھ لیا کرتے تھے جو ہر کتاب کی ایک مستقل تعلیق اور نادر الوجود شرح بن گئی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ چونکہ مولوی محمد یحییٰ صاحب کی ذکاوت اس وقت جانچ چکے تھے جبکہ وہ دہلی میں طالب علم تھے اور اب بارہ برس گنگوہ حاضر ہوتے میں ان کے تبحر علمی اور استعداد عملی کا مزید تجربہ فرما چکے تھے اس لئے آپ مدت سے متمنی تھے کہ مولوی یحییٰ مظاہر علوم میں آ جائیں مگر اوّل تو حضرت صاحبزادی صاحبہ کا اصرار کہ وہ ان کو باپ کی خانقاہ سے جدا نہ ہونے دیتی تھیں۔ دوم مولانا کا تنخواہ سے انکار جس پر احتمال ہوتا تھا کہ دل آزاد اور پابند ہو کر نہ رہ سکیں گے لہٰذا دو سال تو آپ نے صاحبزادی صاحبہ کو راضی

کر کے مولانا کو اخیر سال میں چند روز کے لئے بلایا اور وہ تا تمام کتابیں ختم کرا کے گنگوہ تشریف لے گئے مگر تیسرے سال آپ نے مستقل قیام پر زور دیا اور تنخواہ نہ لینے کی شرط کو منظور فرما لیا کیونکہ اندازہ ہو گیا کہ پابندی کے لئے تنخواہ اور اس کا عدم دونوں بالکل مساوی ہے اور تنخواہ لینا کسی طرح بھی منظور نہیں فرما سکتے چنانچہ جمادی الاوّل ۱۳۲۸ھ میں مولانا مستقل تشریف لے آئے کہ حضرتؒ کے اسفار مدرسہ کی ضروریات کے لئے دن بدن بڑھتے جاتے اور اس کا اثر آپ کے اسباق پر پڑ کر مدرسہ کی علمی کار گذاری میں نقصان کا سبب بنتا تھا۔ اس وقت سے لے کر ساڑھے پانچ سال کامل آپ مظاہر علوم میں درس دیتے رہے حتیٰ کہ اخیر ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ کی شنبہ میں صبح کو حضرتؒ کا تار آیا کہ سفر حج سے واپس ہو کر بمبئی پہنچے مولانا ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور چند ہی گھنٹہ میں شہید ہو کر راہی عالم قدس ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ علم و عمل کا مجسمہ آن کی آن میں دنیا سے رخصت ہو کر ہمیشہ کے لئے سہارنپور کے گورستان میں سو رہا اور حضرتؒ کو بذریعہ تار اس سانحہ کی بمبئی میں اطلاع دی گئی۔ حضرتؒ کے قلب پر اس دفعی واقعہ کی سخت چوٹ لگی لیکن آپ تو مجسم صبر و رضا تھے اس لئے برداشت فرما گئے۔ مگر پیری کا زمانہ صدمہ زدہ دل اور وہی اسفار کی کثرت اور درس کا بار عظیم جس کے انتظام سے اطمینان پایا تھا وہ پھر سر پر آ پڑا اس لئے حضرتؒ راضی برضا اپنی علو ہمت سے اس کو انجام دیتے رہے لیکن اب تنخواہ لینے میں حضرت کو تردد ہونے لگا کیونکہ جتنے اسباق جوانی میں پڑھا سکتا تھا جب ضعف پیری کے سبب اس کو انجام نہ دے سکوں اور مولوی یحییٰ جیسا قائم مقام بھی نہ رہا کہ میری کمی کو نباہتا پورا کر دے تو اب مدرسہ سے تنخواہ لینا جائز نہیں چنانچہ حضرتؒ نے تنخواہ ترک فرما دی اور ہر چند سرپرستان مدرسہ کا اصرار ہوا کہ تنخواہ ہی کیا ہے جو حضرت کی خدمات جلیلہ کا معاوضہ ہو سکے اور خدمت کے لئے صرف گنتی کے چند روپیہ پر سو روپیہ ماہوار بھی تجویز کئے ہیں۔ مگر حضرتؒ نے نہ مانا اور فرمایا کہ مدرسہ کا روپیہ چندہ دہندگان کا مال اور خدا کا مال ہے جس کے ہم لوگ صرف امین و ناظر ہیں بیجا تصرف یا مزدوری کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے اور میں خود خوب سمجھتا ہوں کہ کیا ہوں روپیہ کے قابل خدمت نہیں

Marfat.com

دے سکتا لہذا تنخواہ نہ لوں گا۔

یہ وقت ہی کچھ عجیب تھا کہ ادھر تنخواہ سے حضرتؒ نے دست برداری فرمائی اور ادھر مصارف بدستور بلکہ دن بدن زیادہ کہ تعلقات وسیع ہوجانیکے سبب مہمانوں کی آمد و رفت بڑھ گئی اس لئے آپ نے قصد فرمایا کہ انبہٹہ میں سکونت منتقل فرمادیں کہ وہاں کوئی خاص اہتمام ہی سے جائے گا تو پہنچ سکے گا اور قصباتی گذران جدی زمین کی پیداوار میں تنگی ترشی سے ممکن ہے کہ شہری گذران میں ہر قسم کا خرچ بڑھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آہستہ آہستہ آپ کا یہ قصد پختہ ہوچلا اور اہل مدرسہ کو معلوم ہوا کہ حضرتؒ اس خیال میں ہیں تو حضرت مولانا رائے پوری قدس سرہٗ کو جو سرپرست مدرسہ بھی تھے اور حضرت کے ساتھ غایت انس و محبت بھی رکھتے تھے یہ صورت بہت شاق گذری اور سمجھ لیا کہ مدرسہ سے حضرتؒ کے اٹھتے ہی نہ وہ علمی برکات رہیں گے نہ عملی ثمرات اس لئے پریشان ہوکر سہارنپور آئے اور بقیہ سرپرستان کو جمع فرما کر تجویز پیش کی کہ حضرت کا مدرسہ سے جانا مدرسہ کی کھلی بربادی ہے اور تنخواہ لینے پر حضرت کو راضی کرنا خدام کی طاقت سے باہر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آمدنی نہ ہونے کی صورت میں سہارنپور قیام کرنے پر مجبور کرنے کا منہ بھی نہیں پس میرے نزدیک مناسب ہے کہ حضرت سے تدریس کا بوجھ باضابطہ اٹھا دیا جائے اور نظامت کا جدید عہدہ قائم کرکے (جس کو پرنسپل کہتے ہیں) حضرت کو اس کا معاوضہ دیا جائے کہ در حقیقت حضرت کا مدرسہ میں محض بیٹھا رہنا ہی نظام مدرسہ کے قائم رہنے کا ذریعہ ہے چہ جائیکہ انتظام و نگرانی خود بڑی شے ہے جس کو حضرت رات دن بلا تحدید وقت انجام دیتے ہیں۔ اور پھر حضرت سے باتفاق اور ادب کے لفظوں میں عرض کیا جائے کہ بعوض نظامت معاوضہ قبول فرمائیں اور تدریس محض تبرع کا درجہ رہے کہ صدر مدرس کوئی دوسرا ہو اور حضرت کے پاس ایک دو سبق اس درجہ میں رہیں کہ جب حضرت یہاں رہیں تو پڑھائیں اور جب سفر کریں تو صدر مدرس اس کو پورا کرائیں۔ چنانچہ حضرت کو بھی یہ صورت منظور کرنا پڑی اور مولانا عبداللطیف صاحب کو صدر مدرس بنا کر شوال ۲۵ھ سے حضرت نے پھر تنخواہ لینا شروع فرمادی۔

سنہ ۳۸ھ میں جبکہ گرانی اجناس اور کثرت مصارف کی عامہ شکایات اور بحمد اللہ مدرسہ کی مالی ترقیات اور کافی اعانت کے حصول پر کہ یہ بھی حضرتؒ ہی کی سعی و توجہ سے ہوا تمامی ملازمین مدرسہ کو ترقیاں دی گئیں تو دس روپیہ کا اضافہ حضرت کی تنخواہ میں بھی ہوا جس کو حضرت نے باصرار قبول فرمایا ورنہ آپ اپنے لئے یہی فرماتے رہے کہ مجھ سے تو پچاس روپیہ کے قابل بھی کام نہیں ہوتا اور نہ میری کوئی ضرورت بند ہے اس لئے اس کی حاجت نہیں۔

جمادی الثانیہ سنہ ۴۰ھ میں جبکہ حیدرآباد سے معقول وظیفہ مدرسہ کا مقرر ہوا تو مدرسین نے پھر ترقی چاہی کہ در حقیقت وہ حضرات کتنا ہی خرچ میں تنگی کرتے مگر موجودہ قلیل تنخواہ میں گذر نہیں کر سکتے اور مقروض ہو کر پریشان و پراگندہ دل رہتے تھے۔ چنانچہ عطاء عدادندی کا لحاظ کرتے ہوئے مدرسین کو دل نہاد اور یکسو کرنے کے لئے کہ فکر معاش سے مستغنی ہو کر بسکون و طمانیت تعلیم میں مشغول ہوں پھر سب کو حسب عہدہ ترقی دی گئی اور حضرتؒ کے نام بعہدۂ نظامت پندرہ روپے ماہوار کا اضافہ ہو کر پچھتر روپے ماہوار لکھے گئے جس کو حضرت نے تین سال لیا اور آخر ۱۶ شوال سنہ ۴۴ھ کو آپ ڈیڑھ سال کی رخصت بوضع تنخواہ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے اور پورا ڈیڑھ سال گذرنے پر کہ نہ ایک دن کم نہ زیادہ آپ نے داعی اجل کو لبیک کہکر جنت البقیع کو خوابگاہ بنایا۔

مظاہر علوم کا نظام اور کارگذاری

مدرسہ اپنی بنیاد کے وقت قاضی محلہ میں ایک کرایہ کے مکان میں تھا اور کوشش کی گئی کہ اس محلہ میں مدرسہ کے لئے مکان بنایا جائے مگر اسباب مہیا نہ ہو سکے۔ چند سال بعد حافظ فضل حق صاحب کو کہ مولانا محمد قاسم صاحب سے بیعت اور مولانا محمد مظہر صاحب کے مخلص دوست تھے خیال ہوا کہ مدرسہ کو اپنے محلہ میں لے آئیں۔ یہ مکان جس میں اس وقت مدرسہ ہے حافظ صاحب کا ذاتی مکان تھا اس کو انہوں نے توڑ کر مدرسہ کی موجودہ حالت پر تعمیر کرایا اور مدرسہ کے نام ہبہ نامہ کر کے مدرسہ اس میں قائم کر دیا۔ اثناء تعمیر میں مولانا

Marfat.com

سعادت علی صاحبؒ فقیہ بانی مدرسہ انتقال فرما گئے اور اسی تعمیری سال پر مدرسہ کا تاریخی نام مظاہر علوم تجویز ہوا۔ اس وقت مدرسہ کے ممبران و سرپرست صرف تین حضرات تھے مولانا محمد مظہر صاحب۔ قاضی فضل الرحمٰن صاحب اور حافظ فضل حق صاحب۔

۱۲۹۵ھ میں جب کہ اہل اللہ کا مشہور مجمع حج کو روانہ ہوا تو مولانا محمد مظہر صاحب اور مولوی احمد حسن صاحب کانپوری کہ مدرس دوم تھے اور مولوی عنایت الٰہی صاحب بھی ممبر نائب ہوئے اور مدرسہ میں ان حضرات کی جگہ مولانا احمد علی صاحب محدث اور ان کے صاحبزادے مولوی حبیب الرحمٰن اور ایک بنگالی مولوی امین الحق صاحب عارضی طور پر مدرس رکھے گئے جو واپسی حضرات پر علیحدہ ہو گئے۔ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ کی شب میں ۸ بجے مولانا محمد مظہر صاحب نے انتقال فرمایا کہ بمقتضاء حدیث المومن یموت بعرق الجبین آپ کی پیشانی پر پسینہ تھا اور آپ ماتھے پر بار بار ہاتھ پھیرتے تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد قاضی فضل الرحمٰن صاحب نے ممبران مدرسہ میں اضافہ کیا اور قاضی ابو سعید مولوی ناظر حسن وکیل۔ خواجہ احمد حسن میر تونگر علی۔ مولوی مشتاق احمد وغیرہ کا رکن ذمہ دار قرار پائے۔ ۱۳۱۴ھ میں بعض ممبران کی تحریک پر حضرت امام ربانی سرپرست بنائے گئے اور مولانا خلیل احمد صاحب صدر مدرسی پر تشریف لے آئے۔ مگر چونکہ اکثر ممبران کو حضرت گنگوہی سے عقیدت تھی نہ مولانا سے اُنس و تعلق اس لئے مولانا کے متعلق صرف پڑھانا تھا کہ انتظامی اُمور میں نہ آپ کو دخل تھا نہ آپ سے کوئی مشورہ لیا جاتا بلکہ مدرسہ سے ہر وقت واسطہ رکھنے کی بنا پر گاہے ماہے جمع ہو جانے والے ممبروں کو آپ کسی ضرورت پر مطلع فرماتے اور مشورہ بھی دیتے کہ یہ انتظام کر دیا جائے تو اس کو ٹھکرا دیا جاتا تھا آپ بھی خاموش تھے اور اپنے کام سے کام رکھتے تھے کہ پابندیٔ وقت کے ساتھ سبق پڑھا کے اور مکان تشریف لے گئے۔ چنانچہ پانچ سال کامل گذر گئے اور آپ نے کار تدریس کے سوا کسی نظم میں دخل نہیں دیا۔ مگر اس پر بھی آپ نے دیکھا کہ ممبران میں کثرت اس جماعت کی ہے جن کو حضرت گنگوہی سے عناد ہے اور حضرت کی سرپرستی کے ساتھ مولانا کی صدارت بھی دل سے ناگوار ہے کہ خفیہ طور پر آپ کو علیحدہ کرنے کی تدبیریں کی جا رہی ہیں۔

Marfat.com

تو آپ نے امام ربانی سے اس کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت مدرسہ کی سرپرستی سے مستعفی ہو گئے۔ آپ کا خیال درحقیقت صحیح تھا اور چند ہی روز بعد اس کا ظہور ہوا کہ امام ربانی کا استعفا بخوشی منظور کر لیا گیا اور اس کے ساتھ ہی پانچ حضرات نے نا تمام مختصر کمیٹی کر کے آپ کو مدرسی سے برخاست کر دیا۔ حافظ فضل حق مرحوم کے صاحبزادے مولوی حبیب احمد کو جنہیں اخیر تک حضرتؒ کے ساتھ خاص محبت رہی اس قصہ کا بہت صدمہ ہوا اور وہ حضرت سے چپٹ کر زار زار رونے لگے۔ ہر چند کہ وہ محلہ میں سربرآوردہ اور اس باپ کے بیٹے تھے جو مدرسہ کو قاضی محلہ سے یہاں اپنے مکان میں لائے تھے۔ مگر اپنی قومی نا اتفاقی کے سبب مدرسہ پر حاوی ہو جانے والے ممبران کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے حضرت کا مختصر اسباب اٹھا کر اپنے گھر لے گئے کہ حضرت مکان چھوڑ چکے اور اسباب و متعلقین کو انبہٹہ بھیج چکے تھے۔ اور یہ کہکر کہ حضرت تین چار دن توقف فرما کر ہمیں کوشش کا موقع دیں حافظ عزیز علی اور مولوی مشتاق کو ساتھ لے کر اس پر زور دینے لگے کہ یہ برخاستگی نا تمام کمیٹی میں اور بلا وجہ طے ہوئی ہے لہذا قابل عمل نہیں ہے۔ مگر ممبران مدرسہ کے کان پر جوں بھی نہ رینگی اور ان صاحبوں کے آخری عام جلسہ میں اس تحریک پر بھی یہی جواب دیا گیا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب کوؤں کی کائیں کائیں سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ سچ یہ ہے کہ مخلص کی بیکسی جب اس کو چار طرف سے مایوس کر دیتی ہے تو قدرت اپنا کرشمہ دکھانے کے لئے اسباب ظاہری کا پردہ اٹھا دیتی ہے یہ لوگ پریشان تھے کہ نہ مولانا کو روک سکتے ہیں نہ چھوڑ سکتے ہیں۔ بجز رونے کے کوئی کام نہ تھا کہ غیب سے سامان ہوا اور ایک شخص اس وقت جبکہ میاں حبیب احمد متفکر و پریشان مسجد کے در پر کھڑے تھے آکر ان سے پوچھنے لگا کہ کیا پریشانی ہے انہوں نے اس کو فریق ثانی کا جاسوس سمجھ کر دھتکار دیا کہ چل تو کون ہم سے پوچھنے والا کہ کیا بات ہے اس نے کہا کہ میں خفیہ پولیس کا ملازم ہوں اور تمہیں اطمینان دلاتا ہوں تم مجھے پانچ روپیہ دو اور سارا قصہ مع سبب منشاء کے لکھو۔ انہوں نے پانچ روپیہ تو دے دیئے مگر ڈرتے رہے کہ الٹا ہم ہی کو نہ پھانس دے۔ فریق ثانی اپنی تجویز

Marfat.com

کی تکمیل میں مشغول تھا اور اگلے دن مولوی عبدالعلی صاحب آگئے جو حضرت کی جگہ مدرس اول بنائے جانے کو بلائے گئے تھے۔ یہ دوسری کشمکش تھی کہ اپنوں میں مقابلہ کرانے کی تدبیریں تھیں۔

اس قصہ میں سب سے زیادہ درد اور دکھن کا اثر خصوصیت کے ساتھ حضرت مولانا رائپوری قدس سرہٗ پر تھا کہ رائے پور سے ہر تیسرے چوتھے دن اپنے جھکڑ میں سہارنپور آتے اور حضرت کے شریک حال ہر قسم کی اعانت اور جان و مال تک نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو کر قدرت والے مسبب الاسباب کی طرف سے غیبی مدد کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔ ادھر حضرت گنگوہی کا حکم تھا کہ روزانہ مجھے حالات کی اطلاع دی جائے اور اس لئے مولوی مشتاق کے بھائی حبیب احمد روزانہ ٹٹو پر سوار ہو کر گنگوہ جایا کرتے اور ایک ایک واقعہ کانوں میں ڈال آیا کرتے۔ اپنی بات کی پچ اور دعوے کو پورا کر گذرنے کا اہتمام دنیاداروں کے لئے ایسا ضروری ہے کہ چاہے جان جائے مگر آن نہ جائے اس لئے خواجہ مظاہر حسن نے کہ آنریری مجسٹریٹ تھے یہاں تک کہدیا کہ میں بادر صاحب کلکٹر سے کہدوں گا کہ یہ سارا فساد غدر کے مشہور باغی رشید احمد کا ہے اور یہ سب لوگ ان کے جرگہ کے ہیں۔ حق تعالیٰ کو یہ دعوای اور ناز پسند نہ آیا کہ اسی نے ایک اسلامی یادگار کو اس عقاب سے تنکے بے بال و پر بنادیا تھا جو کسی ناقدردانہ بڑھیا کے ہاتھ میں پڑ گیا اور اس نے خیرخواہی کے دعوے میں اس کی چونچ اور پنجے کاٹ دئے تھے کہ

خاکساران جہان را بحقارت منگر | تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اسباب کا شیرازہ بکھر گیا اور اس اجنبی سائل نے ادھر تھانہ میں رپٹ کی کہ مدرسہ میں ہنگامہ ہوا چاہتا ہے اور ادھر کلکٹر ضلع کو متنبہ کیا کہ خواجہ صاحب کی مجسٹریٹی انتظام امن کی جگہ نقص امن کے کام آرہی ہے اور ممبر مدرسہ ہونے کی حیثیت سے مدرس اوّل کو بے قصور برخاست کر کے عامہ مسلمانوں میں فساد کا ہیجان پیدا کر دیا اور ادھر مولوی عبدالعلی صاحب کو جا سمجھایا کہ آپ اپنے پاؤں میں کلہاڑی کیوں مار رہے ہیں حکام نے طے کر لیا ہے کہ موقع پر جا کر فریقین کو گرفتار کریں اس لئے خیرخواہانہ مشورہ دینے

Marfat.com

آیا ہوں کہ راتوں رات واپس ہو جائیں۔ اور ادھر مولوی حبیب احمد کو سارے قصہ سے باخبر کیا کہ مولانا کو ریل میں سوار کر آیا ہوں اور اب ذرا ہمت دکھاؤ کہ صبح کو مدرسہ کا دروازہ کھول کر مولانا کو جا بٹھاؤ کہ سبق شروع کرائیں اور چند آدمیوں کو دروازے پر کھڑا کر دو کہ انسپکٹر حلقہ آئیں تو زور و قوت کے ساتھ اپنا سچا احتجاج پیش کریں، چنانچہ صبح ہوئی تو صاحبِ علاقہ مع گارد کے موجود تھے جن کو دیکھ کر ایک مجمع کثیر تماشائیوں کا اکٹھا ہو گیا اور انہوں نے ایک نظر میں حقیقت حال معلوم کر کے کمال شرافت و سیاست کا یہ برتاؤ کیا کہ فریقین کو باہمی مصالحت پر مجبور کیا۔ ادھر سے جواب صاف تھا کہ ہمیں نہ پہلے انکار تھا نہ اب انکار ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ مدرسہ نہ ہمارا نہ ان کا۔ ورثہ یا ترکہ پر جھگڑا نہیں ہے صرف مدرسی پر جھگڑا ہے کہ ہم غریبوں کی درخواست ہے برخاستگی کی وجہ بتا دو اور علیحدہ کرنا ہو تو پوری کمیٹی منعقد کر کے علیحدہ کر دو اور وہ اپنی طاقت پر نازاں ہماری آواز کو نقار خانہ میں طوطی کی آواز اور کوّے کی کائیں کائیں سمجھتے ہیں۔ بات چونکہ بالکل معقول تھی اس لئے نعیم اللہ خاں صاحب کے مکان پر دونوں فریق کو بلا کر اس تحریر پر سب کے دستخط لے لئے گئے کہ ہم جملہ اشخاص اس بات پر رضامند ہیں کہ جو اختلاف نسبت برخاستگی مولوی خلیل احمد صاحب مدرس اوّل کے باہم فریقین میں ہے اس برخاستگی کی وجہ پر محمد نعیم اللہ خاں صاحب مجسٹریٹ اور صاحب علی جمال صاحب انسپکٹر جو کچھ رائے یعنی نسبت برخاستگی و بحالی کے قائم کریں وہ فریقین کو منظور ہوگی اور اس میں کسی فریق کو کوئی عذر نہ ہوگا فقط۔ یکم فروری ۱۹۰۳ء

اسی وقت مدرسہ کا رجسٹر جس میں تجاویز سرپرستان درج کی جاتی تھیں قاضی صاحب سے منگا لیا گیا اور جس نے بھی تقرری ثالثی پر دستخط کرنے میں ذرا تامل کیا کہ تمامی ممبران کو جمع کیجئے اسی کو انسپکٹر نے ڈانٹا کہ محض مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ صورت کر رہا ہوں کہ اسی نااہلیت اور دعوائے انانیت نے آج مدارس دینیہ کو جنہیں تاج بنا کر سر پر رکھنا چاہیئے تھا بچوں کا کھیل اور کھلونا بنا رکھا ہے

اور علماء کو جنہیں آنکھوں کی پُتلی سمجھنا چاہیئے تھا محتاج اور ذلیل ترین نوکر قرار دے رکھا ہے جس کا ہم پر وبال پڑ رہا ہے اور ہوش نہیں آتا۔ ورنہ آج نہ بوڑھا دیکھتا نہ جوان ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر جیل خانہ بھر دیتا۔ چنانچہ پھر کسی نے پھُونک شہ کی اور آخر دونوں نے اندر جا کر تجویز لکھی اور قطعی علم کی صورت میں سب کو سُنا دیا جس کی نقل یہ ہے:۔

کتاب امورات کمیٹی مدرسۂ عربی مظاہر علوم ۱۳۱۹ھ کی کارروائی جلسہ منعقدہ ۳ شوال ۱۳۲۰ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۰۳ء دیکھنے معلوم ہوا کہ ممبران مدرسہ قاضی فضل الرحمٰن و محمد ابو سعید و مولوی خلیل الرحمٰن و میر تونگر علی و مولوی ناظر حسن وکیل صاحبان پانچ کس نے باتفاق رائے مولوی خلیل احمد صاحب مدرس اوّل مدرسہ مذکورہ کو بوجوہات چند علیحدہ کرنے کا قصد کیا لیکن کوئی وجوہات علیحدگی مولوی صاحب تحریر نہیں کیں اور نہ مولوی صاحب موصوف کا کچھ جواب لیا گیا۔ اور کاغذات سابقہ کے ملاحظہ سے معلوم ہوا کہ مولوی خلیل احمد صاحب کو علیحدہ کرنا نہیں چاہتے اور نہ کوئی قصور اور خطا مولوی صاحب موصوف کا بظاہر ثابت ہے۔ اور اگر مولوی صاحب نے دوسری جگہ قصد بندوبست کا کیا بھی تھا تو ان کو اطمینان دلایا کہ اگر وہ قواعد مدرسہ کی پوری پابندی اور بجا آوری فرائض منصبی عمل میں لاتے رہیں گے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ مدرسہ سے علیحدہ کیے جائیں۔ اور اب مولوی صاحب موصوف کو بلا وجہ خاص کے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ علیحدگی مولوی خلیل احمد صاحب کی مناسب نہیں ہے جب تک کہ کل ممبران جمع ہو کر ایک جلسہ منعقد کر کے ان کو علیحدہ نہ کریں۔

اور ہماری رائے میں اس مدرسہ کے سرپرست مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی اور مولوی عبد الرحیم صاحب رائے پوری اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی مقرر کیے جائیں تاکہ متعلق تعلیم و تقرر و برخاستگی و ترقی و تنزلی مدرسان مدرسہ ان کی رائے سے ہوا کرے اور طریقۂ تعلیم کے وہ نگران اور سرپرست رہیں اور دیگر روساء و عمائدین شہر بطور ممبر کے رہیں جو ترقی چندہ و انتظامات مدرسہ کیلئے کوشاں رہیں اور خواجہ مظاہر

Marfat.com

حسن جو اس وقت مستعفی ہو گئے ہیں وہ بھی کم سے کم ایک سال تک معین اور مددگار رہیں۔ فقط یکم فروری ۱۹۰۳ء العبد العبد
محمد نعیم خاں صاحب علی انسپکٹر

عامہ مسلمانان شہر اس انتخاب پر مسرور ہوئے کہ دین کا گھنٹہ ان تجربہ کار گھڑی سازوں کے ہاتھوں میں گیا جو اس کی مشین کے پرزوں سے پوری واقفیت رکھنے والے ہیں اور یہ مادہ تاریخ ہو کر کہ ذلک وقع فضل اللہ -۲۶ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ کو سرپرستان نے مدرسہ میں مجتمع ہو کر اپنا کام شروع فرما دیا۔

یہ پہلا دن تھا جس کو مدرسہ کے غسل صحت کا پہلا دن یا یتیم نوزائیدہ بچہ کے شفیق مرضعہ کی گود میں آنے کا پہلا روز کہنا چاہیے کہ اسکی ترقیات جسمانیہ و روحانیہ کا دروازہ کھلا اور وہ دن دو نا رات چوگنا پھلنے اور پھولنے کے لئے تیار ہو گیا۔ سرپرستان مدرسہ جیسے دیانتدار اور دینی مدرسہ کی بقاء و ترقی کے شیدا تھے ایسے ہی حضرت اپنے استاد کے لگائے ہوئے نخلستان کی ہر روش اور کیاری پر جان نثار تھے اس لئے نظام میں دخل دینے اور ہر شعبہ کی ضروریات پر سرپرستوں کو توجہ دلانے کا موقع ملا اور وہ مدرسہ جو زاویہ خمول و کس مپرسی میں پڑا ہوا تھا گھٹنوں چلنے اور پھر لپکنے اور تیز رفتار دوڑنے لگا۔ طلبہ کی کثرت ہوئی مدرسین کا اضافہ ہوا۔ چندہ میں توسیع ہوئی نایاب کتابوں کی بذریعہ وقف و خرید بیشی ہوئی اور عالیشان و محفوظ کتب خانہ جدید بنایا گیا خالی چھتوں پر درسگاہیں تعمیر ہوئیں۔ ماہر تجوید قاری کا تقرر ہوا مفتی رکھے گئے اور قناد سے نویسی کا مستقل انتظام ہوا کہ وقت پر جوابات جائیں اور سب رجسٹر میں بلفظہا درج ہوں۔ جب ترقیات کو ماشاء اللہ اور ترقی ہوئی تو مدرسہ کا مکان ناکافی ہو گیا کہ نہ مدرسین کے قیام کے لئے حجرات کافی اور نہ طلبہ کی رہائش کے لئے جگہ وافی۔ طلبہ شہر کی مسجدوں میں مقیم جن کے حالات علمیہ و عملیہ کی نگرانی محال اور محتسبہ محلوں میں ان کی روٹیاں مقرر کہ ہر معطی ان پر حکومت چلانے کو تیار اس کیا ـ والی لوئے یہ حالت کو دیکھکر حضرت نے محض توکلاً

علیہ اللہ ایک وسیع زمین خرید کر عالیشان تعمیر کی بنیاد ڈالی کہ اوپر کے حصہ میں جدا جدا متعدد درسگاہیں ہوں اور نیچے کے طبقہ میں طلبہ کی رہائش کے لئے کافی مقدار میں حجرے۔ مہمانان رسول کے لئے مہمان خانہ بننے کے لئے خلیل الٰہی آواز کا بلند ہونا تھا کہ پہلے ہی سال چار سو پچھتر روپے تین آنے کی رقم آئی اور دوسرے سال آٹھ ہزار چھ سو چونسٹھ روپے تین آنے ساڑھے چار پائی ۔ ۱۳۲۶ھ میں اس یادگار خلیل کا بنیادی پتھر حضرت مع سرپرستان کے ساتھ کثیر جماعت علماء و صلحاء کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا اور ادھر تعمیر جاری ہوئی اور ادھر اہل خیر کی عطاء و سخا کے دریا بہہ پڑے کہ کام نے ایک دن بھی رکنے کا نام نہ لیا حضرتؒ مولوی تھے اور درسی کتابوں یا مدرسہ کی چٹائیوں کے سوا کسی چیز سے کبھی واسطہ ہی نہ پڑا تھا خدا جانے انجینیری اور ریاضی فن تعمیر کہاں سیکھا تھا کہ محض اپنی تجویز سے نقشہ بنایا اور خود کھڑے ہو ہو کر مستری سے از اول تا آخر تعمیر کرائی۔ آخر ۱۳۳۶ھ میں دس سال کے اندر جب یہ قصر معلّٰی مکمل ہوا تو دیکھنے والے ماہرین فن حیران ہو جاتے اور ستر پچھتر ہزار کی لاگت کا تخمینہ کیا کرتے تھے حالانکہ اس میں چالیس ہزار بھی پورا صرف نہیں ہوا۔

حضرتؒ دنیا سے تشریف لے گئے مگر حضرتؒ کی یہ یادگار جس کی تعمیر میں مدرسہ سے فارغ ہو کر دوپہر اور شام کا وقت حضرتؒ مستری کے پاس کھڑے ہو کر گذارا کرتے اور نہ دھوپ کی پرواہ کرتے تھے نہ بارش کی ایک بڑا صدقہ جاریہ بھی بن کر مدت دراز تک باقی رہے گا اور حضرت کی یاد اس طرح دلاتا رہے گا کہ زبانوں پر دعائیں ہوں گی اور دلوں میں تشکر۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ مرنے کے لئے آیا ہے مگر اس موت پر ہزار زندگیاں قربان جس کے ہر لمحہ میں ایصال ثواب کے لئے وہ بہترین دینی یادگاریں قائم ہوں جو عالم دنیا و آخرت دونوں میں ہر دیکھنے والے کو دعا گو اور مسرور بنائیں کہ

مبیں حقیر گدایان قوم را کایں قوم ۔۔۔ شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

اسی کے متصل خوشنما مسجد تیار کی گئی جس میں اہل محلہ اور طلبہ و مدرسین سما سکیں اور فرش و شامیانہ و روشنی کے وہ کافی انتظام مہیا ہوئے کہ نماز پڑھنے میں اتنی دل بستگی

Marfat.com

ہوتی تھی جس کی ماہیت بیان کرنے سے زبان عاجز ہے۔ بلند کرسی کے صدر دروازہ پر دارالحدیث اور اس کی بغلوں میں دو درسگاہیں جو شمالی رُخ ہو اور وسیع دو درسگاہیں جُدا اور مغرب وجنوب میں ایک درس گاہ علیحدہ۔ ایک جانب خزانہ جس میں آہنی الماری ہر طرح محفوظ اور نیچے کے طبقہ میں دو سے لے کر آٹھ طلبہ کے رہنے کے قابل چھوٹے چھوٹے حجرے۔ چونکہ یہ قابل دید عمارت ظاہری حُسن کے لحاظ سے بھی نظروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اس لئے ہم نے اس کا فوٹو لے کر بلاک طبع کرا دیا اور اس کے ساتھ کتب خانہ اور نیز حضرتؒ کے حجرہ و درسگاہ قدیم کا فوٹو بھی شامل کر دیا ہے کہ ناظرین گھر بیٹھے ان کا نظارہ کر سکیں۔

مٹھی کچھ بند کر کے ہاتھ کی دوربین بنانے سے عمارت مثلہ صاف نظر آئے گی سب سے اوپر فوٹو دارالحدیث کا ہے کہ نیچے طلبہ کا دارالاقامہ ہے اور صدر دروازہ کے اوپر بڑا کمرہ دارالحدیث ہے جہاں حضرتؒ حدیث شریف کا درس دیا کرتے تھے اس عمارت کے محاذ میں شرقی سمت سڑک کے داہنی جانب مطبخ ہے اور وہ بھی حضرتؒ ہی کا قائم کیا ہوا ہے کہ اکثر طلبہ کو بجائے نقد وظیفہ کے خوراک دی جاتی ہے۔ اور خدانخواستہ مرض وغیرہ کی وجہ سے پرہیزی کھانا درکار ہو تو اس کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ نیز جو با استطاعت طلبہ معاوضہ دے کر کھانا لینا چاہیں ان کے لئے بھی یہاں انتظام ہوتا اور صرف جنس وغیرہ کا جو صرف مہینہ میں پڑتا ہے وہ ان سے لے لیا جاتا ہے جن طلبہ کو مدرسہ سے کھانا دیا جاتا ہے ان کی تعلیمی نگرانی زیادہ ہوتی ہے اور ماہواری امتحان میں ناکامیاب ہونے پر ان کی خوراک بند کر دی جاتی ہے اور اس کے دوبارہ جاری کرانے کی اس کے سوا کوئی سبیل نہیں کہ آئندہ امتحان میں اچھے نمبروں پر کامیاب ہوں۔ دارالطلبہ کی غربی سمت میں وہ حسین مسجد ہے جو بھوپال کی ایک نیک دل خاتون کلثوم جہاں بیگم نے اپنے روپیہ سے تیار کرائی ہے اور اس کا دروازہ اہل محلہ کے بیرونی دروازے کے علاوہ اسی دارالطلبہ کے برآمدے میں ہے اور اس میں وضو و غسل و روشنی کا مستقل اور کافی

Marfat.com

انتظام ہے۔

دوسرا فوٹو کتب خانہ کا ہے جو حضرت مولانا رحیم بخش صاحب سابق وزیر بہاولپور مدظلہم کے عطیے سے تیار ہوا ہے اور کتابوں کی ترتیب و تحفظ کا یہ جدید طرز بھی حضرت ہی کا دماغ آفرین ہے کہ چھوٹی سی سطح پر ہر فن کی کتابیں بہ ترتیب سجائی ہوئی ہیں کہ جس کتاب کی ضرورت ہو نہایت آسانی سے نکالی جاسکتی ہے۔ سنہ ۱۴ھ میں جب حضرت مدرسہ میں تشریف لائے ہیں تو چند فنون کی کتابیں تھیں جن کی تعداد صرف ۱۱۷۷ تھی مگر سنہ ۴۴ھ میں جب آپ ہمیشہ کے لئے حجاز تشریف لے گئے تو تفسیر[1] حدیث[2] اصول[3] حدیث اسماء الرجال[4] فقہ[5] اصول فقہ[6] عقائد[7] معانی[8] فرائض[9] کلام[10] مناظرہ[11] وعظ[12] ادب[13] عروض[14] تجوید[15] تصوف[16] منطق[17] ریاضی[18] صرف[19] و نحو[20] غرض معقول و منقول ہر علم و فن کی کافی مقدار میں کتابوں کا ذخیرہ فراہم ہوچکا تھا جنکی تعداد ۳۳۰۱۰ تھی۔ اس کے بعد نایاب چند قلمی کتابیں آپ نے مدینہ منورہ سے مدرسہ کو بھیجیں اور اضافہ ہوتا رہا۔ وہ سب کتابیں اس کتب خانہ میں موجود ہیں جو آپ کو نظر آرہا ہے۔

تیسرا فوٹو مدرسہ قدیم میں حجرہ شریفہ کا ہے جس میں حضرت کا قیام رہا اور اب مولانا عبداللطیف صاحب کے تصرف میں ہے۔ صلوٰۃ فجر سے فارغ ہو کر اشراق تک اسی میں حضرت مراقب رہتے اور اکثر دوپہر کو اسی میں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ اسی کے باہر دروازہ کے متصل دیوار سے کمر لگا کر اوقات فراغ میں بیٹھتے اور جوابات خطوط وفتاوی تحریر فرمایا کرتے تھے۔ سامنے کا حصہ آپ کی قدیم درسگاہ ہے کہ کتاب سامنے رکھکر قالین پر تشریف رکھتے تھے اور طلبہ سامنے اور دائیں بائیں بیٹھا کرتے تھے۔ حتی الوسع ہر منظر اصلی حالت پر دکھانے کی کوشش کی ہے کہ مکان بجنسہ اور اسی حالت پر موجود ہے مگر افسوس کہ مکین نہیں رہا جس سے اسکی زینت تھی اور اب نظریں اس کو ترستی ہیں۔

مکان دنیا میں ہزاروں ہیں اور خوبصورت سے خوبصورت ہیں مگر مجسم نور اور انوار یا گلاب کے پھولوں کے قیام و قدم دینے جس جگہ کو تماشا گاہ عالم بنا رکھا تھا

Marfat.com

وہ نگاہ میں کچھ ایسا حسین نظر آتا ہے کہ مجبوراً فوٹو لوانے اور غائبین کو نظارہ کرانے کی رغبت ہوتی ہے۔

ہر وقت ہے پیش نظر اک حسن کی دنیا — اب تو ہے جو آنکھوں میں تو ہر چیز حسین ہے

سنہ ۱۳۱۴ھ میں جبکہ آپ مدرسہ میں اول بن کر آئے تو طلبہ کی کل تعداد ۲۴۵ تھی یعنی درجہ عربی میں ۱۴۵ درجہ فارسی میں ۴۳ اور درجہ قرآن مجید میں ۵۷ مگر سنہ ۱۳۴۴ھ میں جب آپ مدرسہ سے مدینہ طیبہ رخصت ہوئے ہیں تو تعداد طلبہ ۳۰۵ تھی یعنی درجہ عربی اعلیٰ میں ۱۸۴ اور درجہ عربی ابتدائی میں ۸۵ درجہ اردو میں ۸۸ فارسی ریاضی میں ۴۳ اور قرآن شریف میں ۱۳۱ طلبہ میں بالعموم اور بنگالیوں میں بالخصوص کلام مجید پڑھنے میں صحت لفظی تک کا خیال نہ ہونا آپ کے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ اس لئے آپ نے مدرسہ میں تجوید کے درجہ کا اضافہ کیا اور کئی قراء کا اول بدل کے بعد قاری عبد العزیز صاحب کو کہ جوان صالح وجیہ تھے اور چار سال مدینہ منورہ میں تجوید سیکھ کر سہارنپور بغرض تحصیل علم آئے تھے اس خدمت کے لئے انتخاب فرمایا کہ خود دینیات کی تکمیل کریں اور طلبہ کو فن تجوید کی کتابیں بھی پڑھائیں اور مشق بھی کرائیں چنانچہ مدرسہ خوش الحانی وصحت لفظی کے ساتھ تلاوت کلام اللہ سے گونج اٹھا اور چند ہی ماہ میں اس ضرورت کی بہت کچھ مکافات آپ نے آنکھوں سے دیکھ کر اس درجہ کو مستقل بنا دیا کہ اکثر طلبا گو حافظ نہ ہوئے مگر قاری اور مجوّد ہو کر مدرسہ سے نکلے۔ اسی طرح عربی کے طلبہ کا دن بدن علمی ضعف آپ کو پریشان کرتا تھا کہ دورہ میں شریک ہونے والے بھی عبارت پوری صحت کے ساتھ نہیں پڑھتے اور اس کا بڑا سبب ان کی ابتدائی صرف ونحو کی کمزوری وبے توجہی تھی جس پر مزید تائید مدرسوں کے اس قانون سے ہو گئی تھی کہ شرح جامی تک وظیفہ نہ دیا جائے اور اس لئے باہر کے طلبہ بالخصوص اطراف بنگال کے جن کی ابتدائی استعداد نہایت کمزور ہوتی تھی وظیفہ کی خاطر بڑی کتابوں میں شریک ہو جاتے اور پھر ان کو اپنی ابتدائی کمزوری کے دور کرنے میں شرم آنے لگتی تھی۔ اس لئے قانون مدرسہ

ہیں کہ بوجوہات چند درچند وہ بھی مصلحت پر مبنی تھا آپ نے ترمیم نہیں کی مگر ایک درجہ ابتدائی کھولا جس میں میزان سے لے کر شرح جامی تک تعلیم دی جاتی اور اس کی نگرانی حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ کے حوالے فرمائی کہ ان کو خصوصیت سے ابتدائی صرف و نحو کے ساتھ مناسبت تھی اور اپنی طالب علمی کے زمانہ سے اس کا اہتمام فرمایا کرتے تھے اس درجہ کے لئے آپ نے وظائف علیحدہ مقرر کئے جو عطا کنندگان اسی مد کے لئے دیا کرتے اور اس لئے اس مد کا حساب جدا رکھا جاتا تھا سالانہ امتحان لینے کے لئے خود مولانا صدیق احمد صاحب تشریف لاتے اور سختی سے اس کی جانچ کیا کرتے تھے کہ طالب علم صرف و نحو پر پورا قابو ہو گیا یا نہیں۔ اس کمزوری کو بھی آپ نے دور ہوتا ہوا آنکھوں سے دیکھا اور اس وقت داخلہ کے امتحان میں سختی فرمائی کہ جب تک طالب علم شرح جامی پر حاوی نہ ہو اس کو اعلےٰ درجہ میں ہرگز نہ لیا جائے بلکہ مجبور کیا جائے کہ ابتدائی شعبہ میں داخل ہو اور دوبارہ پڑھ کر اپنی علمی بنیاد کو مضبوط کرے ورنہ کمزور بنیاد پر تعمیر کیا ہوا مکان ہمیشہ کمزور رہے گا اور گرے گا تو بیسیوں کو دبا کر ہلاک کر دے گا۔ اسی درجہ میں آپ نے بقدر ضرورت فارسی و ریاضی اور تحریر کی مشق پر زور دیا کہ طلبہ روزمرہ کی ضروریات عامہ میں ناقص و کمزور نہ رہیں

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ حضرتؒ کے چچازاد بھائی اور ہم عمر تھے کہ بچپن سے آپ ہی کے ساتھ کھیلے اور پڑھے۔ مولانا کو حضرتؒ کے ساتھ ابتدا سے یہ منافست کا مضمون رہا کہ جو کام حضرتؒ کرتے وہی آپؒ کرتے اور پیچھے رہنا نہ چاہتے تھے حضرت نے پڑھنا شروع کیا تو انہوں نے بھی شروع کیا۔ حضرت چچا کے پاس گوالیار گئے تو یہ بھی گئے۔ حضرتؒ انگریزی اسکول میں داخل ہوئے تو یہ بھی داخل ہوئے حضرت نے عربی شروع فرمائی تو انہوں نے بھی عربی شروع کی۔ حضرت دیوبند آئے تو یہ بھی آئے حضرت گنگوہ آکر بیعت ہوئے تو یہ بھی ہوئے اور حضرت نے ذکر و شغل شروع کیا تو انہوں نے بھی کیا۔ حتیٰ کہ حضرت مجاز و صاحب نسبت ہوئے تو یہ بھی مجاز و صاحب نسبت ہوئے۔ غرض جس کام میں بھی حضرت ہاتھ ڈالتے اپنے پیچھے

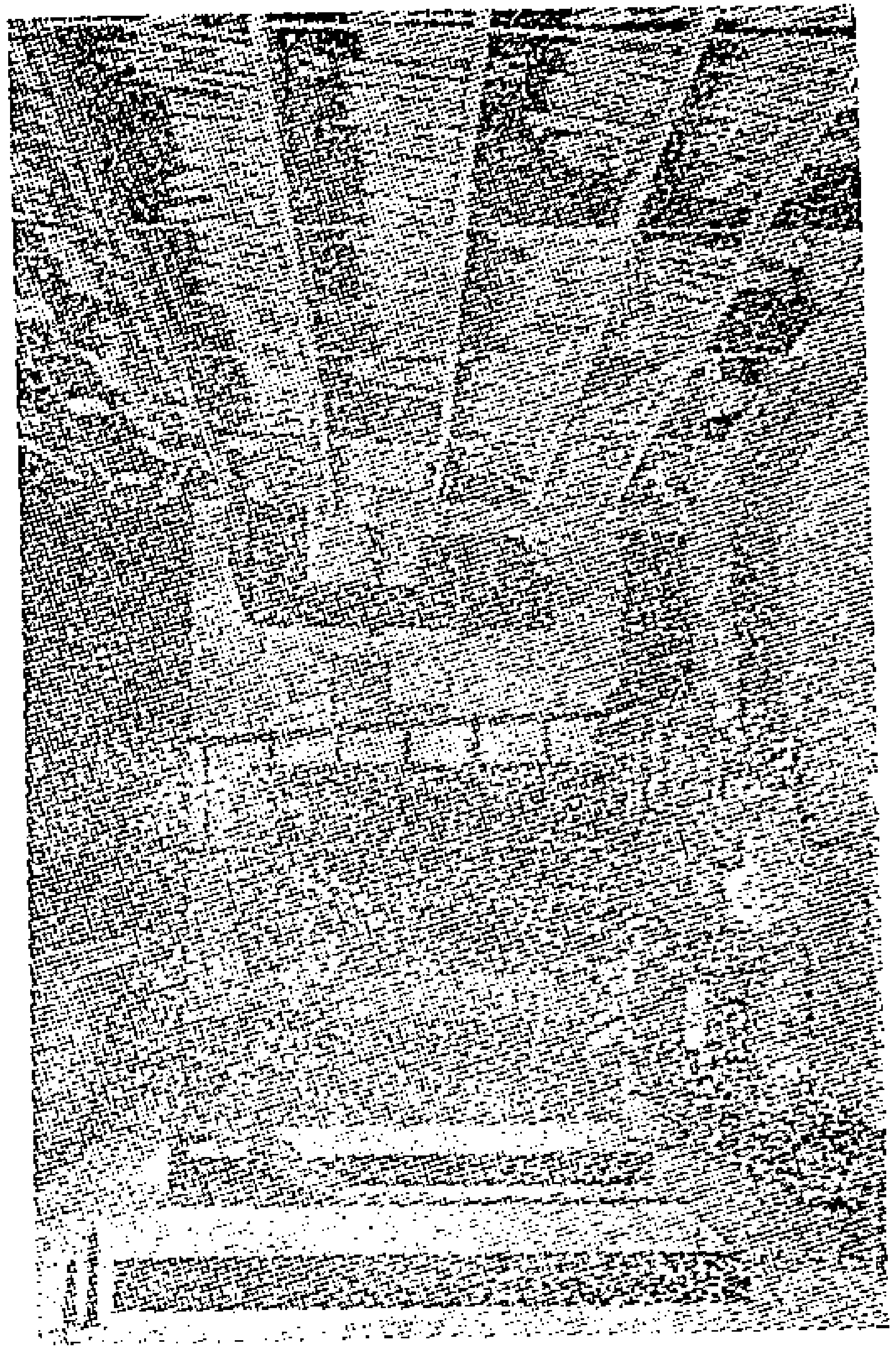

کتب خانہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

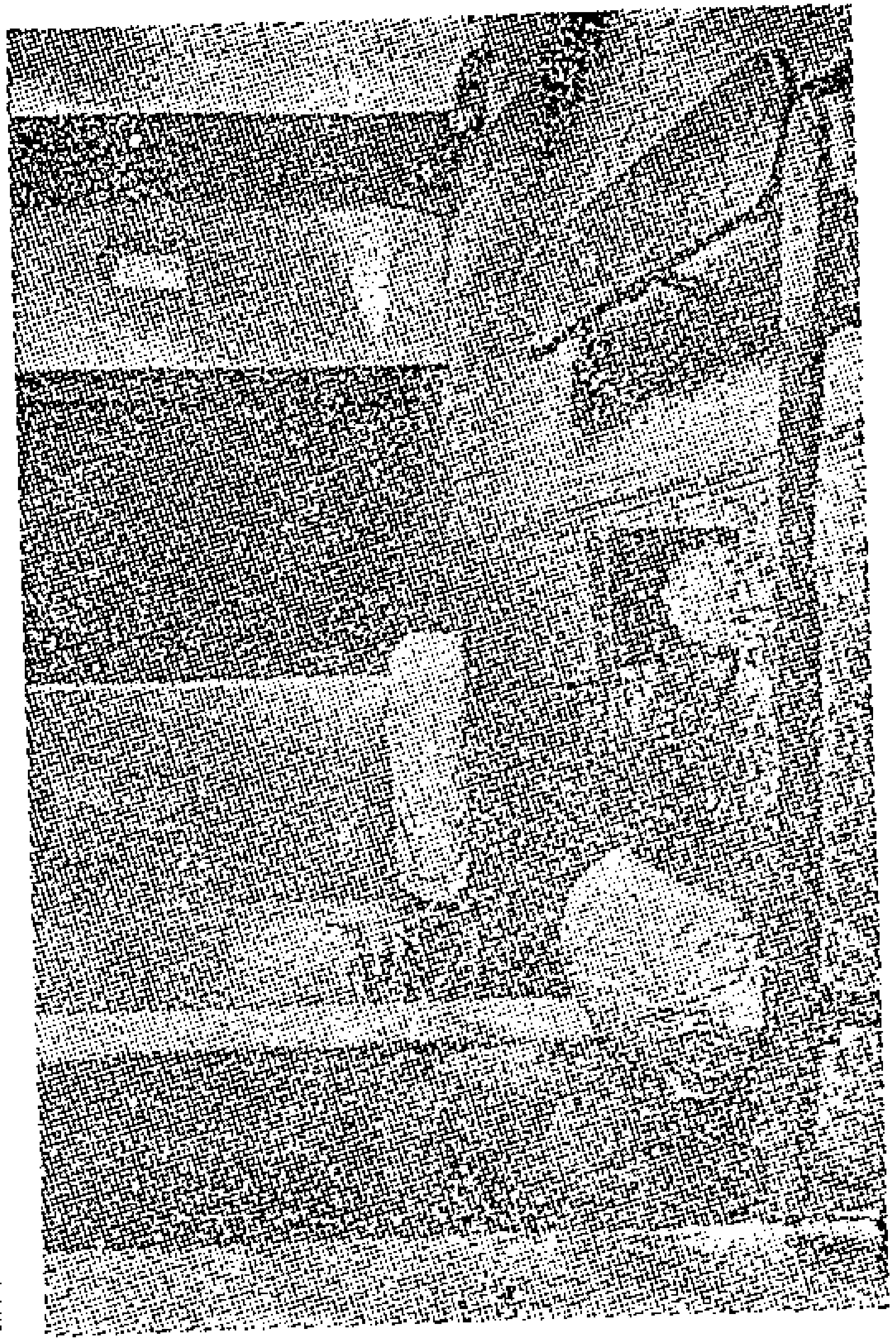

درسگاہ قدیم و حجرہ قیام گاہ حضرت رحمۃ اللہ

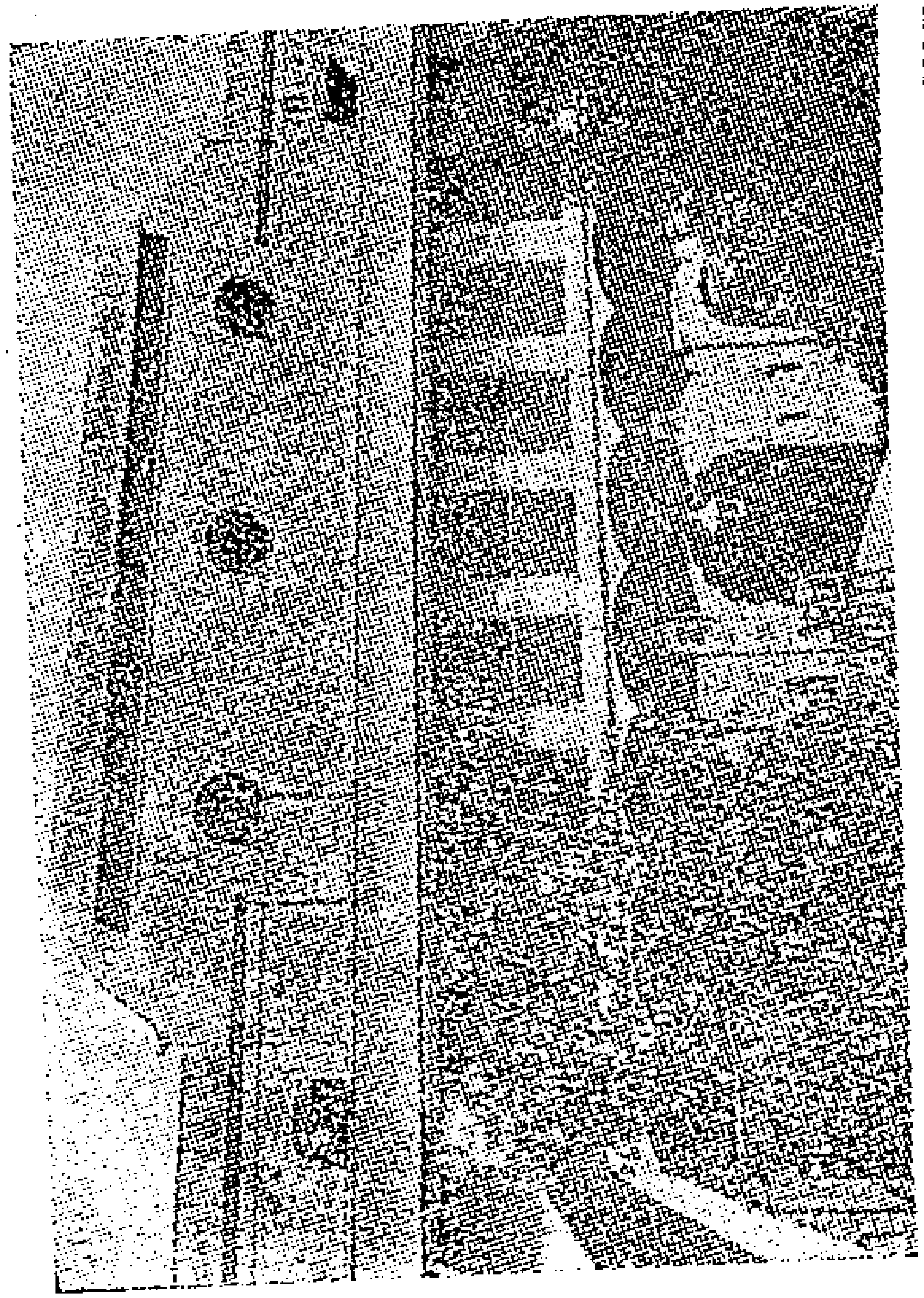

دار الطلبہ و دار الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

Marfat.com

Marfat.com

اور ساتھ ساتھ مولانا کو پانتے اور اس لئے خوش ہوتے اور دونوں کی محبت باہمی دن بدن بڑھتی چلی جاتی تھی۔ مولانا خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تو مولانا خلیل احمد کی حرص و منافست نے پڑھایا اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اللہ یجتبی الیہ من یشاء و یہدی الیہ من ینیب۔ آیت شریفہ میں وصول الی اللہ یعنی نسبت کی دو قسم ظاہر ہوئیں۔ ایک اجتبائی کہ اُدھر سے کشش ہو اور بندۂ سالک کو مسلوب بنایا جائے اور ایک انابتی کہ ادھر سے طلب ہو اور سالک محب و والہ بنے۔ چنانچہ میری نسبت اجتبائی ہے کہ تھوڑی محنت کروں یا زیادہ وہ نسبت یکساں حالت پر رہتی ہے اور اگر میری طرف سے ذکر و اعمال صالحہ میں کوتاہی ہوتی ہے تو اُدھر سے خود کشش ہوتی ہے اور مولوی خلیل احمد صاحب کی نسبت انابتی ہے کہ جتنی عبادات میں زیادتی کرتے ہیں اسی قدر نسبت میں ترقی ہوتی ہے اور اگر عبادات میں کمی ہوتی ہے تو نسبت میں ضعف و کمی لاحق ہوتی ہے۔"

مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر زمانہ اکتساب واردات کا بکثرت ہجوم ہوا اور سلوک میں آپ کو مقامات کی تفصیلی سیر کرائی گئی۔ چنانچہ مکاتیب رشیدیہ میں آپ کے نام کے پچیس خطوط درج ہوئے ہیں وہ سب اسی حالت کے مظہر ہیں۔ ایک بار حضرت نے فرمایا کہ میں سفر حج سے واپس آکر مولانا سے ملنے کے لئے دہلی گیا تو میں نے دیکھا کہ ذکر میں ایک جگہ الجھ رہے ہیں اور طبیعت آگے کو نہیں چلتی۔ گنگوہ آکر میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت مولوی صدیق احمد صاحب کی طرف توجہ فرمائیں کہ وہ ذکر میں الجھ رہے ہیں۔ اس کے بعد جو ملنے کا اتفاق ہوا تو دیکھا ماشاء اللہ خوب چل رہے ہیں۔ آپ فارغ التحصیل ہو کر مالیر کوٹلہ چلے گئے تھے۔ حکیم عبدالمجید خاں مرحوم دہلوی جب وہاں گئے اور آپ کو دیکھا تو طب پڑھنے کی ترغیب دی اور اپنے ساتھ دہلی لے آئے چنانچہ کتب طب کی تکمیل کرائی اور مطب بھی کرایا۔ اس وقت آپ گنگوہ میں بیعت ہو چکے اور اکتساب شروع کر چکے جب سب کچھ ہو لیا تو دفعۃً دل گھبرایا کہ روز گو مُوت کون دیکھا کرے اور اس میں تو یہی کرنا پڑے گا اس لئے ہر چند حکیم صاحب

Marfat.com

نے ٹھہرایا مگر میں نہ ٹھہرا۔ پھر حکیم صاحب کو چونکہ مجھ پر شفقت زیادہ تھی اس لئے بہت سی خاص دوائیں میرے ساتھ کر دیں مگر مجھے توجہ نہ رہی تھی اس لئے وہ بھی پڑے پڑے خراب ہوگئیں اور میں سب پڑھا پڑھایا بھول گیا کہ معالجہ کی توفیق ہی نہ ہوئی۔

آپ اپنے ابتدائی زمانہ کا قصہ فرمایا کرتے تھے کہ دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد مجھے بارہ روپیہ ماہوار پر مدرسہ ہی میں مدرس بنا لیا گیا اور میں نے پڑھانا شروع کر دیا۔ میرے طرز تعلیم پر طلبہ کا رجوع میری طرف زیادہ ہوا۔ اور مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم نے فرمایا مولوی صدیق احمد تمہاری وجہ سے میری دیرینہ مراد پوری ہوتی نظر آتی ہے۔ مجھے مدت سے افسوس ہے کہ پنجاب بنگال دور دور کے طلبہ آتے اور فارغ ہو کر چلے جاتے ہیں اور ہمارا علاقہ علم سے خالی ہوا چلا جاتا ہے اب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں اپنے ملکی طلبہ کا زیادہ خیال ہے اور یہی میری تمنا و شوق ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو اگر یہ پسند ہے تو وظیفہ کے لئے کافیہ اور قدوری کی قید اٹھا دیجئے اور طالب علم چھوٹا ہو یا بڑا اس کا کھانا مقرر فرما دیجئے چنانچہ آپ نے اس کو منظور فرما لیا اور پھر تو طلبہ کی یہ حالت ہوئی کہ سو میں پچھتر میرے پاس تھے جن کی تعلیم میزان سے ملا حسن تک تھی اور ۲۵ باقی مدرسین کے پاس۔ عام مدرسین کی عادت یہ تھی کہ کتاب میں جو جگہ سمجھ میں نہ آئی استاد کے پیچھے پڑے اور پوچھ لیا مگر مجھے اس سے عار آتی تھی اور میں مطالعہ دیکھتا اور دماغ پر زور دے کر نکالا کرتا تھا۔ مدرسہ کے نصاب میں تعلیم نحو میر کے لئے دو مہینہ مقرر تھے مگر میں نے اپنی جماعت کو آٹھ دن میں نحو میر حفظ کرا دی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے دوسرے مدرسین نے شکایت کر دی اور حضرت نے مجھے بلایا۔ حضرت کو غصہ زیادہ تھا اور دیر تک خفا ہوتے رہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میری جماعت کا اور دوسرے مدرسین کی جماعتوں کا امتحان لے لیجئے مگر شرح جامی کے سوالات نہ کیجئے اس سے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے بے پروائی سے وقت ضائع کیا یا کچھ کام کر کے دکھایا۔ چنانچہ حضرت نے سب کو بلا کر امتحان لیا اور سخت امتحان لیا کہ اکثر ناکام

Marfat.com

رہے مگر جتنے کامیاب ہوئے وہ میری ہی جماعت کے تھے اور ناکامیاب طلبہ میں بھی میرے شاگردوں کے نمبر دوسروں سے زیادہ تھے۔ ان باتوں سے مدرسوں کو مجھ پر حسد پڑھنے لگا اور آخر مجھے مدرسہ سے نکال کر گلاوٹھی بھجوا دیا۔

طلبہ کی ابتدائی تعلیم بالخصوص صرف و نحو میں پختگی اور ملکہ راسخہ پیدا ہو جانا چونکہ بچپن سے آپ کے نزدیک قابلِ اہتمام رہا اس لئے آپ سہارنپور و دیوبند دونوں مدرسوں کے ابتدائی شعبہ کے باضابطہ ممتحن رہے کہ ہر سال مالیر کوٹلہ سے تشریف لا کر امتحان لیتے اور رئیس جس کے آپ ملازم تھے ان ایام کو آپ کی رخصت میں بھی محسوب نہ کرتا تھا۔

میں نے بھی ایک مرتبہ آپ کو امتحان دیا ہے کہ مجھے عربی شروع کئے ہوئے تیسرا مہینہ تھا اور نحو میر ختم ہو چکی تھی اتفاق سے آپ میرٹھ تشریف لائے اور مدرسہ میں قیام فرمایا چونکہ شوق تھا اس لئے آتے ہی میرے استاد مولانا عبدالمومن صاحب سے کہ میں نے از اوّل تا آخر مولانا ہی سے پڑھا ہے دریافت فرمایا کہ بچے کونسی کتاب پڑھتے ہیں۔ مولانا نے مجھے پیش کر دیا اور فرمایا کہ اس کو میزان شروع کئے دو مہینہ ہوئے اور نحو میر ختم کر چکا ہے مولانا نے کتاب بند کرادی اور اوّل سے جو سننا شروع کیا تو آخر تک حفظ پوچھ لیا کہ کتاب کی ... ایک سطر یا ایک بات بھی نہ چھوڑی۔ اس کے بعد خوش ہو کر دعا دی اور فرمایا بچہ ہونہار ہے " مولانا اس کو بھول بھلا گئے اور اب جس وقت بھی دیکھتے احترام فرمایا کرتے۔ مگر مجھے شرم آتی اور ابتدائی امتحان یاد آجاتا تھا۔ آخر ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو میرے بھی ممتحن بن چکے ہیں کہ فلاں وقت فلاں مدرسہ میں آپ نے نحو میر کا از اوّل تا آخر میرا امتحان لیا تھا حالانکہ میری عمر بارہ سال کی تھی اور میزان سے لے کر نحو میر تک میں نے دو مہینہ میں پڑھا تھا۔ سوچ کر فرمایا ہاں کچھ یاد تو آتا ہے۔

حضرتؒ ممدوح کو کشف بہت ہوتا اور مزاج میں اتنی سادگی تھی کہ بے تکلف اپنے کشوف کونیہ کا اپنے لوگوں سے اظہار فرمایا کرتے تھے۔ تذکرۃ الرشید کے بعد

Marfat.com

رسے چونکہ حضرت کو مجھ پر شفقت بہت بڑھ گئی اور آپ کی غایت بے تکلفی نے مجھے بھی بے تکلف بنادیا تھا اس لئے ایک مرتبہ ظہور مہدیؑ کے غایت قرب کی بابت اپنے کشوف بیان فرمانے لگے گویا ہر لمحہ انتظار ہے اور توقع غالب ہے کہ اسی سال ظہور ہو جائے میں نے عرض کیا کہ حضرت بات یہ ہے کہ مجھے ان امور سے دلچسپی نہیں اور یوں سمجھتا ہوں کہ جو امر جس وقت بھی ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا کوئی قبل از وقت معلوم کرلے تو کیا نفع اور معلوم نہ ہو تب کیا نقصان بالخصوص قیامت اور اس کے متعلقات چونکہ ان پانچ چیزوں میں ہیں جن کا علم بجز اللہ جل جلالہ کے کسی کو حاصل نہیں حتیٰ کہ خلاصہ عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وقت کا تعین معلوم نہ ہوا اور محض آثار و علامات کا آپ نے تذکرہ فرمایا جس میں اس کا اشارہ بھی نہیں کہ کس صدی یا کس سال اور کس مہینہ میں یہ واقعہ ہو گا اس سے پتہ چلتا ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہی نہیں کہ اپنے اختصاصی علم کا کسی کو کچھ بھی حصہ دیں ورنہ محبوب کی ذات اس کے لئے احق و اولیٰ تھی لہٰذا میرا خیال تو یہ ہے کہ جن اہل اللہ کو اس کے متعلق کوئی کشف ہوا اس میں ضرور خلط ڈالا گیا تاکہ علم بالمغیبات کی تخصیص بذات اللہ میں فرق نہ آئے صاحب کشف کی ولایت میں بھی کوئی فرق نہ آیا کہ اس نے جو کچھ دیکھا حق دیکھا۔ جیسے دوربین میں دور کی چیز پاس نظر آتی ہے کہ دیکھنے والا ہاتھ بڑھا کر اس کو پکڑنا چاہتا ہے مگر یہ نہیں سمجھتا کہ چیز درحقیقت دور ہے اور صرف دوربین اس کو پاس دکھا رہی ہے۔ پس غلطی بھی ہے اور واقعیت بھی کہ شے نظر آنیوالی بیشک صحیح مگر اس کا قرب بعد دوربین کی مقدار قوت پر مشتبہ اور غیر معلوم ہے یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ ہاں بات یہی ہے۔

حضرت ممدوح میں سخاوت و مہمان نوازی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ایک بار خود فرمایا کہ جب میں طالب علمی کے لئے دیوبند آیا تو میرے والد صاحب نے مجھے ایک چونی دی کہ ضرورت میں کام آئے گی میں نے اس کو کمر بند میں باندھ لیا اور وہ چھ مہینے تک بندھی رہی۔ اس کے بعد کسی ضرورت سے اس کو بھنایا پس اس کے

بعد سے میرے ہاتھ میں کبھی پیسہ نہیں رہا اور جو کچھ آتا وہ خرچ ہو جایا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ ۱۳۰۲ھ میں جب میں حج کو جانے لگا اور حضرت امام ربانی سے اجازت لینے گنگوہ آیا تو حضرت نے دعائیں دے کر رخصت فرمایا۔ باہر نکلا تو حضرت نے آواز دی اور فرمایا کہ مولوی صدیق احمد جب میرے پاس سے کوئی حج کے لئے رخصت ہوتا ہے تو میں اس کو نصیحت کیا کرتا ہوں کہ ہاتھ کو تنگ نہ رکھنا مگر تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہاتھ کو فراخ نہ کرنا بلکہ تنگ رکھنا۔ چنانچہ آپ نو سو روپیہ لے کر وطن سے مع اپنی والدہ کے روانہ ہوئے اور زمانہ وہ تھا کہ تین سو روپیہ فی کس بھی کافی سمجھا جاتا تھا مگر آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب مدینہ منورہ سے واپس مکہ ہوا ہوں تو سب خرچ ہو چکا اور مجھے فکر تھا کہ ہندوستان جانے کے لئے کس سے قرض مانگوں اسی پریشانی میں ایک دن جا رہا تھا کہ ایک دکاندار نے مجھے بلایا اور کہا مجھے چار سو روپیہ سہارنپور کے خلاں تاجر کو پہنچانا ہے اگر آپ لیتے جائیں تو احسان ہوگا میں نے کہا کہ ایک شرط منظور ہو تو لیتا جاؤں گا وہ یہ کہ اس میں سے دو سو روپیہ قرض لوں گا جن کو سہارنپور پہنچ کر ادا کروں گا اور دو سو میرا امانت ہوگا کہ بجنسہ پہنچاؤں گا دکاندار نے اس کو بخوشی منظور کر لیا اور میرے لئے زاد راہ کا انتظام بلا سوال غیب سے ہو گیا۔ یہ بھی فرمایا کہ قافلہ والے عام طور پر اپنے بدوؤں کی شکایت کرتے تھے مگر مجھے تو میرے بدو نے بہت ہی آرام دیا۔ میں نے اس کے واسطے کھجوریں خرید لی تھیں اور جب وہ کہتا یا شیخ الجوع میں تو اس کو ایک لپ بھر کر دے دیتا اور وہ خوش ہو جاتا تھا۔ غرض باوجودیکہ آپ نے شیخ کے حکم کی تعمیل میں ہاتھ روکنے کی ہر وقت ہی کوشش رکھی مگر پھر بھی آپ کا ہاتھ دوسرے فراخ دستوں سے آگے بڑھا رہا اور گیارہ سو روپیہ دو دفعہ کے حج میں صرف ہو گیا۔ ایک مرتبہ آپ بزمانۂ طالب علمی بیمار ہوئے کہ کسی کو زیست کی امید نہ رہی۔ سہارنپور میں ایک حکیم حاذق تھے آپ کے والد نے بغرض علاج ان کے پاس لے جانا چاہا اور رتھ بھی کرایہ پر کر لیا۔ آپ فرماتے تھے کہ اسی رات میں نے خواب دیکھا کہ مدینہ منورہ

Marfat.com

روضۂ مطہرہ پہ حاضر ہوں اور بڑے شوق سے صلوٰۃ وسلام پڑھ رہا ہوں کیا دیکھتا ہوں کہ دفعتہً دروازہ کھلا اور میں سلام پڑھتا ہوا اندر داخل ہوا۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا دروازہ کھلا اور میں اندر گیا تو معلوم ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ملاءِ اعلیٰ کی سیر کو تشریف لے گئے ہیں۔ میں ٹھہر رہا اور ذرا دیر بعد آنحضرتؐ روحی فداہ ایک تخت پر تشریف لائے کہ داہنی طرف ابوبکر تھے اور بائیں طرف عمر فاروق ہیں۔ میں نے حضرت کو دیکھتے ہی بطرز الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنا شروع کیا اور حضرت نے میری طرف رُخ فرما کر پوچھا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت بیماری کی وجہ سے میرا پڑھنا رہ گیا میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ صحت ہو جائے فرمایا تو اچھا ہے یا اچھا ہو گیا۔ (صحیح لفظ یاد نہیں رہا) اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ صبح کو اٹھا تو آرام معلوم ہوتا تھا۔ مگر چونکہ رتھ کرایہ پر کرلی گئی تھی اس لئے مجھے سہارنپور لے گئے۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھکر والد صاحب سے فرمایا کہ پیر جی صاحب تمہارا لڑکا تو بالکل اچھا ہے صرف نقاہت اور ضعف باقی ہے سو معجون کا نسخہ لکھے دیتا ہوں اس کو کھلائیں ضعف بھی جاتا رہے گا۔

آپ کے حقیقی بھائی مولوی انوار احمد صاحب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ جب حضرتؒ کے بعد میں منگلور کی مدرسی پر گیا تو جائداد کی مشترکہ آمدنی پر میری غلط فہمی سے مجھے بھائی صدیق احمد کی طرف سے کبیدگی ہو گئی اور میں کشیدہ ہو بیٹھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ دہلی بغرض تعلیم طب گئے اور طب کو چھوڑ چھاڑ کر وہیں ذکر و شغل میں مشغول ہو گئے تھے۔ میں نے خواب دیکھا کہ کسی بلند جگہ پر کھڑا ہوں جو نہ زمین ہے نہ آسمان اور ایک خوشنما بنگلہ ہے جس کا کمرہ تعمیر ہو رہا ہے معمار مسلمان ہیں۔ ایک کا نام مولا بخش ہے اور دوسرے کا غلام رسول ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ بنگلہ کس کا ہے؟ جواب دیا گیا کہ آپ کے بھائی مولوی صدیق احمد کا۔ میری نظر نیچے پڑی تو چنائی گاؤدم نظر آئی اور میں نے کہا ایسی بھدی چنائی کیوں کی؟ کہا ابھی درست کئے دیتے ہیں اور سیقہ دے کر فوراً اس کو سیدھا کر دیا

Marfat.com

کہ ایک سوت میں ہوگئی اور بنگلہ مکمل و تیار ہوگیا۔ باہر دیکھا تو چار طرف چھوٹی سی نہر جاری ہے اور بجانب غرب چھوٹی سی مسجد ہے جس میں خوبصورت لوٹے رکھے ہیں۔ پھر میں نے نظر اٹھائی تو صدہا بنگلے چھوٹے بڑے تیار نظر آئے مگر مکین کسی میں نہیں۔ دوبارہ نظر اٹھائی تو شمالی رُخ ایک عالیشان عمارت نظر آئی اور ایک عمارت بجانب جنوب ۔ ۔ ۔ میں نے شمالی عمارت کے اندر جانے کا قصد کیا تو دربان نے روکا کہ ابھی حکم نہیں ہے تم پہلے جنوبی محل میں جاؤ۔ وہاں آیا تو دربان نہ تھا اور میں اندر داخل ہوا۔ دیکھتا ہوں کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم مع خلفاء اربعہ تشریف فرما ہیں۔ فرطِ شوق میں کئی منٹ تک قدم چومتا رہا کہ غلبۂ سرور میں میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ دفعتاً آنکھ کھل گئی اور دیکھا کہ آنسو جاری تھے۔ پھر آنکھ لگ گئی اور پھر یہی خواب دیکھا حتیٰ کہ تین دفعہ یہی پیارا منظر نظر آیا۔ میں اسی خواب پر میری وہ بد ظنی بھائی کے ساتھ جاتی رہی اور میں وطن آیا تو معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نے اپنا مستعملہ کُرتہ حضرت گنگوہی کے پاس بھیجا کہ خلفاء میں جس کو اس کا مستحق سمجھو اُسے دے دینا اور حضرت امام ربانی نے وہ کُرتہ بھائی صدیق احمد کو مرحمت فرمایا ہے چنانچہ بھائی بھی وطن آئے اور اس ملبوس شریف کی مجھے زیارت کرائی۔ اس کے بعد ہم بھائیوں میں کبھی کوئی خلش یا رنجش نہیں ہوئی۔

مولانا رحمۃ اللہ فرماتے تھے ایک بار مجھ سے کہا گیا کہ پوچھو کیا پوچھتے ہو۔ میں نے تین باتیں دریافت کیں جن میں ایک یہ تھی کہ مجھ پر یہ انعامات کیوں ہوئے تو ارشاد ہوا کہ شفقت علے الخلق والطلبہ کی وجہ سے۔ ایک بار ارشاد ہوا کیا چاہتے ہو؟ شہرت یا اولاد۔ تو میں نے اولاد کو پسند کیا۔ چنانچہ آپ صاحب اولاد ہوئے۔ اور ماشاء اللہ سب عالم و صالح اور خوشحال ضروریات معاش سے فارغ البال۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے شروع میں مجددیت کا دعویٰ کیا تھا۔ میں اس وقت مالیر کوٹلہ تھا اور بھائی مشتاق احمد کے پاس جو کہ لدھیانہ کے اسکول میں ہیڈ مولوی تھے وطن کو آتے جاتے ٹھہرا کرتا تھا۔ مرزا صاحب بھی اکثر

لدھیانہ آتے تھے اور مریدوں میں خوب آؤ بھگت ہوتی تھی۔ بھائی مشتاق احمد کی مجلس میں تذکرہ ہوا کہ مولوی صاحب ذرا معلوم تو کریں کہ آیا واقعی وہ مجدد ہیں میں نے کہا جب ایسا اتفاق ہو کہ وہ آئے ہوئے ہوں اور میں بھی یہاں موجود ہوں تو اس وقت چلیں گے۔ اتفاق سے ایسا موقع پیش آ گیا اور ایک مجلس میں میرا اور مرزا صاحب کا اجتماع ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ علمی گفتگو میں تو مرزا صاحب کچھ الٹی سیدھی بولتے ہی رہیں گے اور نتیجہ نہ نکلے گا لہٰذا میں نے ان سے پوچھا کیا واقعی آپ مجدد ہیں؟ کہا ہاں۔ میں نے کہا تو آپ کو مقامات سلوک ضرور طے کرائے گئے ہوں گے؟ بولے جی ہاں۔ میں نے کہا سیر اجمالی ہوئی یا تفصیلی؟ کہا اجمالی ہوئی ہے۔ میں نے کہا سیر اجمالی والا مجدد نہیں ہو سکتا کہ حضرت مجدد سرہندی قدس سرہٗ نے اپنے مکتوبات میں فلاں جگہ اس کی تصریح فرمائی ہے اس پر مرزا صاحب بولے مجھے اجمالی اور تفصیلی دونوں قسم کی سیر کرائی گئی ہے میں نے کہا تفصیل بیان کیجئے۔ بولے ایسی تفصیلی تھی جیسے ریل گاڑی تیز چل رہی ہو کہ بظاہر تفصیلی ہوتی ہے مگر کچھ یاد نہیں رہتا۔ میں نے کہا ایسی تفصیلی سیر میں اسٹیشن تو تمام ہی پڑتے ہیں انہیں کے نام شمار کرا دیجئے تو کچھ جواب نہ بن پڑا اور اکثر مولوی صاحبان کو جو مجمع میں موجود تھے ان کی طرف سے اعتقاد جاتا رہا۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ مالیر کوٹلہ میں مولوی عبدالرحیم مرحوم کے پاس دو طالب علم تھے جن کو یہ زعم تھا کہ ہمارے استاد جیسا کوئی معقولی دنیا میں ہے نہ ہم جیسا مستعد کوئی طالب علم۔ میرے پاس اس وقت مولوی عبداللطیف (لطیف یار جنگ بہادر پنشنر حیدر آباد دکن) مُلا حسن پڑھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ دونوں طالب علم آئے اور کہنے لگے یہ لڑکا ملا حسن کا کتنا سبق پڑھتا ہے میں نے کہا ۲ ورق۔ تعجب سے کہنے لگے ہم تو تین چار سطر سے زیادہ نہیں پڑھتے کیا یہ ۲ ورق سمجھ لیتا ہے؟ میں نے کہا بلکہ سمجھا سکتا ہے ان کو اور زیادہ حیرت ہوئی کہ ہم ملانوں کو تو وہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ قال اللہ وقال الرسول کے

Marfat.com

سو انہیں کچھ آتا ہی نہیں اور معقول سے ان کو کیا سروکار۔ لہذا کہنے لگے ہمیں اجازت دیجئے کہ یہ ہمارے ساتھ تکرار کیا کریں۔ میں نے کہا بہتر ہے تم آجایا کرو۔ چنانچہ دونوں طالب علم دوسرے وقت آئے اور مولوی عبداللطیف نے ملا حسن کھول کر ایک مقام اُن کو سمجھایا۔ اس کے بعد پوچھا کہ سمجھ بھی لیا؟ اور اچھی طرح ذہن نشین بھی ہوگیا؟ وہ بولے کہ ہاں خوب سمجھ لیا۔ تب مولوی عبداللطیف نے کہا کہ کتاب کا یہ مطلب نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ یہ اعتراض وارد ہوتا ہے بلکہ یہ مطلب ہے اور اس کی اچھی طرح تقریر کی۔ اس بحث کو جب وہ تسلیم کر چکے تو مولوی عبداللطیف نے پھر کہا کہ یہ بھی مطلب غلط ہے اور یہ یہ اعتراض پڑتا ہے چنانچہ تیسرے مطلب کی تقریر کی اور اس کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کرا کے ان کو تسلیم کرا دیا۔ آخر وہ اٹھے اور اپنے مزعومہ خیال کو وہیں چھوڑ کر اُٹھے۔

مولانا مرحوم اُن خوش نصیب بزرگوں میں تھے جن کو حق تعالیٰ کی طرف سے دین اور دنیا دونوں کی نعمتیں بھرپور عطا ہوئیں۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کے مجھ پر بڑے انعامات ہیں۔ عالم دین بنایا۔ اولاد عطا فرمائی۔ اولاد بھی صالح مصلح اور عالم۔ میں نے اپنی اولاد کی اولاد کو بھی دیکھا۔ اور مجھے اپنی اولاد کا یا کسی دوسرے کا دنیوی امور میں محتاج نہیں بنایا۔ بلکہ میرے سے دوسروں کو نفع پہنچوایا۔ چنانچہ آپ مالیرکوٹلہ میں مفتی تھے اور پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ باوجود کثیر العیال ہونے کے اپنے خاندان اور وطن کے نادار و حاجتمند اور یتامیٰ و بیوگان کی ہمیشہ خبرگیری فرماتے اور مالی اعانت کرتے رہتے تھے۔

انبہ کے موسم میں مولانا کا رخصت لے کر وطن آنے کا معمول تھا کہ انبہ سے خاص رغبت تھی اور کھانے سے زیادہ دوسروں کو کھلانے کا شوق تھا۔ چنانچہ جولائی ۲۵ء میں حسب معمول مع اہل و عیال وطن آکر موسم انبہ کے ختم پر ستمبر میں واپس ہوئے تو گردن و شانہ کے درمیان خفیف درد ہو گیا جس کا علاج اول یونانی ہوا اور اُس سے نفع نہ ہونے پر ڈاکٹری۔ چنانچہ چند روز بعد درد جاتا رہا اور آپ نے

پنجشنبہ ۲ر صفر ۴۴ھ کو داڑھی پر مہندی کا خضاب لگایا اور غسل فرما کر کپڑے بدل کر بعد نماز عصر معالج کا شکریہ ادا کرنے کے لئے چلے۔ دروازہ میں آ کر کچھ ضعف معلوم ہوا اور وہیں بیٹھ گئے۔ ذرا دیر بعد ہمت فرما کر اٹھے اور ڈاکٹر صاحب کی توجہ کا شکریہ ادا کر کے گھر آئے۔ کھانا کھایا اور مغرب کی نماز پڑھی مسجد سے واپسی میں پھر ضعف محسوس ہوا کہ چلتے چلتے ٹھہر گئے اور پھر ہمت کر کے مکان کے بالاخانہ پر حسب عادت جا لیٹے۔ عشا کی نماز کو پھر مسجد میں آئے اور با جماعت ادا فرما کر مکان پہنچے۔ حسب معمول آخر شب کیلئے پانی بھر کر لوٹا رکھا۔ کوٹھری کو جس میں آپ کی مختصر اشیاء ضروریہ رکھی رہتی تھیں قفل لگایا اور گیارہ بجے کے قریب چارپائی پر لیٹ رہے۔ مگر آرام نہ آیا تو بے چین ہو کر اٹھ بیٹھے اور ذکر جہر شروع کر دیا۔ ذرا دیر بعد قضاء حاجت کو گئے اور واپسی میں ضعف زیادہ ہو گیا۔ فرمایا سینہ میں درد معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے صاحبزادے مولوی شفیق احمد نے سینکنا شروع کیا مگر دیکھا کہ آواز پست ہوتی جاتی ہے دوبارہ تقاضاً حاجت کے لئے چوکی قریب رکھی گئی اور آپ فارغ ہو کر تکیہ سرہانے رکھکر پلنگ پر لیٹ رہے۔ آپ ذکر کی آواز آتی کمزور ہو گئی کہ بدشواری سنائی دیتی تھی کہ بارہ بجے شب کو دفعۃً بلند آواز سے اللہ کہا اور روح رفیق اعلیٰ سے جا ملی۔ متعلقین نے سمجھا کہ غشی یا سکتہ ہوا مگر ڈاکٹر نے آ کر کہا کہ رخصت ہو لئے اور اب کچھ نہیں ہے۔ اگلے دن جمعہ کو بالیر کوٹلہ کے گورستان میں دفن ہوئے اور اس طرح پر ایک نماز قضا کئے بغیر چند لمحات میں آخرت کا کٹھن سفر ختم فرما لیا فانا للہ وانا الیہ راجعون ؎

ہر آنکہ زیست بناچار بایدش نوشید ۔۔۔ ز دور جام ہے کل من علیہا فان

انتقال کے بعد دیکھا گیا تو آپ کے کمربند میں صرف ایک اکنی تھی اور بین وصال سے تین دن قبل آپ کا خط بڑے صاحبزادے مولوی فاروق احمد کے نام بہاولپور پہنچا تھا جس میں تحریر تھا کہ تقریباً ساڑھے چار سو روپیہ کا مقروض ہوں لیکن اس سے کچھ زیادہ میری تنخواہوں کا سرکار میں باقی ہے۔ اللہ کی شان کہ نواب صاحب

اس وقت شملہ تھے۔ آپ کی وفات سے مطلع ہوتے ہی حکم آیا کہ ریاست کا ایک بڑا اہل کار ہماری طرف سے تعزیت کے لئے پس ماندگان کے پاس جائے اور مفتی صاحب کی چڑھی ہوئی ساری تنخواہیں ساتھ لیتا جائے اور ایسے موقع پر ریاست کا جو دستور ہے وہ عمل میں لائے۔ اس طرح پر حق تعالیٰ نے آپ کو بار قرض سے اور کفن و دفن کے تمام خرچ کو آپ کی کمائی سے پورا فرمایا کہ پسماندگان پر آپ کا بار ایک پیسہ کا بھی نہیں پڑا۔ آپ اپنی حیات میں متعدد مرتبہ فرما چکے تھے کہ میری تمام کتابیں بتولیت اولاد وقف ہیں اور میں اپنی اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ علم دین کو خود کہ ان کا ترکہ پدری ہے اپنی اولاد سے نکلنے نہ دیں اور اگر خدا نخواستہ میری اولاد میں علم نہ رہے تو اس وقت ان کتابوں کو کسی مدرسہ میں داخل کر دیں۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

حضرتؒ کو مولانا کے ساتھ کئی تعلقات سے محبت تھی کہ چچازاد بھائی تھے، بچپن سے ہمجولی اور ہمعصر تھے، ہر معاملہ میں عرصہ دراز تک ساتھ ساتھ رہے تھے، سمدھی تھے کہ آپ کے صاحبزادے حافظ ابراہیم کا مولانا کی صاحبزادی سے عقد ہوا تھا، ہم مذہب اور پیر بھائی تھے اور ایک شیخ سے اجازت یافتہ ہوئے دونوں حضرت امام ربانی کے خلیفہ تھے اس لئے جب آپ کے کانوں میں یکایک اس سانحہ کی خبر پہنچی تو گویا آپ کی کمر شکستہ ہو گئی۔ وطن میں خبر پہنچنے پر العزہ بالبرکو بلا گئے اور جب ان کی واپسی ہوئی تو حضرت نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد جا چکے اور خطبہ شروع ہو گیا تھا۔ سنن سے فارغ ہو کر جب حضرت چلے تو آنے والے صاحب نے مصافحہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت وہیں بیٹھ گئے اور مرض و وفات کے متعلق حالات سنتے اور پوچھتے رہے۔ آخر میں چشم نم ہوئے اور انا للہ پڑھ کر فرمایا کہ میرے سارے ہمعصر رخصت ہو چکے۔ اب صرف میں ہوں دیکھئے اس مٹی کو کب تک گھسیٹنا مقدر ہے۔

بزم علم و ہدی نہ بہجی گشت برہم یک بیک ۔ ساقی از محفل شد و شکستہ شد جام و سبو
محفل علم و ادب شد بے نمک از رفتنش ۔ کام جاں تلخ است بے مزہ از تلخی ہجران او

حضرتؒ طلبہ کے متعلق تعلیمی امور میں بہت سخت تھے اور انتہا یہ کہ ان میں کسی ادنیٰ رعایت

کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح طلبہ کی علمی و اخلاقی حالت پر بھی سخت نظر ڈالا کرتے اور کیسا ہی کسی عزیز یا دوست کا بچہ ہو جب اس کی بدوضعی یا آزادی کو محقق فرما لیتے تو بے تامل مدرسہ سے خارج کر دیتے اور جب تک وہی اپنی حالت پر نادم ہو کر سچی توبہ نہ کرے اس کے ولی و وارث کی کوئی سفارش نہ سنتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو اتنی بات پر کہ انہوں نے حضرت کی قرابت کے ناز پر اپنے استاد کا احترام و ادب ملحوظ نہ رکھا تھا فوراً مدرسہ کی کتابیں واپس کرنے حکم دے دیا اور جب تک خود استاد نے حضرت سے سفارش نہ کی اس وقت تک واپس کردہ کتابیں ان کو دوبارہ نہ دی گئیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دفتر و مطبخ وغیرہ کے ملازمین کی طلبہ پر کوئی داب یا سختی حضرت کو گوارا نہ تھی اور ایسے مواقع پر حضرت ہمیشہ طلبہ کا پہلو لیا کرتے تھے ایک مرتبہ میں حاضر تھا کہ ایک طالب علم کی آپ کے پاس محرر مطبخ کے متعلق شکایت آئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ طلبہ کو کھانا تقسیم کر رہے تھے۔ اس طالب علم کو جلی ہوئی روٹی ملی جس کے لینے سے اس نے انکار کیا اور محرر مطبخ نے سختی سے جواب دیا کہ اب غضب ہو گئے کہ جلی اور موٹی سوجھنے لگی۔ لینا ہو لو ورنہ جاؤ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو اپنے حصہ میں لگا لوں یا چور روٹی چلے اس کا تاوان دیا کردوں۔ حضرتؒ یہ خبر سنتے ہی مطبخ میں آئے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا میں ساتھ تھا اور دیکھ رہا تھا کہ حضرت کے بدن اور آواز دونوں میں رعشہ ہے۔ محرر مطبخ سے آپ نے واقعہ پوچھا اور جب انہوں نے خود ہی اس توقع پر صحیح صحیح بیان کر دیا کہ طلبہ کا نظام قائم رکھنے کے لئے محرر کی طرفداری کی جائے تو اس وقت آپ نے فرمایا منشی جی سنو۔ مدرسہ انہیں پردیسی بے وطن مسکین طلبہ کے دم سے قائم ہے اور تم اور میں دونوں انہیں کے طفیل میں روٹیاں کھا رہے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو نہ مطبخ کی ضرورت نہ تمہاری حاجت۔ مدرسین بھی فارغ اور مدرسہ بھی خالی۔ یہ مسکین ہی محتاج سہی مگر مجھے اور تمہیں دونوں کو روٹیاں دے رہے ہیں مجھے صرف یہ بتادو کہ تمہیں ترش کلام کرنے کا کیا حق تھا اور تم کون تھے یہ کہنے والے کہ غضب ہو گئے

Marfat.com

میں ان کا باپ بنا ہوا ابھی زندہ بیٹھا ہوں تم کو مطبخ سے جزو تنخواہ بنا کر دو خوراک ملتی ہیں آخر کیا وجہ تھی کہ جلی ہوئی روٹی تم اپنی خوراک میں نہ لگا سکے اور مہمان رسول کو مجبور کیا کہ یا تو یہی جلی ہوئی کھائے ورنہ فاقہ کرے۔ اب تو اپنی خوراک اس کے حوالہ کر دو اور آئندہ کے لئے خوب کان کھول لو کہ کسی طالب علم کے ساتھ کچھ بھی تیز یا ترش برتاؤ کیا تو کان پکڑ کر مطبخ سے نکال دوں گا۔ ہاں کسی طالب علم کی کوئی غلطی ہو تو مجھ سے کہو میں تحقیق کے بعد جو سزا مناسب سمجھوں گا دوں گا۔ مگر دوسرے کو نہ دیکھ سکوں گا کہ وہ انہیں ترچھی نظر سے بھی دیکھے چونکہ یہی غلطی ہے اس لئے اس وقت تنبیہ پر اکتفا کرتا ہوں کہ آئندہ اس کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

اسی طرح مدرسین کے احترام کا آپ کو خاص اہتمام تھا اور ان کے ساتھ وہ شفقت ولطف کا برتاؤ فرمایا کرتے جو ان کے لئے شایان تھا باوجودیکہ تمام مدرسین آپ کے شاگرد اور معتقد خادم تھے مگر جب کوئی آتا تو آپ اس کو پاس بٹھا لیتے اور انکی بڑی بھلی سب توجہ سے سنتے اچھے مسکراتے اور کوئی شکایت لاتا تو اس کی کافی تحقیق فرما کر ان کو تسلی دیا کرتے تھے طالب علم اور استاد کے مابین کوئی قصہ ہوتا جس میں غلطی استاد کی ہوتی تو اس وقت بڑی حقیق پیش آتی اور بڑی حسن تدبیر سے دونوں پہلو نبھا لا کرتے تھے۔ مولوی ظفر احمد کے مزاج میں غصہ تھا۔ ایک مرتبہ طالب علم کے بے تکے سوالات پر ان کو پڑھاتے ہوئے غصہ آیا تو کتاب کہ فلسفہ کی تھی طالب علم کے منہ پر ماری حضرتؒ کے قریب ہی ان کی درسگاہ تھی اور حضرت نے سب دیکھا اور سن لیا تھا اس وقت گرفت کرنے میں طالب علم کی جرأت بڑھنے کا اندیشہ تھا اور حضرت کو اس کا خاص اہتمام رہتا تھا کہ طلبہ کے قلوب میں استاد کی عظمت قائم اور باقی رہے اس لئے ایسا کر دیا گویا سنا ہی نہیں بعد عصر جب مولوی ظفر احمد صاحب مجلس میں آکر بیٹھے تو حضرت نے فرمایا مولوی ظفر کیا کتاب سے بھی مارا کرتے ہیں؟ کتاب تو اس کے لئے موضوع نہیں ہوئی پھر کتاب بھی مدرسہ کی جو کہ وقف ہے اور جسکی حفاظت ضروری مولوی صاحب نے غلطی کا اقرار اور آئندہ کے لئے احتیاط کا عہد کیا تو آپ مسرور ہوئے اور پھر محبت کے لہجہ میں فرمایا بھائی آجکل طلبہ کو مارنے کا زمانہ نہیں ہے

کیونکہ زمانہ فساد کا ہے قلوب میں تکبر بھرا ہوا ہے بعض ناداں مقابلہ سے پیش آنے لگتے ہیں اس سے تو بالکل ہی احتیاط کرو اور اگر کوئی زیادہ بک بک لگا دے اس کو مہتمم سے اطلاع کر کے درس اتنے اشارہ دو بس اس سے زیادہ سزا کی ضرورت نہیں یا امتحان اپنے مدرسہ کا ہو یا دوسرے مدرسہ کا حضرت سخت لیا کرتے مگر اس کے ساتھ ہی نمبر اچھے دیتے تھے ۱۳۲۷ھ میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں دینیات سے فارغ شدہ طلبہ کے امتحان دلائے جانے کی تجویز ہوئی کہ تمام علوم میں امتحان لیا جائے اور بجائے تقریری کے تحریری امتحان ہو جس کے لئے سوالات بیرونی علماء سے منگائے جائیں۔ چنانچہ ادب و بلاغت اور صرف و نحو کا امتحان حضرتؒ کے سپرد ہوا اور حضرت نے علوم عربیت کے اہم سوالات تحریر فرما کر مدرسہ میں بھیج دئے مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی بھی شریک امتحان تھے اور جب امتحان سے فارغ ہو کر وطن آئے تو حضرت کی زیارت کا شوق ہوا کہ اس سے قبل کبھی زیارت نہ ہوئی تھی چنانچہ جب بھائی کے ساتھ دیوبند جانے لگے تو بھائی سے اپنی خواہش ظاہر کی کہ راستہ میں تھانہ بھون حضرت کی زیارت کرتے چلیں کہ ادب و بلاغت میں یہاں سے ممتحن تھے شاید کچھ نتیجہ امتحان کا بھی پتہ چل جائے بھائی نے کہا کہ بس زیارت کرنا چاہو تو کر لو باقی نتیجہ امتحان کا پتہ مولانا نہیں دیں گے کہ یہ قاعدہ کے خلاف بات ہے چونکہ مولوی ظفر احمد صاحب کے قلب میں حضرت کی عظمت بیٹھ گئی اور ایک میلان و کشش پیدا ہو گئی تھی اس لئے مدرسہ میں آئے اور حضرت کی زیارت کی مولوی ظفر احمد صاحب کا بیان ہے کہ حضرت کی طبیعت مبارکہ میں شفقت تو قدرت نے ایسی کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ اس کی نظیر ملنا دشوار ہے زیارت کے ساتھ ہی جس چیز کو میں نے دیکھا وہ حضرتؒ کا تبسم کے ساتھ کشادہ پیشانی سے شفقت و عنایت فرمانا اور تھوڑی ہی دیر میں قبل ازیں کہ میں نتیجہ امتحان کے متعلق کچھ عرض کرتا خود ہی یہ فرمایا کہ میاں ظفر تمہارے جوابات سے ہم بہت خوش ہوئے تم نے بعض سوالات کے جوابات اچھے لکھے اور بالخصوص اردو کی عربی اور عربی کی اردو بہت اچھی بنائی [illegible]

لیے ہم نے نمبر بھی تم کو اچھے دیئے اور یہ فرما کر حجرہ میں تشریف لے گئے اور جوابات کے پرچوں کا پلندہ نکال کر باہر تشریف لائے۔ اس میں سے میرے جوابات کا پرچہ نکالا اور میرے سامنے ڈال دیا کہ دیکھو نمبر سب سے زیادہ ہیں (یعنی مولوی نمبر میں صرف ایک یا دو کم تھے) اور کسی کے نمبر اس قدر نہیں ہیں، سب تم سے کم ہیں۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ شاید حضرت کو کشف ہوگیا کہ میں نتیجہ امتحان کے متعلق خیال لے کر آیا ہوں۔ اس کے بعد پھر مجھے اپنے ساتھ دولتکدہ پر لے گئے اور جو سٹے پر چائے تیار رکھی اپنے ہاتھ سے پیالی میں نکال کر مجھے عطا فرمائی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں اول صبح کے دو گھنٹے ترمذی شریف ہوا کرتی اور اس کے ختم ہو جانے پر بخاری شریف شروع ہو جاتی تھی اور رجب کے وسط میں دونوں کتابوں سے باطمینان فراغ ہو جاتا تھا اس کے بعد فقہ و تفسیر کے اعلیٰ اسباق ہوتے اور اوقات مدرسہ میں ایک گھنٹہ آپ کا درس سے فارغ رہتا تھا جو فتاویٰ کے لکھنے یا دوسروں کے لکھے ہوئے کو دیکھنے اور سننے میں خرچ ہوتا تھا۔ سنہ ۲۸ھ سے جب مولوی محمد یحییٰ صاحب تشریف لے آئے تو آپ کا ایک گھنٹہ صبح کا اور ایک شام کا فارغ ہونے لگا اور یہ وقت امور نظم مدرسہ میں صرف ہونے لگا۔ سنہ ۳۵ھ میں جب آپ نے ابوداؤد کی شرح بذل المجہود کی تالیف شروع فرمائی تو دو گھنٹے صبح کے تالیف کے لیے تھے اور ایک گھنٹہ شام کا فتاویٰ کے لیے اور باقی گھنٹوں میں درس۔ مگر سنہ ۳۹ھ میں صبح کا تمام وقت بذل کی تالیف میں مستغرق ہو گیا اور شام کو ایک سبق کا آپ درس دیتے تھے جو ہر سال بدل جاتا تھا کہ ایک سال ابوداؤد شریف ہوتی دوسرے سال مسلم شریف اور پھر نسائی شریف۔ اخیر کے دو سال سنہ ۴۳ و ۴۴ھ میں صرف مؤطا امام محمد طلبہ کے اصرار پر تبرکاً پڑھاتے اور صبح کا تمام وقت بذل میں خرچ ہوتا تھا اور شام کا خطوط کے جوابات اور فتاویٰ میں کہ ڈاک کی آمد بہت بڑھ گئی تھی۔ جوابات خطوط ابتدا میں آپ خود تحریر فرمایا کرتے اور خط ایسا حسین تھا گویا تصویر کھینچ دی چنانچہ سنہ ۲۹ھ تک کے

آپ کے بھیجے ہوئے خطوط بندہ کے پاس ایک ہزار سے زیادہ موجود ہیں جو حضرت کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ جلد اور اتنا حسین لکھنا حضرت ہی کا کام تھا۔ بعض خطوط حضرتؒ نے آخر شب میں چراغ کے سامنے لکھے ہیں کہ دن کو فرصت نہیں ملی مگر کیا مجال کہ حسن میں ذرہ برابر فرق آیا ہو۔ پھر جب رعشہ بہت بڑھ گیا تو مولوی محمد یحییٰ صاحب مولوی عبید اللہ حاجی مقبول احمد اور مولوی زکریا صاحب وغیرہم آپ کے کاتب رہے۔

انتظام مدرسہ کے متعلق حضرتؒ میں ایک خاص کمال یہ تھا کہ ہر شعبہ کی نگرانی بغیر وقت صرف کئے فرماتے تھے کہ کسی کام میں بھی مشغول ہوں خیال چاروں طرف رہتا اور کسی شعبہ سے بھی غفلت نہ ہوتی تھی۔ مدرسین کی تعلیم۔ طلبہ کی حاضری مطالعہ تکرار کتب بینی پابندی نماز و تلاوت قرآن اور نیک چلنی و وضعداری کا جدا دھیان تھا اور دفتر کے تمامی رجسٹروں کی وقت پر خانہ پُری اور حساب کتاب کی صحت و صفائی کا جدا خیال تھا۔ کتب خانہ کی محافظت اور صفائی و ترتیب پر علیحدہ نظر تھی اور مطبخ کی اجناس کے محفوظ اور وزن میں ہر وقت صحیح رہنے پر علیحدہ نگاہ تھی۔ ہر شعبہ کے ملازمین کا صحیح وقت پر آنا حضرت کی ادنیٰ توجہ اور ہیبت خداداد کی بدولت اتنا قابو میں آیا ہوا تھا کہ چند منٹ کی غیر حاضری کے چھپا لینے پر بھی کوئی قادر نہ تھا۔ علمی مشغلہ آپ کا اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اہل نظر اس پر تعجب کیا کرتے تھے چہ جائیکہ اس پر فتاویٰ کا اشتغال کہ وہ مستقل مد ہے اور پھر خطوط کے جوابات جس میں علمی اشکالات طلب مشورہ احتیاج تربیت ذکر و اوراد کے استفسار اظہار واقعات خانگی معاملات وغیرہ وغیرہ سب ہی کچھ ہوتے تھے جدا مشغلہ تھا جو دماغ کے کامل سکون اور طبیعت کے پورے حضور کو چاہتا تھا اس پر ہر شعبہ کی نگرانی اور طرہ بران ہر جزو کی اصلاح اور ترقی کا فکر و تدبر ایسے امور تھے کہ دیکھنے والا حیران ہو جاتا تھا۔ بس ایک مشین تھی جو بھاپ کے ذریعہ چل رہی اور اپنے ساتھ جڑے ہوئے ہر آلہ کو اس کام میں لگائے ہوئے تھی جس کے لئے وہ وضع کی گئی ہے کہ انجن صرف ایک ہے

Marfat.com

مگر اس مشین سے نکلنے والی برقی قوت چکیاں بھی چلا رہی ہے کہ آٹا پیس رہی ہے پریس بھی چلا رہی ہے کہ کاغذ چھاپ رہی ہیں پنکھے بھی چلا رہی ہے کہ پسینہ سوکھے اور قمقمے بھی روشن کر رہی ہے کہ دنیا جگمگا اٹھے اور رات کی تاریکی میں نصف النہار کا سورج نکل آوے۔ اسی طرح حضرتؒ کا ایک دم تھا کہ درس بھی دیتا تھا۔ تالیف بھی کرتا تھا معاشرت اہل و عیال میں بھی نمونۂ سنت بنا ہوا تھا مدرسہ کے ہر شعبہ کی نگرانی اور اس کی ترقی میں فکر و سعی بھی رکھتا تھا۔ مہمانوں کی مدارات اور تمامی کنبہ و برادری سے شیریں تعلقات نباہتا تھا مخلصین کی دلدہی اور معصروں کی مخلصانہ محبت میں دُور دُور کے سفر اور متواتر مسلسل و مختلف اسفار میں حسب موقع دن اور ہفتے اور مہینے خرچ کرتا تھا طالبین میں ہر شخص کی طاقت و قابلیت کے موافق ان کو زبانی اور بذریعہ مراسلت اصلاح حال کی تعلیم بھی دیتا تھا توجہ و تصرف ہمت سے ان کی تربیت بھی فرماتا تھا اور باایں ہمہ اپنے مولٰے کے ساتھ قلبی و جسدی تعلقات کے تمامی حقوق ادا کرتا تھا جو زہاد و عباد کسی پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھکر ادا کیا کرتے ہیں۔ اس دماغی اور بدنی مشاغل میں مشغول ہو کر کوئی برسوں کا حاضر باش بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں نماز کی تکبیر تحریمہ حضرتؒ سے چھوٹ گئی یا فلاں شب تہجد کے لیے آنکھ نہیں کھلی حضرتؒ کے مشاغل روزمرہ کا عشر عشیر بھی کسی کے سر پر رکھ دیا جائے تو بڑا بہادر و باہمت کہلائے گا اگر چند ہفتے بھی یکساں حال پر تیقظ و چستی میں گزار دے چہ جائیکہ عمر کا بڑا حصہ اور وہ بھی اخیر جس میں بیماری جسمانی قوتیں جواب دینے لگتی ہیں اس چستی و پابندی میں گذرا کہ جو دن آیا وہ ایک جدید اشتغال کا اضافہ ساتھ لایا کہ مدرسہ بھی ترقی پذیر ہو کر روزانہ مزید توجہ کی احتیاج بڑھاتا رہا اور اصلاح و تربیت روحانی کے سلسلہ میں بھی روزانہ ترقی ہو کر کماً و کیفاً مزید اشتغال کی ضرورت بڑھتی رہی۔ باوجودیکہ آپ مدینہ کی زمین میں دفن ہونے کی ہوس پر ہندوستان چھوڑ چکے اور سمندر پار جہاں سے خط بھی پچیس [۲۵] دن میں پہنچے یکسو ہو کر بیٹھ چکے تھے۔ مدرسہ سے رخصت لے چکے اور اس کو اپنے معتمد خدام کے حوالے کر کے تمامی ذمہ داریاں سر سے اتار چکے تھے مگر میں مجسم حیرت بن گیا

جب آپ کا رجسٹری شدہ والا نامہ میرے نام آیا جس میں مدرسہ کے متعلق بیش سے زیادہ وہ جزئی واقعات لکھے جن کی تحقیق اور اصلاح کی ضرورت تھی اور پھر ہر عامے کا قطعی فیصلہ بھی تحریر فرمایا کہ فلاں واقعہ اگر صحیح ہو تو یہ کرنا چاہیئے اور غلط ہو تو یہ ہونا چاہیئے اور اس کے بعد قواعد کلیہ کے درجہ میں نگرانی کا سبق پڑھایا مافات کی تلافی اور آئندہ کی احتیاط کا طریق سکھلایا اور ان علامات مخفیہ پر آگاہ کیا جو اس وقت نہیں مگر آئندہ سوئی کا پھاوڑا بنتی نظر آتی ہیں۔ غرض جن امور سے ہم حاضرین کی آنکھیں اور کان تک بے خبر اور قلوب مغفل و دماغ معطل تھے آپ نے یثرب کی زمین میں بیٹھے ہوئے ان پر روشنی ڈالی اور ایسی ڈالی کہ اُن سے نفع اٹھانے والا ایک چلتے ہوئے مفید عام کارخانہ کی تمام ذمہ داریوں کو باسانی انجام دے سکتا ہے بشرطیکہ چاہے۔

یہ آپ کا خداداد تیقظ اور عطاء الٰہی بصیرت تھی کہ آپ دور بیٹھے وہ دیکھتے اور سمجھتے تھے جو پاس بیٹھے ہوئے کو نظر نہیں آتا تھا۔ عام انتظام اگرچہ برائے نام مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب کے حوالے تھا مگر آپ خفیہ اور ظاہر دونوں طرح خود نگرانی فرماتے بلکہ ناظم اور انتظام پر بھی نظر رکھتے تھے کہ آئندہ کام اُن کے حوالے کرنا اور ان کو وہ انتظامی سبق پڑھانا تھا جو آئندہ نگران کا محتاج نہ رکھے۔ احباب و متوسلین میں کوئی تجارت پیشہ یا محاسب دان مدرسہ میں آتا تو آپ ان کو دفتر کے رجسٹروں پر نظر ڈالنے آمد و خرچ جانچنے روزنامچہ اور بہی کھاتہ بغور دیکھنے کا حکم فرماتے اور مشورہ لیا کرتے کہ موجودہ طریق میں جو نقص ہو وہ بتائیں کہ اصلاح کی جائے۔ پھر اچھے اچھے تاجر اور محاسب کوئی مشورہ دیتے تو حیران ہو جایا کرتے تھے جبکہ حضرت کو دیکھتے کہ ادنیٰ تفصیل سے حضرت نے اس کو سمجھ لیا اور پھر اس کے حسن و قبح کی وجہ بحث اور کرید شروع کر دی۔ اس کے بعد اس کا مفید ہونا محقق ہوا تو حضرت نے فوراً تسلیم کر لیا اور مہتمم صاحب سے فرما دیا کہ رجسٹر کا اندراج ان کی تجویز کے موافق ان سے سمجھ کر لیجیئے اور اگر مفید نہ پایا تو ہنس کر جواب دیا کہ مولویوں کے لئے موجودہ طریق کافی ہے اور فضول طوالت میں پڑ کر۔ زائد کا غذ اور فاضل وقت کہاں سے لائیں

اب تو اسی طرح رہنے دو۔ مدرسہ کے تمامی نظام کا خلاصہ یہ تھا کہ عطا کنندگان کا عطا کردہ چندہ اپنے محل پر صرف ہو اور علم دین کی تکمیل کرنے والے عالم باعمل بن کر مدرسہ سے جائیں کہ اطراف دنیا میں منتشر ہو کر اس نور کو پھیلائیں جو سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم بارگاہ رحمٰن و رحیم سے لے کر مکہ میں تشریف لائے تھے۔ چنانچہ آپ کی اکتیس[31] سالہ مدت صدارت و نظامت میں قریب چار سو کے وہ علماء تیار ہوئے جو ہدایت یاب نہیں بلکہ دوسروں کو ہادی بنانے کے لیے کافی ثابت ہوئے اور بحمد اللہ ان کا اکثر حصہ اب بھی درس و تدریس میں مشغول اور علماء تیار کرنے میں لگا ہوا ہے جن میں چند مشاہیر کے نام یہ ہیں:۔

مدرسہ کے موجودہ تمام مدرسین یعنی مولانا[1] حافظ عبداللطیف صاحب ناظم مولانا[2] محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مولانا[3] عبدالرحمٰن صاحب صدر المدرسین مولوی[4] اسعد اللہ صاحب رامپوری مولوی[5] محمد زکریا صاحب قدوسی مولوی[6] منظور احمد صاحب سہارنپوری مولوی[7] جمیل احمد صاحب تھانوی مولوی[8] مسعود علی خاں صاحب راجپوری مفتی[9] ضیاء احمد صاحب گنگوہی قاری[10] عبدالعزیز صاحب اور قاری[11] سعید احمد صاحب اجراڑوی وغیرہم مدرسین مظاہر علوم۔ مولوی[12] عبدالکریم صاحب مدنی نواسہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مہاجر اور مولوی[13] عبدالحق صاحب مدنی نقشبندی مدرسان مدرسۃ الایتام مدینہ منورہ مولوی[14] علیم اللہ صاحب مدرس کنز العلوم ٹانڈہ مولوی[15] مشتاق الرحمٰن صاحب کاندھلوی مدرس فتح پوری دہلی مولوی[16] محمد یٰسین صاحب دیوبندی مدرس مدرسہ اسلامیہ انبالہ چھاؤنی مولوی[17] عبدالرحمٰن صاحب اورنگ آبادی مدرس مدرسہ وسطانیہ (دکن) مولوی[18] سید میر جہان شاہ صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ عدن کیمپ مولوی[19] شمس الحق صاحب مدرس موضع اجراڑہ۔ مولوی[20] محمد حامد صاحب مدرس کالج پٹنہ اور مولوی[21] بدر عالم صاحب مدرس مدرسہ ڈابھیل ضلع سورت مولوی[22] محمد عادل صاحب گنگوہی مترجم (حیدر آباد دکن) مولوی[23] نفیس احمد صاحب دیوبندی مولوی[24] شبیر علی صاحب برادرزادہ حضرت مولانا تھانوی مولوی[25] حافظ عبدالعزیز صاحب نواسہ حضرت مولوی

Marfat.com

رائے پوری [26] مولوی شفیق احمد صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب [27] مولوی
فیض الحسن صاحب سہارنپوری [28] مولوی حکیم محمد ایوب صاحب سہارنپوری [29] مولوی لطیف
الرحمن صاحب کاندہلوی [30] مولوی محمد طیب صاحب رامپوری [31] مولوی مجد الدین صاحب کشمیری
[32] مولوی غلام الرحمن صاحب تبتی [33] مولوی عبد الرحیم صاحب غزنوی [34] مولوی غلام حیدر
صاحب بخاری [35] مولوی روشن دین صاحب بہاولپوری اور [36] مولوی محمد عرفان صاحب
ہزاروی وغیرہم اطال اللہ بقاءہم - خلاصہ یہ ہے کہ ہر چہار طرف پورب پچھم اتر دکن
تمامی اکناف ہند کے بڑے شہروں میں مدرسہ کا فیض بواسطہ یا بلاواسطہ پہنچا ہوا
ہے کہ ہزارہ پشاور کشمیر دریا خاں غزنی کابل سیالکوٹ جموں راولپنڈی ملتان گوجرانوالہ
بنوں گجرات جہلم امرتسر فیروزپور جالندھر کوہاٹ اٹک مظفر گڑھ ڈیرہ غازی خاں
بہاولپور جیند صوبہ پٹیالہ دہلی میرٹھ علی گڑھ مراد آباد لکھیم پور رفیق آباد اعظم گڑھ سیتا پور
مونگیر آرہ بردوان چاٹگام نواکھالی باریسال فرید پور کمرلا پورنیہ میمن سنگھ مالدہ سلہٹ
ڈھاکہ سندھ اور دکن میں کوئی بڑا ضلع ایسا نہیں جہاں مدرسہ کے فیض کی نہر جاری نہ ہو
اور اس کی تفصیل مدرسہ کی روداد سے معلوم ہو سکتی ہے جو سالانہ طبع ہوتی ہے کہ
سنہ ۱۳۱۴ھ میں چار طلبہ کو سند فراغ دی گئی اور سنہ ۱۳۱۵ھ میں پانچ کو سنہ ۱۳۱۶ھ میں
[illegible] کو سنہ ۱۳۱۷ھ میں سات سنہ ۱۳۱۸ھ میں چھ سنہ ۱۹ھ میں سات سنہ ۲۰ھ میں ۱۰ سنہ ۲۱ھ
میں ۵ سنہ ۲۲ھ میں ۸ سنہ ۲۳ھ میں ۱۰ سنہ ۱۳۲۴ھ میں ۹ سنہ ۲۵ھ میں ۹ سنہ ۲۶ھ میں ۱۶
سنہ ۲۷ھ میں ۸ سنہ ۲۸ھ میں ۱۰ سنہ ۲۹ھ میں ۱۶ سنہ ۳۰ھ میں ۱۳ سنہ ۳۱ھ میں ۱۷ سنہ ۳۲ھ
میں ۷ سنہ ۳۳ھ میں ۹ سنہ ۳۴ھ میں ۱۴ سنہ ۳۵ھ میں ۷ سنہ ۳۶ھ میں ۱۹ سنہ ۳۷ھ میں ۱۰
سنہ ۳۸ھ میں ۱۱ سنہ ۳۹ھ میں ۲۴ سنہ ۴۰ھ میں ۱۸ سنہ ۴۱ھ میں ۱۴ سنہ ۴۲ھ میں ۲۵
سنہ ۴۳ھ میں ۳۳ اور سنہ ۴۴ھ میں ۳۰ کو سند عطا کی گئی

اس لحاظ سے کہ حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائپوری قدس سرہ نے بھی حضرت
سے ابتدا میں کچھ پڑھا ہے حضرت ممدوح کو بھی تلامذہ میں شامل کیا جاتا ہے کہ حضرت
ممدوح باوجودیکہ حضرت کے ہمعصر ہم عمر پیر بھائی اور ایک شیخ کے مرید تھے اور دونوں حضرات

میں وہ محبت و یگانگت تھی جس کی نظیر نہیں مل سکتی کہ حضرتؒ سفر حجاز کو تشریف لے جاتے تو اپنے تمام متوسلین کو یہ وصیت فرما کر جاتے تھے کہ رائپور کی حاضری دیتے رہیں اور جس امر میں مشورہ یا استفسار کی حاجت پیش آئے وہ مولانا رائپوری سے پوچھیں مگر با ایں ہمہ حضرت رائپوری حضرتؒ کا وہی ادب کرتے تھے جو شاگرد کو استاد کا کرنا چاہیئے اور حضرت کی شاگردی پر فخر کیا کرتے اور جب اس کا اظہار فرماتے تو بے حد مسرت اور ناز کے ساتھ اظہار فرمایا کرتے تھے۔ حضرت رائپوری مدرسہ کے سرپرست تھے اور جب حضرتؒ کی مدرسہ سے علیحدگی کا قصہ ہوا ہے تو مخلصانہ محبت کا جو اثر حضرت رائپوری پر ہوا اس کی مثال نہیں پیش ہو سکتی کہ رات دن کا کوئی گھنٹہ اس فکر سے خالی نہ جاتا تھا۔ رات کو نیند نہ آتی تھی۔ دن کو آرام نہ ملتا تھا ہر تیسرے چوتھے دن اپنے سگھڑ میں سوار ہو کر سہارنپور آتے حضرت کی منتیں اپنی کہتے اور مجیب الدعوات کی بارگاہ میں دعا مانگتے ہوئے رائپور واپس چلے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ خوشگوار نتیجہ نکلا جس کی کبھی خواب بھی نظر نہ آتی تھی کہ رجسٹری شدہ ری تجویز کے تین سرپرستوں میں آپ کا نام بھی شامل ہوا اور باوجودیکہ آپ حد سے زیادہ یکسوئی پسند اور گوشہ نشینی کے عاشق و شیدا تھے مگر اس سرپرستی پر بایں کامیابی کہ حضرت استاذ درسی پر بحال ہی نہیں بلکہ آزاد و خود مختار ہو کر ترقیات مدرسہ میں سعی کے قابل ہو گئے اور علوم دینیہ کی اشاعت کا دروازہ کھل گیا کہ اللہ کا نام اور اس کے احکام اطراف دنیا میں پھیل سکیں گے آپ نے سرپرستی کا بار سر پر رکھنے میں کچھ بھی پس و پیش نہیں کیا بلکہ غیبی کارنامہ کو دیکھ کر آپ کی مسرت کی کوئی حد نہ رہی اور آپ مولانا تھانوی کو بلا کر لیئے کہ دیوبند میں جمع ہو کر تینوں صاحب باتفاق رائے اس کو منظور فرمائیں خود تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ اس کے بعد عمر بھر اس بار عظیم کا وہ حق ادا کیا جس کے لیئے بس آپ ہی شایاں تھے اور اس زمانہ میں بھی جب کہ آپ کو کروٹ لینا مشکل اور بات کرنا دشوار تھا اس خدمت سے مستعفی ہونا گوارا نہ فرمایا۔

سنہ ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب نے وصال فرمایا تو آپ کی

جگہ آپ کے عشق جگر اور دنیا کے نور نظر شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب مدرسہ کے سرپرست قرار پائے اور پھر حضرت مولانا محمد احمد صاحب رامپوری اور مولانا سر رحیم بخش صاحب پریزیڈنٹ بہاولپور کا سرپرستوں میں اضافہ ہوا اور آخر میں سب حضرات سرپرستان کے اصرار و اتفاق رائے پر خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی سرپرستوں میں شامل ہوا۔ اس طرح یہ مدرسہ مظاہر علوم دینیات کے چیدہ و برگزیدہ افراد کی ہمت و سعی اور توجہات کے گہوارہ میں تربیت پاتا ہوا اس حالت پر پہنچا کہ دیوبند و سہارنپور اور رامپور کے مقتدا مدرسہ کے نظام کو اپنے خدام کے حوالے فرما کر عالم قدس کا سفر اختیار کر گئے اور مدرسہ اسی شان کمال کے ساتھ ناظرین کی آنکھوں اور اہل دل کے قلوب کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے کہ دیکھنے والا کہتا ہے

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

حضرت مولانا رائپوری قدس سرہ

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا   کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

حضرت ممدوح اس صدی کی وہ مقتدر ہستی تھی جو گذشتہ صدیوں کے بزرگان مشاہیر کا نمونہ بن کر دنیا میں آئی تھی۔ شان تفویض کی مجسم تصویر بحر توحید کی غواص تسلیم و رضا میں مستغرق اور توکل و اعتماد میں فنا شریعت میں آپ عالم متبحر تھے مگر طریقت کا آپ پر غلبہ تھا کہ دیکھنے والا آپ کو مولوی و عالم نہ سمجھتا تھا۔ یکسوئی اور گوشہ نشینی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی مگر حق تعالیٰ کو آپ کے نور فیضان سے عالم کو معمور کرنا تھا اس لیے جس گمنامی و پنہانی کے آپ متمنی و شیدا تھے اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ مخلوق کو قدرتی طور پر آپ کی طرف کشش ہوتی اور آپ جتنا دنیا سے بھاگتے گھبراتے اور دامن چھڑاتے تھے اسی قدر دنیا آپ کا تعاقب کرتی لپکتی اور دامن پکڑتی تھی۔ آپ کے حالات کا صحیح بیان کرنے سے زبان عاجز ہے

Marfat.com

مجذوبیت آپ پر سایہ افگن تھی اور اس لیے مخلوق کو آپ کے وجود باجود سے ظاہری و باطنی ہر قسم کا ہر وقت نفع پہنچتا رہتا تھا۔ آپ کا قیام قصبہ رامپور ضلع سہارنپور میں بستی سے باہر ایک باغ میں تھا جس کے نیچے نہر جاری تھی اور دنیا ہی میں حق تعالیٰ نے آپ کو جنّت تجری من تحتہا الانہار کا مصداق بنا رکھا تھا۔ آپ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اجلہ خلفاء میں تھے اور غلبہ کتمان و اخلاص کی وجہ سے نقشبندیت کا آپ پر غلبہ تھا کہ باغ کے پتے پتے اور نہر کے قطرے قطرے سے ذکر اللہ سنائی دیتا اور مجلس و بے مس شخص بھی حاضر خدمت ہو کر اس اندرونی لذت کو محسوس کرتا تھا جس میں آپ کا۔ اور آپ کے متوسلین کا ہر لمحہ گزرا کرتا تھا۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند ۔ کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

آپ سنت نبویہ کے عاشق تھے اور تعلیم قرآن مجید سے بالخصوص مانوس کہ تمامی علوم دینیہ بلکہ دین کی اصل یہی ہے۔ اور عام طور پر اس کی طرف سے توجہات کے قلیل ہو جانے سے آپ کی توجہ اس طرف اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ جگہ جگہ مکاتب قرآنیہ جاری کرنے کے آپ حریص تھے اور بچوں کو صحیح و صاف سادہ لہجہ میں قرآن مجید پڑھتا ہوا دیکھ کر آپ بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ خود آپ کے باغ میں بھی ایک مدرسہ تھا جو توکل کا مجسمہ تھا کہ نہ کوئی جائداد اس کے لئے وقف تھی نہ کہیں سے چندہ مقرر تھا۔ بلکہ حاضر ہونے والے مخلصین میں کوئی اہل مال یا خوشحال حاضر ہوتے تو ان کے سامنے مدرسہ کا تذکرہ کرنا بھی آپ کو گراں گذرتا تھا کہ یہ تذکرہ بھی ایک قسم کا سوال ہے اور مخلوق پر اپنی حاجت کا پیش کرنا یا اس میں کسی قسم کی ان سے مدد چاہنا آپ کی طبعی غیرت کو گوارا نہ تھا۔ باایں ظاہری بے سر و سامانی کے بستی کا یا باہر کا جو بچہ بھی پڑھنے کے خیال سے آتا وہ بشوق و رغبت لیا جاتا اور اس کو اپنا محسن سمجھ کر محبت و شفقت کے ساتھ فوراً داخل کر لیا جاتا تھا۔ ماشاءاللہ اس مکتب میں ستر سے زیادہ طلبہ تھے جن کے کھانے اور کپڑے کی تمامی ضروریات خزانۂ غیب سے پوری ہوا کرتی تھیں۔ ان طلبہ میں اندھے اور معذور بھی ہوتے

Marfat.com

تھے جن کی کفالت والدین اور کنبہ کو بھی بار معلوم ہوتی تھی اور اس لئے وہ مدرسہ میں آ جاتے تھے کہ یہاں ماں باپ سے زیادہ شفقت کرنے والے ان کو ملتے تھے نیز یہاں ایسے چھوٹے نو عمر بچے بھی تھے جن کو خود منہ دھونا بھی اچھی طرح نہیں آتا تھا اور ان کے ماں باپ نادری کی وجہ سے ان کو مکتب میں پہنچا دیتے تھے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ مدرسہ میں پہنچ جاتے تھے بعد ان بچوں کا ایسا دل لگتا تھا کہ پھر نام لے بھی نہ نکلتے تھے۔ ہر خورد سال اور نابینا و معذور بچہ کسی سمجھدار بڑے طالب علم کی نگرانی میں دے دیا جاتا تھا کہ وہی اس کی بول و براز اور خورد و نوش کی تمام ضروریات کا کفیل بنتا تھا ہاتھ پکڑ کر جنگل لے جاتا واپس لا کر حمام و سقایہ بتاتا لوٹے میں پانی لے کر منہ دھوتا اور آہستہ آہستہ ہر ستھرائی و صفائی کی پیار کے ساتھ اس کو تعلیم دیتا رہتا تھا۔ تمام طلبہ عموماً گاؤں کے باشندے تھے جن کی گذران سادہ اور جفاکشی طبعی عادت تھی۔ اس لئے حضرتؒ کو اس کا لحاظ بھی زیادہ تھا کہ طلبہ کاہل نہ بنیں۔ لہٰذا ان کی اور مدرسہ کی تمامی ضروریات کا بار خود انہیں پر تھا کہ چند طلبہ کے متعلق روٹی پکانا تھی اور وہ مدرسہ سے چھٹی ملتے ہی ہمارے مدرسہ کے طلبہ کی روٹیاں پکایا کرتے اور چند طلبہ کے ذمہ پانی لانا تھا کہ وہ وقت آتے ہی گھڑے لے کر نہر پر جاتے اور جس قدر پانی کی بھی مدرسہ کے تمام طلبہ کو ضرورت ہوتی وہ گھڑے اور مٹکے لبریز کر دیا کرتے تھے۔ مسجد کا سقایہ بھی وہی بھرتے اور جنگل سے خود رو لکڑی کا ٹکڑا یا چنگر بھی طلبہ ہی لاتے تھے آٹھویں دن اپنے اور ان نا سمجھ بچوں کے جو ان کی تحویل میں ہوتے کپڑے دھوتے اور نہر پر جا کر خود نہاتے اور ان کو مل مل کر نہلایا کرتے تھے غرض ضروریات بشریہ کا کوئی کام ایسا نہ تھا جو ان سے نہ لیا جاتا ہو اور اس طرح پر نہ ان میں کاہلی آنے پاتی تھی اور نہ ان میں وہ مادہ پیدا ہوتا تھا جس کی وجہ سے آئندہ اپنی ضروریات پورا کرنے میں ان کو عار آئے یا کسی کام کو خلافِ شان سمجھیں خس پوش مکان، چیلی دیواریں بھی پھونس اور بانس کی تھیں ان کا مدرسہ تھا اور جنگل کی زمین

Marfat.com

جوتہ کبھی میلی ہو کہ دھلنے کی ضرورت پڑے نہ پھٹے اور پرانی ہو کر بدلنے کی حاجت پیش آئے۔ ان کا فرش تھا جس پر دینی و دنیوی ضروریات سے فارغ ہو کر آرام سے لیٹتے اور ہنسی خوشی سو کر ہنستے خوش ہوتے اٹھ بیٹھا کرتے تھے۔ صبح صادق سے ڈھائی گھنٹہ قبل آخر شب میں سب کو جگا دیا جاتا اور وہی وقت ان بچوں کے اپنا سبق یاد کرنے کا ہوتا تھا۔ کہ چار چار یا پانچ پانچ طلبہ دور دور بیٹھ کر ایک چراغ بیچ میں رکھ کر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بیٹھ جاتے اور دن میں پڑھا ہوا سبق یاد کر کے اٹھا کرتے تھے۔ اس طرح پر بچپن ہی سے ان کو آخر شب میں اٹھنے کی عادت ہو جاتی اور وہ برکات جو اس مبارک وقت میں قدرت نے رکھی ہیں بآسانی ان کو حاصل ہو جاتی تھیں۔ نو وارد طلبہ شروع شروع میں کسمساتے مگر ساٹھ ستر طلبہ کا بآواز بلند پڑھنا ان کو میٹھی نیند سونے نہ دیتا اور آخر چار دن کے بعد وہ خود اپنے زمرہ میں شامل ہو جاتے تھے کہ نہ نیند رہتی تھی نہ خمار۔ یہ سنسان گھڑیوں کے چند منٹ جس میں معدہ بھی صاف اور ہلکا ہوتا تھا اور یکسوئی بھی بدرجہ کمال تھی وہ دن کے چند گھنٹوں سے بڑھ کر حفظ میں مدد دیتے اور صبح کو سبق ایسا فر فر سناتے تھے کہ تمام دن رٹنے والا بھی ایسا نہیں رٹا سکتا۔

مکتب کیا تھا نائب رسول جامع شریعت و طریقت شیخ کی خانقاہ تھی جس میں بچوں کو یا طالبوں کو بآسانی سیدھا کیا جاتا اور ان اخلاق حسنہ کو عادت بنا کر دلوں میں رچایا جاتا تھا جو بڑے ہو کر برسوں کے مجاہدہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتیں۔ ایثار و شفقت علی الخلق کا ان بچوں میں ایک خاص مضمون ہوتا تھا اور قناعت و صبر کا ایک مخصوص رنگ۔ ایک مرتبہ صبح سویرے بندہ خس پوش مسجد میں چلا گیا جو خس پوش مدرسہ کے متصل تھی تو میں نے ایک بچہ کے رونے کی آواز سنی جس کی عمر سات آٹھ برس کی تھی کہ سسکیاں لے رہا اور اس کا نگران طالب علم پڑھنے پیارے کے لہجہ میں اسی اپنی دیہاتی سادہ زبان میں اس سے پوچھ رہا تھا کیوں رو رہا ہے؟ کیا ماں یاد آ رہی ہے؟ یا پیٹ میں درد ہے؟ میں تو تیرے پاس

Marfat.com

موجود ہوں اور تیری ہر خدمت کو حاضر ہوں کچھ تو بتا کیوں پریشان ہے ؟ تاکہ اس کا انتظام کردں ۔ دیر ہو گئی کہ نہ بچہ کی سسکیاں تھمیں اور نہ طالب علم پوچھنے اور بہلانے پھسلانے سے اکتایا۔ آخر جماعت کا وقت آیا تو اس کو گود میں اٹھا کر باہر لایا اور خدا جانے کیا تدبیر کی کہ اس کو منا لیا اور وضو کرا کے اس کو سنتیں پڑھانے میں لگادیا۔ سلام پھیر کر دیکھتا ہوں تو وہ پیچھے بچوں کی صف میں بیٹھا دعا مانگ رہا ہے۔

صرف یہی ایک جگہ تھی جہاں مسجد نبوی کا نقشہ نظر آتا اور بارش میں ٹپک کر سجدہ گذار پیشانی کو تر زمین سے مانوس کیا کرتی تھی۔ اور بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ جو لطف پھونس کے سایہ میں اس ستھرے ریتلے فرش پر نماز پڑھنے میں نصیب ہوا وہ آج تک کبھی اور کہیں نصیب نہیں ہوا۔ قرآن شریف کے ساتھ اردو کی دینیات اور نماز روزہ کے مسائل ضروریہ کے رسائل بچوں کو پڑھائے جاتے تختی لکھوائی جاتی اور قابل بنا دیا جاتا تھا کہ مدرسہ سے جا کر اپنی کھیتی کے کام میں لگیں مگر جنگلی بن کر نہیں بلکہ آدمی اور ولی بن کر لگیں کہ دین کا کوئی پہلو کمزور نہ ہو اور ان کی سادہ راحت کی گذران میں نقصان نہ آئے۔

اصلی طبیعت میں اور تصنع و بناوٹ میں بہت فرق ہے کہ اول الذکر کا انجام برکت و کامیابی ہے اور ثانی الذکر کا ثمرہ ذلت و ناکامی۔ پس ایک شخص کسی بڑے رئیس کا ملازم ہو اور رئیس نے وعدہ کر لیا ہو کہ تمہاری تنخواہ تا زیست بند نہ کی جائے گی اس کے دل کو ٹٹولو کہ اپنی معاش کی طرف سے اس کو کیا بے فکری ہو گی اور وقت پر تنخواہ مل جانے کا کتنا بھروسہ ہو گا۔ اور اس کے مقابل اس کا حال دیکھو جو سندیں لیے ہوئے طالب ملازمت میں جگہ جگہ درخواستیں پیش کرتا پھرتا اور ہر جگہ سے یہ جواب سنتا ہے کہ اس وقت کوئی جگہ خالی نہیں ہے ہاں آئندہ خیال رکھا جائے گا اس شخص پر جو پریشانی مسلط ہو گی اس کا یہ اثر ہو گا کہ اب کسی محکمہ میں درخواست دیتے پر بھی اسی جواب کے واہمہ و خوف میں اس کو سکون حاصل نہ ہو گا اور نہ توقع ہی کی راحت ملے گی کہ یہاں کامیاب ہو جاؤں گا۔ پس یہ شخص لاکھ دعوے کرے کہ

مجھے معاش کی طرف سے اطمینان ہے اور میں صرف سبب کے درجہ میں جگہ جگہ درخواستیں دے رہا ہوں مگر اس کا یہ دعوٰی غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ پس حق تعالیٰ کے وعدہ رزق رسانی پر کسی قلب کا سچا اعتماد درحقیقت ایک بڑی نعمت ہے اور اس پر بلا شبہ ہر ضرورت کے انجام دینے کا وہ شہنشاہ کفیل ہے جس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔ مگر اس اعتماد کا محض دعوے کرنا یا اعتماد والوں کی سی صورت بنانا کہ دل میں اعتماد کا نام بھی نہیں کچھ کام نہیں دے سکتا اور نہ اُس وعدہ کا مستحق بناتا ہے جو ومن یتوکل علی اللّٰہ فہو حسبہ کے ذریعہ تمام بندوں کے لئے عام ہے۔ پس درحقیقت ضعف ہمارا ہے کہ سُنی سنائی باتوں پر توکل کی صورت بناتے اور جگہ جگہ ٹھوکریں کھاتے ہیں ورنہ جو توکل کی حقیقت ہے اگر قلب کو میسر آجائے تو ہم سے زیادہ کوئی غنی و بے نیاز نہیں۔ ضعف و ناکامی کا نام توکل رکھنا ہماری نادانی ہے اور اس لئے اس کا نتیجہ ہمیشہ ذلت و پشیمانی ہے۔

حضرتؒ کو حق تعالیٰ نے توکل کی نعمت نصیب فرمائی تھی اور اس لئے مدرسہ کا یہ بڑا کارخانہ نہ کسی محصل کا حاجت مند تھا نہ سفیر و مبلغ کا بمقتضائے ہر کسے را بہرکارے ساختند" آپ کا ایک رنگ خاص تھا جس میں آپ مستغرق تھے اور اس لئے بلا اسباب ظاہری آپ کے سارے کام منجانب اللہ انجام پایا کرتے تھے کیونکہ آپ کا قدم ابتلا و امتحان کے وقت ڈگمگاتا نہ تھا۔ ایک مرتبہ ملا عبدالعزیز صاحب نے کہ آپ کے قدیم مخلص خادم اور مدرسہ کے نگران اعظم تھے آکر اطلاع دی کہ آٹا بھی ختم ہوچکا اور لکڑیاں بھی تمام ہوگئیں۔ کل کے لئے نہ جنس کا دانہ ہے نہ پاس کوئی پیسہ آپ سُن کر خاموش ہوگئے اور کچھ جواب نہ دیا مگر خود فرماتے تھے دل میں اپنے مالک سے یہ دعا ہوئی کہ اے کریم آنا یہ تیری مخلوق جو تیرے کلام کی تلاوت و تعلیم میں مشغول ہے کیا فاقہ کرے گی؟ اس کے بعد خود ہی یہ مضمون دل پر جما کہ تو جان تیرا کام اگر فاقہ ہی کرانا منظور ہے تو صبر کی توفیق بخشئے کہ یہ بھی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ رات ہوئی اور موجودہ غلہ یک پکا کر مٹکے خالی ہوگئے مگر آپکی طبیعت پر نہ ہراس و پریشانی

Marfat.com

آئی نہ کسی سے قرض مانگنے کا وسوسہ ہوا۔ صبح نہ ہوئی تھی کہ طالب علم جو نہانے کیلئے ندی پر گئے تھے دوڑتے ہوئے آئے اور کہا حضرت جی ندی میں تو لکڑیاں بہتی چلی آرہی ہیں۔ خوشی کے مارے آپ کا چہرہ دمکنے لگا اور آپ نے فرمایا کریم رزاق نے تمہاری روزی کا سامان بھیجا ہے جاؤ جتنی سمیٹی جائیں سمیٹ لاؤ۔ چنانچہ سارے طالب علم دوڑ پڑے اور روک لگا کر لکڑیاں لادنا شروع کر دیں کہ دو گھنٹے میں اتنا اونچا ڈھیر لگ گیا جس سے زیادہ گنجائش بھی نہیں تھی۔ لکڑیوں کی آمد بھی بند ہو گئی اور اب آٹے کی ضرورت رہ گئی۔ دو گھنٹے بعد ڈاکیہ آیا اور ڈیڑھ سو روپیہ کا منی آرڈر پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ مدرستہ القرآن کے لئے بھیجتا ہوں اس کے خرچ میں لائیں۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے بھیجنے والے کا نام پوچھا تو ایسا شخص جس کو میں جانتا بھی نہ تھا۔ میں نے بار بار کہا کہ کسی اور کا ہوگا کیونکہ بھیجنے والا میرے ذہن میں نہیں۔ مگر ڈاکیے نے کہا کہ پتہ آپ کا نام آپ کا۔ مرسل کو آپ پہچانیں یا نہ پہچانیں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا ہے۔ پس آپ نے وصول فرمایا اور یہ کہکر ملا عبدالعزیز کے حوالے کیا لو ملا جی اللہ نے اپنے مہمانوں کے آٹے لکڑی کا سامان کر دیا۔ روٹی کا وقت آگیا ہے اس لئے جلدی آٹا منگا لو کہ لکڑی موجود ہے موٹی موٹی روٹیاں پکا کر نمک سے سب کھا لیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ وہ لکڑیاں پورے چھ مہینہ کام آئیں اور روپیہ کا تو آج تک پتہ نہ چلا کہ کس نے بھیجا تھا۔ الحمدللہ اس کے بعد مدرسہ کو کبھی ایسی صورت پیش نہیں آئی اور نہ میں یہ جانتا کہ مولیٰ کریم کہاں سے بھیجتے ہیں اور کس سے دلواتے ہیں؟

کارساز ما بساز کار ما　　　فکر ما در کار ما آزار ما

صبر و شکر قناعت اخلاص علم و یقین تفویض و توکل رضا و تسلیم کی آپ مجسم تصویر تھے ہرچہ از دوست میرسد نیکوست آپ کو خوشی۔ مرض اور تکلیف کا کتمان آپ میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اس کا ظاہر کرنا یا زبان سے نکالنا بھی آپ اپنے اللہ جل جلالہ کی شکایت کرنا سمجھتے اور مخلص سے مخلص حاضر باش کو بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ آپ کو تکلیف ہے۔ ایک بار خادمین نے دیکھا کہ نماز کے لیے مسجد کو جاتے وقت آپ کے پاؤں میں لنگ

ہوتی ہے اور پوچھا بھی کہ حضرت کیا کچھ تکلیف ہے مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں الحمدللہ ہر طرح راحت ہے۔ کئی دن متواتر اسی حال پر گذر لئے آخر چھٹے ساتویں دن مسجد کو جاتے ہوئے پاجامہ پیپ اور خون سے بھر گیا اور اس وقت خدام کو پتہ چلا کہ دمل تھا جو اندر ہی اندر رِیک رہا تھا۔ اور آپ نہ زبان سے ذکر فرماتے تھے نہ چلنے میں اثر محسوس ہونے دیتے تھے کہ بزبانِ حال اظہار نہ ہو جائے ایک بار آپ سخت بیمار ہوئے کہ زیست کی امید نہ تھی۔ حکیم جمیل الدین صاحب معالج تھے ایک دن بندہ بھی حاضر تھا کہ اشاروں سے باتیں فرمائیں۔ ہر چند حکیم صاحب نے دریافت کیا کہ کیا تکلیف ہے مگر آپ چہرہ کی بشاشت اور ہاتھ کے اشاروں سے صحت اور راحت ظاہر فرماتے رہے آخر تین دن اسی حالت پر گذرے اور چوتھے دن معلوم ہوا کہ سارے مُنہ کے اندر آبلے پڑ گئے تھے جن کو کھول کر دکھانا تو کیا گوارا ہوتا بات کرنے میں مُنہ کا کھلنا اور آبلوں کا دیکھا جانا بھی آپ کو گوارا نہ ہوا۔ اس لئے اشاروں سے باتیں کیں۔

اس کے ساتھ مخلوق کی دل جوئی و مدارات بھی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھی کہ ہر شخص یوں سمجھتا تھا حضرت کو سب سے زیادہ محبت میرے ساتھ ہے۔ اس لئے دونوں کے جمع ہو جانے کے وقت آپ کو بڑی ضیق پیش آتی کہ جب آپ کا مرض کھل جاتا تو خدام کا اصرار ہوتا تھا دوا استعمال کرنے کا اور آپ طبعی اقتضا سے دوا کا استعمال مکروہ سمجھتے تھے کہ جس مالک نے مرض دیا وہی معالج کافی ہے۔ اور ادھر خدام سے صاف انکار فرما کر ان کی دلشکنی بھی نہ کر سکتے تھے اس لئے معتقد و مصر ہر دوا یہ سمجھ کر کہ یہ بھی منجانب اللہ ہے آپ پیتے اور دوا کے موثر ہونے کا کسی درجہ میں بھی آپ کو واہمہ نہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک نادان طبیب نے مخلصانہ خدمت کا حق ادا کرتے ہوئے آپ کو زہر دے دیا کہ فوراً آپ کو قے ہو گئی اور مرض ترقی کر گیا ڈاکٹری تشخیص سے پتہ چلا کہ چند منٹ قے نہ ہوتی تو جانبری محال تھی۔ حضرتؒ سے جس کو ذرا بھی تعلق تھا وہ حکیم صاحب پر آنکھیں نکالتا اور ان کی صورت سے بیزار ہو گیا۔ مگر آپ کو حکیم صاحب کی ندامت اور اندیشہ بدنامی کی ان سے ملنے پہ وحشت ایک مستقل تکلیف بن

Marfat.com

گئی کہ وہ بھی کتمان وضبط میں رہی تھیں کا اثر یہ تھا کہ حکیم صاحب تشریف لاتے تو آپ
ان کو سب سے الگ اپنے پاس چارپائی پر بٹھاتے اور کسی کی بھی دوا کا استعمال ہو مگر
حکیم صاحب سے مشورہ لیا کرتے اور وہ اس کو مناسب مرض بتاتے تو آپ استعمال
فرماتے ورنہ ان سے ایسی ہی باتیں کرتے جس سے ان کو یقین ہو جاتا کہ حضرت میرے
معالجہ کے معتقد اور میری حذاقت مزاج شناسی کے معترف ہیں۔ اور مخلص خدام سے
ایک مرتبہ نرم لہجہ میں اس طرح فرمایا کہ حکیم صاحب تو میرے محسن ہیں غلطی تو ہر بشر کے
ساتھ لگی ہوئی ہے۔ مگر جو کچھ کیا وہ محبت وشفقت ہی کی نیت سے کیا ان کو کوئی ترچھی
نظر سے دیکھتا ہے تو میرے دل پر ایک برچھی لگتی ہے۔ فاعل مختار بجز مولی کریم
کے کوئی نہیں جو ہوا وہ اس کی مشیت سے ہوا پھر کسی کو کیا حق ہے کہ آلہ و اوزار کو
سرزنش کرے بلا مجھے خوب معلوم تھا کہ حضرت دوا کا استعمال محض مخلوق کی دلداری
کے لئے مجاہدہ سمجھ کر کیا کرتے تھے مگر بارہا ہم میں نے دیکھا کہ یہ حکیم صاحب آئے
تو فوراً حضرت نے اس اہتمام سے بلایا گویا حضرت دیر سے انکا انتظار کر رہے تھے
اور چپکے چپکے ان سے باتیں کرتے اور یہ سمجھا سمجھا کر حضرت کو جواب دیا کرتے کہ
یوں کرنا چاہیے اور اس دوا کا استعمال ہونا چاہیئے حضرتؒ اس پر فرحت کا اظہار
فرماتے اور ان کا دل باغ باغ ہو جاتا کہ حضرت کو میری تشخیص و معالجہ کے سوا کسی
پر اعتماد نہیں ہے۔

دلداری خلق کا رنگ آپ پر اتنا غالب تھا کہ پیاری سے پیاری چیز اس کے
مقابلہ میں ہیچ تھی۔ آپ سفر حج کو چلے اور انتی بیاسی نفر آپ کے ساتھ ہو لیے جن
میں مختلف طبقات اور مختلف خیالات کے لوگ تھے۔ اتنا جم غفیر اور ان کی خبر گیری
کوئی آسان بات نہ تھی خصوصاً جبکہ آپ کے ساتھ اہلیہ اور بہو اور صاحبزادہ عبدالرشید
مرحوم بھی تھے۔ کہ اپنے ہی انتظامات کی سنبھال مشکل تھی مگر اللہ رے ہمت نہ بیوی
بچے کا فکر ہوا نہ اپنی جان کا۔ رفقاء میں ہر شخص کی راحت کا خیال مقدم تھا بمبئی پہنچے تو
جہاز تیار مگر سب کے ٹکٹ ملتے نہیں تو آپ ٹھہرے ہوئے اور وہاں دس بارہ دن سے زیادہ ٹکنا

Marfat.com

ہنی باقی نہیں۔ آخر رفقا کو آپ نے روانہ کیا اور خود دوسرے جہاز کے انتظار میں پندرہ دن پڑے رہے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر عبدالرشید مرحوم پیچش میں مبتلا اور اتنا بیمار ہوا کہ کروٹ لینا مشکل مگر آپ کو رفقائے کے سامنے نہ اپنی تکلیف کا جس نہ بچے کی تکلیف کا احساس۔ جوں توں اونٹ پر لاد کر حج ہوا اور اب مدینہ منورہ کے لیئے قافلہ کی تیاری کا وقت آیا تو ہر شخص کا تقاضا تھا کہ جلدی چلو ہمارے پاس خرچ کم رہا ہے اور اس لیئے مکہ میں زیادہ ٹھہر نہیں سکتے۔ عبدالرشید کی یہ حالت کہ اونٹ پر لیٹنا بھی مشکل چہ جائیکہ بارہ دن مسلسل کا کٹھن سفر مگر آپ نے تیاری کر دی اور مطوف کو سب کا کرایہ پہنچا دیا کہ اسی قافلہ میں ہمارے چلنے کا انتظام کرو۔ اتفاق سے بندہ بھی اپنے حضرتؒ کے ساتھ بعد میں حاضر حرم شریف ہو کر حضرت سے مل لیا تھا۔ یہ حال دیکھکر حضرتؒ تشریف لائے اور بندہ ساتھ تھا۔ حضرت نے تیز لہجہ میں مولانا سے فرمایا کہ آپ مکہ میں ہیں جنگل میں نہیں۔ اس لیئے اس حالت میں کہ عبدالرشید کسی طرح سفر کے قابل نہیں آپ کیوں عجلت کر رہے ہیں؟ مولانا چونکہ حضرتؒ کا بہت ہی زیادہ احترام فرماتے تھے کہ شاید کوئی مرید اپنے پیر کا بھی اتنا احترام نہ کر سکے اس لیئے گھبرا گئے اور عرض کیا کہ حضرت کیا کروں رفقاء کو اپنی خاطر تکلیف میں نہیں ڈالا جاتا کہ ان کو عجلت ہے اور خرچ کم ہو چلا۔ وہ میری وجہ سے رُکے تو اُن کا مکہ میں بادل ناخواستہ وحشت کے ساتھ قیام ان کے لیئے موجب وبال ہو جائے گا۔ حضرتؒ نے کہ اپنے صاف گوئی کے دوسرے رنگ میں غرق تھے بلیساختہ فرمایا نہیں اُن کے روکنے کی ضرورت نہیں کہدو جس کا دل چاہے جائے اور میں اس وقت عبدالرشید کی شدت علالت کے سبب سفر نہیں کر سکتا۔ آخر رفقا کی مرضیات ان سب سے زیادہ ضروری ہے کہ رفیق سفر بھی ہے۔ اور بیٹا ہے جس کے حقوق سب پر مقدم ہیں۔ مولانا گردن جھکا کر چپ ہو رہے اور جب حضرتؒ چلنے لگے تو اشارہ سے مجھے رُک جانے کا امر فرمایا اور پھر تنہائی میں اپنی پریشانی وضیق ظاہر فرمائی کہ سمجھتا سب کچھ ہوں مگر یہ لوگ میری معیت کے لیئے گھر دل سے چلے ہیں۔ اب کس مُنہ سے جواب

دوں کہ تم جاؤ میں نہیں جاتا۔ ان کے دل کیا کہیں گے کہ عبدالرحیم کی معیت کے شوق میں حج کو گئے اور اس نے معیت چھوڑ کر ٹکا سا جواب دے دیا۔ اب دوسری طرف حضرت کی گرانی خاطر کی پیش آ گئی کہ حضرت کے خلاف مزاج سفر کس طرح کر دوں۔ ادھر عبدالرشید کا قصہ سو موت ہے یا حیات امر مقدر ہے اور وقت مقرر ہے۔ جتنے دنوں کی سے کر آیا ہے اس میں ایک لحظہ کی کمی یا بیشی نہیں ہو سکتی۔ سب گزر ہی جائے گی۔ اب معاملہ تیرے سپرد کرتا ہوں کسی طرح حضرت سے بخوشی اجازت دلا دے کہ میری تو حضرت کے سامنے عرض کی ہمت ہی نہیں۔" مجھے درحقیقت دونوں حضرات سے محبت و عقیدت تھی کہ حضرت اگر داہنی آنکھ تھے تو مولانا میری بائیں آنکھ تھے اور واقعہ ہے کہ ان دونوں حضرات کو بھی اس ناکارہ کے ساتھ اسی نسبت کا تعلق شفقت و تربیت تھا اس لئے دونوں حضرات کے رنگ سے انس و مناسبت رکھتا اور ہر ایک کا لحاظ کیا کرتا تھا۔ میں وہاں سے رخصت ہو کر حضرت کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھ سے زیادہ حضرت کو علم ہے کہ مولانا پر رفقاء کی مراعات و دلداری خلق کا اتنا غلبہ ہے کہ اس کے ترک پر قدرت نہیں رکھتے اور عبدالرشید کی تکلیف چونکہ بیٹا ہونے کی حیثیت سے خود حضرت کی تکلیف ہے اس لئے رفقاء کی اتنی دلجوئی پر کہ ساتھ بھی نہ چھوٹنے پائے اپنی ہر تکلیف کا برداشت کرنا حضرت کو سہل ہے۔ مگر اس وقت حضرت کے ارشاد پر ایک بڑی ضیق مولانا کو یہ پیش آ گئی کہ نہ دلداری و معیت رفقاء چھوٹ سکے اور نہ حضرت کے خلاف حکم کچھ کر سکیں۔ عجب پریشانی ہے کہ مجھے اندیشہ ہے حضرت اس کشاکشی میں خود علیل نہ ہو جائیں۔ حضرت کو مولانا سے خود محبت تھی یہ سنکر متاثر ہوئے اور فرمایا اچھا بھئی بنام خدا سفر کریں خدا حافظ و ناصر ہے۔ میں اسی وقت واپس آیا اور عرض کیا کہ حضرت اپنا قصد پورا فرمائیں کہ حضرت کی طرف سے اجازت ہے چنانچہ آپ نے بمعیت رفقاء سفر کیا اور حالت میں مدینہ منورہ سے ینبع ہو کر جہاز میں سوار ہوئے حتیٰ کہ عدن کے قریب عبدالرشید مرحوم راہی عالم قدس ہوا اور آپ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر بیٹے کی نعش کو سمندر

کے حوالے کر کے اسی سکون سے بیٹھے رہتے جو آپ کے لئے گویا فطری تھا۔ عبدالرشید کے خسر حاجی عبدالعزیز خاں بھی شریکِ حج تھے اور مرحوم کی خدمت و تیمارداری انہیں کے حوالے تھی۔ جب بندہ سفر سے واپس ہو کر رائپور پہنچا تو کمال حسرت کے ساتھ فرمانے لگے کہ مرحوم کے آخری سانس سے لے کر اب تک اس ارمان میں ہوں کہ حضرت کی زبان سے عبدالرشید کا نام سنوں مگر حضرت سے کوئی تذکرہ ہی ایسا نہ سنا جس میں مرحوم کا نام لیں۔ تیرے انتظار میں ٹھہرا ہوا تھا کہ مجھے حضرت سے مرحوم کا نام سنوا دے۔ میں نے کہا بہتر ہے کوشش کروں گا۔ چنانچہ حاضر ہوا اور سمجھتا تھا کہ حضرت کو درحقیقت میرے ساتھ بیحد محبت ہے اس لئے سارے سفر کی باتیں کر کے میں نے عرض کیا کہ حضرت معلوم ہوا عبدالرشید مرحوم جوان مرگ ہوا اور چند دن کے قریب رخصت ہوا۔ حضرتؒ اس کو گھونٹ گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا دل چاہتا ہے کہ حضرت مجھے عبدالرشید جیسا بیٹا سمجھیں۔ بس اس پر جوش آگیا اور بیساختہ فرمایا عبدالرشید جیسے پچاس ہوں تو تجھ پر قربان اور تیرے ساتھ محبت کا مقابلہ عبدالرشید کی محبت کیسے کر سکتی ہے؟ حضرت کی یہ شفقت دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور حاجی عبدالعزیز صاحب کا ارمان پورا ہو گیا کہ انہوں نے دو مرتبہ مرحوم کا نام حضرتؒ کی زبان سے سن لیا۔

حضرت مولانا قدس سرہٗ کی ذات اور خود حضرت کے ساتھ میرا اتحاد یا نہ تعلق اس کو مقتضی تھا کہ جداگانہ مستقل سوانح لکھتا کہ میری اصلاح و تربیت میں حضرت کا ایک خاص حصہ ہے جس کے احسان سے میری گردن نہیں اٹھ سکتی۔ مگر حضرت کا رنگ اخفا و کتمان کے متعلق مجبور کئے ہوئے ہے کہ لاکھ میں سے ایک بات بھی بیان نہیں کر سکتا آپ دائم الفکر اور دائم السکوت تھے کہ بلا ضرورت بولنا ہی نہیں جانتے تھے مگر جب امر بالمعروف کا وقت آتا تو آپ کی عالمانہ تقریر ایسے طرز پر ہوتی تھی کہ دلوں میں کھبی اور آہن کو موم بناتی چلی جاتی تھی ایک مرتبہ بعد عصر حسب معمول آپؒ صحن باغ میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور چاروں طرف [illegible] کا ایک کثیر

Marfat.com

مجمع بچاند کا ہالہ بنا بیٹھا تھا کہ راؤ مراد علی خاں صاحب نے حضرات صحابہ کی باہمی جنگ و رنجش کا تذکرہ شروع کر دیا اور اس پر رائے زنی ہونے لگی کہ فلاں نے غلطی کی اور فلاں کو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔ جہاں تک نوبت پہنچی تو دفعۃً حضرتؒ کو جوش آگیا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی کہ جھرجھری سی لے کر حضرتؒ سنبھلے اور فرمایا راؤ صاحب ایک مختصر سی بات میری سن لیجئے۔ بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مخلوق کو قیامت تک پیش آنے والی تمام ضروریات دین و دنیا سے باخبر کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ وقت اتنی بڑی تعلیم کے لئے آپ کو بہت ہی تھوڑا دیا گیا تھا۔ اس تعلیم کی تکمیل کے لئے ہر قسم کے حوادث اور واقعات پیش آنے کی ضرورت تھی کہ ان پر حکم اور عمل مرتب ہو تو دنیا سیکھے کہ فلاں واقعہ میں یوں ہونا چاہیئے پس اصول کے درجہ میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں رہا جو حضرت روحی فداہ کے زمانہ بابرکت میں حادث نہ ہو چکا ہو۔ اب واقعات تھے دو قسم کے۔ ایک وہ جو منصب نبوت کے خلاف نہیں۔ دوسرے وہ جو عظمت شان نبوت کے منافی ہیں۔ پس جو واقعات منصب نبوت کے خلاف نہ تھے وہ تو خود حضرتؐ پر پیش آئے مثلاً تزوج اور اولاد کا پیدا ہونا ان کا مرنا و فنا کفنانا وغیرہ وغیرہ تمامی خوشی و غمی کے واقعات حضرت کو پیش آگئے اور دنیا کو عملاً یہ سبق مل گیا کہ عزیز کے مرنے پر ہم کو فلاں فلاں کام کرنا مناسب ہے اور فلاں نامناسب اور کسی کی ولادت و ختنہ و نکاح وغیرہ کی خوشی کے موقع پر یہ بات جائز ہے اور یہ خلاف سنت مگر وہ واقعات باقی رہے جو رسول پر پیش آئیں تو عظمت رسالت کا خلاف ہو اور نہ پیش آئیں تو تعلیم محمدیؐ نا تمام رہے مثلاً زنا و چوری وغیرہ ہو تو اس طرح حد و تعزیر ہونا چاہیئے اور باہم جنگ و قتال یا نفسانی اغراض پر دنیوی امور میں نزاع و رنجش ہو تو اس طرح اصلاح ہونا چاہیئے یہ امور ذات محمدیؐ پر پیش آنا کسی طرح مناسب نہ تھے اور ضرورت تھی پیش آنے کی۔ لہذا حضرات صحابہ نے اپنے نفوس کو پیش کیا کہ ہم خدام و غلام آخر کس مصرف کے ہیں۔ جو امور حضرتؐ کی شان کے خلاف ہیں وہ ہم پر پیش آئیں اور حکم و نتیجہ مرتب

Marfat.com

کیا جائے تاکہ دین کی تکمیل ہو جائے چنانچہ حضرات صحابہ پر وہ سب ہی کچھ پیش آیا جو آئندہ قیامت تک آنے والی مخلوق کے لئے رشد و ہدایت بنا اور دنیا کے ہر بھلے برے کو معلوم ہو گیا کہ فلاں واقعہ میں یہ کرنا اور اس طرح کرنا مناسب ہے اور یہ کرنا اور اس طرح کرنا نامناسب۔ لیکن کوئی ہو تو ایسا پاکمنت جاں نثار جو تکمیلِ دینِ محمدی کی خاطر ہر ذلت کو عزت اور عیب کو ہنر سمجھکر نشانۂ ملامت بننے پر فخر کرے اور بزبانِ حال کہے کہ ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

شہرت و نیکنامی اور عزت و نام آوری سب چاہا کرتے ہیں مگر اس کا مزہ کسی مجذوب سے پوچھو کہ جاں نثاری میں کیا لطف ہے اور کوچۂ معشوق کی ننگ۔ دعار کیا لذیذ شے ہے ؎

از ننگ چہ گوئی کہ مرا نام ز ننگ است وز نام چہ پرسی کہ مرا ننگ ز نام است

سچے عشاق تو اس طرح ہماری تمہاری اصلاح و تعلیم کی خاطر اپنی عزت و آبرو نثار کریں اور ہم ان کے منصف و جج بن کر تبصرہ کھوج میں لعدان کے مقامات کا فیصلہ دینے کے درپے ہوں اور نکتہ چینیاں کرکے اپنی عاقبت گندی کریں۔ اس سے کیا حاصل؟ اگر ان جواہرات سفیدہ کے قدردان نہیں بن سکتے تو کم از کم بارِ زبانی و طعن ہی سے اپنا منہ بند رکھیں کہ اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضاً۔ دیر تک آپ نے یہ تقریر فرمائی کہ دہنِ مبارک سے پھول جھڑتے اور سامعین کے مشامِ جاں میں مہکیں پڑتے رہے۔

جس طرح آپ کو تعلیم قرآن مجید سے شغف تھا اسی طرح خود تلاوت کلام اللہ سے عشق تھا۔ آپ حافظ قرآن تھے اور شب کا قریب قریب سارا وقت تلاوت میں صرف ہوتا تھا۔ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں شاید آپ گھنٹہ بھر سے زیادہ نہ سوتے ہوں۔ اور اسی لئے آپ کو لوگوں سے وحشت ہوتی تھی کہ معمولاتِ تلاوت میں حرج ہوتا تھا عصر و مغرب کے درمیان کا وقت عام دربار اور سب کی ملاقات کے لئے مخصوص تھا اور

ع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے متعلق کہ ان کو میرے بعد نشانۂ ملامت نہ بنا لیجیو۔

اس کے علاوہ بغیر کسی خاص ضرورت کے آپ کسی سے نہ ملتے اور مکان کا دروازہ بند فرماکر خلوت کے مزے لوٹتے اور اپنے مولیٰ کریم سے راز و نیاز میں مشغول رہا کرتے تھے۔ خوراک آپ کی بہت ہی کم تھی اور ماہ رمضان میں تو مجاہدہ اس قدر بڑھ جاتا تھا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا۔ افطار و سحر دونوں کا کھانا بمشکل دو پیالی چائے اور آدھی یا ایک چپاتی ہوتا تھا۔ شروع میں آپ قرآن مجید تراویح میں خود سناتے اور ۲ بجے ڈھائی بجے فارغ ہوتے تھے۔ مگر آخر میں دماغ کا ضعف زیادہ بڑھ گیا تو سامع بنتے اور اپنی تلاوت کے علاوہ تین چار ختم سن لیا کرتے تھے۔ ماہِ مبارک میں چونکہ تمام رات اور تمام دن آپ کا مشغلہ تلاوت کلام اللہ رہتا تھا اس لئے تمام مہمانوں کی آمد آپ روک دیا کرتے اور مراسلت بھی پورے مہینے بند رہتی تھی کہ کوئی خط کسی کا بھی عید سے قبل دیکھا یا سنا نہ جاتا تھا۔ اللہ جل جلالہ کا ذکر جس پیرایہ پر بھی ہو آپ کی اصلی غذا تھی اور اسی سے آپ کو وہ قوت پہنچتی تھی جس کے سامنے دواء الملک اور جواہر مہرہ ہیچ تھا۔ ایک مرتبہ آپ سخت بیمار ہوئے اور ضعف کی وجہ سے کروٹ بدلنا مشکل ہو گیا۔ پھر مرض سے کچھ افاقہ ہوا مگر ضعف کی وہی حالت رہی کہ دودھ پینے کے لئے چمچہ ہاتھ میں تھامتے تو ہاتھ کانپتا اور چمچہ پکڑا نہ جاتا تھا۔ ایک مزاج شناس خادم نے طبیب کو رائے دی کہ مقویات و مفرحات کا استعمال بیکار ہے کوئی کتاب جس میں معارف و حقائق ہوں سنانا شروع کر دیجئے کہ روزانہ قوت بڑھتی رہے گی۔ چنانچہ غالباً حجۃ اللہ البالغہ کا اشراق کے وقت سنانا حکیم صاحب نے معمول بنا لیا۔ حضرت بڑے شوق سے سنتے اور بے اختیار سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے ہوئے بعض دفعہ جوش میں اٹھ بیٹھا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں بندہ حاضر اور شریک سماع ہوا تو ایک جگہ یہ حدیث آئی "ومن یتال علی اللہ یکذبہ" جو شخص اللہ پر قسم کھاتا مثلاً یوں کہتا ہے کہ واللہ فلاں کام اس طرح ہوگا تو حق تعالیٰ اس کو جھوٹا بناتا اور اس کی قسم و دعوے کے خلاف فرماتا ہے۔ یہ سنکر آپ جوش میں اٹھ بیٹھے اور بندے کی طرف رخ فرما کر ارشاد فرمایا ایک حدیث میں تو یوں ہے منہم من

Marfat.com

لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ خدا کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو حق تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرماتا ہے۔ یا حضرت کا منشا یہ تھا کہ دونوں حدیثوں میں تعارض کس طرح رفع ہو اور تطبیق کی کیا صورت ہے۔ حضرت کا فیضان چونکہ پاس بیٹھنے والوں پر بھی پڑتا تھا اس لئے فوراً ایک بات ذہن میں آئی اور میں نے عرض کیا کہ حضرت وہاں لفظ اقسم آیا ہے اور یہاں یتألیٰ جو کہ باب تفعل سے ہے اور اسکی خاصیت ہے تصنع و تکلف۔ لہذا مطلب صاف ہے کہ قسم بے ساختہ کبھی جوش قلبی سے نکلے تو اس پر ثمرہ مرتب ہوگا کامیابی کا اور اگر بناوٹ و تصنع سے قسم کھائی جو دعوے ہے اپنے تقرب اور مجاب الدعوات ہونے کا تو اس پر ثمرہ مرتب ہوگا ناکامی اور جھٹلائے جانے کا۔ لہذا تعارض ہی نہیں کہ تطبیق کی ضرورت ہو۔ حق تعالیٰ کے ہاں قدر و منزلت اخلاص کی ہے نہ کہ نفاق و تصنع کی۔ ایک چرواہے نے جوش محبت میں اپنے اللہ سے باتیں کیں کہ آپ مجھے مل جائیں تو پاؤں دباؤں اور دودھ پلاؤں۔ وہ خدا کو اتنا پیارا ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے الفاظ پر نظر کر کے اس کو گستاخ قرار دیا اور ایسے الفاظ کے استعمال سے روکا تو حق تعالیٰ کا سیدنا موسیٰ کو حکم ہوا کہ ؎

تو برائے وصل کردن آمدی ۔۔۔ نے برائے فصل کردن آمدی

اور منافقین نے پیغمبر کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور محبت و عظمت رسول کے بڑے بڑے دعوے کیئے مگر حکم آیا کہ ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار۔ پس یہ فرق ہے اخلاص و سادگی میں اور بناوٹ و تصنع میں حضرت کا چہرہ اس تقریر کو سنکر خوشی سے دمکنے لگا اور سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے ہوئے پھر تکیہ پر لیٹ رہے۔ کامل تین گھنٹے آپ کتاب سنتے اور پتہ بھی نہ چلتا کہ آپ بیمار ہوئے تھے اور ضعف ہے حتیٰ کہ چند ہی روز میں آپ کی کمزوری قوت سے بدل گئی اور آپ نماز کو اپنے پاؤں سے مسجد تک جانے لگے۔

حقائق و معارف آپ پر بارش کی طرح برسا کرتے مگر آپ کسی پر انکا اظہار

نہ فرمایا کرتے تھے کسی خاص موقع پر کوئی بات زبان سے نکل جاتی ورنہ ہر وقت آپ ایک اندرونی لذت میں غرق رہتے اور بزبان حال فرمایا کرتے

مستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر دسمن درآ تو ز غنچہ کم ندمیدہ در دل کشا بچمن درآ

ایک دن آپ کی مجلس میں بدعت و سنت کے مسائل اختلافیہ کی بحث ہونے لگی۔ آپ دیر تک سنتے رہے اور آخر میں فرمایا کہ میرے نزدیک علاوہ دلائل علمیہ کے حق و باطل پہچاننے کا ایک معیار اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ قدرت نے ہر چیز میں اس کے ہمجنس کی طرف کشش کا مادہ رکھا ہے کہ کبوتر با کبوتر باز با باز۔ اور یہ قدرت کا عطیہ جس کو فطرت کہنا چاہیئے اجسام ہوں یا اعراض سب ہی میں جاری و ساری ہے پس جس فعل کے متعلق یہ شبہ ہو کہ معلوم حق ہے یا باطل اس میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کی طرف میلان کن قلوب کا ہوا اور کشش کس قسم کے لوگوں کی ہے؟ پس اگر دیکھو کہ بددین فساق و فجار کو ابتداءً اسکی طرف حرکت ہوئی اور وہی قلوب جوش و خروش کے ساتھ اس کی طرف لپکتے ہیں تو سمجھ لو کہ اس فعل میں ضرور ظلمت ہے اگرچہ ظاہری صورت نورانی اور دینی معلوم ہوتی ہو کیونکہ اس میں نور ہوتا تو ظلماتی قلوب کو جذب نہ کرتا بلکہ وہ اس سے بھاگتے اور نورانی قلوب اولیاء و صلحاء کے اس کی جانب کھنچتے۔ اور اگر کسی فعل کو دیکھو کہ دیندار اہل اللہ اسکی طرف جاتے اور عوام و بازاری اس سے بھاگتے ہیں تو سمجھ لو کہ ضرور اس فعل میں نورانیت ہے کہ اہل نور کے قلوب کو اس طرف کشش ہوئی اور ظلماتی قلوب نے اس سے وحشت کھائی پس عوام کا کسی اختلافی مسئلہ کے متعلق یہ کہنا کہ ہم تو بے پڑھے ہیں اور دونوں طرف مولوی ہیں پھر ہم کیونکر سمجھیں کہ کون حق پر ہے عنداللہ کے نزدیک معتبر اور عذر مقبول نہ ہوگا بالخصوص جبکہ وہ دونوں طرف علماء ہونے کے قائل ہو کر بھی ایک طرف جھکے ہوتے ہیں جو دلیل ہے کہ ایک شق کو ان کے نفوس نے ترجیح دے کر اختیار کیا اور اپنے اوپر سے الزام اتارنے کے لئے مولویوں میں فیصلہ نہ کر سکنے کا عذر تراشا ہے اس طرح پر ذرا غور کرنے سے ہر بے پڑھے سے بے پڑھا حق اور باطل سمجھ سکتا

Marfat.com

سے ہے کیونکہ دیکھ رہا ہے کہ رسومات و بدعات رائجہ کی طرف یا وہ بازاری عوام جھکتے ہیں جن کو نماز روزہ تک سے دہشت دبے تعلق ہے اور یا وہ پڑھے لکھے، مائل ہوتے ہیں جنکی نورانیت، قلوب کو حُبِ جاہ و مال نے داب لیا ہے اور اگر کوئی مخلص دھوکہ کھا کر اُدھر چلا بھی گیا تو خود اپنے قلب کو ٹٹول لے کہ وہ کشش نہ ہوگی جو درود و نماز و روزہ جیسی کھُلی اور صاف عبادتوں کی طرف اسکو ہوتی ہے اور اس لئے امید ہے انشاءاللہ کسی وقت اس کا قلب اسکی رہبری کرے گا اور وہ متنبہ ہو کر نورِ سنت کی طرف ضرور آجائے گا۔ یہ سُننے کے بعد میرے ذہن میں یہ مضمون آیا کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے قصۂ بہتان میں آپ کی براءت و پاکدامنی کا ثبوت دیتے ہوئے آخر میں حق تعالیٰ نے ایک دلیل یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے علیٰ ہذا ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لئے خاص ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لئے۔ پس اگر تعلق زوجیت مُراد ہو کر ثبوت لیا جائے کہ حضرت صدیقہؓ چونکہ الطیب الخلق پیغمبر کی بی بی ہیں لہذا فحشاء کی گندگی سے پاک صاف ہونی چاہئیں، تو یہ دلیل منقوض ہو جائے گی حضرت آسیہؑ اور حضرت لوطؑ کی بی بی سے کہ اول الذکر طیبہ ہو کر خبیث بلکہ اخبث کی زوجیت میں آئیں اور امراۃ لوط خبیثۃ النفس ہو کر طیب النفس پیغمبر کی زوجہ بنی۔ اور دلیل حق تعالیٰ کی خصوصاً ایسے نازک قصہ کی براءت کے لئے مخدوش نہیں ہو سکتی پس لامحالہ کشش اور محبت مُراد لی جائے گی کہ دنیا جانتی اور ہر موافق و مخالف آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ حضرت صدیقہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ ہیں، کہ الطیب الخلق کا قلب مطہر ان کی طرف کھنچتا اور مائل ہوتا ہے۔ پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت صدیقہ میں طیب ضرور ہے اور ایسی عفت ہے جو کہ اصل گندگی ہے وہ پاک صاف ہیں ورنہ گندی طبیعت رکھتے ہوئے پاک اور ستھرے قلب کا میلان اس طرف کبھی نہ ہوتا پس کہیں زوجیت کے

یقینی ہیں اس کا خلاف ہوا بھی تو یہ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ کشش اور دلی محبت
بھی دونوں میں ہوئی ہو۔ یہ قاعدہ کلیہ جس کو حق تعالیٰ نے آخری اور قطعی دلیل بنا کر
ہر قریب و بعید اور ذکی و بلید کے لئے فیصلہ قرار دے دیا کہ اگر حضرت صدیقہؓ پر
واہمہ ہو گندگی کے بنے عشق کا تو اثر پڑے گا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس میں
بلکہ پھر حق تعالیٰ کی محبوبیت کے ساتھ گستاخ بننے پر جس میں ایمان ہی ہاتھ سے
گیا کہ آپ محبوب ہیں حق تعالیٰ کے۔ اور اگر حضرت کو بحیثیت رسالت و محبوبیت
اطیب النفس سمجھا کہ ایمان کا مقتضا ہے تو حضرت عائشہ کو ضرور طیبۃ النفس ماننا
پڑے گا کہ حضرت عائشہ کی محبوبیت اور آنحضرت کے قلب کا اس طرف انجذاب
و میلان اس زمانہ والوں کے لئے مشاہدہ ہے اور ہمارے لئے تواتر و شہرت سے
ثابت ہو کر محقق و یقینی بن چکا ہے۔ اب جس کا بھی دل چاہے ہر امر میں حق و باطل ہونے
کا فیصلہ کرلے کہ قد تبین الرشد من الغی ہیں اپنے اللہ سے معاملہ صاف
کرنا مقصود ہو تو ان شاء اللہ ان شاء اللہ حق واضح ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ اس کے بعد
فرمایا المرء مع من احب میں بھی یہی راز ہے کہ محبت سے کشش ہوتی ہے اور
کشش محبوب کو محب کے رنگ میں رنگ دیتی ہے کہ جس درجہ کی کشش ہوگی
اسی درجہ کی معیت لامحالہ مرتب ہوگی۔ اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ اسی لئے کہتے
ہیں کہ اہل اللہ کی محبت بڑی نعمت ہے کہ جو کچھ ملتا ہے اسی کی بدولت ملتا ہے
چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق کو تمامی صحابہ پر فضیلت اسی محبت پر نصیب ہوئی ورنہ
آپ کا مجاہدہ بھی اس درجہ تھا کہ تمام صحابہ سے بڑھا دے۔ اور محبت و کشش
کے یہ اثرات تھے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے میں کبھی اجتہادی غلطی
ہوئی تو ابوبکرؓ کی رائے بھی اس غلطی میں شریک اور شامل رہی کہ یہ غلطی کا اشتراک
دوسروں کی اصابت رائے سے بہتر اور عند اللہ زیادہ وقیع تھا۔ اسی محبت
کا ثمرہ تھا کہ حضرت صدیق کو خلافت بلافصل کا اہل بنایا جس کو حضرت نے باین الفاظ
ارشاد فرمایا کہ یابی اللہ والمومنون الا ابابکر کہ جس طرح ذات محمدی کے ہوتے ہوئے

Marfat.com

اللہ اور اس کے ایمان دار بندے کسی دوسرے کی حاکمیت کی طرف میلان نہیں کر سکتے اسی طرح وفات محمدی کے بعد آپ کے محب مجانس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی جانشینی کی طرف جھک ہی نہیں سکتے۔ کہ حق دار کے حق کو قائم رکھنا ایک نور ہے اور نورانی ذات نانویہ کا نور کی طرف طبعی میلان ضروری اور فطری امر ہے۔ غرض دیر تک تقریر فرمائی کہ سننے والے محو و مستغرق تھے اور رحمت الٰہیہ کی بوچھار دلوں پر پڑ رہی تھی۔ اس قسم کے حقائق کا ہر لمحہ آپ پر ورود ہوتا تھا جن کو اول تو آپ ہی زبان سے نہ نکالتے تھے اور کبھی کچھ بیان فرمایا تو میرا دل نہیں چاہتا کہ حضرت کے خلافِ طبع ان کی اشاعت کروں۔ وساوس و خطرات پر آپ کو اطلاع زیادہ ہوتی اور بلا ارادہ آپ اس پر مطلع ہوتے تھے۔ حافظ مختار احمد صاحب سیوہاری جب پہلی مرتبہ رائپور حاضر ہوئے تو مہمان خانہ میں اترے۔ اور چونکہ چائے کے زیادہ عادی تھے اس لئے حضرتؒ کو اطلاع ہونے سے قبل ان کے ملازم نے چائے تیار کرنے کا قصد کیا۔ ابھی ارادہ ہی تھا کہ ایک صاحب آئے اور کہا کہ آپ کو حضرت بلا رہے ہیں۔ ان کو بغیر اطلاع پائے حضرت کی طلبی پر تعجب ہوا اور جلدی جلدی حضرت کے پاس حاضر ہوئے۔ مصافحہ کرتے ہی حضرتؒ نے خادم سے فرمایا ملاجی سے کہو کہ چوہدری صاحب کے لئے چائے جلدی لے آئیں۔ اس پر ان کو دوسری حیرت ہوئی مگر ساتھ ہی ان کو یہ خیال آیا کہ میری چائے کی طلب کا تو حضرت کو کشف ہو گیا لیکن میری عادت تو یہ ہے کہ صبح کو چائے نہیں پیتا جب تک انڈا نہ کھا لوں۔ یہ خیال آتا تھا کہ حضرت نے خادم کو آواز دی اور فرمایا ملاجی سے کہنا دو انڈے بھی لیتے آئیں اس قسم کے واقعات کشوف کونیہ اور اطلاع خطرات کے ہزاروں کی تعداد میں پیش آئے اور رات دن پیش آتے تھے مگر نہ آپ کے نزدیک وقیع تھے نہ آپ اس کا قصد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ بندہ حاضر ہوا اور حاجی احمد حسن صاحب کہ حضرت کے خادم اور میرے دوست اس وقت ڈیرہ دون میں ضلعداری نہر پر تعینات تھے میری موجودگی میں حضرتؒ کی زیارت کے خیال سے ایک گھوڑے پر آئے جو کسی

Marfat.com

دوست سے مانگ لیا تھا گھوڑا باغ میں چھوڑ کر حضرت کے پاس حاضر ہو گئے اور باتوں میں دیر لگ گئی مغرب کے قریب باہر آئے تو گھوڑے کی تلاش ہوئی چاروں طرف دیکھا کہیں پتہ نہیں۔ فکر ہوا کہ گھر کا راستہ بند ہو گیا اب بغیر سواری پہاڑی راستے وقت پر ڈیرہ پہنچنا بھی مشکل۔ ملا عبدالعزیز سے کہا کہ حضرت کو اطلاع دے دو اور سنو حضرت کیا فرماتے ہیں۔ وہ حضرت کے پاس گئے اور قصہ عرض کیا حضرت نے ذرا گردن جھکائی اور پھر فرمایا ملاجی کسی طالب علم کو نہر کی پگڈنڈی پر تو ذرا بھیجو کہ تلاش کرے ملاجی خوش خوش یہ کہتے ہوئے آئے کہ لو گھوڑا مل گیا اور اس کے بعد طالب علم کو نہر کی پٹڑی پر بھیج دیا عشا کا وقت ہوا چاہتا تھا کہ طالب علم گیا اور دو ڈھائی فرلانگ چلا ہو گا کہ گھوڑے کو رائپور کی طرف رخ کئے کھڑا پایا اور وہ اس کی رسی پکڑ کر اپنے ساتھ لے آیا۔ قدرت طعام، قدرت مقام اور قدرت کلام کا ایک مجسمہ تھے امرا سے آپ کو وحشت اور فقرا سے انس تھا اس کے ساتھ ہی مہمان نوازی آپ کی حد سے بڑھی ہوئی تھی کہ مہمان پر اپنی راحت کا نچھاور کرنا آپ کی عین مراد تھی ایک دفعہ بندہ حاضر ہوا تو بعد مغرب دیکھا کہ مکان سے جو کہ بستی میں باغ سے دو فرلانگ فاصلہ پر تھا کھانا خود لئے آ رہے ہیں شرم کے مارے مجھے پسینہ آ گیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت کیا کوئی خادم نہ تھا کہ حضرت نے تکلیف فرمائی بے ساختہ فرمایا دل تو یہی چاہا کہ خود لے کر چلوں کہ اس سے زیادہ خوشی کا وقت کون سا ہو گا۔

ایک مرتبہ حاضر ہوا تو شب کو آنکھ کھلی دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت لاٹھی لئے باغ میں پھر رہے ہیں۔ اٹھ کر بیٹھ گیا تو حضرت پاس آئے اور فرمایا جنگلی بھینسا کبھی کبھی باغ میں گھس آتا ہے اس کی نگرانی کر رہا تھا کہ مہمانوں کی نیند خراب نہ کرے۔ آپ اطمینان سے سو جائیے۔ صبح کو معلوم ہوا کہ حضرت کی تو تمام رات پہرہ داری ہی میں گذری۔

ایک مرتبہ مولوی وہاج الدین صاحب جو کہ حضرت گنگوہی سے بیعت تھے رائپور آئے رات زیادہ جا چکی تھی اور سفر کا تکان بہت تھا ایک طرف لیٹ کر سو گئے۔ ذرا دیر بعد آنکھ کھلی تو دیکھا ایک شخص پائینتی بیٹھا ہوا آہستہ آہستہ ان کے پاؤں دبا رہا ہے

Marfat.com

مگر اس احتیاط سے کہ آنکھ نہ کھل جائے اول تو سمجھے کہ شاید حضرت نے کسی خادم کو بھیجدیا۔ مگر ذرا غور کی نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ یہ تو خود حضرت مولانا ہیں۔ یہ گھبرا کر اٹھے اور کود کر چارپائی سے نیچے آئے کہ حضرت یہ کیا غضب کیا۔ فرمایا بھائی اس میں حرج کیا ہے آپ کو تکان بہت ہوگیا ہوگا ذرا لیٹ جائیے کہ آرام مل جائے۔ انہوں نے کہا بس حضرت معاف فرمائیے میں باز آیا ایسے آرام سے کہ آپ سے پاؤں دبواؤں۔ تواضع اور مروت کا کوئی شخص مجسم ہو تو وہ حضرت قدس سرہ الرحیم یا صفا ہوگا

خواب کی تعبیر میں آپ کو بہت مناسبت تھی مگر تفصیل بہت کم بیان فرمایا کرتے تھے۔ چودھری حافظ مختار احمد صاحب نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ چت لیٹے ہوئے ہیں اور سیدھی جانب سر کے برابر ایک مونڈھے پر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اور آپ سے کچھ نیچے قدم کے مقابل سیدنا یوسف علیہ السلام ہیں قلب بجائے بائیں جانب کے دائیں جانب ہے اور کھلا ہوا ہے کہ نہ اس پر کوئی کپڑا ہے اور نہ گوشت کھال کو چیر کر اس کے اوپر سے ہٹا دیا گیا اور قلب پر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے فیضان کا ترشح ہو رہا ہے جس کی لذت بائیس سال گذر جانے پر اب بھی محسوس ہوتی ہے۔ خواب ہی میں یہ خیال ہے کہ نور جبرا آ رہا ہے۔ چند علماء سے انہوں نے خواب ذکر کیا اور ہر ایک نے تعبیر دی مگر ان کے دل کو نہ لگی۔ رائپور حاضر ہوئے تو حضرت کو خواب سنایا۔ فرمایا بارک اللہ بہت اچھا خواب ہے جس کی تعبیر کھلی ہوئی ہے کہ آپ کو نسبت یوسفی حاصل ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت ذرا اسکو تشریح فرمائیں کہ نسبت سے کیا مراد ہے۔ فرمایا چودھری صاحب دیکھئے جس طرح دنیا میں جس کسی کو جو کچھ بھی انعام اکرام عطا ہوتا ہے وہ سب حقیقتاً بادشاہ کی جانب سے ہوتا ہے مگر اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خزانہ شاہی سے وزراء کو دیا جاتا ہے اور وزراء کے یہاں سے ہر محکمہ کے سردار کو اور پھر اس سردار کی طرف سے ہر اس شخص کو ملتا ہے جو اس کا مستحق اور اس افسر کا ماتحت ہوتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی روحانی برکات و فیوض بندوں کو عطا ہوتے ہیں وہ سردار دوجہاں

Marfat.com

صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے سیدنا موسیٰ سیدنا عیسیٰ اور سیدنا یوسف غرض جملہ انبیاء علیہم السلام تک پہنچتا ہے۔ اور یہ حضرات اپنی صفات اور کمالات خصوصی کی بنا پر حسب جس محکمہ کے سردار و امیرِ قافلہ قرار پائے ہیں انہی خصوصی انعام سے بہرہ یاب ہونے والوں کو وہ فیوض و انعامات الٰہیہ پہنچاتے ہیں۔ اور وہی صفات خصوصی نسبت کہلاتے ہیں کہ کوئی نسبت ابراہیمی ہے اور کوئی نسبت یوسفی کوئی موسوی اور کوئی عیسوی اس وقت چودہری صاحب کو انشراح صدر ہوا اور سمجھے کہ سر کی جانب سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا تشریف فرما ہونا اور قلب کے محاذ میں سیدنا یوسف علیہ السلام کا قلب پر انوار و برکات کا ڈالنا یہ حقیقت رکھتا ہے۔

ہر چند کہ آپ خلق مجسم تھے مگر خلاف سنت عقیدہ والوں سے آپ کو کمال نفرت تھی۔ ایک مرتبہ آپ کے کسی مرید نے ضلع رہتک کے ایک عالم کی صفائی کرتے ہوئے یوں کہا کہ حضرت وہ تو ہنود کے رشتہ دار ہیں اور بالکل ہمارے ہم خیال ہیں۔ صرف بعض عقائد میں کچھ یوں ہی سا جزوی اختلاف ہے جیسا باہم ائمہ میں۔ وہ صاحب اپنی تقریر ختم کرنے نہ پائے تھے کہ آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہو گئے اور آپ نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ ہائیں عقائد میں اور اختلاف؟ یہ تو جزوی ہونا آپ کو خود ہی تسلیم ہے میرا تجربہ تو یہ ہے کہ عقائد میں جز تو جز اگر بالکل بھی اختلاف نہ ہو مگر شک اور شبہ کا درجہ ہو تو وہ بھی برباد و گمراہ ہوئے بغیر نہیں بچتا پھر اس کو ائمہ کے اختلاف سے تشبیہ دینا تو بڑی ہی دلیری کی بات ہے بس چاہے عمل میں کتنی ہی کمزوری ہو مگر خدا نہ کرے کہ کوئی مسلمان بدعت کو سنت سمجھے یا سنت کے سنت ہونے میں شک لائے کہ یہ بلائے بے درماں مہلک اور سم قاتل ہے۔ آپ کے امر بالمعروف کا طریق بھی عجیب پیارا تھا کہ کوئی کتنا ہی بدعمل ہو آپ اس کو چھاتی سے لگاتے اور اپنے کو اس کے سامنے ہیچ در ہیچ سمجھتے مگر جب دیکھتے کہ اس کو تعلق ہو گیا اور اب نصیحت کرنا بے اثر نہ ہو گا تو چپکے سے نہایت نرم اور میٹھے لفظوں میں اس کو اتباع شریعت کی ترغیب دیا کرتے تھے ایک بار میرے ساتھ ایک صاحب حاضر

Marfat.com

خدمت ہوئے جن کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی تھی۔ حضرتؒ کے اخلاق و مہمان نوازی دیکھ کر وہ حیران ہو گئے۔ اور جب رخصتی مصافحہ کرنے لگے تو عرض کیا کہ حضرت میرے لئے دعا فرمائیں۔ حضرت نے ہاتھ تھامے ہوئے ان سے ارشاد فرمایا بہت اچھا انشاء اللہ حکم کی تعمیل کروں گا مگر ایک عرض میری بھی ہے اس کو آپ قبول فرمالیں وہ یہ کہ طلائی انگشتری کو شریعت نے مرد کے لئے حرام کہا ہے اگر اس گناہ بے لذت کو ترک فرمائیں تو پھر خوش ہو کر دل سے دعا نکلے گی یہ سنکر وہ صاحب شرما گئے کہ پیشانی پر پسینہ آگیا اور فوراً انگوٹھی اتار کر ہاتھ میں لے لی۔

حضرت پیران پیر کے مواعظ الفتح الربانی ایک مرتبہ مجھے ملے اور میں حضرت کو پڑھ کر سنانے لگا تو حضرت پر وجد طاری ہونے لگا اور بے اختیار باصرار فرمایا کہ اس کا ترجمہ کر دے کہ بہت مفید ہوگا اور طباعت شروع ہونے پر جتنا بھی طبع ہوتا جائے وہ مجھے فوراً بھیجدیا کر کہ بھیجنے میں کتاب پوری ہونے کا انتظار نہ دیکھیو۔ چنانچہ میں نے اس کا ترجمہ کیا اور حضرتؒ اس سے بہت ہی محظوظ ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کتاب جس کے پاس بھی گئی اس کو خاص روحانی فائدہ پہنچا حتیٰ کہ ہاتھوں ہاتھ ختم ہو گئی اور دوبارہ طبع ہوئی جو قریب ختم ہے[1] اس کے مطالعہ سے قلب میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے اور رضا بر قضا و شان تسلیم کی ایک عجیب و غریب تعلیم حاصل ہوتی ہے جو تجربہ ہی پر موقوف ہے۔

آپ کو حضرت گنگوہی قدس سرہ کے متوسلین سے خاص محبت تھی کہ وہ شیخ کے یتیم بچے تھے اور شیخ کی یاد تازہ کیا کرتے تھے ان میں سے کوئی بھی آتا تو گویا آپ کے ہاں عید آجاتی۔ اور اگر کوئی خاص تعلق والا آتا تب تو آپ کی مسرت کا کچھ ٹھکانا ہی نہ رہتا تھا۔ اس کی خدمت و دلداری کو تمامی نوافل و اذکار پر ترجیح دیتے اور اکابر میں سے کوئی بزرگ تشریف لاتے تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کہ آپ کتنا اہتمام فرماتے اور آپ کا رواں رواں مسرور ہو کر یوں پکارا کرتا تھا ے

---

[1] اسکا نام فیوض یزدانی ہے اور قیمت دو روپیہ چار آنہ ہے نیز اسکے ۱۲ وعظ کی شرح عجیب طرز پر جدا لکھی ہے جس کا نام انوار سبحانی ہے اور قیمت دو روپیہ ہے۔

Marfat.com

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

نکاح بیوگان آپ کی قوم میں عیب سمجھا جاتا تھا اس کی اصلاح میں آپ نے بہت کچھ تکلیفیں سہیں اور مصائب برداشت کیے عملاً اس کی مسنونیت ثابت کرنے کے لیے خود بھی بیوہ سے نکاح کیا اور اس نکاح پر جو کچھ طعن تشنیع اور جان کے خطرات آپ کے رفع درجات کے لیے مقدر تھے وہ پیش آ کر رہے جن کو آپ نے شیر و شکر سمجھ کر پیا اور مزہ لیا۔ آپ کے جوان صاحبزادے عبدالرشید مرحوم کا انتقال ہوا تو صبر و رضا کی آپ مجسم تصویر تھے کہ مرحوم کے جیسے پوتا دادا کا نام باپ کی زبان سے سننے کی تمنا تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا آپ کو اس کی وفات کا صدمہ ہی نہیں ہوا مگر میں نے جہاں تک غور کیا حزن تو غیر اختیاری اور لازمہ بشریت ہے انسان کو دو دن کے پالے ہوئے بکری کے بچے سے بھی تعلق ہوتا اور اس کے مرنے پر دل دکھتا ہے پھر بیٹا تو بیٹا ہی ہے جس کو ثمرۃ الفواد اور جگر کا ٹکڑا کہا جاتا ہے اس کا نوجوانی میں مرنا حزن سے کیسے خالی رہ سکتا ہے لیکن اس موت نے حزن بشری و طبعی کے ساتھ ایک روحانی مسرت بھی آپ کو حاصل تھی جو طبیعت ثانیہ نہیں بلکہ طبیعت اصلیہ بن گئی تھی کہ آپ کو بیوہ بہو کے نکاح ثانی کا موقع ملا اور مردہ سنت کے زندہ کرنے کی ایک قدرت حاصل ہوئی۔ نصیحت کرنے اور دوسرے کو کسی کام کی ترغیب دینے اور عمل کرانے کی دو ہی صورتیں ہیں ایک زبان سے سمجھانا دوم خود عمل کر کے دکھانا زبان سے سمجھانا جو تعلیم قولی کہلاتی ہے اگرچہ زمانہ اور وقت کے لحاظ سے انفع اور زیادہ دیرپا ہے کہ عمل تو صرف دیکھنے والے حاضرین کو تعلیم دے سکتا ہے لیکن قول حاضر و غائب دونوں کا معلم بنتا اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو سبق پڑھاتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی عمل کے ذریعہ سے جو تعلیم و نصیحت ہوتی ہے وہ متعلم کے لیے قولی تعلیم کی بہ نسبت نہایت آسان اور بہت جلد سمجھ میں آنے والی ہوتی ہے۔ اسی لیے جہاں حق تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں کہ موجودہ و آئندہ ہر زمانہ کے لوگوں کو ان کے ذریعہ سے مرضیات الٰہی کا علم حاصل

موجود نہیں کتابوں کے ساتھ ان کے احکام پر عمل کرنے والے پیغمبروں کو بھی بشر بنا کر دنیا میں بھیجا کہ خود عمل کر کے مخلوق کو احکام الٰہیہ پر عمل کرنا سکھائیں۔ ایک سمجھدار نوجوان کو زبانی نماز پڑھنا سکھاؤ اور کہو کہ اول تکبیر پڑھو اور پھر ہاتھ باندھو وغیرہ وغیرہ تو چند منٹ سکھانے پڑھانے کے بعد بھی شاید وہ پوری نماز نہ پڑھ سکے گا لیکن اگر ایک ناسمجھ بچے کو بھی سامنے بٹھا کر خود نماز پڑھ کر دکھا دو تو عجب نہیں تمہاری چند منٹ کی یہ تعلیم اس سے پوری نماز پڑھوا دے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس تعلیم کا اثر دیکھنے والے ہی تک محدود ہوگا اور جو موجود نہیں یا پیدا ہی نہیں ہوئے ان کو نماز سکھانے کے لئے پھر قول کی حاجت ہوگی کہ عمل ختم ہو جانے والا ہے اور قول باقی رہنے والا۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی اسکولوں میں یہ الزام دور کرنے کے لئے کہ مسلمان بچے اپنے دین سے ناواقف اور بے بہرہ رہ جاتے ہیں کتنا ہی دینیات کا نصاب کیوں نہ پڑھا لیا جائے مگر وہ مفید نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہاں صرف قول سے تعلیم دینے اور زبان سے پڑھانے اور بتلانے والے ہوتے ہیں خود عمل کر کے دکھانے والے اور عملی تعلیم دینے والے نہیں ہوتے۔ پھر عمل کے بھی دو درجے ہیں۔ ایک اوپرے دل سے عمل کرنا۔ دوم دلبستگی اور محبت وشوق کے ساتھ کرنا۔ کہ پہلا درجہ کتنا ہی پابندی ومواظبت سے ہو مگر اس کے بقا کا اعتبار ہے اور نہ اس میں حلاوت وشیرینی ہے۔ مگر دوسرا درجہ اگر ضعف بدن کی وجہ سے کمزور بھی نظر آئے تو بھی پختہ وپائدار ہوتا ہے اور اس کے اندر ایسا مٹھاس ہوتا ہے جس کی ماہیت بیان میں نہیں آسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ مدارس دینیہ میں بھی گو تعلیم قولی کے ساتھ عاملین کے اعمال وافعال طلبہ کو عملی تعلیم ضرور دیتے ہیں مگر وہ تعلیم صرف بدن پر رہتی ہے اور دل میں نہیں اترتی اور اسی لئے اندیشہ رہتا ہے کہ متعلم کسی وقت تارک عمل اور بدحال نہ بن جائے۔ ہاں اس علم اور عمل بدن سے فراغ پانے کے بعد ضرورت ہے ان عاملین کی خدمت میں رہنے کی جن کے اعمال قلب سے صادر ہوتے اور احوال بن جاتے ہیں۔ کہ اب عملی تعلیم دل میں اترے گی اور احکام الٰہیہ پر عمل کرنے کا دلی انس وشوق پیدا ہو جائے گا جو کہیں بھی رہو گے مگر معلم وراہبر اور نگران ومنتبہ بنا ہوا تمہارے

ہر وقت و ہر ساعت ساتھ رہے گا۔ پس ایسا علم اگر مدرسہ ہی میں نصیب ہو جائے تو زہے نصیب ورنہ جس طرح دو فن حاصل کرنے کے لئے دو مدرسوں میں جانا ضروری ہے اسی طرح علم ایمان مدارس میں حاصل کرنے کے بعد عمل قلوب کی تحصیل کے لئے خانقاہوں میں جانا پڑے گا۔ کہ ہر کارے و ہر مردے۔ جنکے اعمال دیری اور صرف بدن سے ہوں گے ان کی تعلیم کا اثر فقط جوارح و اعضاء تک پہنچے گا۔ اور جن کے اعمال دل سے اور شوق محبت کے ساتھ ہوتے ان کے سارے کام صورتاً وہی ہونگے جو معلم ایمان کے تھے اور نصاب تعلیم میں کوئی اضافہ نہ ہوگا مگر ان کی تعلیم فعلی دیکھنے والوں کے دلوں میں اترے گی اور مشین کے پرزوں کو چلانے والی ایک مخفی برقی قوت پیدا کریگی جس کو محبت کی آتش اور برق شوق کہا جاتا ہے ؎

از ساعت دل غبار کثرت رفتن   خوشتر کہ بہرزہ در وحدت گفتن

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا   واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

الحاصل تابعین رسالت جن کے قلوب میں سید المحبین والمحبوبین صلے اللہ علیہ وسلم کے مشکوٰۃ قلب سے وہ نور منتقل ہوا ہے جس کو عشق کی آگ اور حب الٰہی کی حرارت کہا جاتا ہے ان کا طبعی اقتضا خود ان کو عمل پر ایسا مجبور کرتا ہے جیسا فرہاد کو جوئے شیر لانے کے لئے کوہ کنی پر مجبور کیا تھا۔ اور اسی میں ان کو وہ لذت آتی ہے جو کہ ہر کودنت اور حزن وغم کو مغلوب بلکہ معدوم کر دیتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی چونکہ وہ بخیل و تنگ خیال نہیں ہوتے لہٰذا ان کا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا ہمارے محبوب کی ہماری طرح محب وشیدا بن کر مال وجان اور عزت و خانماں نچھاور کرنے لگے اس لئے برقی قوت دوچند ہو کر عمل کی محرک ہوتی ہے اور مخلوق کے دلوں میں اس کی تعلیم اترتی چلی جاتی ہے۔ حضرت رائپوری قدس سرہ کا یہ رنگ عالم آشکارا ہو چکا تھا اور آپ کی ساری راحت وخوشی بس اس میں رہ گئی تھی کہ اللہ کا بول بالا ہو اور دنیا کا ہر فرد سنت محمدیہ پر عامل اور والہانہ شیدا۔ اس سعی میں مال اور اولاد تو کیا چیز ہے اپنا مرمٹنا بھی آپ کے لئے زندگی اور فنا و ختم ہو جانا بھی عین حیات تھا ؎

Marfat.com

مر بوقت ذبح اپنا ان کے زیر پائے ہے   کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

قصہ مختصر اپنی قوم کا بیوہ کے نکاح کو عیب سمجھنا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتضائے طبعی کہ آپ کی اکثر ازواج مطہرات بیوگی ہی سے آپ کی زوجیت میں آئیں، مدعیان اسلام کے قلوب سے مٹ جانا آپ کے لئے ایسا ہی سوہان روح تھا کہ ماں باپ بہن بھائی اور بی بی اور اولاد سب ہی کی وفات کے درد و غم سے بڑھا ہوا تھا کہ آپ اندر ہی اندر گھٹتے اور مرجھائے چلے جاتے تھے۔ ہر چند کہ آپ اس کی قولی تعلیم بارہا اور مدت تک دے چکے تھے مگر ضابطہ پڑی تو نہ تھی کہ یہ کہکر الگ ہو جاتے ہیں اپنا کام پورا کر دیا نہیں مانتے تو جاؤ جہنم میں۔ وہ تو دل میں ایک آگ لگی ہوئی تھی جو آگے بڑھا رہی اور گوشہ میں نہ بیٹھنے دیتی تھی ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم   باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

آخر اپنی عملی تعلیم کے لئے خود اپنے خاندان کی ایک محترمہ خاتون سے آپ نے نکاح کیا جس نے آپ پر نہیں بلکہ اپنے خدا پر خاندانی ناپائدار ناموس کو نثار کر دیا۔ مگر آپ کی سوزش اندرون میں اس سے بھی ٹھنڈک نہ پڑی بلکہ آپ کا دل چاہتا تھا کہ خود عورت ہوتا اور بیوہ بنتا تو نکاح ثانی کرکے اس رسم بد کو توڑنے کے صلہ میں قوم کی طعن و ملامت سنتا اور شاد کام ہو کر خوش ہوتا اور کہتا ؎

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی   جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خارا

چنانچہ آپ مرحوم بیٹے کی بیوہ کے پاس گئے اور اس کو اس طرح تسلی دی کہ بیٹی اب تک تو بہو تھی اور آج سے میری بیٹی ہے۔ دنیا فانی ہے اور یہاں کا ہر تعلق ایک دن ٹوٹنے والا ہے۔ ہمارے عزیز ایک ایک کرکے ہم کو چھوڑتے جائیں تب اور ایک دن ہم سب کو یک لخت چھوڑ کر چلے جائیں تب بہر حال موت نے فراق دائمی ڈال دی۔ ایک ذات وہ بھی ہے جو کبھی کسی حال جدا ہونے والی نہیں ہے۔ اس کی محبت پر حالت بھی اتنی ہے کہ کسی دوسری محبت میں اس کا لاکھواں حصہ بھی نہیں ہے۔ ہم مریں یا جئیں وہ ہم سے جدا نہ ہوگا۔ ہماری خوش نصیبی ہے اگر اغیار کی محبت دل سے نکل کر اس

Marfat.com

کی محبت دل میں سما جائے ۔ دنیا کی عزت و ذلت دونوں ہیچ ہیں اور صحابہؓ نے اپنے
اللہ و رسول کا بول بالا کرنے کی خاطر کنبہ برادری اور وطن و قوم سب ہی سے پیٹھ
پھیر لی۔ اور اس کا ان کو یہ صلہ ملا کہ آج اُن کا نام بھی ہمیں پیارا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اپنے
اللہ سے دل لگاؤ۔ آخرت کی عزت کو عزت سمجھو جو کہ شریعت کے سامنے بے زبان اور
بے شعور بن جانے کا نام ہے۔ کہ ساری دُنیا کسی کام کو ذلیل کہے مگر شریعت اس کا حکم
دے تو ہمیں شریعت کا ساتھ دینا چاہئے کیونکہ دنیا دار نے موت کے بعد دنیا اور مٹی
کے نیچے دبا کر سب چلے آئیں گے اور پھر اُسی مالک سے واسطہ پڑے گا جس نے شریعت
پر عمل کا حکم دیا ہے۔ جب وہ پوچھیگا کہ ہم تمہارے نزدیک زیادہ عزیز تھے یا برادری
تو اس وقت پشیمانی سے پسینہ آجائے گا اور افسوس ہوگا کہ ہائے قبر تک ساتھ دینے
والوں کا میں نے ساتھ دے کر اپنے کریم مولیٰ سے کیوں بگاڑی۔ اس کے بعد آپ
نے شوہر کی تجویز میں خیال دوڑایا اور آخر ایک دن مرحوم کے خسر حاجی عبدالعزیز خاں
کو کہ حضرت سے بیعت بھی تھے بلا کر تنہائی میں اپنا منتہائے مراد ظاہر فرمایا۔ حاجی صاحب
کو عبدالرشید مرحوم کی یاد تازہ ہوئی تو رونے لگے گو دیکھتے تھے کہ میں خسر ہوں اور
حضرت اس مرحوم کے باپ ہیں۔ آنسو نکلے تھے کہ حضرت نے فرمایا ماما حاجی عبدالعزیز
خاں یہ رونے کا مقام ہے یا ہنسنے کا۔ آج خدا نے وہ دن نصیب فرمایا کہ اس کے
محبوب پیغمبر کی مُردہ سُنت ہم ناکارہ گناہگاروں کے ہاتھوں زندہ ہو۔ یہ بیٹی کی نچھاور
کا وقت ہے کہ اتفاق سے میسر آگیا پس لوٹو لو جتنا لوٹا جائے۔ نہ ہوتا عبدالرشید پیدا
یا نکاح سے قبل ہی مر جاتا۔ یا بیوہ چھوڑ کر نہ جاتا تو ہم کیا کرتے اور کیونکر یہ نعمت پاتے
اب تک جو کچھ ہوا محض عطاءِ رب تھی جس میں ہمارے کسی فعل کو دخل نہ تھا اب ان
عطاؤں کے شکریہ کا وقت آیا اور ہمارے کسب اور عمل کا دخل ہوا تو ہم سے زیادہ
بدنصیب کوئی نہ ہوگا اگر اس کی قدر نہ کریں۔ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا اور وقت
نکلے پیچھے بجز افسوس و حسرت کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا اس کا محتاج نہیں کہ تم سے اپنی
مُردہ سنت کو زندہ کرائے مگر تمہارے لئے فخر کا موقع ہے کہ تم کو شہیدوں کا

اچھی جگہ کے لئے انتخاب فرمائیے ۔

ہا ہمراہ ہوداں صحرا سر خود نہادہ بر کف ۔۔۔۔ با مید آنکہ زودے بشکار خواہی آمد

پھر فرمایا حقوق و تعلقات ادا کرنے کا دن بھی یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں یہ نکاح ضابطہ پوری کا ادا ہونا ہے دل سے نہ ہو بلکہ امنگ اور چونپ سے ہو کہ حقیقت میں مسلمان کے خوش ہونے کے قابل یہی نکاح ہے ۔ چونکہ مجھے تم سے توقع ہے کہ اس وقت دین کی خاطر میرے قوت بازو بنو گے اور کر دکھاؤ گے جو مسلمان کو ایسے موقع پر کرنا چاہیئے لہذا مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں ۔ صرف اتنا کہتا ہوں کہ فلاں جگہ میں نے تجویز کی ہے اور زندگی کا اعتبار نہیں میں چاہتا ہوں کہ جلد اس خوشی کو آنکھوں سے دیکھوں ۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا اور وہ عمل ہوا کہ عمل کرنے والے دنیا سے رخصت ہو گئے مگر کارنامہ آب زر سے لکھا ہوا ہر دل پر ثبت ہے ۔

بھوکد آپ سنے باپ کے گھر پہنچایا کہ اعلان عام اسی میں تھا اور نکاح اول کا اس کو نمونہ بنایا تھا ۔ باوجودیکہ عبدالرشید کے نکاح میں آپ تشریف نہیں لے گئے بلکہ دولہا کو چند احباب کے ساتھ بھیجدیا تھا کہ اس وقت اتباع شریعت اسی سادگی کو مقتضی تھا مگر نکاح ثانی میں آپ نے شرکت کا وعدہ فرمایا اور حالانکہ علیل و کمزور تھے مگر خاص اہتمام کے ساتھ وقت سے پہلے پہنچے ۔ نکاح کا وقت آیا تو عبدالعزیز خاں کو بلایا اور چپکے سے فرمایا دل یوں چاہتا ہے کہ بستی اور نواح کی ساری قوم کو دعوت دی جائے اگر مالی وسعت ہو تو اس خرچ کو جنت کی قیمت سمجھ کہ پھر وقت نہ ملے گا ۔ عبدالعزیز خاں حیران تھے کہ پہلا نکاح تو اتنا سادہ کہ نہ خود تشریف لائے اور نہ کسی کی دعوت پسند فرمائی اور اب خلاف عادت خود مشورہ ہے خرچ کا اور انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قرض لے کر بھی اس ضیافت عامہ پر تیار ہیں ۔ عرض کیا کہ حضرت حق تعالیٰ نے حضرت کی جوتیوں کے طفیل سب کچھ دے رکھا ہے جیسے ارشاد ہو دعوت دے دوں ۔ یہ سنکر آپ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑی اور فرمایا کہ آس پاس سب ہی کو بلاؤ اور ہمت ہو تو کھانا بھی میٹھا نمکین دونوں قسم کا پکواؤ

Marfat.com

اور دل کھول کر کھلاؤ کہ تمہارے لئے اس سے زیادہ اجر و ثواب کی بکھیر لوٹنے کا کوئی موقع نہ ہوگا اس لئے ہمت نہ ہارو اور جتنا اعلان ہو سکے خوب کرو۔ چنانچہ سب کچھ ہوا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ شادی میں نہ خرچ کرنا منع ہے نہ بخل و دل تنگی واجب۔ یہ امور دل کی خوشی کے تابع ہیں کہ دنیاداروں کے نزدیک پہلا نکاح حوصلہ و خوشحالی دکھلانے کا وقت بنتا ہے مگر دینداروں کے نزدیک جس نکاح میں اللہ کا بول بالا اور رسول کی مردہ سنت زندہ ہوتی ہو اس کی خوشی کے برابر معمولی و رسمی ہزار نکاح بھی نہیں ہو سکتے۔ کہ رسمی نکاح محض رفع ضرورت ہے جیسا بھی سادہ ہو جائے بہتر ہے مگر جس خرچ میں دینی مصلحت ہو کہ حب خدا و رسول اس کے محرک ہیں وہ سب صدقات کے حکم میں ہے اور اس کا پیسہ پیسہ ستر ستر ہزار بن کر قیامت میں ملے گا۔

غرض آپ کا حال کچھ عجیب حال تھا کہ دنیا جسے غم کہتی ہے وہ آپ کے لئے عین خوشی تھی اور دنیا کے نزدیک جس کا نام خوشی ہے وہ آپ کے لئے حزن و غم ہے

معمہ حال میرا مثل ابر و برق و باراں تھا — میں روتے میں بھی خنداں تھا ہنسنے میں بھی گریاں تھا

آپ پر محبوبیت غالب تھی ہر کہ ومہ کا دل آپ کی طرف کھنچتا تھا۔ آپ کی مجلس انوار و برکات کی مخزن تھی۔ آپ کی صورت دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا۔ آپ نے چاہ کنعان میں چھپنے کی لاکھ کوشش کی مگر قدرت نے آپ کو بازار مصر میں نکال کر آخر منصۂ ظہور اور تخت عروج و شہرت پر لا بٹھایا اور آپ دانہ تخم کی طرف لاکھ مٹے مگر کشت زار ہو کر مخلوق کو شکم سیر بنانے کے لئے باہر نمودار ہوئے بغیر نہ رہے آپ دنیا کے لئے رحمت الٰہیہ تھے کہ اجابت آپ کی دعاؤں کا استقبال کرتی اور آپ منصب ارشاد و ہدایت کے تاجدار تھے کہ درخت کا پتہ پتہ اور نہر کا قطرہ قطرہ حاضرین کو ذکر اللہ کا سبق پڑھایا کرتا تھا آپ کی عمر اپنے مولیٰ کی یاد میں ختم ہوئی کہ تین برس کی عمر سے آپ کے قلب میں قطب وقت مولانا گنگوہی کی محبت کا تخم جما اور آخر اسی میں تمام ہو گئے کہ ہڈیوں کا گودا بھی جل جل کر خشک ہو گیا ؎

وہ راز ہوں جو عیاں ہو کے بھی عیاں نہ ہوا — وہ نکتہ ہوں جو بیاں ہو کے بھی بیاں نہ ہوا

Marfat.com

روان رواں مرا کیا عشق میں زباں نہ ہوا   بیان نہ ہونا تھا یہ حالِ دل بیاں نہ ہوا

ایک مخلص طبیب نے آپ کے آخری مرض میں نبض دیکھکر عرض کیا کہ حضرت آپ کو تو بہت پرانی تپ معلوم ہوتی ہے اور ایسی ہے جیسے کسی غلبۂ حزن وغم میں حادث ہوتی ہے اور اندر ہی اندر گھلاتی ہے۔ برسہا برس گذر جانے پر اس وقت آپ کو جوش آیا اور فرمایا ہاں حکیم صاحب سچ فرمایا مجھے تپ شروع اسدن ہوئی جس دن حضرت گنگوہی نے دنیا کو الوداع کہا اور اس کا بدن پر ظہور اس دن ہوا جس دن خبر سنی کہ مولانا محمود حسن صاحب مالٹا میں قید ہو گئے۔ آج مولانا رہا ہو کر تشریف لے آئیں تو کچھ نہ سہی ایک دفعہ تو جھرجھری لے کر اٹھ ہی کھڑا ہوں گا۔ اتنا فرما کر چپ ہو گئے۔ اور آخر اسیر مالٹا کے ہندوستان آنے سے قبل ہی دنیا سے سدھار لئے ؎

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد   وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

ایک مرتبہ بیماری میں بندہ اور مولوی محمد یحیٰی مرحوم حاضر ہوئے۔ دونوں سے حضرت کو کمال بے تکلفی تھی اسلئے جب سب اٹھ گئے تو فرمایا مجھے ایک پریشانی لاحق ہے جس میں گھلا جاتا ہوں۔ وہ یہ کہ حدیث میں آتا ہے بندہ مومن کو لقاء رب کی تمنا ہوتی ہے اور میں اپنے اندر اس مضمون کو نہیں پاتا۔ مولوی یحیٰی صاحب نے کہا حضرت یہ تمنا وشوق تو عند الموت ہوتا ہے اور آپ ابھی مرنے والے نہیں۔ آپ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا مرنے کو تو پڑا ہی ہوں اور اسی لئے فکر ہے کہ شوق لقاء کیوں نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا پھر حضرت ہمارے لئے تو مبارک ہے کہ ابھی حق تعالیٰ نے اس وقت کو مؤخر فرمایا کہ وہ وقت ہوتا تو شوق لقاء بھی غالب آتا"

چنانچہ آپ تندرست ہو گئے اور زندہ رہے حتّٰی کہ مولوی محمد یحیٰی صاحب نے بھی دفعتہً انتقال فرمایا اور یہ تیسرا روح فرسا صدمہ آپ کو پہنچا جس کو آپ نے سابق صدمات کے پہلو میں رکھ لیا۔ آخر جب وہ وقت آیا جس کے آپ منتظر تھے تو باوجودیکہ کروٹ لینا دشوار تھا اور نماز کے لئے بھی دو آدمی سہارا دے کر اٹھاتے اور پلنگ سے اتار کر مصلے پر بٹھا دیا کرتے تھے مگر آپ پر آستانہ محمدیہ کی حاضری کا غلبہ ہوا

اور آپ نے سفرِ حج کا پختہ قصد کر لیا۔ میں حاضر ہوا تو آپ نے بڑے اہتمام سے
مجھ کو اٹھا کر تنہائی حاصل کی اور مجسم شوق بن کر فرمایا میں تو تیرا انتظار ہی دیکھ
رہا تھا کہ دل کی بات کہوں۔ وہ یہ ہے کہ امسال حج کا ارادہ کر چکا ہوں اور تمنا
ہے کہ زندہ رہوں تو پہلے جہاز پر سوار ہو جاؤں۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ تو بیٹھے
حضرت کی ہمت پر نذر کر دیں تو بھی نہیں جاتی اور قصد ہے اس کٹھن سفر کا جس میں مضبوط
جوان بھی چور چور ہو جاتے ہیں۔ بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا حضرت بوڑھے جوان
سب ہی اس راستہ میں چلتے ہیں میں بھی چلوں تو کوئی پکڑ کر ریل میں ڈال دے تو پڑا پڑا
انشاء اللہ چلا ہی جاؤں گا۔ میں نے دیکھا کہ یہ غلبۂ شوق دبنے والا نہیں تو موافقت
کا پہلو لے لیا اور عرض کیا ہاں حضرت "ہمت کا حامی خدا ہے" جب حضرت نے قصد
فرما لیا تو انشاء اللہ پہنچنا کچھ دشوار نہیں۔ فرمایا الحمد للہ الحمد للہ تم نے تو موافقت کر لی
اب ایک خاص درخواست ہے وہ یہ کہ بس اب حضرت [illegible] کا بزرگوں
میں ایک دم باقی ہے جن کے حکم کے سامنے کوئی چون و چرا کی ہمت نہیں اس کا مجھ
پر کھٹکا ہوا ہے کہ حضرت نے اجازت نہ دی اور منع فرمایا تو پھر کیا کروں گا۔ میں یہ خدمت
تیرے سپرد ہے۔ حضرت سے بخوشی اجازت دلوا دے۔ میں چونکہ سمجھ رہا تھا کہ یہ
تو سرکار کے بلاوے کی علامت ہے کہ حاضریٔ آستانہ کا شوق بیتاب بنا رہا ہے
ورنہ موسمِ حج میں ابھی اتنا وقت ہے کہ اس وقت تک حضرت جانے بھی رہیں یا نہ؟ تو
نہ ہے نصیب۔ پھر آپ کے دل کو پژمردہ کیوں کروں اس لئے میں نے عرض کیا کہ
ہاں حضرت انشاء اللہ ضرور کوشش کروں گا اور امید قوی ہے انشاء اللہ حضرت
انکار نہ فرمائیں گے بلکہ کیا عجب ہے حضرتؒ بھی قصد فرما لیں اور پھر بندہ بھی ہمرکاب
ہو۔ اتنا سنکر فرحت و سرور سے حضرتؒ کا چہرہ چمکنے لگا اور الحمد للہ الحمد للہ ایسا
اطمینان ہو گیا" فرماتے ہوئے از خود اٹھ بیٹھے کہ تکیہ سے سہارا لگائے دیر تک اسی
کی دعائیں کرتے اور مزہ لیتے رہے۔

آپ نے قبل از وفات اپنا تمامی سامان حتیٰ کہ بدن کے کپڑے تک وصیت

Marfat.com

وغیرہ کے ذریعہ وہ وعدوں کی ملک بنا دیئے تھے مگر تیرہ سو روپیہ نقد زادِ راہ بنا کر مولانا عبدالقادر صاحب کے حوالے کر دیا تھا کہ اس کو محفوظ رکھو یہ میرے اور تمہارے سفرِ حج کا خرچ ہے آخر جوں جوں حج کا موسم قریب آتا گیا آپ کا مرض و ضعف بڑھتا رہا اور وصال کا وقت قریب آتا گیا حتیٰ کہ آپ نے سمجھ لیا کہ اب گنجائش نہیں رہی اور تیرہ سو روپیہ ترکہ بنا چاہتا ہے۔ تب آپ نے مولانا کو بلا کر وہ روپیہ بھی تقسیم کرا دیا۔ کیونکہ آپ مولیٰ کریم سے ایسی حالت میں ملنے کے متمنی تھے کہ دنیا کا کوئی ذخیرہ اور پارچہ بھی آپ کی ملک میں نہ ہو۔ بیت کے دھیان سے ہٹ کر اب آپ رب البیت کے خالص تصور میں مستغرق ہو گئے اور آخر چند ہی روز بعد وہ مبارک وقت آیا جس کے شوق میں آپ کا رُواں رُواں پکارتا تھا ؎

خرم آں روز کز ایں منزل ویراں بروم — راحت جاں طلبم و ز پئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے — تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

آپ کے مرض کو چونکہ امتداد زیادہ ہو گیا تھا اس لئے زائرین آتے اور چلے جاتے تھے کسی کو خیال نہ تھا کہ فلاں وقت رخصت کا ہے اور ٹھہرنا چاہیے۔ حضرت سہارنپوری نے خواب دیکھا کہ آفتاب غروب ہو گیا اور دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔ حسب معمول تہجد کے وقت حضرت اٹھے اور نفلوں سے فارغ ہو کر متفکر بیٹھ گئے۔ اہلیہ نے پوچھا آج عادت کے موافق آپ نفلوں کے بعد لیٹے کیوں نہیں اور طبیعت کچھ فکرمند معلوم ہوتی ہے کیا بات ہے؟ آپ نے خواب کا اظہار کیا اور محزون لہجہ میں فرمایا اسکی تعبیر ایک تو یہ ہے کہ مولانا محمود حسن صاحب مالٹا میں محبوس ہیں۔ دوسرے مجھ کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں شاہ عبدالرحیم صاحب کی حالت نازک نہ ہو۔ غرض صبح کو حضرت بہلون روانہ ہو گئے جہاں تبدیل آب و ہوا کے لئے حضرت کا قیام تھا۔ بعد مغرب حضرت نے فرمایا آج عشاء کی نماز ذرا سویرے پڑھ لیجئے۔ چنانچہ یہ سمجھ کر کہ آرام کی خواہش ہو گی نماز اول وقت پڑھ لی گئی اور آپ چارپائی پر لیٹ رہے۔ حضرت دوسرے کمرہ میں جا لیٹے کہ دفعتہ آپ کو آخری کرب شروع ہوا اور حضرت اپنے کمرہ سے لپک کر پاس آئے۔ مولانا نے

Marfat.com

حضرتؒ کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور آپ کا ہاتھ تھام کر اپنے سینہ پر رکھ لیا حضرت نے پڑھنا شروع کیا اور رائپور کا آفتاب اپنے محبوب کا ہاتھ چھاتی پر رکھے ہوئے چند منٹ کے اندر شب کے ۱۱ بجکر ۱۹ منٹ پر غروب ہو لیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون صبح کو جنازہ رائپور کی طرف چلا اور خدام کا مجمع بحسرت اندوہ یہ کہتا ہوا پیچھے پیچھے ہو لیا ؎

اے تماشا گاہ عالم روئے تو   تو کجا بہر تماشہ مے روی

آخر اسی باغ میں جہاں آپکی حیات شریفہ کا آخیر حصہ گذرا تھا مسجد کی جنوبی سمت آپ کا وہ جسد اطہر جو رضا و تسلیم کے جھولے میں مدتوں چڑھا اور اترا تھا ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹/۲۷ جنوری ۱۹۱۹ء یوم سہ شنبہ کو سپرد زمین کر دیا گیا مگر تنہا نہیں بلکہ ہزاروں یادگاریں چھوڑ کر اور ہزاروں کی حسرتوں اور تمناؤں کو ساتھ لے کر ؎

اکیلا کون کہتا ہے لحد میں نعش عالم کو   ہزاروں حسرتیں مدفون ہیں دریا کے پہلو میں

بات بہت دور پہنچ گئی کہ سوانح خلیلیہ لکھنا ہے نہ کہ سوانح رحیمیہ مگر بے اختیاری میں قلم سے نکلا جو نکلنا تھا اور وہ بھی اس ضمن میں کہ حضرت کے شاگردوں میں کوئی بھی کامیاب نہ ہوتا تب بھی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب کا ایک وجود باجود جس کی جوتیوں کے طفیل ہزاروں ہزار مخلوق کامگار و بامراد ہو گئی فخر کے لئے کافی تھا کہ اس کی شان یہ تھی جس پر توجہ کی اس کو مالا مال بنا دیا اور جس طرف نظر ڈالی اس کو عشق و محبت کا مزہ چکھا دیا ؎

وہ لوٹ پوٹ ہی دیکھا نگاہ کی جس پر   کسی کے بس کا ترا تیر بے کمان نہ ہوا

بالخصوص جبکہ دونوں حضرات کی باہمی مخلصانہ محبت اتنی متعدی بھی ہو چکی تھی کہ ان کے متوسلین ان کو گویا شیخ ہی سمجھتے تھے اور ان کے متعلقین ان کو پیر کے حکم میں مانتے تھے۔ حضرت مولانا رائپوری کے اس رنگ کو میں نے بار ہا غور سے دیکھا کہ حضرت کے تشریف رکھتے ہوئے کوئی صاحب آتے اور مصافحہ کرنے کے لئے مولانا کی طرف بڑھتے تو حضرت مولانا اپنے ہاتھ سمیٹ لیتے اور حضرت کی طرف اشارہ کر کے ان کو تنبیہ فرماتے کہ گستاخ نہ بنو پہلے حضرت سے مصافحہ کرو کہ اقدم و افضل ہیں اور پھر مجھ سے سفر حج کو جانے کے وقت حضرت کے تلامذہ کی درخواست ہوئی کہ مسلسلات اور سورۂ صف کی

Marfat.com

سنا کر با قاعدہ اجازت وسند عطا فرمائیں۔ چنانچہ حضرت نے منظور فرما لیا اور کہا کہ سب لوگ اوپر چل کر بیٹھو میں آتا ہوں۔ چنانچہ بچیس تیس طلبہ صف باندھ کر بیٹھ گئے حضرت اوپر چڑھے تو بندہ بھی ساتھ ہو لیا کہ اجازت میں شریک ہوں گا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ حضرت مولانا رامپوری بھی طلبہ کی صف میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت استاد کی آمد کا انتظار فرما رہے ہیں کہ جہاں ان طلبہ کو اجازت ملے وہاں مجھے بھی یہ شرف نصیب ہو۔ آہ کیا کہوں اور کس زبان سے کہوں کہ ان آنکھوں نے کہاں کہاں اور کیسا کیسا موسم بہار دیکھا اور اب وہی آنکھیں چارسو خزاں کا عالم دیکھ رہی ہیں مگر نہ بہار میں کچھ کمایا نہ خزاں میں عبرت پکڑی۔ فالی اللہ المشتکی۔ انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ۔

تہیدستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

حدیث اور فقہ

ایک سلیم المزاج شخص ذوق کے صحیح ہونے کی وجہ سے نمکین وشیریں ہر لذیذ غذا کا مزہ لیتا ہے مگر پھر بھی مختلف لذائذ میں کسی خاص ذائقہ کے ساتھ اس کو مخصوص رغبت ہوتی ہے جس کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو نمکین چیز سے خاص رغبت ہے اور فلاں شخص کو شیرینی سے۔ اسی طرح متبحر علماء کو ہر علم کی واقفیت تامہ ہوتی ہے کہ جس فن کی جو کتاب بھی سامنے آئے اس کو ایسا پڑھاتے ہیں گویا اس فن کے موجد یا اس میں غرق ومنہمک ہیں۔ مگر با ایں ہمہ تمامی علوم میں کسی ایک دو علم کے ساتھ ان کی طبیعت کو خاص مناسبت اور دلچسپی ہوتی ہے گویا تمام علوم مسکونہ مکان ہوتا ہے کہ جہاں بیٹھ جائیں۔ وہاں بیٹھے ہوئے سمجھتے ہیں مگر مکان کا وہ کمرہ جس کو طبیعت نے رہائش کے لئے کر لیا ہے ایک مخصوص شان رکھتا ہے کہ جو دلبستگی وانبساط اس میں بیٹھ کر نصیب ہوگا وہ مکان کے کسی حصہ میں بھی نہ ہوگا۔ حضرت کو علوم نقلیہ وفنون عقلیہ میں کوئی علم وفن ایسا نہیں جس کے پڑھانے کا اتفاق نہ ہوا ہو تفسیر حدیث فقہ اصول معانی کلام منطق فلسفہ ہیئت ادب ریاضی عروض نحو اور صرف سب ایسے تھے [illegible] ہر فن اور

آپ کی مثال پانی کی سی تھی کہ مربع مستطیل گول بیضوی مسدس مخمس جس وضع کے برتن میں بھی پڑا اس کی وضع لے لی اور ایسا معلوم ہوا گویا اس کی شکل اسی ظرف کے مناسب ہے۔ مگر با ایں ہمہ کمال حدیث اور فقہ سے آپ کی طبیعت کو ایک خاص مناسبت تھی کہ طبعاً آپ ان دو علوم سے رغبت و دلچسپی رکھتے اور ان کے درس میں آپ کی وہ کیفیت ہوتی تھی جو صاحب مکان کی اپنے مانوس حجرہ یا کمرہ میں بیٹھکر ہوا کرتی ہے اور یہی دو علم ہیں جن پر عمل کرنا انسان کی زندگی کا مقصود اور شریعت محمدیہ کا خلاصہ ہے
۱۳۱۴ھ میں جب حضرت مظاہر علوم میں صدر مدرسی پر تشریف لائے تو قدرت نے آپ کے ذوقِ طبعی کا سامان مہیا فرما دیا اور اب آپ کے سپرد حدیث ہی کے اسباق ہوئے کہ کلام الرسول کے بحر ذخار سے دُررِ نفیسہ نکالیں اور اطراف دُنیا سے جمع ہونے والے مہمانانِ رسول پر نچھاور فرما دیں۔ کُتب حدیث میں ابوداؤد شریف کو بالخصوص آپ مشکل سمجھتے اور اس کے درس میں خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ یہ بات صاحبِ فن ہی سمجھ سکتا ہے کہ ابوداؤد میں دیگر کتب حدیث کی بہ نسبت کیا اشکال پڑھا ہوا تھا۔ عوام کی فہم کو اس سے تعلق نہیں۔ مولانا محمد یحیٰ صاحب بھی اس میں حضرت کے ہم خیال تھے اور اس لیئے جب سے آپ مدرسہ میں تشریف لائے ابوداؤد کا سبق آپ کے یا مولوی محمد یحیٰ صاحب کے پاس رہا اور آپ نے تیسرے کے پاس جانا اس کا گوارا نہیں فرمایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ابوداؤد کی بعض عبارتیں ایسی مغلق ہیں کہ مہارتِ فن کے بعد بھی ان کا حل مشکل ہے۔ نیز صاحب ابوداؤد نے ابواب فقہیہ کے جمع کرنے کا خود بھی اہتمام کیا اور گویا محدث و فقیہ دونوں کا منصب پورا فرمایا ہے اس لیئے اس کی شان اور دقتِ استنباط بڑھ گئی۔ پھر اسکی کوئی شرح بھی ایسی شافی و کافی نہیں جو اس کے حل مطالب میں مدد دے سکے۔ غایت المقصود اور عون المعبود اگرچہ اس کی شرح کہلاتی ہیں مگر ان کے مؤلف متاخرین اہل حدیث ہیں جو مقلدین کو خاطی ٹھہراتے ہیں اور اس لیئے حضرات ائمہ بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جگہ جگہ دلیرانہ قلم چلاہے با ایں وجوہ مدت سے بلکہ یوں کہا جائے تو بیجا نہیں

کہ زمانہ طالب علمی سے آپ کے قلب میں اسکی شرح کا داعیہ تھا مگر کام کوئی معمولی نہ تھا وقت بھی وسیع چاہتا تھا اور دماغ بھی فکر اور تمامی افکار سے فارغ اس لیے شوق و ولولہ آپ کی ہمت اُبھارتا مگر چار طرف موانع و مشاغل کا ہجوم ہمت کو پست کر دیا کرتا تھا چنانچہ تین مرتبہ آپ نے خیال کو عزم کے درجہ میں لا کر قلم اٹھایا اور کام شروع کیا مگر پورا ہوتا تو در کنار معتد بہ مقدار بھی پوری نہ ہوئی اور آخر وہ لکھا ہوا مسودہ گم ہو گیا تیسری مرتبہ مسودہ آپ کے کاغذات میں ملا تو دیکھا کہ اس پر لکھا ہوا تھا حل المعقود الملقب بالتعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد مرۃ ثالثۃ ۱۳۱۱ھ۔

تالیف جتنا دشوار کام ہے اس کو کوئی مؤلفین کے دلوں سے پوچھے۔ بالخصوص شرح حدیث کی تالیف کہ لفظ لفظ پر ادب والتجا اور ضعف بشریت و بیچارگی کی نذر پیش کرنے کی ضرورت ہے اور وہ آزادی جس کو طبیعت کا چلنا بولتے ہیں کسی وقت بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے آپکا اس اہم کام کے لیے ہمت کرنا تعجب تھا اور ہمت کر کے چھوڑ دینا کچھ بھی تعجب نہ تھا۔ مؤلف جب تالیف شروع کرتا ہے تو بس اسی کا ہو رہتا ہے کہ درس تو درکنار کسی سے بات کرنا اور اپنے مقفل حجرہ سے باہر نکلنا بھی کام کے لیے مضر اور مخل معلوم ہوتا ہے۔ پھر ایسا شخص جس کی عمر کے بیالیس سال مدارس میں طلبہ کو درس دیتے گذر گئے اور زمانہ طالب علمی کی محنت و دماغ سوزی سے آرام نہ ملا تھا جسکا ساتھ ہی ساتھ پڑھانے کی تعب و مشقت کا بار عظیم دماغ پر پڑ گیا اور پھر اتنی مدت ممتد ہوا جو نوجوانوں کو بوڑھا بنانے کا معیار ہے ایسی حالت میں آپ کا کسی معمولی تصنیف کی طرف متوجہ ہونا بھی ہمت ہی ہمت تھی چہ جائیکہ حدیث کی شرح اور وہ بھی ابوداؤد کی جس کا عبارت کے لحاظ سے بھی صحیح نسخہ ملنا مشکل تھا اس لیے ۱۳۱۱ھ کا مسودہ بھی ناتمام رہ کر ان علمی کاغذات میں جا شامل ہوا جن کی بیکسی پر افسوس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

زندگی ہی میں نہ شمعیں تھیں نہ کوئی فاتحہ خواں تھا   عجب حسرت کا منظر منظر گور غریباں تھا

اب مظاہر علوم میں آکر تو آپ کے ذمہ کام پر کام بڑھ گیا اور درس کے بار عظیم پر

Marfat.com

انتظام کا بوجھ اتنا بھاری تھا جس نے دماغ کو کسی طرف توجہ کے قابل ہی نہ رکھا۔ بالخصوص جبکہ اس پر مدرسہ کی ترقی کا فکر اور پے در پے اسفار مرتب ہوئے جنہوں نے کار تدریس پورا کرنے کے لئے مولوی محمد یحییٰ صاحب کو گنگوہ سے بلا کر مدرسہ میں لا بٹھانے پر مجبور کیا۔ مگر اللہ رے ہمت کہ جوں جوں عمر زیادہ ہو کر ضعف بڑھتا جاتا تھا دوں دوں آپ کے مشاغل دینیہ علمیہ بڑھتے جاتے اور فرصت ومہلت گھٹتی جاتی تھی۔ مگر ابوداؤد کی شرح کا شوق اسی امنگ کے درجہ میں تھا جو ہر طرح فارغ البال خوشحال بے فکرے نوجوان کو ہر قسم کی راحت و یکسوئی حاصل ہونے کے وقت میں ہونا چاہیے عجب وقت تھا کہ نہ شوق پورا ہو سکتا تھا نہ دل سے نکل سکتا تھا۔

اک عمر سے الجھن میں مری جان حزیں ہے　　یہ بھی ہے کوئی بات کہ ہاں ہے نہ نہیں ہے

ان تمامی موانع کے ساتھ ایک بڑا اہم مشکل امر یہ تھا کہ حضرت گنگوہی دنیا سے رخصت ہو گئے جن کا وجود باجود آقا ہونے کے علاوہ تبحر علمی کے درجہ میں بڑا سہارا تھا کہ جہاں کوئی اشکال پیش آئے گا اس کو شرح مجسم سے حل کر سکیں گے اور اس پر طرہ یہ کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب جو حضرت گنگوہی کی بڑی یادگار تھے اور اس اہم خدمت تالیف میں بہت کچھ مدد دے سکتے تھے وہ بھی عالم خموشاں کو سدھار لئے۔ قطع نظر اس کے کہ ان حادثات عظیمہ نے کمر توڑ دی یوں بھی علمی تالیف میں ہمت کو پارہ پارہ کر دیا کہ پہلے ہوس کے درجہ میں اس کا نام لیتے تو اب بھولکر بھی اس کا خیال نہ لاتے۔ مگر قدرت کو آپ کے ہاتھوں ایک چشمۂ بخشش کا کام لینا اور آپ کے اعمال نامہ میں صدقات جاریات اور باقیات صالحات کے اندر کلام الرسول کی اس ضروری و اہم خدمت کو زریں حروف سے درج کرنا منظور تھا اس لئے عین اس وقت جبکہ آپ کی عمر چونسٹھ ۶۴ سال پوری ہو گئی اور آپ اپنے ظاہری و باطنی جانشین مولوی محمد یحییٰ کے انتقال کی خبر سنکر سفر حج سے واپس وطن پہنچے تو اب بے حد شوق کو ابھرا ہوا لے کر پہنچے کہ ظاہری اسباب منقطع ہو چکے تھے اور صورتاً و حقیقتاً دونوں اعتبار سے علیم و قدیر خدا پر نظر رہ گئی۔ اور در حقیقت یہ اسی توفیق اعلےٰ کی طرف سے کشش کا ظہور تھا جو بہ نیت اپنے

Marfat.com

محبین سے وہ کام لینی رہی جس پر اسباب نے ہمیشہ دانتوں میں انگلیاں دبائیں اور دنیا حیران ہو کر تکتی رہی کہ ؎

اگر از جانب معشوق نباشد کششے　　طالب عاشق بیچارہ بجائے نرسد

مولوی محمد زکریا صاحب شعبان ۳۳ھ میں حدیث کے علاوہ تمام کتابوں سے فارغ ہو لئے تھے کہ شوال میں حضرت نے حجاز کا قصد فرمایا اور انہوں نے یہ قصد کیا کہ ترمذی و بخاری جو ہمیشہ حضرت کے ہاں ہوتی تھی حضرت کی واپسی پر حضرت ہی سے پڑھوں گا۔ مگر کامیاب نہ ہوئے اور حضرت کے پیچھے اپنے والد بزرگوار مولانا محمد یحییٰ صاحب سے دورہ پورا کرنا پڑا۔ دوسرے سال اِدھر مولانا محمد یحییٰ صاحب کا وصال ہوا اور اُدھر حضرت کی حجاز سے واپسی ہوئی تو حضرت کا ان کو اور ان کے رفیق مولوی حسن احمد مرحوم کو ایما ہوا کہ ترمذی و بخاری دوبارہ مجھ سے پڑھو۔ تعمیل حکم کے درجہ میں شروع کر دی مگر یہ جتلانے کے لئے کہ پوری محنت سے پڑھ چکے ہیں۔ اور اس توقع پر کہ حضرت دوبارہ پڑھنے کو بے ضرورت فرما کر چھوڑنے کی اجازت دے دیں گے خوب ہی مطالعہ دیکھتے اور حواشی کی کوئی تقریر ایسی نہ ہوتی جس کو رات میں ازبر نہ کر لیتے تھے۔ حضرت کے سامنے جاتے تو ایسا پڑھتے گویا چند بار پڑھا لینے والا مدرس پڑھتا ہے اور روزانہ اس کے منتظر رہتے کہ آج چھوڑنے کی اجازت ضرور مل جائے گی مگر تین مہینے ہو گئے کہ حضرت مرحوم بے نور نظر جانشین کے اس تجرد مناسبت حدیث کو دیکھ کر دل ہی دل میں باغ باغ ہوتے مگر یہ اشارہ بھی نہ فرماتے کہ چھوڑ دو پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ آخر ایک دن جبکہ سبق سے فارغ ہو کر یہ دونوں اپنی عادت کے موافق دار الحدیث سے حضرت کے ساتھ مدرسہ قدیم کو آرہے تھے راستہ میں حضرت نے یہ الفاظ فرمائے۔ "مجھے ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ ابو داؤد پر کچھ لکھوں۔ کئی دفعہ شروع کر چکا مگر پورا نہیں ہوا۔ اب یہ خیال ہے کہ اگر تم دونوں اعانت کرو تو شاید پوری ہو جائے"۔ مولوی زکریا کی زبان سے بیساختہ نکلا کہ ہاں حضرت ضرور شروع فرمائیں۔ نیز یہ بھی کہا کہ حضرت یہ میری دعا کی قبولیت کا ثمرہ ہے۔

حضرت نے فرمایا یہ کیا؟ عرض کیا کہ والد صاحب نے جب مجھے مشکوٰۃ شریف شروع کرائی تو بڑے اہتمام سے غسل فرما کر دو رکعت نفل پڑھکر شروع کرائی تھی اور بسم اللہ پڑھانے کے بعد دیر تک قبلہ رو طویل دعا مانگی تھی۔ اس کا تو مجھے علم نہیں کہ انہوں نے کیا دعا مانگی مگر میں نے اس وقت صرف یہ ایک دعا دیر تک کی تھی کہ بار الہا اب مجھ سے حدیث شریف کا مشغلہ ترک نہ ہو۔ میں اپنی اس دعا کو از قبیل محالات سمجھ رہا تھا کیونکہ مدارس کا طرز یہی ہے کہ فارغ شدہ طالب علم کو ابتدا سے درجہ بدرجہ کتابوں کا پڑھانا ہوتا ہے اور برسوں کے بعد حدیث کا درس دینے کی نوبت آتی ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ مجھے شروع ہی میں حدیث کا سبق مل جاتا۔ یعنی مراد پوری ہونے کی صورت تو سمجھ میں آتی نہ تھی مگر دعا یہی کرتا تھا۔ سو اس سے بہتر کیا کہ حضرت شرح ابی داؤد شروع فرمائیں اور میں کتابوں کی تلاش اور تتبع اقوال و معانی میں لگا رہوں۔ حضرت یہ سنکر مسکرائے اور کتابوں کی فہرست لکھائی کہ کتب خانہ سے یہ کتابیں نکال لو۔ چنانچہ ۲؍ ربیع الاول ۳۸ھ کو کتب خانہ سے وہ کتابیں لی گئیں جن کی شرح کے لئے ضرورت تھی اور سہ شنبہ کو دار الطلبہ کے اس کمرہ میں جہاں خزانہ محفوظ ہے بیٹھکر بسم اللہ لکھی گئی۔

مولوی زکریا صاحب کاتب بنے کہ حضرت قدس سرہ رعشہ کی وجہ سے لکھنے سے معذور ہو گئے تھے مگر مولوی صاحب کا خط زیادہ اچھا نہ تھا اس لئے چند روز بعد کتابت مولوی حسن احمد کی طرف منتقل ہوئی اور تتبع و تلاش مولوی صاحب کے حوالے۔ مگر مولوی حسن کا خط گو اچھا تھا لیکن ان کو نقطے لگانے کی عادت نہ تھی اس لئے حضرت لکھوانے کے بعد ان کی تحریر دیکھتے اور مرتعش ہاتھ سے خود نقطے لگاتے اس وجہ سے کتابت پھر مولوی زکریا صاحب کے حوالے ہوئی اور اس طرح ۳۰؍ ذیقعدہ ۳۵ھ کو پورے ۹ ماہ میں ابوداؤد کا ایک پارہ تمام ہوا۔

ذی الحجہ ۳۵ھ میں چند ماہ کے لئے مولوی شمس الحق صاحب اس کتاب کے لئے مستقل ملازم رکھے گئے اور آخر پھر مولوی زکریا صاحب کو دونوں کام

کا سارا بار اپنے سر پر رکھنا پڑا کہ بوقت ضرورت تنقیح بھی کریں اور پھر حضرت جو فرمائیں اس کو تحریر میں لائیں چونکہ مولوی زکریا صاحب مدرسہ میں مدرس ہو چکے اور ان کو اپنے اسباق کا پورا کرانا بہت ہی دشوار ہو گیا تھا کہ دماغ ہر وقت شرح کے مضامین اور تالیف کے مباحث و ضروریات میں منہمک رہتا تھا اور دوپہر و شب کے خارجی اوقات میں اٹھتے بیٹھتے اسباق پورے کراتے تھے اس لئے محرم ۱۳۴۴ھ سے مستقل صبح کا وقت ان کا مدرسہ سے فارغ کر لیا گیا اور اب وہ سکون کے ساتھ شرح ابی داؤد میں مشغول ہو گئے۔

شرح کے شروع کرتے وقت حضرت کو یا کسی اور کو یہ واہمہ بھی نہ تھا کہ ابوداؤد پوری ہو جائے گی۔ افتتاح کے وقت صرف ایک پارہ کی شرح کا ارادہ تھا کہ اس کی وجہ سے طلبہ کو کتاب کا اندازہ اور طرز و طریق معلوم ہو جائے گا اور خاص مناسبت پیدا ہو جائے گی۔ مگر جب پارہ ختم ہو لیا تو کتاب الطہارۃ ختم کرنے کا خیال ہوا اور جب وہ تمام ہوئی تو کتاب الصلوٰۃ تک پورا کرنے کا قصد ہوا اور جب وہ بھی ختم ہو چکی تو جلد اول پورا کرنے کا قصد ہو گیا۔ حتیٰ کہ شوال ۱۳۴۴ھ میں آپ حجاز روانہ ہوئے تو اس شوق میں کہ شرح کلام الرسول کی تکمیل آستانہ رسول پر ہو آپ مولوی زکریا کو مدرسہ سے رخصت دلا کر اپنے ساتھ لے گئے اور وصال سے دو مہینہ قبل ختم فرما کر خود بھی عشق رسول میں ختم ہو گئے ؎

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
آنجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

سفر حجاز سے قبل ختم ابوداؤد کا خیال آپ کو کبھی نہیں ہوا۔ جب فرمایا یہی فرمایا کہ فلاں جگہ تک میں پورا کر لوں گا انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد فلاں شخص تکمیل کرے گا کبھی حافظ عبداللطیف صاحب کا نام فرما دیتے اور کبھی مولوی زکریا صاحب کا ہاں سفر حجاز کا عزم ہونے پر ایسے الفاظ زبان پر آئے جو اختتام کی امید دلاتے اور اس کا متوقع بناتے تھے کہ کاتب ازل نے یہ زریں کارنامہ آپ کے مقدر میں لکھ دیا ہے اور آپ دنیا سے نہ اٹھیں گے جبتک کہ شرح ابوداؤد ختم نہ ہو جائیگی

Marfat.com

ایک بار فرمایا میں نے حق تعالیٰ سے تین دعائیں کی تھیں کہ عزت میں حکومت اسلامی دیکھ لوں، بذل المجہود تمام ہو جائے اور بقیع میں دفن ہو جاؤں۔ الحمد للہ دو کی قبولیت دیکھ لی اور تیسری کا انتظار ہے۔

بذل المجہود ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میں شروع ہوئی اور شعبان ۱۳۴۵ھ پورے دس برس پانچ ماہ دس دن میں یہ شرح بڑی تقطیع کے تقریباً دو ہزار صفحات میں پانچ جلد ہو کر ختم ہوئی اور اس کے ختم پر حضرت کو اس درجہ مسرت و خوشی ہوئی جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی خوشی نہیں کر سکتی ہفت اقلیم کی سلطنت کا ملنا انتہاء خوشی کا محاورہ استعمال کیا جاتا ہے مگر اہل اللہ کو دنیوی لذتوں کے حصول میں تو خوشی ہی مفقود ہو جاتی ہے اس لئے میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن سے حضرت کی اس خوشی کا اندازہ ناظرین کو کراسکوں آپ نے ختم بذل ۲۱ شعبان یوم جمعہ کو علماء مدینہ اور احباب حاضرین کی ضیافت کا سامان کیا اور حرم میں اپنے پیسہ سے اور بڑے اہتمام کے ساتھ عربی طرز کی ضیافت کا سامان کیا کہ آپ کا رواں رواں شکر الٰہی میں چور اور انعام باری تعالیٰ پر اتنا فرحاں و مسرور تھا کہ اس کا اندازہ وہیں کے رہنے والے حاضر باش حضرات نے کیا ہوگا دعوت کیلئے آپ نے خطوط طبع کرائے اور ایک بڑے پیمانہ پر جیران رسول کی میزبانی کا شوق پورا کیا۔ اس خوشی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ان دعوتی خطوط میں حضرت نے اپنے ہندی خدام کو بھی فراموش نہ فرمایا اور ہر چند کہ سمندر پار شرکت محال تھی مگر اس اطلاع کے لئے کہ حق تعالیٰ نے یہ مبارک وقت دیکھنا نصیب فرمایا جس کی بظاہر اسباب کوئی توقع نہ تھی اس کی خوشی میں اپنے جن دوستوں کو ہندوستان رہتے وقت شریک دعوت فرماتے ان کو بھی خطوط بھیجے کہ تصور و خیال میں تو وہ شریک ضیافت تھے ہی چنانچہ بندۂ ناچیز کو بھی دعوتی خط بھیجا اور تحریر فرمایا کہ "گذشتہ ہفتہ میں بحمد للہ بذل المجہود کی پانچویں جلد سے بھی اللہ تعالیٰ فضل و کرم سے فراغت ہو گئی۔ فالحمد للہ علی ذالک بدھ کو اختتام ہوا اور جمعہ کو مدینہ منورہ کے علماء و فضلا کی دعوت کا جلسہ قرار پایا بجز کھانے کے اور کسی تع

وغیرہ کا نظم نہیں کیا گیا البتہ دعوتی خطوط طبع کیے گئے جو آپ حضرات کی مسرت کے لیے آپ کے پاس بھی ارسال ہیں۔ مولانا سید احمد صاحب مہاجر فیض آبادی نے جن کے مکان پر حضرت کا قیام تھا اور وہ حضرت کی اس روحانی مسرت کا پہلے سے خوب اندازہ فرما رہے تھے بندہ کو اس طرح تحریر فرمایا۔ تعلیق ابوداؤد قریب الختم ہے حضرت مدظلہ کی طرف سے سب خدام کی دعوت ہوگی۔ کاش آپ بھی رونق افروز ہوتے۔ غالب گمان ہے کہ ۲۱ شعبان سے پہلے ختم ہو جائے گی لہٰذا اس تاریخ مذکورہ تک عریضہ پہنچنا تو مشکل معلوم ہوتا ہے اس لیے جب بھی عریضہ پہنچ جائے آپ اس خوشی کی دعوت کی نیت سے اچھے اچھے کھانے گھر میں پکوا کر سب کو گھر بھر مل کر کھا لیجیے۔ ہم دور افتادوں کو بھی یاد کر لیجیے جس طرح کہ ہم آپ کو یاد کیے بغیر نہیں رہیں گے۔ فقط۔ بہرحال اس خوشی کے وقت حضرت نے اپنے خدام کو جو شہروں سے دور تھے مگر دل سے دور نہ تھے اس طرح شریک کیا کہ دعوتی خطوط ہر ایک کے نام جدا جدا آئے اور لکھا کہ خیالی شرکت تم صاحبوں کی ضرور ہے اور مسرت کے لیے خط مطبوعہ ارسال ہے وہ مطبوعہ خط جو مدینہ منورہ کے مطبعۃ طیبۃ الفیحاء میں طبع ہوا اور مدعو کا نام قلم سے لکھنے کے لیے جگہ چھوڑی ہوئی تھی یہ تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ۔ عالی حضرت الشیخ ...... المحترم مد فیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ وبعد فقد من اللہ علی الداعی ان منحہ بتالیف بذل المجہود فی حل ابی داؤد وجعل ختامہ ببلدۃ صاحب المعجزات علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ وازکی التسلیمات جعلہ اللہ خالصاً لوجہہ الکریم ونفع بہ الاسلام والمسلمین آمین۔ فنؤمل تشریفکم بعد صلوٰۃ الجمعۃ فی ۲۱ شعبان ۱۳۴۵ھ الی مدرسۃ العلوم الشرعیۃ الکائنۃ فی زقاق البدد۔ لتناول ما احضرنا للمسرۃ بقدومکم وشکراً للہ تعالیٰ والسلام۔

داعیکم خادم الطلبۃ خلیل احمد عفی عنہ

۱۳۳۵ھ میں جب اس کا افتتاح ہوا تو اس کی تالیف کے لیے صرف ایک گھنٹہ روزانہ تھا۔ مگر ۱۳۴۴ھ میں صبح کا تمام وقت اس کی نذر ہوا اور شام کے وقت حضرتؒ

Marfat.com

کے پاس ایک سبق رہا۔ اسی درمیان میں اسفار پیش آتے اور حرج مرض کی وجہ سے
ناغہ ہوجاتی اور اس کے ساتھ ہی نظام مدرسہ و نگرانی شعبہ ہائے مختلفہ اور آمد ورفت
مہمانان وغیرہ کے مشاغل علیہ بدستور قائم تھے۔ مگر آستانہ محمدیہ پر پہنچکر تو اس کے
سوا آپ کو کوئی کام ہی نہ تھا کہ ڈاک بھی دسویں دن آتی تھی ادھر جگہ کی برکت اور
طبیعت کا انس و لگاؤ جدا۔ لہذا طبیعت خوب چلی اور دو مہینہ میں کتاب کے ایک سو
پچیس صفحات کی شرح قلم سے نکلی۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت نے اس کو طبع کرانا شروع
کردیا تھا کہ خاص حضرات نے اس کی طباعت کے لئے رقم علیحدہ دی تھی اور حضرت
نے اس رقم کو مد طباعت بذل میں جمع فرماکر کتاب مدرسہ کو دیدی کہ اس کا سارا
نفع مدرسہ مظاہر علوم کو پہنچے چنانچہ سترہ روپیہ پر کامل پانچ جلد مدرسہ سے مل
سکتی ہیں۔

اثناء تالیف میں حضرت کا معمول بڑے اہتمام سے یہ رہا کہ جب کوئی نئی بحث
تحریر فرماتے تو احباب اور خدام کو خاص طور پر اس کے دیکھنے کی تاکید فرماتے اور
اصلاح و اشکال کا تقاضا کیا کرتے تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب صدر مدرس
مدرسہ کو بھی مستقل نظر ثانی کا امر فرمایا اور ابتدائی اجزا پر مولانا نے بالاستیعاب نظر
بھی فرمائی۔ اشکالات بھی پیش فرماتے اور حضرت ان کو غور سے سنتے تھے پھر ضرورت
سمجھتے تو اپنی تحریر میں مراجعت فرماتے اور کبھی توضیح مضمون کے لئے عبارت ہی
دوبارہ تحریر میں لاتے تھے۔ حضرت رائپوری جب تشریف لاتے تو اکثر مواقع خاص
طور پر سنواتے تھے۔ حضرت مولانا تھانوی مدظلہم، مولانا شبیر احمد صاحب مولانا
انور شاہ صاحب مولانا حسین احمد صاحب۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور
مولانا صدیق احمد صاحب وغیرہم جو صاحب بھی تشریف لائے ان کو اہتمام سے
حضرت نے مسودہ دکھایا اور تقاضا فرمایا کہ غور کے ساتھ ناقدانہ نگاہ ڈالیں کہ
اغیار کے اعتراضات سے بچنے کے لئے اپنوں ہی کے اعتراضات ذریعہ بن سکتے
ہیں۔ بندہ جب حاضر ہوتا تو حضرت اسکی ابحاث مشکلہ کا تذکرہ فرماتے اور یہی ارشاد

Marfat.com

ہوتا کہ ناقدانہ نگاہ سے دیکھوں، میں حیران ہوتا کہ حضرت کی تحریر پر اور میری ناقدانہ نظر پہ "نسبت خاک را با عالم پاک" مگر حضرت کی بے نفسی و للّٰہیت کہ چھوٹے بڑے کا خیال کئے بغیر ہر علم دوست وارد و صادر سے یہی فرمائش ہوتی تھی۔

مولانا فیض الحسن صاحب کہ حضرتؒ ان کے حقیقی پھوپا تھے جلسہ سالانہ کے موقع پر کانپور سے کہ وہاں تعلیم دینیات سے فارغ ہو کر مطبعہ اور تجارت کتب کے سلسلہ میں لگ گئے تھے مدت کے بعد سہارنپور تشریف لائے تو تبسم فرماتے ہوئے کھڑے ہو کر ان کو چھاتی سے لگا لیا اور پھر مولوی زکریا صاحب سے فرمایا کہ ان کو بذل المجہود کے اجزاء دے دینا یہ دیکھیں گے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس وقت تک میں حضرت سے بیعت بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ سنکر میں پانی پانی ہو گیا اور ایک حرف بھی زبان سے نہ نکلا۔ حضرت تو یہ فرما کر مکان تشریف لے گئے اور میں محجوب و منفعل کہ میں کیا اور میری حقیقت کیا۔ اتنے میں مولوی زکریا صاحب مجھے وہ اجزاء دے گئے اور تعمیلاً للارشاد میں نے کہیں کہیں سے کچھ دیکھا۔ دوسرے دن پھر مجمع میں مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کیوں بھائی وہ بذل المجہود کے اجزاء دیکھے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں جناب والا کے ارشاد کی تعمیل کر دی، یہ سنکر حضرت نے ایک شفقت بھری خاص نظر مجھ پر ڈالی اور دریافت فرمایا کیسے ہیں؟ میں نے یہ سمجھکر کہ متن کی کتابت حوش میں ہو گی اور شرح بصورت حواشی، ہوا شیہ پر۔ جب فن سے مناسبت رکھتا تھا اس کا لحاظ رکھکر عرض کیا کہ قدرے طویل ہیں مگر پُر منفعت ہونے میں کیا شبہ ہے۔ فرمایا حامل المتن ہونے کی وجہ سے کچھ طول تو ضرور ہے مگر عون المعبود مطبوعہ فاروقی دہلی کے طریقہ پر طبع ہو گی نہ کہ محشی ابوداؤد کے طرز پر۔ اسی سفر میں مولانا ممدوح حضرت سے بیعت ہو گئے اور بحمد للہ آخری سفر حج کو روانہ ہونے سے قبل حضرت نے مجاز طریقت بنا کر اخذ بیعت کی اجازت دی۔

اثناء تالیف میں کوئی مشکل مقام آتا تو آپ حضرت گنگوہیؒ اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کو بار بار یاد فرماتے اور کہا کرتے تھے کہ حضرت گنگوہی کی نبات میں لکھی جاتی

تو کس قدر سہولت ہوتی۔ کبھی فرماتے کہ حضرت کے سامنے سب اشکال حل ہو جاتے کبھی فرماتے کہ کم از کم ہمارے مولوی صاحب (مولانا محمد یحییٰؒ) ہی حیات ہوتے تو خوب بحث ہوا کرتی بندہ حاضر خدمت ہوتا یا مولوی ظفر احمد صاحب جب آتے تو حضرت فرماتے ذرا اس کی عربیت پر خاص طور سے نظر ڈالو کیونکہ مجھے عربی زبان پر پوری قدرت نہیں۔ ہم شرمندہ ہو کر عرض کرتے کہ حضرت آپ بھی قادر نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا۔ فرماتے ہیں تو انکسار سے نہیں کہتا۔ دوسرے یہ کہ میں عبارت بطور املاء کے لکھواتا ہوں۔ بطور تصنیف کے خود نہیں لکھتا اور املاء میں نقص رہ جانا مستبعد نہیں۔

مدینہ منورہ پہنچ کر جب بہ جمعیت اس میں مشغول ہوئے تو آپ کے قلب پر عجیب کیف تھا قرب آستانہ محبوب کا التذاذ جدا اور مدتہائے دراز کی تمنا و شوق پورا ہونے کا مزہ الگ اور کلام الرسولؐ کی خدمت میں اشتغال کا حظ علیحدہ۔ ڈاک بھی آٹھویں دسویں دن آتی تھی اور اس لئے روز و شب اسی انہماک میں گذرتا تھا سعودی حکومت کی ابتدا تھی اور چار طرف مختلف افواہیں جس پر یہاں بعض خدام کو خیال ہوا کہ شاید حضرت مدینہ منورہ میں بسکون و راحت قیام نہ فرما سکیں اور ہندوستان واپس ہوں۔ مگر حضرت کا والا نامہ آیا تو ہر لفظ فرحت میں ڈوبا ہوا تھا چنانچہ شیخ رشید احمد صاحب کے نام خط آیا جس میں تحریر فرمایا۔ میں آپ کو مجملاً اطمینان دلاتا ہوں کہ بحمد اللہ یہاں کے حالات اس قدر اطمینان بخش اور فرحت انگیز ہیں کہ ہم لوگوں کو کسی قسم کا ذرہ بھر بھی اندیشہ نہیں۔ تمام حجاز امن سے معمور ہے۔ جدہ سے مکہ تک مکہ سے مدینہ منورہ تک اور مدینہ منورہ سے جدہ اور ینبع تک دو دو چار چار اونٹ بھی باطمینان آتے جاتے ہیں اور کوئی واقعہ پیش نہیں آتا۔ ہم یہاں تقریباً دو ماہ سے مقیم ہیں۔ ہمارے لئے بحمد اللہ دن عید اور رات شب برات ہے کسی امر کی وجہ سے ہمارے دل میں یہ داعیہ پیدا نہیں ہوا کہ ہم یہاں سے لوٹ جائیں جس قدر اس قسم کے وحشت ناک حالات اخبارات میں شائع ہو رہے ہیں وہ بالکل غلط اور کذب ہیں غالباً حجاج پہنچ گئے ہوں گے اور ان سے ان خرافات افواہ کی تردید آپ کو اور دیگر دوستوں کو

معلوم ہو گئی ہو گی۔ تعلیق ابی داؤد باطمینان لکھی جا رہی ہے اور اس دو ماہ کے عرصہ میں ان شاء اللہ ایک سو پچیس (۱۲۵) صفحات کے قریب لکھے گئے ہوں گے جو مولوی رؤف الحسن صاحب کے ہمراہ طبع ہونے کے لئے سہارنپور پہنچ جائیں گے اب میرا پختہ خیال ہے کہ میں تعلیق کے اتمام کے لئے مدینہ طیبہ میں اگلے سال بھی قیام کروں گا اور حج کے لئے بھی مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ نہیں کروں گا۔ اگر مناسب ہو تو یہ مضمون بھی اخبار میں شائع کرا دیجئے" سچ ہے یثرب کی مٹی میں ملنے کی ہوس اور محبوب کی احادیث میں اشتغال اور شرح ابی داؤد کی تکمیل نفل حج سے بدرجہا زیادہ پیاری چیز ہے اور اس کو صاحب مذہب عاشق رسول حضرت امام مالک کے دل سے کوئی پوچھے ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید — معشوق دریں جاست بیائید بیائید

مؤلف کا دماغ تالیف کے زمانہ میں کسی دوسرے کام کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ صاحب ہدایہ نے دس برس میں ہدایہ لکھی مگر اس طرح کہ حجرہ میں کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی غلام دونوں وقت کھانا لا کر رکھ جاتا اور تھوڑی دیر بعد خالی برتن دیکھ کر لے جاتا تھا اوقات نماز کے سوا چوبیس گھنٹے میں حضرت ممدوح کی کسی کو صورت بھی نظر نہ آتی تھی۔ مگر حیرت ہوتی تھی جب دیکھا جاتا تھا کہ حضرت کا یہ زمانہ پیری اور یہ مجاہدہ معمولہ مستمرہ اور یہ صدمات وفات احباب و متعلقین اور یہ مدارات حاضرین و زائرین اور اس پر ابوداؤد جیسی پر اشکال و مغلق کتاب کی شرح جس میں دماغ ہی دماغ کا کام اور ساڑھے سات بجے سے لے کر گیارہ بجے تک چار گھنٹے اس میں ختم ہونے کے بعد شام کو وہی درس والیہ وہی جوابات خطوط وہی فتاویٰ کی نویسی۔ وہی مہمانوں سے ملاطفت و انبساط اور وہی ہر معمول مستحب پر مواظبت کا اہتمام۔ اس سے زیادہ تعجب اس وقت ہوتا جبکہ آپ تالیف میں مشغول ہوتے اور کوئی مہمان آتا تو وہ سیدھا حضرت کے پاس دار التالیف میں جایا جاتا حضرت اسی تبسم و خندہ پیشانی سے ملتے اور ذرہ برابر گرانی نہ لاتے کہ دماغی کام اور محتاج یکسوئی اشتغال میں بلا ضرورت کیوں

مخل ہوا۔ کافی مزاج پرسی کے بعد پھر اپنے کام میں لگ جاتے اور مضمون بزبان عربی لکھوانے لگتے تھے میں نے بارہا دیکھا کہ حضرت ادھر مہمان سے باتیں بھی کیے جاتے تھے اور حل عبارات مشکلہ بھی فرماتے ہوتے تھے حتیٰ کہ مضمون ختم ہوجاتا تو کتاب بند کر دیتے اور یہ فرما کر کہ بس اب چلو، مہمان کو ساتھ لیے نیچے تشریف لے آتے گویا مضمون کی آمد حضرت کے قبضہ کی بات تھی کہ جب چاہتے آمد شروع ہوجاتی اور جب چاہتے دماغ اور طبیعت کو اس سے ایسا خالی فرما لیتے گویا اس کا غور و فکر ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اس اشتغال میں آپ کو نہ کسی ادنیٰ معمول کے ترک کی نوبت آئی اور نہ کسی امر میں دفعیان پیش آیا۔ نہ احباب کی غمی و خوشی میں شرکت گئی اور نہ ان کی مخلصانہ طلب پر ان کا جواب لکھا گیا۔ سب کام بدستور چلتے رہے اور یہ خدمت عظمیٰ ایک مہمی نعمت بن کر اتمام کو پہنچ گئی۔

بذل میں یہ ایک عجیب کمال ہے کہ جو مضمون حضرت کے ذہن میں آیا جبتک متقدمین کے کلام میں اس کی تائید نہ مل گئی حضرت نے اسکو قلم و قرطاس کے حوالے نہیں کیا اور یہ فرمایا کہ بھئی اپنے علم پر کیا اعتماد ہے۔ یا یں التزام ہر مسئلہ میں مذاہب ائمہ اربعہ کی تحقیق اور باہم محاکمہ کیا گیا ہے۔ مذہب حنفیہ کی تحقیق اور کافی دلائل کے بعد دوسرے مذاہب کے دلائل کے بہترین اور متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔ ہر راوی کے متعلق پوری جرح و تعدیل کی گئی جو روایات ترجمۃ الباب کے موافق نہ تھیں ان کی توجیہ و موافقت ظاہر فرمائی ہے۔ مصنف نے جن روایات کو تعلیقاً بیان کیا ہے دوسری کتابوں سے ان کی سند اتصال لکھی گئی ہے جو روایات مختصر آئی ہیں دوسری کتابوں کا جہاں وہ مفصل ہیں حوالہ دیا ہے اور کلام الرسول کا منشا ظاہر کر کے وہ محاسن و حقائق بیان فرمائے ہیں جن کا حظ وہی اٹھا سکتا ہے جس کو فن حدیث سے مناسبت اور صاحب حدیث سے انس و محبت ہو۔

ایک مرتبہ حضرت معمول صبح کو آپ نے تشریف لا کر مولوی زکریا سے فرمایا کہ فلاں بات لکھی گئی ہے اس کو دوبارہ نکالو چنانچہ وہ نکالی گئی اور آپ نے مراجعت

Marfat.com

کتب فرما کر اس کو کاٹا اور دوسری عبارت لکھی۔ اس کے بعد بڑی مسرت سے اپنا خواب بیان فرمایا کہ تہجد کے بعد ذرا آنکھ لگ گئی تو ایک صاحب کو (جن کا حلیہ بھی ارشاد فرمایا) یوں کہتے سُنا کہ یہ جگہ غلط لکھی گئی ہے اس کو درست کر دو۔ ایک بار فرمایا کہ اس قابل تو ہوں نہیں مگر ہوس تھی اور ہے کہ خدام حدیث کی جماعت میں شامل ہو جاؤں اللہ کا انعام ہے کہ اس نے کام لے لیا ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل　　نسیم صبح تیری مہربانی

مولانا محب الدین صاحب مہاجر مکیؒ اعلیٰحضرت حاجی صاحب کے خلیفہ کو کشف زیادہ ہوتا تھا اور حضرتؒ کے ساتھ خاص محبت رکھتے تھے سنہ ۳۵ھ میں ممدوح کا حضرت کو پیام پہنچا کہ اب تمہارا آخری وقت قریب آگیا ہے ہندوستان جلد چھوڑ کر مدینہ پہنچو۔ حضرتؒ تو بچپن سے یہ تمنا رکھتے تھے اس لئے آخری اُمید پہ آنے کے شوق میں حجاز روانہ ہو گئے جنگ کا زمانہ تھا اور شریف حسین نے ترکوں سے مقابلہ کیا تھا کہ طرح طرح کے فتنے رُونما تھے مولوی محب الدین صاحب نے حضرت پر تقاضا کیا کہ جلدی ہندوستان واپس ہو کہ یہاں قیامت صغریٰ قائم ہوا چاہتی ہے تمہارے آخری وقت کا مجھے جو انکشاف ہوا تھا وہ ابھی مؤخر ہے۔ چنانچہ آپ ہندوستان تشریف لے آئے اور بذل المجہود میں مشغول ہو گئے۔ اب سنہ ۴۴ھ میں مولانا کا پھر تقاضہ ہوا کہ مدینہ پہنچو چنانچہ حضرتؒ روانہ ہو گئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ مولانا کو مکاشفہ میں غلطی ہو گئی مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں مکاشفہ تو صحیح تھا مگر بذل کے لئے حق تعالیٰ نے میری عمر بڑھا دی کہ انجام اس توسیع کا بھی وہی تقدیر مبرم ہے۔ چنانچہ ۲۱ شعبان کو بذل ختم ہوئی اور ۲۷ رمضان کو آپ پر فالج کا اثر ہوا جس میں اول کچھ معالجہ سے خفت محسوس ہوئی مگر یہی سلسلۂ مرض چلتا رہا اور آخر ۱۵ ربیع الثانی سنہ ۴۶ھ یوم چہار شنبہ بعد عصر آپ نے دنیا کو چھوڑ کر عالم قدس کا سفر فرمایا۔ اثنائے تالیف میں حضرت کے سامنے دو لمبی تپائیوں پر کتابوں کا دل کا ڈھیر رہتا تھا جن میں تفسیر حدیث اسماء الرجال اصول حدیث فقہ اُصول فقہ لغت سیر و تواریخ اور مختلف علوم و فنون کی کتابیں ترتیب وار رکھی رہتی تھیں کہ تفسیر میں ابن

Marfat.com

جمل یز درمنثور بیضاوی اور اس کے حواشی خفاجی وشیخزادہ وقنوی وعبدالحکیم اور
جلالین مع شروح وتفسیر کبیر پر نظر ڈالتے تھے علم حدیث میں بخاری مسلم ترمذی
نسائی ابن ماجہ موطا امام مالک موطا امام محمد دارمی دارقطنی مصنف ابن ابی شیبہ
سنن بیہقی مسند امام احمد طحاوی مشکوۃ اور اس کی شرح علی قاری مسند ابی داؤد
طیالسی منتقی الاخبار اور اس کی شرح نیل الاوطار زاد المعاد فتح الباری قسطلانی
نووی اور حاشیہ السندی مصنفہ مراسیل ابی داؤد عمل الیوم واللیلہ مسند امام ابی حنیفہ
مسند امام شافعی مجمع الزوائد کتاب الآثار سنن الکبری جزء القراءۃ ادب المفرد جزء
رفع الیدین مستدرک اور اس کی تلخیص سبل السلام عینی درجات انجاح الحاجہ
آثار السنن اور اس کی تعلیق تنسیق جوہر نقی زرقانی تعلیق ممجد تلخیص الحبیر درایہ
شرح مشکل الآثار اور ترمذی کی چاروں شروح شرح الجلالین تخریج زیلعی حاشیہ الحصین
الکمال اور مکمل اللآلی المصنوعہ وغیرہ کے ساتھ مولانا گنگوہی کی وہ تقریر جسکو مولانا
محمد یحیی صاحب نے پڑھتے وقت حضرت سے سنکر ضبط کیا تھا سب زیر نظر رہتی تھیں
اسماء الرجال میں تقریب تہذیب تعجیل المنفعہ اصابہ لسان المیزان طبقات المدلسین
خلاصۃ تہذیب الکمال میزان الاعتدال تذکرۃ الحفاظ تجرید اسد الغابہ استیعاب
المؤتلف والمختلف طبقات ابن سعد جمع بین رجال الصحیحین تاریخ صغیر اور ضعفاء
الصغیر اکمال انساب رجال جامع الاصول الکنی المغنی الجواہر المضیۃ طبقات شافعیہ
لباب الانساب اسعاف فوائد بہیہ المنفردات والوحدان اور الضعفاء والمتروکین
وغیرہ کا تتبع ہوتا تھا۔ اصول حدیث میں شرح نخبہ شرح الشرح تدریب الغیۃ الحدیث
فتح المغیث اور بستان المحدثین سامنے رہتی تھی۔ فقہ حنفی میں بدائع مبسوط ہدایہ اور
اس کے حواشی کفایہ بنایہ فتح القدیر کبیری بحر الرائق۔ درمختار اور اس کے دونوں
حواشی طحطاوی اور شامی مراقی الفلاح اور اس کا حاشیہ طحطاوی اور زیلعی و
سعایہ سے کام لیا جاتا تھا اور شافعی فقہ میں کتاب الام اور اس کا حاشیہ اور تتاع
تحفۃ المحتاج روضۃ المحتاجین کتاب الانوار التوشیح فقہ مالکیہ میں کتاب المدونہ للامام

Marfat.com

کتاب المقدمات اور مختصر الشیخ خلیل۔ فقہ حنبلی میں اعلام الموقعین اور شعرانی کی کشف الغمہ اور میزان الکبریٰ کا تفحص ہوتا تھا۔ اصول فقہ میں نورالانوار توضیح تلویح حسامی اور اس کے حواشی تحریر اور مستصفی پر غور وفکر مبذول ہوتا تھا۔ لغت میں مجمع البحار لسان العرب قاموس نہایہ مصباح المنیر اور مخصص سے مدد لی جاتی تھی۔ سیر میں ابن ہشام طبری تاریخ الخلفاء معجم البلدان تاریخ الخمیس اور وفیات الاعیان کی ورق گردانی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ نحو میں شرح جامی اور تجوید میں شرح ابن الفاصح وغیرہ بھی موجود رہتی تھیں اور ابوداؤد کے چھ نسخے پاس تھے ایک نہایت وہ قدیم نسخہ جس میں آپ نے پڑھا اور جگہ جگہ کچھ لکھا تھا کہ متعدد نسخوں سے مقابلہ ہو کر صحیح کیا گیا تھا۔ دوم عون المعبود کے متن پر چڑھا ہوا نسخہ۔ سوم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کا تصحیح کردہ نسخہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۱۸ھ چہارم مطبوعہ مطبع خیریہ مصر ۱۳۱۰ھ پنجم مولانا فخر الحسن گنگوہی کا حاشیہ کردہ مطبوعہ اصح المطابع اور چھٹا مطبوعہ اصح المطابع ۱۳۱۸ھ

یہ بات کہ اتنی کثیر کتابوں کے بحر ذخار سے کون کون سے موتی نکالے گئے اور بذل المجہود کس قیمت کے جواہرات کا جڑاؤ ہار ہے صرف اہل علم سمجھ سکتے ہیں اور آج نہیں قیامت تک آنے والی نسلیں یاد رکھیں گی کہ مؤلف بذل المجہود کا علمی دنیا پر کیا احسان ہے۔ چنانچہ جلد اول صفحہ ۳۱ پر مسواک کی بحث اور صفحہ ۳۴۲ پر بناء جمعہ وظہر کی بحث اور جلد ثانی میں صفحہ ۱۳۲ پر اشارۂ سبابہ کی بحث اور صفحہ ۲۸۸ پر سجدہ کی بحث اور جلد ثالث میں صفحہ ۵۵ پر غسل کی بحث اور صفحہ ۱۰۶ پر قران حج کی بحث قابل دید ہے۔ رہا اس کا صلہ سو صاحب الکلام کے دربار میں حاضری کے وقت اولین وآخرین کا بھرپور مجمع دیکھے گا کہ محبوب پیغمبر کا قدردان خدا خادم کلام پیغمبر کو کیا عطا فرما رہا ہے۔ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔

بذل سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے قلب میں داعیہ پیدا ہوا کہ ترمذی کی شرح بھی اسی نہج پر ہو جائے کہ وہ بھی درسی کتاب اور اس خدمت کی مستحق ہے چنانچہ

Marfat.com

آپ نے مولوی زکریا صاحب کو لکھا بھی کہ بنام خدا اس کو شروع کردو کیا عجب ہے کہ یہ بھی میرے اعمال نامہ کی زینت بن جائے۔ مگر مولوی زکریا صاحب چاہتے تھے کہ حضرت افتتاح فرمائیں۔ اور حضرتؒ جواب دیتے تھے کہ تمہارے بغیر مجھ سے اس کا انجام پانا دشوار کہ از سر نو کتب کثیرہ کا فراہم کرنا اور ان کے تتبع و تلاش سے مضامین کا اپنے مظان سے نکالنا تمہارا ہی کام ہے۔ آخر میں حضرتؒ نے یہ بھی لکھا کہ اچھا یوں کرو کہ ایک ورق چھوڑ کر دہیں لکھنا شروع کردو کہ طرز و طریق سے واقف اور خدمت حدیث کے اہل بن چکے ہو کسی وقت میری زندگی میں تمہارا آنا ہوا تو پہلا صفحہ میں لکھوادوں گا مگر عمر شریف قریب ختم پہنچ چکی تھی اور تمنا و شوق ہی کا اجر ساتھ لے جانا مقدر تھا۔ اس لئے اس کا افتتاح نہ ہوا اور دفعتہً تار آگیا کہ وہ دربار ہی برخاست ہوگیا جہاں علمی یاقوت و لعل نچھاور ہوا کرتے تھے۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

چونکہ آپ کو حدیث سے طبعاً مناسبت و شیفتگی تھی اس لئے حدیث کی جس قلمی کتاب کا آپ کو کہیں پتہ چلتا آپ کوشش فرماتے کہ اس کو جس قیمت پر بھی ملے خرید لوں اور یہ طاقت سے باہر ہو تو نقل کرا لوں۔

۳۸؁ھ میں جب آپ چھٹے حج کو روانہ ہوکر مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ کو مصنف عبدالرزاق کا پتہ چلا کہ ایک شخص کے پاس کی جلد سوم و چہارم قلمی موجود ہے آپ نے چاہا کہ مدرسہ کے لئے خرید لیں مگر مالک نے ۲۰ گنا قیمت مانگی جس کو آپ ادا نہ کرسکے اور نایاب کتاب کے ہاتھ سے نکلنے کا آپ کو بہت ملال ہوا۔ مولوی محمد زکریا صاحب و حاجی انیس احمد اور مولوی محمد اسحاق صاحب وغیرہ رفقا نے حضرت کا قلق دیکھکر عرض کیا کہ اپنا مجمع ہمت کرے تو تھوڑا تھوڑا حصہ بانٹ کر سب کی نقل کر لے اول آپ کو فکر ہوا کہ دشوار ہے مگر مولوی محمد زکریا کے استقلال ہمت اور اصرار پر آپ نے مالک کتاب سے نقل کی اجازت مانگی۔ مالک کو یقین بھی تھا کہ نقل نہیں ہوسکتی پھر انکار کیوں کروں لہذا خوشی سے اجازت دیدی کہ ہاں ضرور نقل کریں۔ چنانچہ آپ نے رفقا پر اس کے اجزا تقسیم فرما دیئے اور چند روز میں دونوں جلدیں نقل ہوگئیں۔ اس میں غلطیاں زیادہ تھیں

تو خود حضرتؒ نے مولوی زکریا صاحب کے ساتھ نقل کا اصل سے مقابلہ فرماتے ہوئے کچھ غلطیوں کی اصلاح فرمائی اور اصل مالک کو واپس دے کر نقل قلمی کو مدرسہ میں داخل فرمادیا۔ مولانا عزیز الرحمن صاحب گنگوہی کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن سے حضرت گنگوہی کے لئے بیہقی نقل کرا کے لائے تھے اس کی آٹھ جلدیں منجملہ دس جلدوں کے حضرت نے گنگوہ سے منگا کر نقل کرائیں جن میں ایک جلد مولوی عبداللہ صاحب مرحوم نے بغیر اجرت نقل کی اور باقی باجرت نقل ہو کر مدرسہ میں داخل ہوئیں۔ آپ کو پتہ چلا کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک جلد سندھ میں حضرت پیر جھنڈا کے مشہور کتب خانہ کی زینت بنی ہوئی ہے۔ آپ نے اس کی نقل کی کوشش فرمائی اور اس شرط پر اس کا حصول میسر ہوا کہ مصنف عبدالرزاق آپ ان کو دیں۔ چنانچہ دونوں کتابوں کا نقل کے لئے تبادلہ ہوا اور پھر واپسی ہو کر ہر ایک کتب خانہ میں دونوں نایاب کتابوں کے نسخے جمع ہو گئے۔ مدینہ منورہ سے آپ نے زیلعی تخریج ہدایہ مطبوعہ کا نسخہ جو اس وقت بالکل نایاب ہے خرید کر مدرسہ میں بھیجا۔ نیز محیط برہانی کامل جو آٹھ جلدوں میں فقہ کی مشہور کتاب ہے نہایت خوشخط قلمی تیس روپیہ میں آپ نے خریدی کہ دوسو روپیہ اس کے آپ کو ملتے تھے مگر آپ نے فروخت نہیں کیا اور مدرسہ میں بھیجدی۔ ابوداؤد کی مشہور شرح ابن رسلان جس کے متعلق اکابر لکھتے ہیں کہ ہمیں زیارت نصیب نہیں ہوئی جلد اول و دوم مکتبہ محمودیہ میں آپ کو نظر پڑی تو آپ نے اجرت پر اس کی نقل کرا کے مدرسہ میں بھیجی اور نویں جلد سے بذل میں کام لیا کہ وہی مقام زیر تالیف تھا۔ وہ گویا بذل المجہود میں نقل ہو گئی اور سوم چہارم پنجم ششم آپ کے رفیق سفر مولوی احتشام الحسن کو ایک کباڑی کی دکان سے ردی کے مول دستیاب ہو گئیں اور وہ ان کو لے آئے۔ اسی طرح علم کلام کا ایک قلمی نایاب رسالہ آپ نے خرید کر مدرسہ میں بھیجا جو عقائد نسفی سے بہتر ہے مگر طبع نہ ہوگا

اسماء الرجال میں طبقات ابن سعد جو آٹھ جلدوں میں ہے آپ نے لندن سے منگوائی اور انساب سمعانی جس کو قلمی سے عکس لے کر فوٹو میں طبع کیا گیا تھا اور بڑی

ضخیم کتاب ہے نیز لندن سے آپ نے نقلیں منگوا کر ہر دو کو کتب خانہ میں داخل کر دیا۔ مکررانی شرح بخاری کی قلمی دو جلدیں لمعات شرح مشکوٰۃ کی جلد اول مشکوٰۃ پر حاشیہ میر سید شریف کامل اور موطا کی شرح محلی جو مشہور ہے اس کے علاوہ دوسری شرح کہ اس کا نام بھی محلی ہے۔ جلد ثانی قلمی نیز حاصل فرما کر آپ مدرسہ میں پہلے داخل فرما چکے تھے۔ حجاز کے قاضی القضاۃ شیخ عبد اللہ بن بلیہد نے چند کتابیں جن میں مغنی فقہ حنابلہ کی جلد اول بھی تھی آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیں اور آپ نے قبول فرما کر ان کو بھی مدرسہ میں بھیج دیا۔

۱۳۴۴ھ میں مصری ٹائپ خریدنے کے لئے بندہ جب مصر گیا اور واپسی براہ شام و عراق ہوئی تو دمشق میں مجھے پتہ لگا کہ سید بدر الدین محدث کے پاس جمع الفوائد کا قلمی نسخہ کامل تھا اور ٹرکی و فرانس کی جنگ میں ممدوح کا مکان نذر آتش ہوا تو وہ نایاب نسخہ بھی جل گیا۔ مگر اس کی ایک نقل قصبۂ کفر سوسہ کے قدیم کتب خانہ میں جو دمشق سے ستر میل فاصلہ پر ہے شیخ محمود بن رشید کے پاس محفوظ ہے مجھے شوق ہوا کہ اس کی حفاظت کا شرف ہندی مسلمانوں کو نصیب ہو۔ اس لئے مولانا محمود سے ملا اور کتاب کو ہندوستان لا کر حضرتؒ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے بڑے شوق اور غور سے دیکھا اور مسرور ہو کر اس کے طبع ہو جانے کی خواہش ظاہر فرمائی کہ وہ جامع الاصول اور مجمع الزوائد کا مجموعہ تھا جس میں علامہ محمد بن محمد رودانی نے بخاری مسلم ترمذی ابو داؤد نسائی ابن ماجہ موطا امام مالک مسند ابو یعلی موصلی مسند ابو بکر بزار مسند دارمی اور طبرانی کی معجمات ثلاثہ کبیر و اوسط و صغیر چودہ کتابوں کی تمام حدیثوں کو بحذف مکررات و ترک اسانید ایک عجیب ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے۔ چنانچہ بندہ نے اس کی تخریج و تصحیح میں تین سال محنت اٹھا کر مصری ٹائپ میں اس کو طبع کر دیا۔ حضرتؒ مدینہ منورہ میں مقیم تھے کہ کتاب کے

عہ حامیان رسول کو مناسب ہے کہ اس کا نسخہ کسی مدرسہ میں وقف یا کسی عالم کو ہبہ کر کے حضرتؒ کو بانیٔ متاعب سمجھیں ایصال ثواب کریں کہ متعدد جگہ منتشر ہو کر حفاظت کتاب کا مقصود بھی پورا ہو جاتا ہے اور کم خرچ بالا نشین تحفہ صدقہ جاریہ بن کر ادراج کو مسرور بنا تا رہے۔ قیمت عہ مجلد بارہ روپے

Marfat.com

تیار ہونے کا مژدہ آپ کو پہنچا، مگر افسوس کہ مطبوعہ کی زیارت نہ فرما سکے اور دنیا سے تشریف لے گئے۔ یہ خدمت بھی اس لحاظ سے کہ حضرت کے ایماء اور برکت دعا سے تکمیل کو پہنچی آپ ہی کے نامۂ اعمال میں درج ہے۔ غرض جس طرح درس حدیث اور تالیف شروح احادیث کا آپ کو شغف تھا اسی طرح حدیث کے قلمی و نایاب نسخوں کے محفوظ کرنے کا بھی حد درجہ کا شوق تھا کہ یہ ثمرہ ہے صاحب جوامع الکلم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت صادقہ کا جس میں آپ فنا تھے اور چاہتے تھے کہ سرور عالم و عالمیان کا کوئی قول یا فعل بھی ایسا نہ رہے جس کے علم و عمل سے محروم رہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی اشاعت کا عشق تھا کہ تمامی امت محمدیہ تک پہنچکر اس کا نفع متعدی ہو اور مختلف مقامات کے صدہا کتب خانوں میں جمع ہو کر اضاعت سے طرح محفوظ ہو جائے۔ مجنون صحرا میں بیٹھکر بھی انگلیوں سے ریت پر لیلی کا نام لکھا کرتا تھا کہ اسی سے اس کی طبیعت کو تسلی ہوتی تھی پھر کیا پوچھنا محبت رسول کہ کلام رسول کی خدمت جس نوع کی بھی ہو عین ثمرۂ ایمان ہے۔

دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والوں کو آپ سند دیا کرتے تھے۔ ان کے سر پر دستار باندھنے کی عادت نہ تھی بیرونی علماء آپ سے مسلسلات اور صحاح ستہ کی سند واحادیث حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے اور آپ جن کو اہل سمجھتے اوائل حدیث سنکر اور مسلسلات خود سنا کر ان کو بھی سند دیا کرتے تھے۔ جولائی ۱۹۲۵ء میں جب آپ شملہ تشریف لے گئے تو مولوی محمد فاضل صاحب ترجمان سفیر افغانستان نے حاضر ہو کر سند حدیث کی خواہش کی حضرت نے کتابیں منگوا کر جگہ جگہ سے احادیث سنیں اور فرمایا کہ جب تم نصاب ختم کر چکے اور بمبئی و کلکتہ و دہلی وغیرہ جانے کا بارہا موقع ہوا تو ابتک کسی سے سند حاصل کیوں نہیں کی؟ عرض کیا کہ جیسا میں چاہتا تھا صاحب علم و فضل بزرگ مجھے کوئی نہیں ملا۔ اور کوئی ملا تو مجھے ان کے اعمال کی طرف سے اطمینان نہ ہوا اب گھر بیٹھے حق تعالی نے یہ دولت عطا فرمائی تو اجازت حاصل کرنے کا شوق ہوا فرمایا یہ تو تمہارا میری نسبت حسن ظن ہے کہو تو مدرسہ سے مطبوعہ سند منگوا دوں اور کہو تو یہاں دستی لکھوا کر دستخط کر دوں۔ انہوں نے دستی کو ترجیح دی۔ تو آپ نے

Marfat.com

مولانا قاری احمد حسن صاحب خطیب جامع مسجد شملہ سے عربی عبارت میں سند لکھوا کر اپنے دستخط کئے اور ان کو عطا فرمائی۔ از قاضی عبدالمجید صاحب کلرک سکرٹریٹ آفس شملہ

ان علماء کو بھی اگر حضرت کے تلامذہ میں شمار کیا جائے تو صدہا کی تعداد کا اضافہ ہو جائے گا کیونکہ اکثر مدارس ہندوستان کے سند یافتہ علماء بھی ہر سال اس نوع کی اجازت لینے حاضر ہوا کرتے اور عرب میں بھی علماء حرمین اور دیگر بلاد کے علماء بکثرت آپ سے سند اور اجازت حدیث حاصل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بندہ نے بھی حالانکہ ساری کتابیں میرٹھ میں مولانا عبدالمومن صاحبؒ سے پڑھی تھیں مگر دل چاہا کہ حضرتؒ سے بھی حدیث کی اجازت اور سند حاصل کروں الحمد للہ حضرت نے اوائل شکرا اور مسلسلات خود سنا کر سند عطا فرمائی جس پر اپنے قلم سے دستخط فرمائے اور مہر ثبت کی اس کو تبرکاً درج کرتا ہوں کہ محفوظ ہو جائے اور حضرتؒ نے حدیث کی اجازت جن علماء کو دی ہے وہ اس کی نقل بھی کر سکیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد فخر الاولین والآخرین۔ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیائہ اجمعین (اما بعد) فیقول المفتقر الی رحمۃ ربہ القوی خلیل احمد بن الشاہ مجید علی الانصاری الایوبی الانبہٹوی عفی عنہ ان اخی فی اللہ مولانا الشیخ عاشق الٰہی میرٹھی قد قرء علی من اوائل الصحاح الستۃ فی جماعۃ و سمع منی المسلسلات لشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی قدس سرہ وطلب منی اجازتہا و قد حصل لی القرءۃ والسماع لجمیع کتب الحدیث وغیرہا علی شیخی واستاذی والحبر الکامل و البحر الفاضل الفائق باقرانہ علی النیرین الشمس والقمر۔ مولانا الشیخ محمد مظہر النانوتوی الصدیقی ثم قرأت لبعض الصحاح اعنی الجامع الصحیح للبخاری من اولہ الی آخرہ والشمائل للترمذی والمسلسلات ومسند الجن المسمی بالنوادر والدر الثمین واوراقا معدودۃ من صحیح الامام مسلم وشیئاً من مسند الدارمی علی مولانا الشیخ عبدالقیوم بن مولانا الشیخ عبدالحی المرحوم البوہانی ثم البڈہانوی فحصل لی منہ الاجازۃ العامۃ سنۃ الف ومائتین وثلث وتسعین من الہجرۃ النبویۃ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ وذلک حین کنت

مقیما فی بوفال علی خدمۃ التدریس بالمدرسۃ السلیمانیہ ثم لما حضرت خیر بلاد اللہ مکۃ المشرفۃ زادہا اللہ کرامۃ و نوراً لزیارۃ بیت اللہ الحرام اول مرۃ سنۃ الف و مائتین وثلث و تسعین حصل لی الاجازۃ العامۃ من مولانا الشیخ سید احمد بن زینی دحلان المکی مفتی الشافعیۃ بہا ثم لما تکحلت ابصار طیبۃ وتشرفت بزیارۃ قبر سید المرسلین نبینا محمد النبی الامین علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام الی یوم الدین وحضرت عتبۃ مولانا الشیخ عبد الغنی مہاجر المدنی قرأت علیہ سنۃ ۱۲۹۵ھ شیئاً من اوائل الکتب الستۃ فاجازنی باجازۃ عامۃ وقد اجزت الاخ المذکور کما اجازنی مشایخی الاعلام بکل ما یجوز لی روایتہ من کتب الحدیث الصحاح الستۃ والموطاءین للامام مالک بن انس والامام محمد بن الحسن الشیبانی ومسند الدارمی والمسلسلات لشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی قدس سرہ والمسلسل باجابۃ الدعاء عند الملتزم وغیرہا من کتب الفقہ والتفسیر والمنقول والمعقول اجیزہ ان یجیز غیرہ ممن تاہل لہذا الفن الشریف بالشرائط المعتبرۃ عند علماء ہذا الشان واوصیہ بتقوی اللہ فی السر والعلانیہ وان یجتنب عن الامور المحدثۃ فی الدین وعن طلب الدنیا ولذاتہا وان لاینسانی فی دعواتہ الصالحۃ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم

مہر

حررہ العبد الحقیر الاثیم خلیل احمد وفقہ اللہ للتزود لغدہ

محرم سنہ ۲۹ھ میں جب آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو علماء مدینہ نے شرف تلمذ اور سند حدیث کی خواہش کی۔ چنانچہ آپ نے مکان پر درس شروع کردیا اور وہاں جگہ کافی نہ ہوئی تو مسجد نبوی میں بعد عصر آپ درس دینے لگے۔ مسلسلات کی اجازت کے لئے مجمع کثیر ہوگیا اور آپ نے مسلسلات پڑھ کر ہر ایک کو باقاعدہ اجازت عطا فرمائی۔ بندہ بھی شریک جماعت تھا اور تقریباً چالیس علماء بصورت طلبہ حضرت کے سامنے سماعت کر رہے تھے۔ ایک حاسد بریلوی نے خدام حرم نبوی کے افسر اعلیٰ

ع ملازمت بھوپال کے گذشتہ باب میں بندہ نے اپنی لاعلمی ظاہر کی تھی مگر اس سند سے پتہ چلا کہ آپ بھوپال میں مدرسہ سلیمانیہ کے مدرس ہوکر تشریف لے گئے تھے ۱۲

Marfat.com

کو کہ ایک ترکی تھا حضرت کی طرف سے اس طرح مشتعل کیا کہ اس وقت حرم نبوی میں بیٹھا ہوا ایک ایسا شخص درس دے رہا ہے جو معاذ اللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں اچھا اعتقاد نہیں بلکہ گستاخی کرتا ہے ترکی افسر یہ سن کر جھلا گیا اور غصہ میں سُرخ ہو کر باب الرحمہ کے قریب پہنچا جہاں حضرتؒ درس دے رہے تھے حضرتؒ کا چہرہ مبارک دیکھکر ترکی افسر کا غصہ یکلخت ٹھنڈا ہو گیا اور وہ کچھ دیر کھڑا ہوا درس سنتا رہا۔ پھر بلبیاختہ بولا یا شیخ اس وقت ایک شخص نے مجھ سے اس طرح شکایت کی ہے مگر میں آپ کی صورت دیکھکر سمجھ گیا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے وماھذا وجه كذاب اور آپ کا چہرہ جھوٹوں کا سا نہیں ہے حضرت نے فرمایا اولئك يفترون علينا وعلى اكابرنا و يحرفون اقوالنا ونفوض امرهم وامرنا الى الله۔ وہ لوگ ہم پر اور ہمارے اکابر پر بہتان لگاتے اور ہماری باتوں کو الٹ پلٹ کر غلط طور سے مشہور کرتے ہیں۔ ہم اپنا اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں ۔ اس کے بعد افسر نے کہا کہ آپ مطمئن رہیں اور اپنا با برکت درس جاری رکھیں مگر آپ کے مدنی تلامذہ نے کہ خوشحال و نازک مزاج تھے اس قصہ کا اتنا اثر لیا کہ دوسرا بڑا مکان خالی کرا کے حضرت کو مجبور کیا کہ ہم کو وہاں درس دیں تاکہ آئندہ ہم اپنے شیخ کے متعلق کوئی لفظ ایسا نہ سن سکیں جس کی برداشت نہ ہو سکے اور مسجد شریف میں زبان یا ہاتھ سے جواب دینے کی نوبت آئے چنانچہ اگلے دن سے حضرتؒ نے وہاں درس دیا اور سب کو اجازت وسند عطا فرمائی۔

آخر عمر میں بذل المجہود سے فارغ ہو کر اہل مدینہ کے اصرار پر مدرسۃ الایتام مدینہ منورہ میں درس دینا شروع کر دیا۔ مگر چند اسباق سے زیادہ نہ ہونے پائے کہ آپ نے داعی حق کو لبیک کہا اور بلا واسطہ سلسلۂ درس ظاہری ہمیشہ کے لئے ختم ہو لیا۔ چند مدارس دینیہ بھی آپ کی سرپرستی میں تھے اور ان کی علمی و مالی ترقیات کا فکر آپ کے افکار میں ایک مستقل اضافہ تھا چنانچہ اُجڑاڑہ ضلع میرٹھ کا مدرسہ جس کو حافظ حاجی محمد حسین صاحب نے متوکلانہ طریق پر محض اپنی ہمت سے قائم کیا تھا بالخصوص آپ کی سرپرستی میں تھا اور اس کے علاوہ مدرسہ انبہٹہ مدرسہ گلاوٹھی مدرسہ کاندھلہ

Marfat.com

اور علاقہ میوات کے ۲۸ مکاتب جو مولانا محمد الیاس صاحب کی محنت و توجہ سے جگہ جگہ قائم ہوئے اور بحمد اللہ اس علاقہ جہل و ظلمت کو علم دین سے مالا مال بنا رہے ہیں۔ اور آخیر زمانہ میں مدینہ منورہ کا مدرسہ شرعیہ جس کا نام پہلے مدرسۃ الایتام والمساکین تھا آپ کی سرپرستی میں آیا اور ماشاء اللہ خوب پھلا اور پھولا۔

حل شبہات میں آپ کی تقریر و تحریر سادہ اور عام فہم ہوتی تھی۔ مولوی عبدالمعبود چاٹگامی نے ایک شبہ لکھا کہ شیخ عبدالرحمٰن فتح آبادی اپنی مثنوی گنج راز میں لکھتے ہیں ؎

گر کسے مر پیر خود را باز گوید ایں چراست ۔۔۔ رستگاری گر نماید گرچہ باشد اہل راست

گر بگوید پیر شب را در طالب شک نہ بید ۔۔۔ راست ایں تمثیل از بہر ست ایماں از مرید

یا کند امرے خلاف شرع سر تا پا خطا ۔۔۔ سر بنہ و تسلیم کن آں کار بے چون و چرا

ار چہ باشد در نماز و یا کہ باشد روزہ دار ۔۔۔ چوں بخواند پیر آید در گذارد جملہ کار

حالانکہ حدیث میں ہے لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق اور حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ امر ناجائز شیخ کے فرمانے سے کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔ اور مولانا تھانوی نے تکشف میں لکھا ہے شیخ کو خلاف شرع کام کرتا دیکھے تو مرید اپنے پیر کو نصیحت کرے؟ اس کا جواب آپ نے تحریر فرمایا۔ شیخ عبدالرحمٰن نے جو مثنوی گنج راز میں فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب معلوم ہو جائے کہ پیر کامل و مکمل ہے اور اتباع شریعت میں اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا ہے اس کے بعد اگر اس سے شریعت کے خلاف کوئی امر پایا جائے تو اس پر انکار میں جلدی نہ کرے کہ ضرور در حقیقت کوئی ایسی توجیہ اور عذر ہو گا کہ جس سے وہ فعل خلاف شرع ہی نہ ہو گا۔ اور جو امر کہ قطعاً خلاف شرع ہے اور اس کی کوئی توجیہ و تاویل نہیں ہو سکتی وہ کسی کے لئے جائز نہیں اور نہ کسی کے کہنے سے جائز ہو سکتا ہے۔ فقط

خلیل احمد سہارنپور ۲۷ ربیع الثانی ۴۲ھ

خط مستقیم کے ہمیشہ دو پہلو ہوں گے کہ ذرا اختلاف سے یا داہنا جانب بعید

Marfat.com

ہوتا جائے گا یا بائیں جانب دور پڑتا جائے گا پس رسول کے سوا کسی کا اتباع جائز نہیں یہ اسلام کا زریں اصول ہے جس کو خط مستقیم سمجھو۔ مگر اس پر چلنے کے لئے ضرورت ہے افعال و احوال رسول کے علم کی کہ حضرات صحابہ کو حاصل ہوا تھا مشاہدہ سے اور ہم کو حاصل ہوگا ناقلین اقوال اور متبعین احوال کی روایات اور اعمال سے۔ پس جس منتج رسول کا تدین و تبحر خواص امت محمدیہ کے نورانی قلوب نے تسلیم کر لیا اور رات دن صدہا امور میں اپنی آنکھوں نے بھی دیکھ لیا ان کے متعلق یہ حکم لگانا کہ جو کچھ بھی کہے یا کرے وہ یقیناً حق ہے گویا اس کو معصوم اور رسول کے مساوی سمجھ لینا ہے جو خط مستقیم کا داہنا خط ہے۔ اور کسی امر میں ظاہری مخالفت دیکھ کر فوراً غلطی کا حکم لگا دینا کہ خطا کر گیا گویا اپنے کو معصوم اور رسول کے برابر سمجھ لینا ہے۔ جو کہ خط مستقیم کا بایاں خمیدہ خط ہے۔ لہٰذا فعل رسول کی تحقیق میں خود بھی جد و جہد کرے اور متبعین رسول کو اس کا واسطہ و آلہ کار بھی بنائے کہ یہی نہ بال سے باریک راستہ ہے جس پر چلنے کا مسلمان مامور ہے اور اسی کی صورت مثالیہ پل صراط ہوگی جس پر چلنا دنیا کی اعتدال پر چلنے کا تمثل ہوگا۔ جو شخص یہاں اعتدال پر چلنے کا جس درجہ میں عادی و مشتاق تھا وہ اسی بے تکلفی سے قیامت کے دن اس پر چلے گا۔ پس محبت الٰہی جس کے امتحان کی خاطر شریعت وضع ہوئی ہے نہ تو متبعین شریعت کا ہر امر میں دامن پکڑ لینے سے بے نیاز بناتی ہے کہ اندھوں کے لئے راہبر اور وکلاء عدالت کی طرح قانون کی سمجھنے والی جماعت ہے اور نہ ان پر اتنا اعتماد ہونے دیتی ہے کہ ان کو رسول کا منصب دیکر معصوم سمجھ لیں۔ کہ کوئی بیرسٹر کیسا ہی قابل کیوں نہ ہو ممکن ہے کہ عدالت میں اس کی فہم اور رائے غلط ثابت ہو۔ لیکن اس اعتمال پر اپنے نازک معاملات اس کے حوالے کرنے کو چھوڑا بھی نہیں جاتا۔ جب تک کہ صلحاء امت محمدیہ کے قلوب اس کے راہ پر نہ ہوں۔ پر مجتمع نہ ہو جائیں یہ اجماع امت بمنزلہ رسول کے حکم لگانے اور سند وکالت کے چھین لینے کے قائم مقام ہے۔

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را — بلائے فرقت لیلیٰ و صحبت لیلیٰ

حدیث کے بعد درجہ ہے علم فقہ کا اور اس میں آپ کی مجتہدانہ استعداد اور وسعت نظر تمام ہمعصر علماء میں مسلّم تھی کہ جن مسائل میں علماء کے اختلاف ہوتے وہ محاکمہ کے لئے آپ کے پاس بھیجے جاتے اور جن معرکۃ الآراء مباحث میں قلم اُٹھاتے اہل علم گھبراتے تھے وہ آپ کی خدمت میں لائے جاتے تھے۔ مدرسہ میں چار ضخیم جلدیں موجود ہیں جن میں کئی ہزار فتاویٰ نقل ہیں اور یہ سب وہ ہیں جو خود حضرت کے لکھے ہوئے یا لکھوائے ہوئے ہیں یا دوسروں کے لکھے ہوئے اور آپ کے تصدیق کئے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ عام خطوط میں جو مسائل آپ سے پوچھے جاتے اور خط ہی میں آپ ان کا جواب لکھوا دیا کرتے تھے وہ علیحدہ ہیں کہ ان کو جمع کیا جائے تو ایک بڑی کتاب بن جائے مگر چونکہ یہاں مسائل کا استیعاب منظور نہیں بلکہ نمونہ دکھانا ہے اس لئے چند مسائل نقل کرتا ہوں۔

خلافت کے زمانہ میں ہندو مسلم کے اتحاد کی کوششوں پر ذبیحہ گاؤ کے ترک کرنے کی تحریک ہوئی اور بہتیرے علماء بھی اس خیال پر چلنے لگے مگر آپ نے بلاخوف لومۃ لائم ترک کی حرمت کا فتویٰ دیا جو اخبار وکیل امرتسر ۲۷ اپریل ۱۹۱۱ء میں بھی شائع ہوا۔ اس وقت آپ پر بہتیرا سب و شتم ہوا اور مشہور کیا گیا کہ آپ گورنمنٹی آدمی ہیں اور تنخواہ پاتے ہیں۔ مگر حق آخر حق ہی ہے چند ہی دن بعد مخالفت کرنے والوں کو رجوع کرنا پڑا اور آخر صادق آیا ع ہرچہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از خرابی بسیار — آنچہ عاقل کند ندہ باز آید پشیمانی

وہ فتویٰ بجنسہ درج کرتا ہوں۔

اسلامی شریعت کے قواعد اور اس کے ضروری احکام میں سے یہ ہے کہ ترویج شعار کفر اور اس کی اعانت سخت حرام ہے۔ دیکھو زنار پہننا وغیرہ امور کہ جن میں شعار کفر کی ترویج ہو کفر ہیں یا حرام۔ اسی طرح شعار اسلام کے ترک کی اعانت بھی حرام ہے خصوصاً جن بلاد میں مخالفت کفر کی وجہ سے جو کوئی امر اگرچہ مباح ہی کیوں نہ ہو عرفاً شعار اسلام قرار پا چکا ہو اس کا بالکل ترک کرنا حرام ہوگا۔

Marfat.com

اور اس کے ترک کی اعانت بھی حرام ہو گی۔ مثلاً ہندوستان میں اہل ہنود اپنے لباس میں انگرکھا وہ پہنتے ہیں کہ جس کی داہنی جانب پردہ کھلا ہوتا ہے۔ اور اہل اسلام کے یہاں رفع تشبہ کے لئے یہ امر قرار پایا کہ ایسا انگرکھا پہنیں کہ جس کی بائیں جانب کھلی ہو۔ پس اگر کوئی قوم اس کو ترک کر کے کفار کا طریق اختیار کرے اور اہل اسلام کا طریق چھوڑ دے تو یہ حرام ہوگا اگرچہ فی حد ذاتہ یہ دونوں امر مباح ہیں۔ بنائً علیہ گائے کا ذبح کرنا اور اس کی قربانی گو فی حد ذاتہ مباح ہے لیکن ہندوستان میں یہ امر بحیثیت ایک اسلامی شعار کے اہل اسلام میں مروج ہے اس لئے کہ گائے کا ذبح نہ ہونا ہندوستان میں شعار کفر میں داخل ہو چکا ہے پس ایسی صورت میں اس کا ترک ہونا اسلامی شعار کو یقیناً صدمہ رساں ہے اور شعارِ کفر کی ترویج اور اس کی اعانت ہے لہٰذا ہر مسلمان کو ایسی درخواست پر دستخط کرنا اور انسداد گاؤکشی کے امر میں اعانت کرنا سخت حرام قریب کفر ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس سے نہایت پرہیز کریں اور جن لوگوں نے ناواقفیت سے یا طمع نفسانی سے دستخط کر دیئے ہیں یا اور کسی طرح کی اعانت کی ہے اُن پر واجب ہے کہ وہ توبہ کریں اور اپنے دستخطوں سے ایک اعلان شائع کریں کہ ہم سے خطا ہوئی اور ہم اس میں شریک نہیں۔ فقط

سید شیر محمد صاحب ساکن گھوٹکی نے ایک اہم سوال جس میں علماء سندھ کو بڑا اختلاف تھا محاکمہ کی غرض سے مع تحریراتِ علماء کے حضرت کے پاس بھیجا تو آپ نے اس کو مدلل طریق سے حل فرمایا اور وہ المغتنم فی زکوٰۃ الغنم کے نام سے طبع ہوا۔ اسی طرح ایک مسئلہ مذبوح فوق العقدہ کا آیا جس میں علماء کو بہت اختلاف تھا۔ آپ نے اس کا مدلل و مبسوط جواب لکھا جو فتاوائے مدرسہ میں درج ہے۔ آپ کو جب تک شرح صدر نہ ہو جاتا اپنی جماعت کے بھی کسی مفتی کی رائے کا اتباع نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا تھانوی کی رائے

ع یہ رسالہ ۲/ قیمت پر سید شیر محمد صاحب سے گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ) کے پتہ پر مل سکتا ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

سے آپ نے بارہا اختلاف کیا مگر یہ اختلاف چونکہ عالمانہ رائے کا ہوتا تھا لہٰذا تعلق محبت و عظمت میں کچھ بھی فرق نہ آتا تھا۔ محمد حنیف بنارسی ریلوے ڈاک میں ملازم تھے کہ لکھنؤ میں قیام رہتا مگر ہر تیسرے دن لکھنؤ سے بنارس جانا پڑتا تھا نماز کے متعلق ان کا سوال ہوا کہ قصر کریں یا اتمام؟ تو آپ نے تحریر فرمایا "ریلوے ڈاک کے ملازمین ہمیشہ مسافر ہی رہیں گے محل اقامت پر جاتک پندرہ روز مسلسل کی نیت نہ ہوگی اس وقت تک نماز قصر پڑھیں گے۔

اسی طرح سفر شرعی کی مقدار کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک چھتیس ٣٦ کوس نہیں بلکہ چھتیس میل پر قصر ہو جاتا ہے لوگ چاہتے تھے کہ سب حضرات کی رائے ایک امر پر متفق ہو جائے۔ چنانچہ حاجی وجیہ الدین صاحب میرٹھی نے مختلف فتوے منگا کر حضرت کے پاس اس غرض سے بھیجے کہ حضرت جواب تحریر فرمائیں مگر حضرت نے لکھا کہ مسئلہ سفر کے متعلق روایات میں کوئی اختلاف نہیں صرف راؤں کا اختلاف ہے کہ اقصر ایام کے نصف اقل میں متوسط رفتار والا مسلسل کتنا چل سکتا ہے۔ دوسرے حضرات کے نزدیک ١٢ کوس ہوئے اور میرے نزدیک ١٢ میل چنانچہ مشائخ حنفیہ میں بھی رائے کا اختلاف ہوا (کہ کسی نے ۵ فرسخ یومیہ لیا کسی نے ۴ فرسخ اور کسی نے ۷ فرسخ) اور باہم اتفاق نہ ہو سکا لہٰذا اتفاق رائے کی کوشش کرنا فضول ہے۔ بلکہ اس کو مبتلی بہ کی رائے پر رکھنا چاہیئے کہ جو شخص سفر کرتا ہے اگر وہ اس کو تین منزل سمجھتا ہے تو قصر کرے اور اگر اس کے نزدیک تین منزل نہ ہو تو قصر نہ کرے"۔

اور صاحب رائے نہ ہو تو میرے نزدیک اگر منازل معین ہوں تو ان کا اعتبار کرے ورنہ جس عالم سے عقیدت ہو اس پر عمل کرنا کافی سمجھے کہ بحمداللہ سب فقیہ اور اہل حق ہیں اور ترجیح کے لئے اپنا میلان کافی ہے۔ واللہ اعلم

امداد الفتاوی مع تتمات میں کئی مسئلے حضرت کے محققانہ فیصلے کے مذکور ہیں جن میں چند عنوان خلیل کی توضیح میں صاحب المظاہر سہارنپور شائع کر چکے ہیں۔ فتوے میں"

اعتماد اور شرح صدر کا اہتمام حضرت میں اتنا غالب تھا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے فتوے میں بھی اس کے محتاج ہوتے تھے۔ پھر اگر موافقت و مخالفت دونوں میں شرح صدر نہ ہوا تب تو ادباً فتوےٰ دینے میں حضرت ہی کی موافقت فرماتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا کہ ماموریا لحج کے لئے تمتع جائز نہیں اپنے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوے میں مجھے شرح صدر نہیں ہوا بلکہ میں اذن آمر کے بعد اس کو جائز سمجھتا ہوں۔ مگر حضرت کے خلاف فتوے دینے کی جرأت نہیں ہوتی مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرتؒ کی رائے معلوم ہونے کے بعد اس خیال سے کہ مجھے اپنے شیخ کا اتباع کافی ہے تھانہ بھون میں اس کے جواز کا فتوےٰ دیا مگر جب تصدیق کے لئے سہارنپور حضرت کے پاس آیا تو آپ نے اس کی تردید لکھی اور تحریر فرمایا کہ جواز کے جو دلائل مجیب نے لکھے وہ سب مخدوش ہیں "البتہ اگر خلاف آپ کو روایات فقہیہ سے محقق ہو جاتا تو پھر آپ اس کا اظہار فرماتے" سمجھے اور یہ فرما کر کہ معصوم بجز رسول کے کوئی نہیں اتباع فقہاء کو اتباع شیخ پر ترجیح دیتے تھے چنانچہ مقیم مقتدی کسی مسافر کے پیچھے دوسری رکعت میں شریک ہو تو کس طرح نماز پوری کرے؟ آیا دو رکعت سکوت سے اور ایک رکعت قراءت سے یا تینوں بالقراءت؟ جیسا کہ مقیم امام کے ساتھ چوتھی رکعت میں شریک ہونے والا اپنی تینوں چھوٹی ہوئی رکعات ادا کرتا حضرت کو حکم ثانی محقق ہوا اور آپ نے اس کو بدلائل قلمبند فرما کر بھیجا یا اپنی جماعت کے تمام علماء پہلی رائے پر جمے ہوئے تھے لہذا اختلاف کیا اور یہ بھی لکھا کہ حضرت گنگوہی کی رائے بھی ہماری رائے کے موافق ہے۔ وہ فتوے پھر حضرت کے پاس آیا تو آپ نے دوبارہ مبسوط تحریر لکھی کہ مجھے بھی معلوم ہے ہمارے حضرت کی رائے اس کے خلاف تھی مگر کتب فقہیہ کی روایات جب صاف اور واضح ہیں تو پھر ان کو چھوڑا نہیں جا سکتا اور اس کا سبب یہ ہوا کہ اس مسئلہ کو جس نے دیکھا صلوٰۃ المسافرین میں دیکھا۔ حالانکہ یہ تحقیق مسبوق و لاحق کی بحث میں ہے جس پر مفتی کی نظر نہیں گئی۔ چنانچہ آپ اپنی رائے سے نہ ہٹے۔ ہاں حضرت مولانا رائے پوری نے ساری تحریر دیکھ کر حضرت سے موافقت فرمائی اور تحقیق حق سے نہایت

مسرور ہوئے جھینگا مچھلی کے متعلق بھی آپ کی رائے تھی کہ مچھلی نام پڑ گیا حقیقت میں وہ مچھلی نہیں کہ اس کے گلپھڑے نہیں ہوتے۔ لہذا آپ اس کو دریائی جانور سمجھتے اور حلت کا فتوےٰ نہ دیتے۔ مولانا حکیم مصطفےٰ صاحب بجنوری نے کہ علم الابدان و علم الادیان کے جامع ہیں ادویات کی حلت و حرمت کے حکم میں ایک رسالہ تالیف فرمایا۔ ستائیس سوال اس میں ایسے رہ گئے جن کو مولانا حل نہ کر سکے اور تھانہ بھون بھیجنے کی ضرورت ہوئی چند مسائل کا جواب حضرت مولانا نے دیا اور باقی کے متعلق فرما دیا کہ مولانا انور شاہ صاحب یا حضرت مولانا سہارنپوری سے حل کر دو۔ حکیم صاحب دیوبند آئے اور شاہ صاحب کے سامنے سوالات پیش کئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا ایک مہینے سے کم میں جواب نہیں لکھ سکتا کہ بہت کتابوں کی طرف مراجعت کرنے کی ضرورت ہے حکیم صاحب کا رسالہ زیر طبع تھا عرض کیا کہ بہت حرج ہوگا۔ فرمایا پھر میں کیا کروں کہ اس سے کم میں جواب دینا مجھ سے ناممکن ہے۔ حکیم صاحب نے وہ سوالات حضرتؒ کی خدمت میں بھیجے اور عجلت کی درخواست بھی لکھ دی تاہم حضرت کا ضعف بصر اور اشتغالِ کثیرہ کو دیکھتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ زیادہ حرج اوقات نہ فرمائیں تھوڑا تھوڑا کر کے کسی سے لکھوا دیں۔ مگر حضرت نے ان کو دیکھا تو ایک ہی مجلس میں سب کے جوابات لکھوا کر حکیم صاحب کے پاس بھیج دیئے۔ حکیم صاحب حیران ہو گئے اور اب تک فرمایا کرتے ہیں کہ ایسا متبحر فقیہ میری نظر سے نہیں گذرا۔

اس کے بعد پانچ اہم مسائل اور لکھے کہ ان جواب بھی مرحمت فرمائیں تو اسی بے تکلفی و آسانی سے اُن کا جواب بھی لکھوا دیا کہ گویا پہلے سے مستحضر تھے۔ یہ جوابات مع دیگر فتاوےٰ کے انشاء اللہ مستقل رسالہ میں طبع کئے جائیں گے۔

مدینہ منورہ میں آپ کے مخالفین نے جب شورش برپا کی تو وہاں سے ۲۷ سوالات عربی میں آئے اور جن مسائل میں علماء دیوبند کو متہم کیا جاتا ہے سب کی تحقیق و تفصیل دریافت کی تو آپ نے عربی میں مدلل جوابات لکھکر بھیجے جو المہند کے نام سے طبع ہو کر مصر و شام و فلسطین بھی گئے اور بلاد اسلامیہ کے علماء کی اس پر تصدیقیں ہوئیں۔

جمعہ کی اذان خارج مسجد ہونے کا مسئلہ بریلی سے چلا تو آپ نے اس کا نہایت محققانہ جواب لکھا جو تنشیط الآذان کے نام سے طبع ہوا ۔ کوئی اس کا جواب نہ دے سکا ۔

فتوے لکھنے میں حضرت اکثر شامی ملاحظہ فرمایا کرتے مگر جس قول کے وہ ناقل ہوتے اس کو تو حضرت حجت سمجھتے اور جو صاحب شامی کی ذاتی رائے ہوتی اس کو حجت قرار نہ دیتے بلکہ تنقید و تحقیق کرتے اور فرمایا کرتے کہ یہ معاصر ہیں ھم رجال و نحن رجال ان کی رائے ہم پر حجت نہیں جب تک کہ اسلاف کے قول سے مؤید نہ ہو

اوقات فراغ میں حضرت بدائع کو اکثر دیکھا کرتے ۔ بارہا سنا ہے کہ حضرت اس کے مصنف کو بہت دعائیں دیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ واقعی یہ شخص فقیہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو فقہ ہی کے واسطے پیدا فرمایا تھا ۔ مولوی ظفر احمد صاحب نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت فقہ سے مناسبت پیدا ہونے کی کوئی صورت ارشاد فرمائیں ۔ فرمایا مفتیوں کی عادت یہ ہے کہ صرف استفتا آنے کے وقت کتابیں دیکھتے ہیں ۔ اس سے کام نہیں چلتا اور جواب میں بہت غلطی ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ اس وقت جلدی میں ایک جگہ کو دیکھ کر جواب لکھ دیتے ہیں حالانکہ دوسرے مقام میں اس مسئلہ کے اندر تفصیل معلوم ہوتی ہے جس سے اس واقعہ مسئولہ کا حکم بدل جاتا ہے ۔ پس فقہ سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے شامی اور بدائع کو بالاستیعاب دیکھنا چاہیے ۔ ہمارے حضرت گنگوہی نے شامی کو کئی بار بالاستیعاب ملاحظہ فرمایا ہے اس وقت تک بدائع مطبوع نہیں ہوتی تھی اب میں شامی کے ساتھ اس کے مطالعہ کو بھی ضروری سمجھتا ہوں ۔ حقیقت میں بدائع عجیب کتاب ہے ۔ ایک بار فرمایا کہ جزئیات تو زیادہ شامی میں ہیں مگر اصول اور فقہ کی لم زیادہ بدائع میں ہے کہ اس سے مناسبت ہو جائے تو فقہ میں طبیعت چلنے لگے

ایک بار آپ فتاوی مہدویہ مصریہ ملاحظہ فرما رہے تھے اس میں اتفاقاً یہ مسئلہ نظر سے گزرا کہ " دو ذمی مدعی و مدعا علیہ نے قاضی اہل الذمہ کی عدالت میں مرافعہ کیا اور اس نے فیصلہ دیا جو ایک فریق کو ناپسند ہوا ۔ اس نے قاضی مسلم کی عدالت میں مرافعہ کیا

اور قاضی مسلم نے قاضی اہل الذمہ کے فیصلہ کو توڑ کر شریعت کے موافق فیصلہ کیا۔ اس کے متعلق علماء مصر سے استفتا کیا گیا کہ قاضی مسلم کا یہ فعل یعنی حکم سابق کا توڑنا صحیح تھا یا نہیں؟ ایک عالم نے جواب دیا کہ صحیح نہ تھا کیونکہ قاضی اہل الذمہ بھی سلطان کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے لہذا اس کا فیصلہ اگر اہل الذمہ کے مذہب کے موافق صحیح تھا تو اس کا توڑنا اس کو جائز نہ تھا۔ دوسرے عالم نے جواب دیا کہ توڑنا صحیح تھا کیونکہ قاضی مسلم کے پاس جب مقدمہ آئے گا تو وہ شریعت اسلام کے موافق فیصلہ کرے گا اس کا محاکمہ علامہ مہدی مفتی مصر کے پاس بھیجا گیا کہ ان دونوں فتووں میں کونسا صحیح ہے؟ علامہ نے پہلے جواب کو رد کیا اور دوسرے کی تصویب کی! حضرت نے سارا قصہ سنا کر مولوی ظفر احمد سے فرمایا بتلاؤ ان میں کونسا جواب صحیح ہے؟ عرض کیا حضرت بظاہر وہی صحیح ہے جس کی علامہ مہدی نے تائید کی ہے۔ فرمایا نہیں علامہ نے محاکمہ صحیح نہیں کیا کیونکہ قاضی مسلم اہل ذمہ کے بارہ میں شریعت کے موافق فیصلہ اس وقت کر سکتا ہے جبکہ فریقین نے اس کی طرف مرافعہ کیا ہو۔ اور صورت مسئولہ میں فریقین نے مرافعہ نہیں کیا بلکہ صرف ایک فریق نے مقدمہ قاضی مسلم کے یہاں دائر کیا ہے جس کے خلاف قاضی ذمی نے فیصلہ کیا تھا۔ دوسرے فریق نے فیصلہ سابق سے ناگواری ظاہر نہیں کی بلکہ وہ اسی پر راضی ہے اور وہ قاضی مسلم کے پاس مقدمہ نہیں لایا۔ پس مرافعہ نہیں پایا گیا اس لئے قاضی ذمی کا فیصلہ منقوض نہیں ہو سکتا۔ لہذا جواب مجیب اول کا صحیح ہے مگر اس نے دلیل بیان کرنے میں غلطی کی۔ عدم جواز نقض کی یہ وجہ نہیں کہ قاضی ذمی مقرر کردہ منجانب سلطان ہے۔ بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ مرافعہ کا تحقق نہیں ہوا اور جواب ثانی غلط ہے البتہ مجیب ثانی کا یہ قول صحیح ہے کہ جب قاضی مسلم کی طرف اہل ذمہ مرافعہ کریں تو اس کو شریعت اسلامیہ کے موافق فیصلہ کرنا چاہئے۔ مگر اس نے مرافعہ کی حقیقت میں غور نہیں کیا۔ مرافعہ کے یہ معنی نہیں کہ ایک فریق مقدمہ لے آئے بلکہ مدعی و مدعا علیہ دونوں کا اسلامی فیصلہ پر راضی ہو کر مقدمہ لانا شرط ہے بدون اس کے مرافعہ و ترافع کا تحقق نہ ہو گا۔ اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے مسائل کا

Marfat.com

جس میں علماء مصر کا باہم اختلاف ہو اور مفتی اعظم کے پاس محاکمہ کے لئے بھیجا گیا ہو ایک سرسری نظر میں اس طرح مدلل و مستحکم اور ایسی جلدی فیصلہ کر دینا کس شان تفقہ کو ظاہر کر رہا ہے۔

عمل کے لئے اختلافی روایات میں ہمیشہ آپ احوط صورت کو ترجیح دیتے تھے چنانچہ جب میرے بھتیجے نے قرآن مجید ختم کیا تو عمر چودہ سال کی تھی میں نے چاہا کہ رواج کے موافق فقہاء مجوزین کی روایت پر اس کا قرآن مجید تراویح میں سنوں مگر حضرت نے تحریر فرمایا "عالمگیریہ میں ہے۔ وامامة الصبی العاقل فی التراویح والنوافل المطلقة یجوز عند بعضهم ولا یجوز عند عامتهم کذا فی محیط السرخسی جبکہ اکثر مشائخ عدم جواز امامت کا حکم فرما رہے ہیں تو مناسب نہیں ہے کہ ایسی عبادت کے اندر جو سال بھر میں ایک ہی دفعہ آتی ہے قول ضعیف پر عمل کرکے راجح قول کے موجب ضائع کیا جائے۔ لہٰذا اس سال بچے کا قرآن نوافل میں سن لیجئے سال آئندہ میں اللہ خیر رکھے تراویح میں سن لیجئے گا۔ فقط والسلام حاجی شیخ رشید احمد صاحب کے بچوں کے ختم قرآن پر آپ تشریف لائے تو اپنی تراویح علیحدہ پڑھیں ان کا اقتدا نہیں کیا۔

بے سند اور بے دلیل بات آپ کو بہت گراں گذرتی تھی چنانچہ وہ اشتہار جو فرمان مصطفوی کے نام سے بار بار جگہ جگہ شائع ہوتا ہے کہ خادم روضہ شیخ احمد کو بشارت ہوئی کہ اتنے لاکھ میری امت میں مرے مگر بجز چند نفر کے سب کافر مرے میری وصیت ہے کہ اعمال درست کریں کہ توبہ کا دروازہ بند ہونے والا ہے اور مسکینوں کو چاول شکر کھلائیں اور یوں کریں یوں کریں۔ ہمیشہ آپ کو گراں گذرا کہ توبہ اور اصلاح اعمال بیشک ضروری اور مسلمانوں کی حالتوں میں کمزوری بھی مسلم مگر حضرت روحی فداہ کی طرف بے دلیل انتساب کرنے پر سخت وعید آئی ہے اور شیخ احمد کا پتہ نہیں کوئی شخص ہے بھی یا نہیں مسلمانوں کو کیا ہو گیا کہ بغیر تحقیق اس کو فرمان مصطفوی سمجھ کر لگے اشاعت کرنے اور کار ثواب سمجھنے یہ

Marfat.com

تو کسی یہودی یا غیر مسلم کی کارروائی ہے کہ غیر مسلموں کو اسلام لانے سے روک کے
کہ نئے بنائے جدی مسلمان جب اتنے کافر مرے تو غیر مسلم کس توقع پر اسلام قبول
کرے۔ اور مسلمانوں کو دہشت دلاتا ہے کہ جب اسلام سے کوئی نفع ہی نہیں دنیا کا
مزہ اور تنعم کیوں چھوڑا۔ یہ بات اگر صحیح بھی ہو مگر حضرت کی طرف سے منسوب ہونا
اس کا صحیح نہ ہو تو اس کو حضرتؒ کی طرف منسوب کرنا حرام ہے اور ثواب سمجھکر شائع
کرنا تو بڑی ہی جرأت کی بات ہے۔ اخیر زمانہ میں جب آپ مدینہ منورہ میں مقیم تھے
تو حافظ فخر الدین صاحب نے ایک اشتہار آپ کے پاس بھیجکر استفسار کیا کہ اس
خواب کی کیا اصل ہے۔ تو آپ نے جواب لکھا کہ یہاں روضۂ اقدس کا خادم اس
نام کا کوئی بھی نہیں اور تحقیق کر لیا کہ یہاں کسی شخص نے بھی ایسا خواب نہیں دیکھا
اور نہ مدینہ منورہ کا کوئی شخص اس خواب یا قصہ سے واقف۔ یہ اشتہار قطعی
بے بنیاد ہے اور اس کی بعض باتیں تو بالکل قابل اعتقاد نہیں۔ اس تحریر پر آپ
نے علماء مدینہ کے دستخط بھی کرا دیئے اور حافظ صاحب کے پاس بھیجدیا کہ کوئی مانے
یا نہ مانے مگر تبلیغ کا فرض ادا ہو جائے۔

اپنے کسی ذی علم خادم کو اگر حضرتؒ کی رائے سے خلاف ہوتا تو حضرت اس
پر گرانی نہ لاتے اور عامیانہ تقلید میں اپنی موافقت پسند نہ فرماتے تھے بلکہ ان کو
بلا کر گفتگو فرماتے۔ ایک بار کسی استفتا کا جواب حضرت نے لکھوا کر دستخطوں کے
لیئے مدرسین کے پاس بھیجدیا۔ مولوی ظفر احمد صاحب کو شرح صدر نہ ہوا اور
دستخط نہ کیئے حضرت نے ان کو بلوایا اور فرمایا اپنا شبہ ظاہر کرو ممکن ہے ہم ہی غلطی
پر ہوں۔ ایسا ہوا تو ہم رجوع کریں گے ورنہ تم موافق ہو جاؤ گے عرض کیا کہ حضرت
کے سامنے ہم جاہلوں کی ہستی کیا اگر دستخط نہ مفہوم ہو نکہ اظہار اطمینان ہے اور وہ حاصل
نہ ہوا اس لئے میں نے عذر کر دیا تھا۔ فرمایا یہ تو عین مقصود ہے مگر میں نہیں چاہتا
کہ کوئی فتوے یہاں سے ایسا جائے جس پر اپنوں ہی میں سے کسی کو اطمینان نہ ہو۔
چنانچہ انہوں نے شبہ عرض کیا اور حضرت نے اس کا جواب دیا۔ دو تین بار پھر اشکال

Marfat.com

کئے اور حضرت جواب دیتے رہے حتیٰ کہ ان کو اطمینان ہو گیا اور جب دستخط کر دیئے تب حضرت نے فتوے روانہ کیا۔ مولوی ظفر نے عرض کیا کہ حضرت اس وقت تو تفقہ حضرت والا پر ختم ہے کہ حق تعالیٰ نے اسی کے لئے حضرت کو پیدا فرمایا ہے بیساختہ فرمایا میاں ظفر یہ سب گنگوہ کی حاضری کی برکت اور اپنے حضرت کی جوتیوں کا صدقہ ہے اگر یہاں گنگوہ حاضر نہ ہوتا تو نہ معلوم کس کیفیت کا بقوا ہوتا۔ اس کلمہ کا جو اثر مجھ پر ہوا بس میرا دل ہی جانتا ہے

باایں تفقہ آپ کو اپنے کسی کمال پر ناز نہ تھا اور نہ ضد تھی۔ ایک بار آپ تھانہ بھون گئے اور فساد صلوٰۃ محاذات النساء کے مسئلہ میں مولوی احمد حسن سنبھلی کا حضرت سے مکالمہ ہوا۔ حضرتؒ تو حنفیہ کے قول کو توی فرما رہے تھے اور مولوی احمد حسن ضعیف حضرت نے فرمایا تم پہلے میری تقریر سن لو پھر جو کہنا ہے وہ کہنا مگر مولوی صاحب نے درمیان میں آپ کا کلام قطع کرنا شروع کر دیا حضرت کو تکدر ہوا اور لہجہ میں تیزی آگئی مولوی احمد حسن بھی تیزی پر آ گئے۔ تب آپ نے تحمل کیا اور خاموش ہو گئے۔ جب آپ ریل پر آنے لگے تو آپ نے خود ابتدا بالسلام کی اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا کر فرمایا اگر مجھ سے گستاخی آپ کی شان میں ہو گئی ہو تو معاف فرما دینا۔ ان بندۂ خدا نے اس پر بھی کوئی معذرت نہیں کی۔

ایک بار آپ ٹونک تشریف لے گئے اور بندہ ہمراہ تھا چند اہل حدیث ملنے آئے اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا۔ حضرت نے مصافحہ میں حسب عادت دونوں ہاتھ بڑھائے اور مسکرا کر فرمایا کہ مصافحہ اس طرح ہونا چاہیئے وہ بولے حدیث میں ہے صحابی کہتے ہیں وکان یدی فی یدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ حضرت کے دونوں ہاتھوں میں تھا آپ نے بیساختہ فرمایا پھر متبع ہم ہوئے یا تم؟ آنحضرت کے ہوتے ہوئے صحابی کے اتباع کی ضرورت؟

ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت آنکھ بند کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن بغیر آنکھ بند کئے یکسوئی نہیں ہوتی۔ فرمایا شروع سے آخیر تک تمام نماز میں آنکھ بند رکھنا مکروہ ہے اور کبھی آنکھ بند کر لینا کبھی کھول لینا مکروہ نہیں آپ روضۂ مسجد نبوی میں

Marfat.com

حجاز کے قاضی القضاۃ ابن بلیہد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور سلطان عبدالعزیز ان کے برابر۔ اس زمانہ میں جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ لفظ سیدنا استعمال کرتا۔ نجدی لوگ اس کو مشرک کہتے اور چار طرف حرم نبوی میں یہی صدا کان میں پڑتی تھی۔ حضرت نے موقع غنیمت پاکر قاضی صاحب سے سوال فرمایا کہ آپ لفظ سیدنا کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ قاضی صاحب نے تھوڑی دیر سکوت کیا اور پھر فرمایا کہ حدیث میں کہیں نہیں آیا۔ حضرت نے جواباً فرمایا کہ ہاں حدیث میں آیا ہے۔ قاضی صاحب نے ہمہ تن گوش ہو کر حیرت کے ساتھ پوچھا کہاں آیا ہے آپ نے فرمایا انا سید ولد آدم ولا فخر۔ قاضی صاحب نے کہا ہاں اس طرح تو آیا مگر نام مبارک کے ساتھ کہیں نہیں آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ جو تعالیٰ لگاتے ہیں کہیں قرآن شریف میں آیا ہے؟ قاضی صاحب نے کہا نہیں قرآن شریف میں کہیں نہیں آیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کون کہا کرتا ہے کہ ہمارے نام کے ساتھ تعظیمی الفاظ استعمال کرو۔ ایک جگہ حدیث میں آگیا کافی ہے۔ سلطان اس مکالمہ کو بغور سن رہے تھے۔ اب انہوں نے قاضی صاحب سے سوال کیا کہ کہیں اس لفظ کی ممانعت آئی ہے؟ قاضی صاحب نے جواب دیا ممانعت نہیں آئی سلطان نے فرمایا کہ ایک جگہ آگیا اور ممانعت کہیں آئی نہیں تو اس پر تشدد کیوں کیا جاتا ہے؟ حضرت کی قاضی صاحب اور سلطان سے یہ پہلی ملاقات تھی جس میں حضرت نے اپنا حق ادا کیا۔ اگلے دن نجدیوں میں حضرت کی گفتگو کا شور برپا رہا اور پھر مشرک کی صدا کبھی کان میں نہ آئی۔ سلطان عموماً عصر کی نماز میں شریک ہوتے اور اسی جگہ بیٹھا کرتے جو حضرت کا شروع سے بیٹھنے کا مقام تھا۔ اس قصہ کے بعد قاضی ابن بلیہد کے دل میں حضرت کے تبحر و تقویٰ کا ایک خاص احترام پیدا ہو گیا کہ اکثر مسائل میں حضرت سے مراجعت کرتے اور اپنے اساتذہ کے مثل حضرت کا ادب فرماتے تھے۔ کبھی حضرت کے مکان پر بھی تشریف لاتے اور دیر تک علمی مکالمہ ہوتا تھا۔

سلطان کی تشریف آوری سے قبل ایک قصہ یہ پیش آچکا تھا کہ شافعی امام نے

Marfat.com

صبح کی نماز میں سجدۂ تلاوت پڑھکر رکوع کر دیا کہ یہ بھی قائم مقام سجدہ کے ہے سلام پھیرنے کے بعد حضرت نے امام صاحب سے فرمایا کہ یہ سجدہ ہم حنفیوں کے یہاں واجب ہے اور رکوع سے جبتک کہ اس کو سجدہ کے قائم مقام بنانے کی نیت نہ کرے ادا نہیں ہوتا اور بہتیروں کو معلوم بھی نہیں کہ یہاں سجدہ کرنا ہے اور یہ آیت سجدہ ہے لہذا احناف کے مذہب کی رعایت آپ پر واجب ہے امام نے روکھا جواب دے دیا کہ ہم پر کسی کے مذہب کی رعایت واجب نہیں ہم اپنے مذہب کے موافق عمل کریں گے حضرت نے فرمایا ایسا ہے تو آپ کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی اور حضرت نے اعلان فرما دیا کہ جس شخص نے رکوع میں سجدہ کی نیت نہ کی ہو وہ اپنی نماز دوبارہ پڑھے چنانچہ بہتیروں نے نمازیں لوٹائیں اس کے بعد حضرت نے مدرسہ میں اپنی علیحدہ جماعت کا اہتمام کر لیا۔ حکومت کو اس کی خبر ہوئی تو امام سے باز پرس کی اور سوء ادب پر زجر کیا اور یہ الفاظ کہے کہ حضرت کے مقابلہ میں تمہارے علم کی حقیقت ہی کیا ہے اس کے بعد تمام ائمہ کے نام حکم جاری ہوا کہ جملہ مذاہب کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھائیں اور حضرت سے معذرت کی اور اطمینان دلایا کہ آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ پھر حرم شریف میں جانے لگے،

خود سلطان کے دل پر بھی حضرت کے تقدس کا اثر پڑ چکا تھا۔ ایک بار سلطان نے فرمایا حضرت کبھی مکان پر تشریف نہیں لاتے؟ فرمایا میری عمر اتنی مسافت پیدل قطع کرنے کی متحمل نہیں ہوتی۔ سلطان نے فرمایا جب حضرت ارشاد فرمائیں موٹر حاضر ہو جایا کرے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ پیدل چلنے سے بھی زیادہ مشکل ہے کہ سوال کروں اور موٹر کے انتظار میں بیٹھا رہوں۔ تاہم ایک مرتبہ سلطان نے حضرت کو مدعو کیا اور حضرت تشریف لے گئے۔ سلطان سے فرمایا کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے سلطان ہمہ تن گوش ہو گئے کہ فرمائیے۔ فرمایا میری سمجھ میں نہیں آیا کہ چنگی کے محصول کا جواز آپ کے ہاں کس دلیل سے ہے کہ شریعت تو تمام مکوس کو ظلم بتاتی ہے۔

Marfat.com

سلطان نے سکوت کیا اور پھر جواب دیا کہ حضرت بواز کسی طرح نہیں مگر مصارف سلطنت آخر کس طرح نکلیں اور حجاز میں تو آمدنی کا کوئی ذریعہ ہی نہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا بس میرا مطلب حل ہو گیا اب ملکی معاملات سے مجھے بحث نہیں نہ میں ان کے سمجھنے کا اہل ہوں۔

حضرت کو امرا اور حکام سے ملاقات میں طبعاً وحشت ہوتی تھی۔ لیکن اگر ملنا ہوا تو نہ حضرت کبھی مرعوب ہوئے نہ لچکے نہ امر بالمعروف سے چوکے اور نہ دینی نفع اٹھائے بغیر رہے۔ آپ چاہتے تو بھوپال بہاولپور اور حیدر آباد سے وظائف کا تقرر کچھ بھی دشوار نہ تھا۔ خطاب یا عہدہ کا وسوسہ تو کیا ہوتا بڑوں کی کسی ملاقات سے آپ نے دنیا کا قلیل فائدہ اٹھانا بھی کبھی گوارا نہیں کیا۔ ایسی ملاقات میں آپ کا مطمح نظر ہمیشہ دینی پہلو رہا خواہ مدرسہ کی اعانت یا مصرف اسلام و مسلمین کا دفع۔ یا شرعی غلطی کی اصلاح اور مردہ سنت کا احیا جس کے لئے حضرت کی طبیعت صرف موقع کی منتظر اور ہر وقت چشم براہ رہتی تھی۔ ایک مرتبہ قاضی ابن بلیہد آپ کو ہاتھ پکڑ کر اپنی قیامگاہ پر لے گئے مختلف باتیں ہوتی رہیں جب انبساط تام ہو گیا تو حضرت نے فرمایا قاضی صاحب مسجد مبارک میں جمعہ کی پہلی اذان کے بعد متصل ہی دوسری اذان خطبہ کی شروع ہو کر خطبہ شروع ہو جاتا ہے۔ جمعہ کی سنتیں پڑھنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ مالکی اور حنبلی حضرات ان سنتوں کو ضروری نہیں سمجھتے مگر ہم احناف کے نزدیک تو مؤکدہ ہیں۔ قاضی صاحب نے یہ سنکر حضرت سے پوچھا کہ کس قدر فصل کافی ہے؟ حضرت نے فرمایا دس منٹ قاضی صاحب نے نائب الحرم کو جو وہاں اتفاق سے موجود تھے حکم دیا کہ پہلی اور دوسری اذان میں دس منٹ کا فصل کیا جائے۔ اتفاق سے اگلے ہی روز جمعہ تھا اور نائب الحرم اس حکم کو باقاعدہ جاری نہ کر سکے مگر جب پہلی اذان ہو چکی تو خطیب کو منبر پر جانے سے ذرا ٹھہرائے رکھا اور حضرت کو دیکھتے رہے جب حضرت نے چار سنتیں حسب عادت پورے اطمینان سے ادا کر لیں تب خطیب کو خطبہ کے لئے روانہ کیا اور دوسرے جمعہ سے باقاعدہ اس حکم کا اجراء ہو گیا کہ سنتیں پڑھنے والے بڑے سکون سے

قبل الخطبہ سنتیں پڑھنے لگے۔

ایسی جلوت اور اُمراء کی ملاقات پر ہزار خلوت و گوشہ نشینی قربان کہ ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ مگر اللہ کی شان کہ اس کی مخلوق میں ایسے بھی سطحی نظر والے تعداد میں زیادہ ہیں جو ہنر کو عیب بتاتے ہیں حالانکہ آپ ٹکوں کی خاطر اگر اسے تو کیا ملتے آپ کی دقیق نظر نے تو مخصصین کے ہدایا اور تحائف میں پس و پیش کا فلسفہ قائم رکھا اور ذرا شبہ ہوا تو رد فرما دیا۔ یہ آخری زمانہ اور مدینہ منورہ کا قیام کہ ہند سے جانے والے مخلصین نذر پیش کرتے مگر آپ اکثر انکار فرما دیتے اور کہا کرتے تھے کہ میں کوئی ایسا ہدیہ قبول نہیں کرتا جس سے اہل مدینہ کے نقصان یا حق تلفی کا اندیشہ ہو۔ لہذا کوئی کچھ نذر کرتا تو فرماتے مجھے ضرورت نہیں کہ بحمد اللہ کوئی حاجت بند نہیں اس پر بھی اس کا اصرار ہوتا تو آپ اپنے دل کو ٹٹولا کرتے تھے کہ جو رقم آپ کو ہدیہ میں دی جا رہی ہے اگر میں نہ لوں تو اہل مدینہ کو دی جائے گی یا واپس جائے گی۔ بر صورت اول آپ اس کو اہل مدینہ کا حق سمجھ کر بالعذر روک لیتے تھے کہ اہل مدینہ کی نقصان رسانی جیران رسول کو ایذا پہنچانے کے حکم میں ہے۔ ہاں جس رقم میں اطمینان ہوتا کہ اہل مدینہ کو جو دینا تھا وہ دے چکے اور اب میں نے نہ لیا تو دلشکنی کے ساتھ گھر واپس لے جائیں گے تو اس کو قبول فرما لیا کرتے تھے۔ اللہ رے نظر باوجود خود مدنی بن جانے کے ہمسایگان محبوب کی اتنی رعایت۔ ؎

کشتند از برائے دلے بارہا　　　خوردند از برائے گلے خارہا

مدینہ منورہ میں شویل نامی ایک مصری عالم مالکی المذہب بیس گنی تنخواہ پر دکین قاضی تھے جو زائرین کو بہت تنگ کرتے تھے کہ جہاں کسی نے دوسری جماعت کی چھوٹ اس کو حوالات بھجوا دیا۔ ایک مرتبہ قاضی القضاۃ کے مکان پر حضرت نے ان سے فرمایا کہ جماعت ثانیہ کو ہم بھی مکروہ کہتے اور سمجھتے ہیں مگر جب شوافع کے یہاں اس کا جواز ہے تو اس قدر سختی مناسب نہیں کہ آخر صاحب مذہب ہیں یہ تو نہ لیا۔ مدینہ منورہ ہی میں ایک قاضی حاجی مقیم تھے جن کا ارادہ دوسرا حج کرنے کے لیے وطن جانے کا

بھا، شامی شافعی المذہب تھے اور حضرت کے ساتھ ان کو محبت ہو گئی تھی کہ اکثر حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دن عصر کی نماز سے فراغت کے بعد حضرتؒ حرم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ شویل صاحب نے اس شامی حاجی کو کشاں کشاں لاکر حضرتؒ کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا کہ اس نے دوسرا اسلام امام سے پہلے پھیر دیا جب اس کو منع کیا تو اس نے کہا میں نے تو حضرت کو ایسا کرتے دیکھا ہے کیا آپ ایسا کرتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں کر سکتے ہیں۔ شامی غریب کا تو پیچھا چھوٹ گیا۔ شویل نے کہا کہ نماز کا امام حنبلی تھا اور حنابلہ کے یہاں دوسرا اسلام بھی واجب ہے حضرتؒ نے فرمایا کہ حنفی ہو یا شافعی ہم نے امام کا اقتداء کیا ہے نہ کہ تقلید۔ اس کے بعد حضرتؒ نے پوچھا اور تمہارے مذہب میں کیا ہے؟ کہا ہمارے مذہب میں تو ایک ہی قول ہے کہ امام سے پہلے اگر دوسرا اسلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہو گئی دوسرا قول ہی نہیں حضرتؒ نے فرمایا اصول کے بالکل خلاف ہے میں دوسرے علماء سے استفسار کروں گا۔ کہا جس سے چاہے پوچھ لیجئے یہ ایک ہی قول ہے حضرتؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور مولانا الفا ہاشم عالم مالکی کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے طلبہ میں بیٹھ گئے مولانا اپنی مسند سے کھڑے ہو گئے اور حضرتؒ کو اس پر بٹھانا چاہا۔ حضرتؒ نے فرمایا میں سائل ہو کر آیا ہوں اور سائل کے بیٹھنے کی جگہ یہی ہے۔ مولانا بھی مسند چھوڑ کر برابر آ بیٹھے حضرتؒ نے مسئلہ پوچھا کہ اس بارے میں آپ کے مذہب میں کیا حکم ہے جواب دیا کہ نماز تو فاسد نہیں ہوئی البتہ اساءت ہوئی کہ ایسا کرنا نہ چاہئے تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا مجھے کتاب میں دکھا دو۔ وہاں کتاب موجود نہ تھی ایک طالب علم کو حکم دیا کہ گھر سے فلاں کتاب لے آؤ۔ اس کے بعد خود ہی مکان پر گئے اور کتاب لے کر تشریف لائے اور مسئلہ نکال کر حضرتؒ کے پیش کیا حضرتؒ کتاب لے کر اٹھے کہ مولانا شیخ عمری تشریف لے آئے حضرتؒ نے ان سے بھی یہ مسئلہ دریافت فرمایا اور انہوں نے بھی مولانا الفا ہاشم کے مثل جواب دیا حضرتؒ کتاب سید ت

؎ تذکرۃ الرشید جلد اول ص۱۷۹ میں یہ مسئلہ غلط لکھا گیا صحیح یہ ہے کہ جو یہاں مذکور ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی عاشق الٰہی۔

Marfat.com

مکان تشریف لے آئے اور اپنے دار التصنیف میں رونق افروز ہوئے کہ ذرا دیر
بعد مولوی شویل ایک رسالہ لئے ہوئے آئے۔ حضرتؒ کو اطلاع کی گئی اور حضرت نے
ان کو وہیں بلا لیا حضرت نے کتاب کھول کر وہ مسئلہ دکھایا اور دونوں علماء کا قول
نقل فرمایا۔ مولوی شویل غیظ میں بھر گئے اور غصہ میں سُرخ ہو کر کہا واللہ[عہ] عمری
اجہل من بغلی اور اپنا رسالہ لے کر وہاں سے چل دیئے۔ دو تین روز گذر
گئے اور اس کے بعد مولوی شویل حضرت کے پاس آکر بیٹھے تو حضرت نے
نہایت نرمی سے فرمایا ایک مسئلہ دریافت طلب ہے ایک شخص نے
قسم کھائی واللہ فلان اجہل من بغلی وہ بعد الحلف حانث ہوا اور کفارہ
واجب ہوا یا نہیں؟ مولوی شویل اپنا مقولہ بھول گئے ہوں گے کہ بیساختہ بولے
ہاں حضرت وہ تو حانث ہو گیا۔ اتنا کہتے ہی ان کو اپنا مقولہ یاد آیا اور سمجھے کہ
اپنی زبان سے اپنے اوپر حجت قائم ہو گئی تو لگے تاویلات کرنے اور غضبناک
ہو کر جہالت پر اتر آئے۔ حضرتؒ نے تحمل فرمایا اور خاموش ہو کر سب کچھ سنتا
اور اس کے بعد وہاں سے اٹھ کر رفقاء سے کہا کہ اب روضہ شریفہ میں جھگڑا
ہونے لگا اس لئے آئندہ محراب سلیمانی میں نماز پڑھا کریں گے۔ چنانچہ مغرب
کی نماز محراب سلیمانی میں پڑھی۔ عشاء کے وقت انجینی صاحب مدیر حرم جو مولوی
شویل کے محکمہ کے تھے حضرت کے پاس آئے اور کہا کہ حضرتؒ کو کس نے ایذا دی
جو روضہ میں نماز پڑھنا ترک فرمایا اگر مجھے معلوم ہو جاتا تو میں اس کا خصم بنتا۔ حضرت
نے فرمایا مجھے کسی نے ایذا نہیں دی۔ روضہ میں زائرین کا اژدحام ہونے لگا اور
میں زحمت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ۔ ۔ ۔ اس لیے یہاں نماز پڑھنے لگا۔ غرض آپ
نے فتنہ کو دبا دیا مگر خدائی شان کہ مولوی شویل اپنے عہدہ سے معزول ہوئے
اور نہم گئی پر تنزل ہو کر مدرس حرم بنا دیئے گئے۔

عہ بخدا عمری میرے تجربہ سے بھی زیادہ جاہل ہے ۱۱ مولانا شیخ عمری مالکی نے کہ حرم نبوی کے
مدرس تھے تبرکاً حضرتؒ سے ابوداؤد شروع کی اور بقیہ اوائل سنا کر اجازت لی۔

یہ چند واقعات ہیں جن سے حضرتؒ کی حدیث و فقہ کے متعلق وسعتِ نظر اخلاص بے نفسی تبحر تواضع حلم ارشاد توافق اور اظہار کلمۃ الحق والنصح للمسلمین کا محض نمونہ کے ذریعہ میں اظہار کیا گیا ہے ورنہ عمر شریف کے فقہی و علمی ان گنت قصے جو گویا ہر لمحہ نئی صورت میں پیش آتے تھے نہ کسی کو مستحضر اور نہ کسی کی طاقت کہ تقریر یا تحریر میں لا سکے۔ میرا یہ دعویٰ نہیں کہ حضرتؒ نے کبھی غلطی نہیں کی کیونکہ نہ میں حضرت کو معصوم سمجھتا ہوں نہ بے خطا۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ حضرتؒ کا وجود باجود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے باغ میں اپنے زمانے انداز کا ایک ایسا پُر اثمار شجر تھا جس کا جڑ سے لے کر پھننگ تک ہر جزو کارآمد اور ہر موسم کے مناسب مجسم منفعت تھا۔ آپ حنفی تھے مگر مجتہدانہ شان رکھتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نور سے بھر دے امام ابوحنیفہؒ کی قبر کو کہ بڑا کام کر گئے اور فرمایا کرتے کہ احناف کی ہر جزئی مجھے آفتاب کی طرح روشن نظر آتی ہے۔ اور فرمایا کرتے کہ امام اعظمؒ درحقیقت اعظم ہی ہیں اور ان کی ذکاوت حسن ادب اور دقت استنباط تک بڑوں بڑوں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور فرمایا کرتے کہ اگر مسئلہ کی ظاہری صورت پر کوئی اہل حدیث بن جائے یا غیر مقلد۔ مگر آگے چل کر حضرت امام کا خوشہ چیں بنے بغیر کسی کو بھی چارہ نہ ہوا۔ اور فرمایا کرتے کہ اشرف العلوم حدیث اور فقہ ہے کہ نجات کا مدار عمل پر ہے۔ اور عمل کا مدار ان دو پر۔ اور فرمایا کرتے کہ حق تعالیٰ کو دھوکا یا غلطی نہیں ہو سکتی کہ نااہل کو اپنے محبوب کی امت کا مقتدا بنا دے۔ اور تمام علماء و اولیاء کے قلوب میں ایسے کی عظمت ڈال دے جو اہلیت نہ رکھتا ہو۔ اور فرمایا کرتے کہ حدیث دانی محض الفاظ کے ترجمہ کا نام نہیں بلکہ اس کے لئے تمامی علوم و فنون کی مہارت کے بعد ایک وہبی مناسبت درکار ہے جس کو تفقہ کہتے ہیں۔ اور اسی نعمت الٰہیہ نے فقہ کو شرح حدیث بنا کر دریائے ناپیدا کنار بنا دیا کہ بڑی ضخیم کتابیں مدون ہو چکیں اور جب دیکھو اضافہ کی ابھی اس کی ضرورت قائم ہے۔ و للہ در القائل

Marfat.com

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید   لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

صورت و سیرت اور عادات و معمولات

حضرتؒ کو حق تعالیٰ نے حسنِ سیرت کے ساتھ بے نظیر حسنِ صورت بھی عطا فرمایا تھا کہ قد طول کی طرف مائل رنگ صاف جس میں سرخی جھلکتی تھی بدن دُبلا اور چھریرا نہایت نرم اور نازک۔ آپ مصافحہ فرماتے تو معلوم ہوتا کہ ریشمی کمخواب ہاتھوں میں داب لیا ہے اور معانقہ کرتے تو گویا نرم و نازک روئی نے چھاتی سے لگا لیا۔ آپ کا چہرہ بدر کی طرح چمکتا اور بلا مبالغہ ایک تازہ گلاب کا پھول معلوم ہوتا تھا۔ آپ کے بدن کا ہر عضو متناسب تھا اور کسی جزو کے متعلق بھی حسن شناس کو حرف گیری کا موقع نہ تھا۔ آپ خندہ پیشانی تھے اور ہر وقت آپ کے دہن پر مسکراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ آواز آپ کی نہایت پیاری اور مردانہ تھی۔ گو ضعف پیری کے سبب اس میں رعشہ اور خفیف لرزہ تھا مگر تقریر بے تکان اور مسلسل ہوتی تھی۔ کوئی مضمون آپ ادا فرماتے تو مقدمہ اور تمہید کو ادا دلنشیں کرتے اور پھر باقی الضمیر ادا فرمایا کرتے۔ آپ کی صاف گوئی مشہور تھی کہ جیسی بات ہے لاگ لپیٹ بات کہتے تھے اسی وجہ سے جن لوگوں کو آپ سے زیادہ سابقہ نہیں پڑتا تھا وہ اینٹھتے اور گھبراتے تھے مگر جو حضرات اس خوبی و کمال کے قدر شناس تھے وہ آپ کے شیدا تھے۔

اور آپ کی صاف گوئی پر ان کا رُواں رُواں کھلا جاتا تھا۔ حضرت گنگوہی رحمہ کی وفات کے متصل ہی مولوی محمد احمد کرسونی کا ایک خط آیا جس میں انہوں نے اپنا صدمہ ظاہر کیا کہ مولوی (......) صاحب یہاں تشریف لائے تو میں پیر بھائی سمجھ کر شوق میں بھرا ہوا سخت گرمی اور لُو کی دوپہر میں ۲ میل مسافت قطع کر کے ان کی قیام گاہ پر پہنچا مگر میری کمر ٹوٹ گئی جب میں نے ان کی زبان سے یہ جواب سنا کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں۔ شام کو آنا۔ حضرتؒ کو اس

پر بہت صدمہ ہوا اور ان کو تسلی کا خط لکھدیا۔ مگر اتفاق کی بات کہ چند ہی روز بعد مولوی (......) صاحب گنگوہ سے واپس ہوتے ہوئے آپ کی زیارت کے لئے مدرسہ میں آ گئے حسب عادت مسکرا کر اور معانقہ فرما کر آپ نے ان کو اپنے پاس بٹھا لیا اور پہلی بات جو آپ کی زبان مبارک سے نکلی وہ یہ تھی کہ مجھے تم سے رنج پہنچا اور وہ یہ کہ مولوی احمد کرسوی محض اللہ واسطے اپنے پیر کی تم کو نشانی سمجھکر ملنے کے لئے سخت لوئیں دو میل چلکر تمہاری قیام گاہ پر آئے اور تمہارے اس طرز نے کہ دروازے پر دربان رکھتے ہو ان کو تم تک پہنچنے نہ دیا۔ بھلا کیا جواب دوگے حق تعالیٰ کو جب سوال ہوگا کہ ہمارے رسول کے دروازے پر دربان نہ تھا تم نے یہ طریق کہاں سے اختیار کیا؟
مولوی صاحب نے جواب دیا کہ حضرت مجھے تو کچھ معلوم نہیں کون مولوی محمد احمد اور کیسا ان کا آنا۔ فرمایا ہاں یہی تو سوال ہے کہ جب دربان تعینات ہے تو آنے والے کا علم کس طرح ہو؟ مولانا نے فرمایا کہ حضرت یہ بات ہے ہر کہ ومہ سے ملنے پر قلب ظلمت کا اثر لیتا ہے اور اپنے رنگ میں تغیر آتا ہے۔
اس پر حضرتؒ کا غصہ تیز ہو گیا۔ پیشانی پر رگ کھڑی ہو گئی آواز میں رعشہ پڑ گیا اور آپ نے فرمایا جو سمجھے ہیں جانتے وہ رنگ جو رسول کے خلاف ہو، نہ معلوم وہ کون نار ہے جس کو نور سمجھ بیٹھے اور وہ مسلمان سے ملنے پر متغیر ہوتی ہے۔
میاں طالب و معتقد بن کر کافر بھی آئے تو اس کو عزت سے لینا چاہیئے اور مسلمان تو وہ ناچیز ہے جس کی دلداری پر تو ثقلین بھی قربان حضور صلعم ذاکر شاغل مسلمان ہیں تو ہر وقت اس توقع میں رہنا چاہیئے کہ خدا نے کس آنے والے مسلمان کی بدولت بیڑا پار ہو جائے نہ یہ کہ اپنے کو نورانی سمجھ کر دنیا دار پیروں کا سا طریقہ لے لیں اور بدنام کریں حضرت گنگوہیؒ کے مشرب کو۔ بھائی تم ناراض تو ہو گئے مگر مجھے یہ طریق پسند نہیں اور برا مانو یا بھلا یہ رنگ تمہارا سنت کے خلاف اور شیطانی دھوکا ہے جو نہایت خطرناک ہے مجھ پر حق تھا اس لئے

Marfat.com

متنبہ کر دیا کہ اب تم جانو تمہارا کام۔ مولوی صاحب کو حضرت کی صاف گوئی اس وقت گراں ضرور گذری کہ خاموش ہو کر چلے گئے مگر متاثر ضرور ہوئے کہ دوسرے موقع پر حاضر ہو کر حضرتؒ کا ملبوس بغرض تبرک طلب کیا اور حضرت نے سروال مبارک ان کے حوالے فرما دی۔

ایک مرتبہ بابو غلام محمد صاحب صابری سب پوسٹ ماسٹر پشاور آئے جو پنجاب کے تمام ڈاک خانہ والوں کی کانفرنس کے سیکرٹری تھے اور انہوں نے اپنی کارکردگی جس سے ملازمین ڈاک خانہ کو طرح طرح کا نفع پہنچا دلچسپ طریقہ سے بیان کی۔ حضرت اس کو سنتے رہے اور مسکرا کر دعا دی اس کے بعد فرمایا بھائی حصول دنیا کے لئے تو اس قدر منہمک ہو کہ کچھ ٹھکانا نہیں مگر کچھ دوسرا بھی خیال ہے کہ مرنے کے بعد کہاں جانا ہے۔ ذرا ادھر بھی رغبت بڑھاؤ کبھی غور بھی کیا کہ نام تو غلام محمد اور داڑھی کا صفایا۔ اس کے بعد دیر تک مزاح وانبساط ہی کے در پردہ میں آپ نے بہت کچھ نصائح فرمائیں۔ آپ عوام کی جہالتوں کا بہت تحمل فرماتے تھے مگر ان کی خلاف تہذیب حرکت پر نرمی سے تنبیہ بھی فرماتے کہ دیکھو ایسا نہیں کیا کرتے۔ ہاں اہل علم کی غلطیوں پر ترشی کے ساتھ اظہار نفرت فرمایا کرتے تھے۔ اکثر آپ کا طرز نصیحت نرم اور مزاح آمیز ہوا کرتا تھا۔ شملہ میں نائب پیش امام نے بعد نماز مسجد کی پالش کی نفاست و عمدگی کا ذکر کر کے حضرتؒ کو اس کا معائنہ کرایا۔ خوشی خوشی پالش پر ہاتھ پھیرتے اور تعریف کرتے جاتے تھے۔ حضرت نے نہایت متانت سے فرمایا پالش تو بہت اچھی ہے مگر یہ تو بتلاؤ کہ یہ زیبائش جائز ہے یا نہیں؟ اور بھلا یہ سب چندہ جمع کر کے کی گئی ہوگی۔ بھلا چندہ دہندگان سے ایسا کرنے کی اجازت بھی ان سے لی گئی تھی یا نہیں۔ نائب صاحب اور تمام نمازی دنگ رہ گئے۔ ذرا دیر کے بعد نائب صاحب نے فرمایا حضرت یہ تو پیش امام جانیں۔ فرمایا واہ کیا خوب آرائش کی تعریف تو آپ کریں اور جواب دیں مولوی صاحب۔ شاباش

Marfat.com

"دعفوتا کرے اور داد اچھی بھرے"!

حضرت کا معمول اخیر شب میں دس یا بارہ نفلیں اور ان میں تقریباً دو پارے تلاوت فرمانے کا تھا۔ اس کے بعد آپ چار پائی پر داہنی کروٹ لیٹ جاتے اور کوئی پاس ہوتا تو اس سے باتیں کرنے لگتے تھے۔ آخر میں چائے پینے کا معمول بھی اسی وقت ہو گیا تھا۔ فجر ہوتے ہی دو سنتیں پڑھکر مدرسہ میں تشریف لاتے اور حجرے کے قریب دیوار سے لگ کر خاموش بیٹھ جاتے۔ مہمان اور خدام بھی حاضر ہو جاتے اور سکوت کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ یہ مجلس عجیب پُرانوار ہوتی تھی کہ قلب مبارک سے بقعہ ہائے نور نکل کر اہل مجلس کو ڈھانپتے اور سکینہ ورحمت الٰہیہ کی ٹھنڈی پھوار سب پر برسا کرتی تھی۔ کوئی ضروری بات ہوتی تو حضرت مختصر لفظوں میں فرما دیا کرتے ورنہ یہ پندرہ بیس منٹ خالص سکوت میں گذرتے اور جب اسفار ہو جاتا تو آپ مسجد میں پہلی صف اور یمین امام اختیار فرما کر نماز ادا کرتے صحیح اور صاف پڑھنے والا امام آپ کو پسند تھا اور اس لئے اکثر قاری عالم کو آپ امام تجویز فرمایا کرتے تھے۔ شروع میں مولانا عبداللطیف صاحب امام رہے اور پھر مولانا ظفر احمد صاحب قاری عبدالعزیز صاحب وغیرہ اور اخیر میں قاری سعید احمد۔ باہر کہیں تشریف لے جاتے تو خدام کے اصرار پر کبھی آپ خود امامت فرما لیا کرتے ورنہ اکثر مقتدی بنتے اور ضعف دماغ ورعشہ صوت کا عذر فرما دیا کرتے تھے۔ مولوی عبداللہ جان صاحب لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت میری عیادت کے لئے میرے وطن لدھیانہ میں تشریف لائے۔ حافظ عبداللطیف صاحب ہمراہ تھے۔ میرے اہل وطن نے یہ سُنکر کہ حضرت میرے پیر ہیں حضرت سے التجا کی کہ نماز میں امامت آپ فرمائیں حضرت نے فی البدیہہ جواب دیکر کہ یہ (یعنی حافظ صاحب) تو ہمارے پیر بھی میرے امام ہیں۔ حافظ صاحب کو آگے بڑھا دیا۔ حضرت کے اس جواب سے کہ سچا لطیفہ تھا مجھے بہت ہی لذت آئی کہ درحقیقت ان

ایام میں امامت حضرت حافظ صاحب کے سپرد تھی" بحالت سفر میں بھی آپ جماعت کا اہتمام فرماتے اور حتی الوسع ریل ٹھہرنے پر نیچے اُتر کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ مگر ایسی صورت میں اکثر مولوی زکریا صاحب کی امامت کو پسند فرماتے کہ وہ نہایت مختصر قراءت و قیام و قعود کے عادی تھے۔ باہر نماز پڑھنے میں دشواری معلوم ہوتی تو ریل ہی میں جماعت کرتے اور استقبال قبلہ کی ہر حال صورت نکال لیا کرتے تھے آپ نے مدنی راستہ میں اونٹ کی سواری سے اترنے اور جماعت کا اہتمام کرنے میں بھی کبھی تکاسل نہیں فرمایا؛ اچھے اچھے جوان اور مستعد اونٹ سے اترتے ہوئے گھبراتے مگر آپ ہمیشہ وقت مستحب پر اترتے اور اترتے وضو کرتے آپ کا اونٹ دور نکل جاتا تو آپ لپکتے اور اس سے اتنا آگے بڑھ جاتے جتنا وہ وضو کرتے میں آگے نکلا تھا؛ وہاں پہنچکر با جماعت نماز ادا کرتے اور جب دیکھتے کہ اونٹ اب آگے نکل لیا تو پھر لپکتے اور زیادہ آگے نکل کر سنن موکدہ ادا فرماتے اور پھر لپک کر اونٹ پکڑتے اور اس پر سوار ہو جاتے تھے۔ اور اگر دوسری نماز کا وقت قریب دیکھتے تو پیدل چلتے رہتے اور وقت پر اس کو بھی با جماعت ادا فرما کر اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ اس طرح کئی کئی میل آپ کو پیادہ چلنا پڑتا مگر آپ تکان نہ مانتے تھے اور فرمایا کرتے قصر کی قدر یہاں آکر ہوتی ہے کہ دو رکعت میں جب اتنا بھاگنا پڑتا ہے تو چار میں کیا کچھ ہوتا۔ بڑھاپے میں آپ کی یہ ہمت جوانوں کو غیرت دلاتی اور وہ پیچھے اتر کر ساتھ ہو لیا کرتے تھے۔ اپنے لوگوں میں اگر کسی کو کاہل پاتے تو غصہ ضبط نہ فرما سکتے اور تیزی کے ساتھ نماز کے اہتمام کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ حافظ سلیمان راندیری بھی ایک سفر میں ساتھ تھے جب آپ کے پاس کو انکا اونٹ گذرا تو آپ نے پوچھا کہ حافظ صاحب نماز پڑھ چکے؟ عرض کیا کہ حضرت اوپر ہی پڑھ لی تشفقت ہیں میرے ساتھ بوڑھی ماں ہے اور اس کو میرے اترنے سے تکلیف

Marfat.com

ہوتی ہے۔ آپ نے بیساختہ فرمایا ہاں وہاں تو ساتھ نہ ہوگی جہاں نماز کا
سوال ہوگا۔ جوان ہو کر خود ہی ہمت ہار دو تو اس کا کیا علاج ہم تو جب جانیں
کہ پاخانہ کی ضرورت ہو اور وہاں کا عذر کر کے شغدف میں بیٹھے رہو۔ حج کرنے
چلو اور نماز چھوڑ دو اس سے تو بہتر تھا کہ گھر بیٹھے وقت پر نمازیں پڑھتے
بھائی تم کو حضرت گنگوہی سے تعلق ہے اس لئے مجھے اس بے احتیاطی سے تکلیف
ہوتی ہے۔ یا تو سفر میں رفیق نہ ہوئے ہوتے اور رفاقت کی ہے تو نماز کا اہتمام
کر دینا چنانچہ وہ اُترے اور پھر ہمیشہ اہتمام کرتے رہے۔

اس ضعف پیری پر آپ کی رفتار اتنی تیز تھی کہ مجھے باوجودیکہ اپنی تیز
رفتاری پر ناز تھا کہ چودہ منٹ میں پورا ایک میل چلتا ہوں مگر حضرت کے
ساتھ چلکر گھبرا گیا کہ حضرت تیز چلتے اور مجھے ساتھ دینے کے لئے دوڑنا
پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ دیوبند تشریف لائے اور بندہ ہمراہ تھا۔ قبل صبح
صادق چلنا تھا کہ ریل قبل طلوع صبح چھوٹتی تھی۔ سواری کا انتظار کیا مگر نہ ملی تو حضرت
نے فرمایا چلو پیدل کہ ریل نہ چلی جائے مدرسہ کا حرج ہوگا۔ اسٹیشن قریب ایک
میل تھا اور گھٹا کی وجہ سے کچھ تاریکی تھی مگر حضرت آگے اور میں پیچھے۔ چاہتا تھا
کہ حضرت کے ساتھ ساتھ رہوں مگر نہ ہو سکا اور آخر اسٹیشن پر پہنچکر حضرت
نے استقانہ میں باجماعت نماز فجر باطمینان ادا فرمائی۔ مدنی راستہ میں دو مرتبہ
مجھے حضرت کی ہمرکابی نصیب ہوئی اور سمجھتا تھا کہ حضرت ہندوستان ہی کی
پختہ سڑک یا کچی پٹیا پر تیز چل سکتے ہیں مگر معلوم ہوا کہ عربیہ کا ریگستان تو حضرت
کی تیز رفتاری کو بڑھاتا اور سنگستانی نشیب و فراز آپ کی رفتار میں کچھ فرق
نہیں ڈالتا۔ ایک مرتبہ آپ نے رابغ کے راستہ سے سفر کیا کہ سارا قافلہ حضرت
آپ کے رفقاء کے سوا بدوؤں کا تھا۔ آپ وضو بھی کرتے تو تنہا۔ وضو [illegible]
لیتا اور ریگستان جنگل میں کھڑے رہ جاتے تھے۔ تنہائی سے ڈرایا کہ یہاں
جان کا خطرہ ہے مگر آپ نے پروا نہ کی۔ آخر مغرب و عشاء [illegible]

Marfat.com

تو نہ رُکے مگر مقوم یہ دیکھکر کہ رات کا وقت ہے اور شیخ کہنا مانتے نہیں خود اتر کر ساتھ ہوا اور جب جماعت کھڑی ہوئی تو وہ بندوق لئے ہوئے چار طرف نظر ڈالتا اور پہرہ دیتا رہا حتی کہ آپ عشا سے فارغ ہو کر تیز چلکر قافلہ میں آئے اور اونٹ پر سوار ہو گئے۔ مدینہ منورہ تک اس کا یہی معمول رہا کہ نہ بدوؤں کو قیام پر مجبور کیا اور نہ خود پہرہ دینے میں سُستی ہوا۔ مقوم بھلا آدمی اور منس مکھ تھا حضرت کی تیز رفتاری دیکھکر کہتا الشیخ یطیر۔ بڑے میاں تو اُڑتے ہیں۔

فجر سے فارغ ہو کر آپ حجرہ میں تشریف لے جاتے اور اشراق تک مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ نوافل اشراق سے فارغ ہو کر جب آپ باہر تشریف لاتے تو چہرے مبارک پر بے انتہا انوار ہوتے اور چاند کی طرح دمکتا تھا باہر سفر میں بھی آپ کا یہ معمول اکثر قائم رہتا کہ مسجد ہی میں نماز کے بعد مراقب ہوتے اور بعد اشراق مجمع میں تشریف لاتے تھے۔ اس کے بعد قضاء حاجت کو تشریف لے جاتے اور پھر وضو فرما کر درس شروع فرما دیا کرتے تھے۔ اخیر شب میں حضرت کو صرف پیشاب کی عادت تھی کہ بہت مختصر وقت صرف ہو۔ مسواک سفر میں بھی کُرتے کی جیب یا تکیہ کے غلاف میں رہتی تھی اور کوئی وضو آپ کا مسواک کے بغیر نہ ہوتا تھا۔ درس گاہ میں تشریف لاکر اسباق متعلقہ کا درس دیتے اور آخر زمانہ میں بذل کی تالیف میں مشغول ہو جاتے تھے اسی دوران میں ڈاک آجاتی اور آپ اس کا ملاحظہ فرماتے۔ سارے مدرسہ کی ڈاک کا لانا آپ نے فراش کے ذمہ کر رکھا تھا کہ وہ لاکر آپ کے حوالے کرتا اور آپ اپنے خطوط نکال کر باقی مدرسین و طلبہ کے خطوط مہتمم صاحب کے پاس بھیج دیتے تھے کہ وہ مکتوب الیہم کو پہنچا دیں۔ گرمی میں گیارہ بجے سے کچھ قبل اور سردی میں گیارہ کے کچھ بعد نیچے اترتے اور مکان تشریف لے جاتے تھے۔ چونکہ

[illegible] کھانا کھاتے اور آخر [illegible]

ہو گئے تو مکان میں تناول فرماتے تھے کہ چپاتی گرم گرم توے سے اترتی اور آپ کے سامنے آجاتی تھی۔ ذرا ٹھنڈی ہونے پر چبانا مشکل ہو جاتا اور پھر ہضم نہ ہوتا تھا۔ ہاں کوئی خاص مہمان آجاتا تو اس کے ہمراہ باہر ہی نوش فرماتے اور ایک خادم جلدی جلدی مکان سے گرم روٹی کپڑے میں لپیٹ کر لاتا رہتا تھا۔ شوربہ چپاتی آپ کو سب سے زیادہ مرغوب تھی کہ نوالہ ڈبو کر نرم ہو سکے گھی زیادہ پسند نہ تھا۔ اگر کبھی سالن میں زیادہ تار ہوا تو دوسرے برتن میں آپ نے نتھار دیا اور فرمایا گھی ہی گھی ہے۔ مصالحہ کا مزہ بھی تو نہیں آتا۔ چاولوں سے زیادہ رغبت نہ تھی مگر پلاؤ کبھی تناول فرماتے بشرطیکہ نرم ہوتا۔ مرچ اول ہی سے مرغوب نہ تھی اور اسفار حج کی کثرت نے تو بالکل ہی چھڑا دی تھی پھولی اور گاجر کی سوئیاں مرغوب تھیں خصوصاً آخر عمر میں کہ قبض کی شکایت بڑھ گئی تھی جس سے درد گردہ کا اندیشہ رہتا تھا اس لئے صبح کو چائے کے ساتھ بھی اکثر وہی نوش فرمایا کرتے کہ اس سے ہلکی سی تلیین ہو کر طبیعت صاف ہو جاتی تھی۔ شروع میں میٹھے سے زیادہ شوق تھا اور تیز میٹھا پسند تھا مگر آخر میں رغبت جاتی رہی اور نمکین کی طرف بڑھ گئی تھی۔ مولوی زکریا صاحب کا مذاق مشہور تھا کہ نمکین سے رغبت ہے اور میٹھے سے وحشت۔ حضرتؒ کو ان کے ساتھ اولاد سے زیادہ محبت تھی کہ اجنبی آدمی ان کو حضرت کا بیٹا ہی سمجھتا تھا چنانچہ ایک دفعہ کسی نے پوچھا بھی کہ حضرت یہ آپ کے بیٹے ہیں؛ فرمایا بیٹے سے بڑھکر۔ حضرتؒ کھانے میں اکثر ان کو بلا لیا کرتے تھے۔ وہ کہا بھی کرتے کہ حضرت میں تو کھا چکا مگر آپ فرماتے کیا مضائقہ ہے تم تو طالب علم ہو کباب تو چکھ لو اس کے لئے تو بھوک کی ضرورت نہیں۔ لطافت کے درجہ میں یہ بھی فرمایا کرتے میاں زکریا اتنے دنوں سے پاس بیٹھتے ہیں ان کو تو میٹھے کا شوق نہ ہوا ہے مجھے نمکین کا ہو گیا۔ ہاں بھئی زور اور قوت کی بات ہے پھلوں میں آپ کو آم سے زیادہ شوق تھا۔ خصوصاً ویسی ٹپکا کہ اس کے سامنے قلمی آپ

Marfat.com

کے نزدیک کچھ نہ تھا۔ آپ کے جدی باغ میں چند درخت دیسی آم کے تھے وہ آپ تڑوا کر منگواتے اور ان کی پال ڈالی جاتی تھی۔ کہ آپ کا جتنا شوق تھا اس سے زیادہ کھلانے کا تھا اس لئے ہر موسم پر ایک تاریخ مقرر فرما کر آپ اپنے مخلصین و احباب کو مدعو فرمایا کرتے اور بڑے برتن میں قسم قسم کے پال اور ٹپکے کے آم بھروا کر بیچ میں رکھ دیتے۔ خود بھی کھاتے اور جو آم مزے کا نکلتا چکھ کر خدام کو عطا فرماتے جاتے کہ لو یہ کھاؤ مزے کا ہے۔ انہیں کے تمام موسم میں کسی دن آپ کا مکان آموں سے خالی نہ رہتا۔ خصوصاً لال بیرٹی ایک درخت کا نام تھا اس کا آم آپ کو نہایت مرغوب تھا اور خصوصیت سے آپ اس کو انبہٹہ سے منگایا کرتے تھے۔ انجیر سے بھی آپ کو رغبت تھی پنیر آپ بالخصوص شوق سے کھایا کرتے تھے۔ مجھے شروع میں پنیر سے رغبت نہ تھی اس لئے جب مجھے محبت و شفقت کے ساتھ حضرت عطا فرماتے تو لے لیتا مگر کھا نہ سکتا تھا۔ ایک بار عرض کیا کہ حضرت چیز ایسی جس سے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو رغبت تھی مگر میری گندی طبیعت اس سے موانقت نہیں کھاتی اس کا مجھے بڑا افسوس ہے۔ فرمایا اچھا۔ میاں یہ تو بڑی لذیذ چیز ہے کھا کر تو دیکھو۔ میں کھایا تو حضرت کی کرامت تھی کہ لذیذ معلوم ہوا اور پھر رغبت بڑھ گئی۔ چائے آپ بے نمک کی پیتے تھے جس میں دودھ غالب اور شکر زیادہ ہوتی تھی۔ بعض جگہ اس میں نمک ملاتے ہیں کبھی ایسی چائے سامنے آئی تو پی نہ سکے اور فرمایا چائے کو سالن بنا دیا۔ بعد اکل گھنٹہ سوا گھنٹہ قیلولہ فرما کر آپ اٹھتے اور وضو فرما کر سنت ظہر مکان ہی پر پڑھتے اور نماز کے وقت معینہ سے دس منٹ قبل مدرسہ میں تشریف لا کر حجرہ کے متصل اپنی جگہ بیٹھ جایا کرتے۔ اور جب نماز کا وقت ہو جاتا کہ گرمی میں تقریباً ڈھائی بجے اور سردی میں ایک بجے تو آپ نماز پڑھتے اور بعد فراغ درس میں مشغول ہو جاتے۔ اخیر زمانہ میں اس وقت کا تقریباً پون گھنٹہ تلاوت میں صرف ہوتا تھا اور اس کے بعد صبح سے آئے ہوئے خطوط کے جوابات

اور تیادی لکھواتے تھے عصر سے قبل چار نفل پڑھنے کا آپ کا اکثر یہ معمول تھا بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ آپ وضو کو ترک فرماتے آپ ہر وقت باوضو رہتے اور اس لئے عصر سے قبل وضو کرنے کا اتفاق کم ہوتا تھا۔ بعد عصر جلوہ عام کا وقت تھا کہ گرمی میں صحن مدرسہ اور سردی میں سہ دری کو آپ زینت بخشتے اور خدام چار طرف آ بیٹھتے تھے تسبیح آپ کے ہاتھ میں ہوتی تھی حاضرین سے ہر قسم کی ظرافت دینے بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرتے جاتے اور تسبیح بھی پڑھتے رہتے تھے اسی وقت میں کوئی اخبار آتا تو اس کو دیکھتے یا پوچھتے تھے کہ کبھی کوئی نئی خبر تو نہیں؟ جنگ کے زمانہ میں اسلامی حکومتوں کے معلوم کرنے کا آپ کو زیادہ اہتمام رہا اس کے بعد کبھی کوئی خبر دیکھ یا سن لی ورنہ محض سرخیاں دیکھکر اخبار رکھدیا کرتے تھے مغرب کے بعد اوابین میں ایک یا سوا پارہ پڑھتے اور پھر کھانا نوش فرمانے کے لئے تشریف لیجاتے عشا کی اذان کے بعد تک مکان میں رہتے اور جو مستورات مہمان آئی ہوئی ہوتیں ان کی سنا کرتے تھے پھر مدرسہ میں آکر ذرا ٹھہرتے اور مسجد میں تشریف لاکر دو یا چار رکعت پڑھتے تھے بعد عشا کوئی خاص مہمان ہوتا تو ذرا دیر ٹھہرتے ورنہ مہمانوں کے بستر و چارپائی کو دریافت فرماکر کہ کافی انتظام ہو گیا یا کسی چیز کی ضرورت ہے مطمئن ہو جانے کے بعد مکان تشریف لیجاتے تھے

نماز عصر ہمیشہ دو مثل کے بعد حنفی متفق علیہ وقت میں پڑھتے اور عشا میں کافی تاخیر فرماتے تھے نماز فجر بالعموم طلوع شمس سے ۲۵ - ۳۰ منٹ قبل شروع فرماتے چونکہ تجوید سے خاص محبت تھی اس لئے قراء کو امامت کے لئے پسند فرماتے اور قراءت میں کچھ نقص رہتا تو بعد نماز فورًا متنبہ فرماتے تھے۔ ایک بار جبکہ امامت صلوٰۃ مولوی ظفر احمد صاحب کے ذمہ تھی فرمایا کہ مولوی ظفر تم مد میں کمی کرتے ہو ذرا اور بڑھایا کرو۔ ایک بار فرمایا تم کبھی تو ضاد کو صحیح نکالتے ہو جس سے معلوم ہوتا ہے صحیح مخرج پر قادر ہو اور کبھی دال مفخم پڑھتے ہو یہ کیا واہیات ہے جب قادر علی المخرج ہو تو اس کو ہمیشہ صحیح کیوں نہیں نکالتے اس کی پوری طرح مشق کرو۔ پھر فرمایا کہ مخرج ضاد حضرت مولانا تھانوی کا بہت

Marfat.com

یہ ہے کبھی تو تمہاری قراءت میں مولانا کا رنگ آجاتا ہے کبھی ایسی جلدی کرتے ہو کہ ضاد کا مخرج تو بگڑ ہی جاتا ہے اور دوسرے حرف بھی اچھے نہیں نکلتے۔ حضرت کو اس کا بھی اہتمام تھا کہ وقف و وصل میں رموز مصحف کا اتباع کیا جائے کہ جہاں آیت یا علامت وقف ہے وہاں وقف کیا جائے اور جہاں وقف سے منع کیا ہے وہاں نہ کیا جائے اور فرمایا کرتے تھے کہ آج کل قراء اس کی رعایت نہیں کرتے مگر خیر و برکت اتباع سلف میں ہے۔

ایک مرتبہ مولوی ظفر احمد صاحب نے فلما اتاها نودی یا موسیٰ انی انا ربک فاخلع نعلیک میں یا موسیٰ پر مد کر کے انی انا ربک سے وصل کر دیا۔ تو بعد نماز حضرت نے فرمایا تم نے یا موسیٰ پر وقف نہیں کیا، عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے وصل بھی جائز معلوم ہوتا ہے حضرت نے حمائل شریف کھولی اور دیکھنے کے بعد فرمایا ہاں صحیح کہتے ہو مگر تہجد آپ کا دائمی معمول تھا اور [illegible] تھی مگر وتر آپ عشاء کے بعد مسجد ہی میں پڑھتے اور یہ کمال احتیاط تھی کہ آخر شب میں اٹھنے پر اعتماد نہ فرماتے تھے فجر کی سنتیں آپ ہمیشہ گھر میں پڑھتے اور سفر میں ہوتے تب بھی قیام گاہ پر پڑھ کر مسجد میں جاتے تھے کہ کمال اتباع سنت اسی میں تھا۔ حضرت کو نماز کے ہر جزو میں سنت و استحباب کی رعایت اور فقہاء حنفیہ کے اتباع کا اہتمام تھا ایک مرتبہ مولوی ظفر احمد صاحب سے فرمایا مولوی ظفر تم ظہر کی نماز میں طوال مفصل نہیں پڑھتے، عرض کیا کہ نہیں بلکہ اوساط پڑھتا ہوں۔ فرمایا کہ فقہاء حنفیہ تو فجر و ظہر دونوں میں طوال کو سنت فرماتے ہیں اس کی رعایت کیا کرو۔ اس روز مولوی صاحب نے نماز ظہر میں سورۂ ق پڑھ دی جو نمازیوں پر بار ہوئی بعد نماز حضرت نے فرمایا میرا یہ مطلب نہ تھا کہ فجر و ظہر کی قراءت برابر کرو بلکہ فجر کی اطول ہونا چاہیئے اور ظہر کی کم۔ دیکھو طوال میں سورۃ التکویر اور سورۃ الانفطار بھی تو ہے۔ ظہر میں طوال کی ایسی ہی سورتیں پڑھا کرو۔ ایک بار فرمایا کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ الم تنزیل السجدۃ اور سورۃ الدھر پڑھا کرتے تھے شافعیہ نے تو اس کا واجب کی طرح التزام

Marfat.com

کر لیا کہ کبھی ترک ہی نہیں کرتے۔ اور حنفیہ نے اس کے ترک کا التزام کر لیا کہ کبھی نہیں پڑھتے۔ دونوں فعل سنت کے خلاف ہیں۔ اولیٰ یہ ہے کہ جمعہ کے دن ان کو اکثر پڑھا جائے۔ احیاناً ترک بھی کر دے " مولانا نے کہا حضرت میرے نہ پڑھنے کا سبب یہ ہے کہ مجھے سورۃ الم تنزیل حفظ نہیں ہنس کر فرمایا پھر حفظ کر لو کوئی بڑی سورت نہیں ہے تیس ہی آیتیں ہیں۔ غرض حضرت کو نماز کی تعدیل و تحسین کا خاص اہتمام تھا جس کی وجہ سے حضرت کی نماز قابل دید تھی جس کو ہر وارد و صادر تعجب سے دیکھتا اور سبق لیا کرتا تھا کہ نماز ایسی ہونی چاہیئے۔ مولوی عبداللہ جان لکھتے ہیں ایک خاص واقعہ جو میں نے حضرت کے متعلق ہمیشہ نوٹ کیا اور وہ میرے دل پر نہایت مؤثر رہا ہے یہ ہے کہ اداءِ نماز کی حالت میں بمصداق کانک تراہ حضرت پر وقار اور خشوع و سکینہ کی ایک خاص حالت طاری رہتی تھی۔ بحمداللہ بچپن سے میری تعلیم و تربیت اور نشست و برخاست علماء کرام کی صحبت میں رہی ہے۔ مگر حضرت کے سوا میرے ذہن میں اور کوئی مثال نہیں جسکو حضرت کی نماز کے مماثل کہہ سکوں بدن میں کھجلی لگے تو ہر شخص کو کھجاتے دیکھا ہے مگر حضرت کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ نماز کی حالت میں کوئی خارجی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ بلکہ میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے کہ کبھی حضرت کو زکام یا کھانسی کی شدت ہوئی تو نماز کے شروع کر دینے کے بعد ختم نماز تک حضرت کو کبھی کھانسی بھی نہیں آئی۔ بارہا دیکھا کہ فارغ ہوتے کے بعد حضرت کو فوراً کھانسی اٹھی اور حضرت اٹھ کر ادھر جا بیٹھے وہاں خوب کھانسے بلغم تھوکا اور سب ضروریات کو دفع کیا لیکن جیسے پھر نماز شروع فرمادی تو معلوم ہوتا تھا کہ کسی مرض کا کوئی اثر آپ پر نہیں۔ میں ہمیشہ سوچا کرتا تھا کہ حضور قلب اسی کا نام ہے اس کیفیت کا سبب ابتدائً مجھے احساس ہوا تو اس کے بعد میں ہمیشہ حضرت کی نماز کا غور [illegible] دیکھا [illegible] کرتا [illegible] اس کا آغاز و [illegible] یکساں [illegible] رہا [illegible]

کو صحت و علالت میں بیٹھکر نماز پڑھتے بھی میں نے نہیں دیکھا. بجز ایک دفعہ کے کہ دو آدمیوں نے پکڑ کر حضرتؒ کی خواہش کے موافق مغرب کی نماز ادا کرائی اس وقت حضرت ایسے علیل تھے کہ جان بر ہونے کی ظاہری توقع بالکل جاتی رہی تھی۔

ہاں یہ بالکل صحیح ہے کہ حضرتؒ کی نماز جس نے دیکھی وہ کہہ سکتا ہے کہ شاید عمر بھر میں ایسی نماز نہ دیکھی ہو گی۔ قیام کی حالت میں کیا مجال کہ ادھر ادھر میلان ہو۔ سیدھے ایسے سکون کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے کہ حرکت نام کو نہ تھی۔ پھر قیام بھی طویل ہوتا تھا اور عمر بھی ضعیفی و پیری کی تھی مگر آپ کا سکون دیکھکر جوانوں کو شرم آتی تھی؎

ہر چند پیر وخستہ و بس ناتواں شدم ہر گہ نظر بسوئے تو کردم جواں شدم

اس کے بعد رکوع بھی موافق سنت سجدہ بھی موافق سنت ہر رکن میں پوری تعدیل اور ہر جزو میں کامل سکون سنن و آداب و مستحبات کی پوری رعایت کہ جی چاہتا تھا حضرت کی نماز کو دیکھے جاؤ اور کتابوں میں جو تفصیل پڑھی ہے اس کا مجموعہ مفصل نظر میں ڈال لو۔ آپ کی نماز دیکھکر کفار کو بھی اس کا احساس ہوتا تھا کہ حضرت نماز میں ایسے کھڑے ہوتے ہیں جیسے خدا کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے چنانچہ ایک بار آپ سفر میں تھے اسٹیشن پر ظہر کی نماز کا وقت ہوا اور جماعت کا انتظام کیا گیا۔ آپ نے ظہر کی سنتیں حسب عادت کمال اعتدال کے ساتھ پڑھیں اور پھر فرضوں کی جماعت ہوئی۔ چند انگریز بھی نماز کے منظر کو دیکھ رہے تھے۔ جماعت سے فارغ ہو کر سب نے سنتوں کی نیتیں باندھیں اور جب اس سے فارغ ہو گئے تو ایک انگریز نے ایک نمازی سے پوچھا کہ تم کس کی نماز پڑھ رہے ہو؟ کہا خدا کی نماز پڑھتے تھے۔ انگریز نے حضرتؒ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا اور یہ کس کی نماز پڑھ رہے ہیں؟ کہا یہ بھی خدا کی نماز پڑھتے ہیں تو وہ انگریز بیساختہ بول اٹھا کہ ہاں یہ پادری تو

Marfat.com

بیشک خدا کی نماز پڑھتا ہے مگر تم خدا کی نماز نہیں پڑھتے معلوم نہیں کس
کی پڑھتے ہو۔ ایک بار آپ نے خود فرمایا کہ نماز پڑھتے ہوئے نہ مجھے شور
وغل پر التفات ہوتا ہے نہ گانے بجانے پر۔ البتہ اگر کوئی قرآن پڑھنے لگے
تو منازعت ہونے لگتی ہے اور اس طرف التفات میں مضطر ہو جاتا ہوں
اس کا راز جب کلام اللہ تھا کہ اس کو سن کر خود بخود طبیعت کھنچتی ہے اور
مالی انازع القرآن کی حقیقت کا انکشاف کیا کرتی تھی۔

جمعہ کے دن بعد اشراق کوئی خاص خط یا مسئلہ یا ارشاد جو ہفتہ کے دوران
میں آیا ہوا ہوتا تو اس کو تحریر فرماتے اور پھر خط بنواتے اور غسل کیا کرتے
تھے۔ عموماً آپ کی عادت شریفہ حلق راس کی تھی اور اس میں جانب راست
کی تقدیم ملحوظ رہتی تھی۔ لبوں کا بھی آپ حلق کراتے اور کبھی مقراض سے
اتنی باریک کہ گویا حلق کی ہوئی ہیں۔ داڑھی آپ کی گنجان اور چھدری ہوئی نہ تھی
مگر اس میں بھی آپ کنگھا کرتے اور قبضہ سے زائد کتروا دیا کرتے تھے۔ ناخن
ترشوانے میں ترتیب مسنون کا پورا لحاظ فرماتے کہ داہنے ہاتھ کی انگشت
شہادت سے شروع فرما کر چھنگلیا تک پہنچتے اور پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے
انگوٹھے تک پہنچ کر آخر میں داہنے انگوٹھے کا ناخن ترشواتے تھے کہ ابتدا و ختم
یمین پر ہوتا تھا۔ پاؤں کے ناخن جب بڑھ جاتے تو وہ بھی ترشواتے اور ان
کا دفن کرایا کرتے تھے۔ غسل اکثر نیم گرم پانی سے فرماتے اور سخت گرمی
میں ٹھنڈے پانی سے۔ بعد غسل کپڑا تبدیل فرما کر تبادلہ کرتے اور زیادہ تر
اٹھ کر وضو فرما کر مدرسہ میں تشریف لاتے۔ کپڑے بدلتے جو کچھ پہنتے اور
اعلیٰ سے اعلیٰ عطر لگاتے کوئی مہمان ہوتا تو مختلف قسم کے عطر کی شیشیاں
اس کے سامنے کر دیتے کہ جو پسند ہو وہ لگائے۔ عطر آپ کو عنبر کا زیادہ
پسند تھا۔ اس کے بعد گلاب مشک حنا اور اگر۔ ایک بجے کے قریب مسجد دارالعلوم
میں تشریف لے آتے اور نوافل ادا فرماتے امام کی [illegible]

کھڑے ہو کر سکون کے ساتھ اول تحیۃ المسجد اور پھر جمعہ کی چار سنتیں پڑھتے
اور پھر تسبیح پڑھنا شروع فرما دیتے تھے۔ غسل اور کپڑے بدلنے کا اہتمام
اس قدر تھا کہ پنجشنبہ کو اگر سفر فرماتے تو دھلے ہوئے کپڑوں کا جوڑہ اور
جمعہ ساتھ رکھتے تھے اور قیام گاہ پر غسل فرما کر بدلا کرتے تھے کبھی ایسا نہیں
ہوا کہ اول مغسول اور پھر مستعمل کپڑے باندھنے کی دشواری سمجھ کر کپڑے بدل
کر سفر کیا ہو۔ لباس آپ کا سادہ تھا کہ نیچا کرتہ ٹخنے سے اونچا پاجامہ اور
صدری مگر نفاست زیادہ پسند تھی اس لئے سفید شفاف کپڑا پہنتے تھے موٹا
کپڑا چونکہ آپ کی نزاکت بدن برداشت نہ کر سکتی تھی اس لئے باریک ململ یا
تن زیب کا کرتہ ہوتا تھا اور لٹھے کا پاجامہ۔ سفر میں بستر ساتھ رکھنے کا آپ کو
اہتمام تھا کہ میزبان کو فکر و پریشانی نہ ہو۔ بالخصوص تکیہ آپ بہت نرم رکھتے
تھے کہ ذرا سخت ہوتا تو نیند نہ آتی تھی۔ اس لئے چھوٹا تکیہ سنبھل کی روئی کا
اور مصلے جاڑے میں قالین ایرانی کا اور گرمی میں شطرنجی ضرور ساتھ ہوتا تھا
سودیشی کی تحریک میں آپ نے ولایتی کپڑے کا استعمال کبھی حرام نہیں فرمایا
ہاں ملکی نفع کی خاطر سیاسی درجہ میں کوئی ترجیح دیتا تو برا نہ سمجھتے تھے جو لوگ
دین کی محبت سے محروم اور نصرانیت سے لیس کی طرف مائل ہیں ان کی یہ حرکت کہ
اپنی ہر تجویز کو دین کی چادر پہنانے کی کوشش کرتے ہیں آپ کو ہمیشہ ناپسند
ہوئی کہ سوڈا واٹر کے ابھان یا پھوس کی آگ کی طرح دبنے والا ہوتا ہے چنانچہ
بارہا تجربہ ہوا کہ وہ لوگ کل جس چیز کو اپنی زبانوں سے فرض کہہ رہے تھے آج
وہی اس کو حرام کہنے لگے اس لئے آپ نے کسی شورش کے وقت بھی حقیقتاً
اور اعتدال سے باہر قدم نہیں رکھا تھا کسی کی چھٹی چادر میں پاؤں ڈالنا بھی
نہ کیا کہ نقار خانہ میں طوطی کی آواز بھی مگر کلمۃ الحق کا وقت آیا تو تحریر اور تقریر
میں اظہار حق سے چوکے بھی نہیں۔ خلافت کا شور جس زمانہ میں ہوا اور مولوی
عبدالاحد دہلوی کے وعظ میں تنگی مزاحمت ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا

کہ مسلمان میت کی توہین و ہتک کہاں جائز ہے۔ اسی طرح جس وقت گائے کے ذبح کا ترک شروع ہوا اور بہتیرے مولویوں نے بھی اس کو مباح قرار دے کر مصالح وقتیہ ترجیح ترک پر فتوے دے دیئے تو آپ نے سکوت پسند نہیں کیا اور شعار اسلام ہونے کے لحاظ سے اس کی ضرورت علماً و عملاً محقق فرمائی اُس وقت آپ پر سب و شتم ضرور ہوا مگر چند ہی روز بعد اس کا نتیجہ دیکھ کر ممانعت کا فتوے دینے والے خود فرضیت کا فتوے دینے لگے۔ غرض اس اصول کے ہمیشہ آپ پابند رہے کہ ہر کارے و ہر مردے۔ دنیوی ضروریات پر جس طرح اوّل نظر لیڈران قوم کی جاتی ہے اسی طرح دینی ضروریات پر اوّل نگاہ پڑنا علماء و مشائخ کا منصب ہے کہ لیڈران قوم کا فتوے لینے میں وہ علماء کو مستحق کرنے کی کوشش کریں کسی طرح دین نہیں ہو سکتا۔ ایک بار آپ نے افسوس کے ساتھ فرمایا مسلمان اس شورش میں ہلاک ہو جائیں گے کہ لیڈران کو کر لیا آگے اور مولوی ہو لیے ان کے پیچھے"۔ سر پر عمامہ آپ کی اکثر عادت تھی اور زیادہ گرمی میں ہلکی ٹوپی کم قیمت سر سے مڑھی ہوئی اور رکھتے تھے جو اکثر میرٹھ سے تیار کرا کر بھیجا جاتا تھا چوغہ آپ کا اتنی کشمیری بیش قیمت تھا اور جاڑے میں اکثر اس کو پہنا کرتے تھے۔ پاجامہ میں کمربند خاص بنا ہوا ریشم کا ہوتا تھا جس کا بننا آپ نے مولوی زکریا کی اہلیہ کو کہ بیٹی کے برابر سمجھتے تھے سکھلوایا اور وہ ڈھونڈ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا کرتی تھی۔ اچکن پہنے ہوئے میں نے حضرت کو کبھی نہیں دیکھا۔ جوتا سادہ یا ایک پھول کا پہنتے تھے مگر نہایت نرم جو اکثر لدھیانہ یا انبالہ سے آجاتا تھا۔ بڑا رومال ہاتھ میں رکھنے کی عادت تھی اور اخیر زمانہ میں لاٹھی بھی رکھتے تھے ہمت آپ کی نہایت وسیع تھی اور استقامت کا اثر دنیا کے ہر کام پر بھی پڑتا تھا کہ جس کام کا جس طریق پر عزم فرما لیا اُس سے ہٹتے نہ تھے۔ جس وقت پر کہیں پہنچنے کا وعدہ کر لیا اور جس وقت کے متعلق واپسی کا گھر والوں سے ذکر فرما گئے کتنا ہی کسی کا اصرار ہو مگر اس میں تخلف نہیں ہوتا تھا کہ دوسروں کو انتظار کی تکلیف

Marfat.com

ہو گی۔ اور اس بارے میں حضرت رحؒ کو میں نے اتنا متشدد پایا کہ صدہا واقعات پر نظر رکھی اور برسوں مشاہدہ میں کبھی ایک دفعہ بھی خلاف نہیں ہوا ناواقف و ناقدردان اس کو ضد یا رکھ رکھاؤ یا بے مروتی سمجھتے تھے کہ مشتاقوں کی الحاح پر بھی نہیں پسیجتے۔ مگر جو سمجھتے تھے کہ عزم و صدق اور وفاء وعد کی حقیقت کیا ہے وہ حضرت کے اس عمل سے سبق لیا کرتے تھے۔

ایک بار آپ نے صوفی محمد علی صاحب کی طلب پر لودھڑ تشریف لانے کا وعدہ فرمایا مگر راستہ میں گاڑی کا میل نہ ہونے کے سبب آپ نہ پہنچ سکے دوسری گاڑی سے تشریف لائے مگر ہم خدام انتظار دیکھکر واپس ہو لئے تھے ہاپوڑ کے اسٹیشن پر کہ لودھڑ وہاں سے تین میل تھا حضرت کی زیارت ہوئی اور مجبوراً چند گھنٹہ وہیں ایک مسجد میں قیام کیا اتفاق سے وہاں کے تھانیدار میرے دوست تھے ان کو معلوم ہوا کہ میں اور میرے حضرت مسجد میں مقیم ہیں تو فوراً حاضر ہوئے اور اصرار کیا کہ مکان پر کھانا تناول فرما کر جائیے حضرت نے مان لیا اور فرمایا کہ واپس جانا اسی گاڑی سے ہے۔ انہوں نے کہا بہتر اور اسباب اٹھواکر مکان پر لے آئے کھانے کا اہتمام شروع کر دیا کہ کسی قسم کا ہو اس میں دیر ہوئی اور حضرت نے گھڑی دیکھی کہ وقت قریب آگیا۔ دو تین بار حضرت نے تقاضا فرمایا کہ بھئی جو پکا ہو وہ لے آؤ گاڑی ہاتھ سے نہ جاتی رہے مگر وہ ہاں حضور ابھی آتا ہے کہکر ٹلاتے رہے کیونکہ تیار نہ ہوا تھا۔ جب وقت بہت تھوڑا رہ گیا تو حضرت سے ضبط نہ ہو سکا اور میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا چلو بستر اٹھاؤ کہ اب وقت میں گنجائش نہیں ہے میں ایسی صورت میں دوست کی رعایت کیا کرتا فوراً اٹھ کھڑا ہوا کہ بیچارے میزبان نے یہ دیکھا تو کچا پکا جو کچھ تھا جلدی سے لاکر سامنے کر دیا حضرت بیٹھ گئے اور تناول فرماتے ہوئے کہا کہ تمہارے اس تکلف ہی نے تو تمہیں اور ہمیں دونوں کو پریشان کیا۔ ایک شخص کی خاطر دوسروں کو انتظار میں پریشان کرنا مجھے پسند نہیں۔ خصوصاً جب عرض کر دیا تھا کہ اس ہی گاڑی سے جانا ہے تو

Marfat.com

محبت و اخلاص کا تقاضا یہ تھا کہ وقت کی گنجائش دیکھ کر بقدر ہو سکتا اتنا پکواتے شریعت نے ایسی سادگی کی تعلیم دی ہے نہ کہ دوسرے کو حرج میں ڈالنا کہ اسی کا تکلف ہے جو ممنوع ہے۔

ایک بار آپ احباب کی درخواست پر منصور پور تشریف لے گئے جو اسٹیشن منانی سے تین میل تھا۔ مولوی ظفر احمد صاحب ساتھ تھے حسب وعدہ ایک دن قیام فرما کر اگلے دن واپسی کا قصد کیا تو گاؤں والے مزید قیام پر مصر ہوئے آپ نے فرمایا کہ بس اتنا ہی قصد کر کے چلا تھا مدرسہ کا حرج ہو گا اور آنے والے مہمان پریشان ہوں گے۔ گاؤں والوں نے ایک نہ سنی اور سواری کا انتظام نہ کیا۔ جب ریل کا وقت آیا تو حضرت نے مولوی ظفر احمد صاحب سے فرمایا بھئی سامان اٹھاؤ اور کچھ مجھے دے دو اور پیدل ہی چلو۔ انہوں نے عرض کیا حضرت سامان کچھ نہیں صرف ایک بستر ہے وہ میں لے لوں گا۔ چنانچہ حضرت نے گاؤں والوں سے کچھ نہ فرمایا اور پیدل چل پڑے۔ گاؤں والوں نے دیکھا کہ حضرت روانہ ہو لئے تو جلدی جلدی سواری کا انتظام کیا اور پیچھے ہو لئے مگر اس وقت پہنچے جبکہ حضرت تین میل کی مسافت قطع فرما کر اسٹیشن پر پہنچ لئے۔ حضرت نے فرمایا اب سواری کس کے لئے لائے ہیں تو ریل پر بھی آ گیا۔ اور دیکھو اس طرح کسی کو تکلیف نہیں دیا کرتے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ یہاں آنے کی مجھے ہمت نہ ہو گی۔

آپ نشست و برخاست اور حرکت و سکون میں سادہ اور بے تکلف تھے مجلس میں جہاں جگہ پاتے بیٹھ جاتے۔ کوئی صدر پر بیٹھنے کا اصرار کرتا تو اس میں بھی تکلف نہ تھا اور سب سے پیچھے جگہ ملتی تو اس میں بھی گرانی نہ تھی۔ ۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ میں مجھے اطلاع ملی کہ یہاں بدوؤں کا مشاعرہ اور قومی مفاخرہ جو کبھی جاہلیت میں ہوا کرتا تھا اب بھی ہوتا ہے مجھے شوق ہوا کہ عرب کی فصاحت و ادبیت جس کا قرآن مجید سے مقابلہ کیا گیا ہے کاش دیکھتا کہ کیا رنگ ہے چنانچہ حضرت

Marfat.com

سے عرض کیا اور عشاء کے بعد حضرت بھی میرے ساتھ ہو لئے۔ جگہ دریافت کرتے
ہوئے بستی سے دور صحرا اسمٰعیل کے مقابل کھلے میدان میں بدوؤں کا اجتماع دیکھا
اور اجنبی تماشائی بنے ہوئے اس میں گھس گئے۔ بدو دائرہ بنائے ہوئے کھڑے
تھے اور وسط میں دری کا فرش تھا جس پر چند سرداران بدو بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن
میں حُقّہ کا دور چل رہا تھا اور دو مختلف قبیلوں کے بیچ میں مفاخرہ ہو رہا تھا دس
دس بدو بالمقابل کھڑے تھے۔ ایک بدو آگے بڑھا اور اس نے عربی شعر پڑھا
اور اس کی قوم نے اس کو متفقہ آواز میں گانا شروع کر دیا۔ یہ گویا دعویٰ اور
سوال تھا کہ فریق مقابل سے اس کے جواب کا مطالبہ ہے۔ اس شعر میں اپنی قومی شرافت
کا ملیح تذکرہ کرتے ہوئے دوسرے پر طعن کیا گیا تھا۔ دو منٹ نہ گذرنے پائے تھے
کہ فریق مقابل کا ایک بدو اپنے جتھے سے نکل کر آگے آیا اور چھڑی ہلائی۔ اس کے
نکلتے ہی سارے بدو خاموش ہو گئے اور اس نے اُسی بحر اور اسی قافیہ میں شعر
پڑھا جس میں خصم کے طعن کا ملیح جواب دیتے ہوئے اپنے قومی مفاخرہ کا تذکرہ
اور ترجیح تھی۔ اب اس کی قوم اس شعر کو متفقہ زبان میں گاتی اور گویا بار بار خصم
سے مطالبہ کرتی تھی کہ جواب لاؤ۔ چنانچہ جماعت اولیٰ میں سے پھر کوئی شخص جلد
از جلد آگے بڑھ کر چھڑی ہلاتا اور سب کو خاموش کر کے اُسی بحر اور اسی ردیف
میں جواب الجواب سناتا اور اس کے جتھے والے اس کو گانا شروع کر دیتے۔
وسط میں بیٹھے ہوئے سرداران قوم گویا حکم و سرپنچ تھے کہ شعر قابل مدح ہوتا تو
بخ بخ کہکر تحسین کرتے اور مذموم و ناقص ہوتا تو تھو تھو کر کے تہجین و تنقیص کر دیتے
تھے۔ حضرتؒ کس بے بسی کے عالم میں عامی بنے ہوئے دیر تک بندہ کے ساتھ مجمع
میں کھڑے رہے اور حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ نہ پہلے سے کوئی مضمون دیا گیا
ہوا ہے نہ بحر معین کی ہوئی ہے نہ ایک فریق کو یہ معلوم ہے کہ خصم کیا طعن دے گا
اور اپنا کون سا فخر ظاہر کرے گا جس کے لئے تیار ہو کر آئے ہوں۔ فوراً سوال
اور فوراً ہی اسی طرز میں جواب اور پھر جواب الجواب اور پھر اس کا جواب کہ یہ

سلسلہ چلتے ہوئے گھنٹہ بھر سے زیادہ گذر لیا۔ جواب میں کسی فریق کو ذرا دیر ہوتی تو ہجوں کی طرف سے عجلت کا تقاضا شروع ہوتا ورنہ ہارا اور مغلوب سمجھا جاتی تھی۔ کیا حال ہوگا پہلی فصاحت کا جس کے متعلق سنتا ہے کہ فی البدیہ کھڑے کھڑے پچاس ساٹھ شعر بنا دیتے کوئی بات ہی نہ تھی۔ گویا پہلے سے بنائے ہوئے تیار رکھے ہیں اور اشعار بھی وہ جن سے جنگ میں شراب کا کام لیا جاتا کہ سامعین مست و بیخود ہو کر جانیں لڑا دیا کرتے تھے۔ اب اتنا ضعف ضرور ہے کہ دعوے اور جواب کے لئے ایک شخص کی تحدید نہیں ہے بلکہ قوم کے دس شاعر ایک کے حکم میں ہیں۔ کہ جس کی طبیعت جلد رسائی کر جائے وہ جواب دے دے۔ مگر شعر میں صرف وزن و قافیہ ہی نہیں بلکہ یہ تمام رعایتیں ضروری ہیں کہ الفاظ مہذب ہوں۔ بندش دلربا ہو۔ مضمون سلیس ہو۔ مفہوم بے غبار اور آسان ہو۔ پھر اس میں مدعی کے دعوے کا نقض مدلل ہو۔ اس کے طعن و اعتراض کا جواب ہو۔ اس کی مفاخرت کی تردید ہو اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنی مفاخرت کسی واقعہ سے مبرہن اور خصم پر طعن باقاعدہ ہو۔ اتنی کثیر رعایتیں اور چند منٹ کی تاخیر پر خصم کا اپنے لاجواب شعر کو بار بار گاتے ہوئے اس پر بزبان حال طعن کرتا کہ بس جواب بن نہ پڑا اونٹ چرانے والے ان پڑھ بدوؤں میں یہ ایسا دلکش نظارہ تھا کہ قرن اولیٰ کی دشواریاں یاد دلا کر مجسم حیرت بنائے ہوئے تھا۔ آخر وقت ختم ہو گیا اور مفاخرہ آئندہ شب پر ملتوی ہوا کہ فیصلہ کے لئے تیسری شب یعنی وہ رات ہے جو ۱۲ تاریخ گذر کر آئے گی۔ میں نے دیکھا کہ گھنٹہ بھر میں حضرت نے بیٹھنے کا بھی قصد نہیں فرمایا نہ اجنبیت محضہ سے اکتائے اور نہ اجڈ بدوؤں کی دھکا پیل سے گھبرائے۔ جب تھک گئے تو فرمایا چلو بھئی اب رات زیادہ گئی اور مخدوم و خادم دونوں اسی راستہ سے قیام گاہ پر واپس آ گئے۔

سفر حج میں آپ پیدل چلنے پر سواری کو ترجیح دیتے اور فرمایا کرتے تھے یہاں کی سواری کی بدولت آرام تو زیادہ ملتا نہیں بلکہ ہچکولوں سے ہڈیاں تک

دکھنے لگتی ہیں۔ اس لئے مالی اور بدنی مشقت مجتمع ہوجاتی ہے جس کے لئے حج کی فضیلت ہوئی ہے اور پیدل چلنے میں نہ مالی مشقت ہے نہ زیادہ بدنی۔ ہاں سواری ساتھ لئے ہوئے کبھی آپ پیدل بھی چلتے بالخصوص مدنی راستہ میں نمازوں کے لیے یا آخری منزل میں دار محبوب کے قریب پہنچکر۔ آخری سفر میں مدینہ سے چار میل ادھر ایک کنوئیں پر قافلہ کو روکا غسل کیا کپڑے بدلے خوشبو لگائی اور آستانہ محبوب پر حاضری کے لئے تیار ہو کر اونٹ پر سوار ہو لئے۔ چند قدم چلے تھے کہ مولوی سید احمد صاحب نظر آئے جو استقبال کے لئے یہاں تک آگئے تھے ان کو دیکھتے ہی آپ اونٹ پر سے اتر لئے اور خاص رفقاء نے بھی ساتھ دیا مگر جب دیکھا کہ منزل دور ہے تو اکثر لوگ دوبارہ سوار ہو گئے مگر حضرت نے یہ چار میل نہایت بشاشت کے ساتھ پیدل ہی قطع کئے کہ جو رفیق ساتھ رہ گیا تھا جگہ پر پہنچکر بدحال ہو گیا اور بیٹھ کر اٹھنا مشکل پڑ گیا۔ مگر حضرت نے باوجود ضعف پیری کے کچھ بھی تکان نہ مانا۔

زکوٰۃ آپ پر بجز آخری چند سال کے کبھی فرض نہیں ہوئی کہ کبھی صاحب نصاب ہی نہیں ہوئے بلکہ مقروض رہتے تھے اور جب کچھ حصہ جائداد وغیرہ کی یک مشت رقم مل جاتی تو حاضرین یا حرمین میں خرچ فرما دیا کرتے تھے یا صدقات میں۔

مرحومہ دختر کے ترکہ میں آپ کو حصہ ملا تو آپ نے سب کا سب مدرسہ میں دیدیا۔ مرحومہ کی کوئی چادر یا استعمال شدہ کوئی اور کپڑا جس کے متعلق داخلہ مدرسہ کے بعد اس کی ماں کو خیال آیا کہ یادگار کے درجہ میں خود رکھ لیتی مگر حضرت نے فرمایا اب تو اللہ کی ملک بن چکا مجھے واپسی کا حق نہیں ہے۔ والدہ نے اپنے بھائی کی معرفت مہتمم صاحب سے کہلایا تو انہوں نے بھی صاف جواب دے دیا کہ واپسی نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ نیلام کرتے وقت قیمت بازار سے زیادہ دے کر لے لو۔ بھائی نے کہا بھی کہ نیلام میں جو قیمت قرار دو وہ ہم دے دیں۔ مگر مہتمم صاحب حد سے زیادہ محتاط تھے فرمایا مجھے قیمت کا اندازہ کرنے میں غلطی کر جانا ممکن ہے کہ شاید اس سے زیادہ مل سکے اور مدرسہ کی چیز ہے مجھے رعایت

جائز نہیں۔ ان کو غصہ بھی آیا اور حضرت سے کہا بھی کہ مہتمم بہت ہی بے مروت ہیں مگر حضرت نے فرمایا وہ کا منصب ہی ہے اور اعتراض میں کیا حرج ہے کہ نیلام کے وقت تم جاؤ اور لینا ہو تو اجنبیانہ حیثیت سے جس قیمت پر پہنچے بڑھا کر دو۔ چنانچہ نیلام ہوا اور بولیاں بولی گئیں۔ اتفاق کی بات کہ ان کی بولی پر چند پیسے کسی نے بڑھائے تھے کہ یہ سوچتے ہی رہے اور وہاں ایک دو تین ہو گیا ان کو بہت ہی رنج ہوا مگر حضرت نے وہی جواب دیا جو مہتمم دے چکے تھے کہ اس میں کسی کا کیا قصور۔ کوتاہی تمہاری تھی کہ جب لینا تھا تو قیمت کیوں نہ بڑھائی۔ اب خریدار سے نہیں کہا جا سکتا کہ تمہاری بہن کی رعایت میں تم کو دیدے۔

ماہ رمضان میں آپ کی تقلیل طعام زیادہ بڑھ جاتی تھی مگر معمولات میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ نہ فتاوے بند ہوتے تھے۔ نہ خطوط کی آمد رکتی تھی نہ زائرین کی ملاقات میں کمی آتی تھی۔ ہاں مدرسہ کی تعطیل رہتی تھی اور درس کا وقت تلاوت کلام اللہ کی نذر ہو جاتا تھا۔ آپ افطار میں تعجیل فرمایا کرتے تھے اور سحور میں تاخیر۔ کہ طلوع فجر کے پندرہ منٹ قبل نوافل معمولہ سے فارغ ہو کر کھانا تناول فرماتے اور پانچ منٹ قبل پہلے گولے کی آواز پر کلی کر لیا کرتے تھے۔ روزہ کی حالت میں کبھی آپ کے چہرے یا آواز سے کسی کو یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ روزہ سے ہیں یا بھوک پیاس کی تکلیف ہے افطار آپ تمر مدینہ یا ماء زمزم سے کرتے اور کبھی پھلکی دال وغیرہ کچھ افطاری بھی مکان سے آتی اور سب کو ساتھ بٹھا کر آپ کھاتے تھے۔ مغرب کی نماز کو اتنا موخر فرماتے تھے کہ روزہ دار اطمینان سے کچھ کھا پی لیں کہ اس حدیث کا صحیح محمل اور قدر و منزلت سب پر واضح ہو جائے جس میں ارشاد ہے کہ نماز پر کھانے کو مقدم کرو۔ مختصر افطار کے بعد آپ باجماعت فرض پڑھتے اور پھر اس تعدیل کے ساتھ صلوۃ الاوابین جس کے آپ عادی تھے۔ باطمینان فارغ ہو کر مختصر سا کھانا کھاتے اور پھر وضو فرما کر عطر وغیرہ لگا کر تراویح کے لئے تیار ہو جاتے تھے رمضان کے

Marfat.com

سے جا نماز بھی عمدہ بچھائی جاتی تھی اور خوشبو کا بھی اکثر زیادہ استعمال فرمایا کرتے
تھے ختم قرآن کا بڑا اہتمام تھا مگر یا خود پڑھتے یا صحیح پڑھنے والے خوش الحان کا
سنتے اور بیان کی قید نہیں اور راتوں سے زیادہ جاگتے تھے ایک سال ۲۱-۲۳-۲۵
۲۷-۲۹ کی پانچ راتوں میں آپ نے مولانا محمد یحییٰ صاحب کا پورا قرآن تہجد کی نفلوں
میں سنا مگر جماعت میں تین چار آدمی سے زیادہ نہ ہوتے تھے کہ مکروہ ہے اور
جماعت شروع ہونے سے پہلے دو رکعتیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے

عشرہ اخیرہ میں اعتکاف کا آپ کو بڑا اہتمام تھا کہ بجز آخری ایک دو سال
کے جس میں آپ پر ضعف کا زیادہ غلبہ تھا کبھی آپ کا اعتکاف نہیں چھوٹا معمولات
کے متعلق جو آپ کی عادت اور دائمی ایک عادت تھی بس وہ ایک عجیب چیز تھی
کہ نہ رمضان میں بدلتی تھی نہ شوال میں کسی خاص یوم یا مہینہ میں کوئی خاص اقدام
ممکن تھا مگر دائمی حالت میں ترمیم مفقود کہ نہ اس میں کوئی شے کم ہوتی تھی نہ وقت
بدلتا تھا ضرورت ہوتی تو آپ رمضان میں بھی سفر کیا کرتے مگر حافظ کو ضرور ساتھ
لے جاتے تھے کہ تراویح یا تہجد خود پڑھیں تو وہ سامع بنیں ورنہ ان کو امام بنا کر
سنیں کہ ختم قرآن یا اس کی ترتیب میں فرق نہ آئے شیخ رشید احمد صاحب سے
آپ کو بہت محبت تھی ان کے بچوں کے ختم قرآن کی خوشی میں آپ تشریف لائے
اپنی تراویح تو علیحدہ پڑھیں مگر ختم کے وقت مسجد میں تشریف لا کر بیٹھ گئے
اپنے خدام کی خوشی اور غمی میں شریک ہونے کا آپ کو زیادہ اہتمام تھا اور اس لئے
ولادت عقیقہ بسم اللہ نکاح افتتاح دکان بنیاد مکان ختم قرآن وغیرہ کی جس
خوشی میں آپ بلائے جاتے تو شرکت فرماتے اور کوئی معصیت دیکھتے تو روک دیتے
ورنہ خندہ روئی کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے ایک بار آپ کسی تقریب نکاح میں
میرٹھ صدر تشریف لائے لڑکے والے نے درخواست کی کہ تبرکاً دولہا کو
کپڑے حضرت پہنا دیں آپ وہاں تشریف لے گئے جہاں دولہا غسل کئے ہوئے
کپڑے پہننے کا منتظر کھڑا تھا بندہ بھی ساتھ گیا تھا پاجامہ تو آپ نے اپنے ہاتھ

دے دیا۔ اچکن کا نمبر آیا تو آپ نے کہا دیکھنا کیا ریشم کی ہے؟ میں نے غور سے دیکھ
کر عرض کیا کہ جی حضرت ریشم ہی معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے اس کو رکھ دیا اور فرمایا
اس کا پہننا اور پہنانا حرام ہے۔ پھر ٹوپی دیکھی تو وہ بھی مغرق۔ اس پر حضرتؒ نے
تیز لہجہ میں فرمایا یہ بھی حرام۔ لڑکے والے کچھ محتاط نہ تھے انہوں نے حضرت کے
انکار کی پروا نہ کی اور خود اٹھا کر دولھا کو پہنا دیا۔ حضرت کا چہرہ غصہ سے
سرخ ہو گیا مگر تحمل فرمایا اور مجھ سے یہ کہکر کہ چلو، وہاں سے واپس ہو گئے۔ اب
قیام گاہ پر بھی نہ آئے اور رنج و افسوس میں بھرے ہوئے حاجی وجیہ الدین صاحب
کے مکان پر آ بیٹھے فرمایا یہ کیا تعلق ہے کہ معصیت میں شریک کرنے کو بلاتے ہیں
اس نکاح میں شریک ہونے والے سب گنہگار ہوں گے جہاں دولہا حرام لباس پہنے
بیٹھا ہو کہ کوئی عامل ہے اور کوئی اس پر راضی۔ یہ سنکر سب میں ہلچل مچ گئی کہ برادری
کا قصہ تھا اور حضرتؒ کے ساتھ کئی لوگوں کو تعلق تھا کہ نہ حضرت کو چھوڑ سکیں نہ برادری
کو۔ دوڑے ہوئے گئے کہ کسی طرح دولہا کے کپڑے بدلوا دیں مگر بہتیرے تھے جن کو نہ
حضرت سے تعلق تھا نہ اتباع شریعت کا اہتمام اس لیے وہ تیار نہ، لباس کو نحوست اور
بدشگونی سمجھے اور کہتے تھے کہ جو دلہن کے ہاں سے جوڑا آیا ہے وہی پہننا ضروری ہے
مگر یہ دوڑ دھوپ کرنے والے سر برآوردہ اور مدبر تھے آخر کامیاب ہوئے اور
حاجی وجیہ الدین صاحب مصری کپڑے کی بیش قیمت اپنی اچکن نکال کر جلدی سے پہنچے
کہ اس سے بہتر تو دولھا کو یہ جوڑا کیا ہندوستان میں بھی کہیں نصیب نہ ہوگا۔ وہ
پہنا کر اور ٹوپی کے بجائے عمامہ بندھوا کر حضرت کے سامنے لے آئے کہ حضرت
اب تو تشریف لے چلیں۔ اس وقت آپ اٹھے اور شریک عقد ہوئے۔

ایسا ہی ایک قصہ دہلی میں پیش آیا کہ بندہ اس وقت بھی ساتھ تھا اور گو عقد
کی شرکت میں مدعو ہو کر حضرت نہیں گئے تھے مگر قیام دہلی میں اس عقد کا اتفاق
ہوا اور دولہا کے اعزہ نے شرکت پر اصرار کیا۔ وہی دولہا کے کپڑے پہننے کا وقت
آیا تو حضرت کو بلایا گیا اور حضرتؒ نے ریشمی لباس دیکھ کر اس کو جھٹک جھٹک دیا

Marfat.com

یہاں اتنا اضافہ اور ہوا کہ حضرت نے جب کپڑا جھٹک دیا تو فوراً دولہے نے کھڑے ہو کر پہنا دیا۔ حضرتؒ وہاں سے اٹھ کر حکیم جمیل الدین صاحب کے مطب میں آ بیٹھے اور مجھ سے فرمایا کہ تانگہ لاؤ کہ چلیں اسٹیشن پر۔ یہاں صرف چند ہی تھے جو قوم اور شریعت کے مقابلہ امتحان میں پختہ اترے کہ وہ برادری کو چھوڑ کر حضرتؒ کے پاس آ بیٹھے ورنہ اکثر دیندار عورتوں نے کوشش ضرور کی کہ کچھ رسما تبدیل ہو جائیں مگر فریق ثانی کا پلہ بھاری تھا اور حضرتؒ پر طعن تشنیع ہونے لگا تو وہ بھی چپ ہو گئے۔ آخر دولھا کے ساتھ ہو لیے۔ اللہ جزائے خیر دے حاجی اسمٰعیل پٹنہ والوں کو کہ ایسا باہمت عالی حوصلہ شخص میری نظر سے نہیں گذرا ہر چند کہ ان کے قریبی رشتہ کا قصہ تھا مگر ذرہ برابر پروانہ کی میں دیکھ رہا تھا کہ اسی ادب و انبساط کے ساتھ حضرتؒ کے پاس بیٹھے حضرتؒ کا دل بہلا رہے تھے گویا کوئی قصہ ہی نہیں ہوا۔ حضرتؒ نے کمال تاسف کے ساتھ فرمایا ہم لوگ اسی لئے امرا کی تقریبات میں شرکت کے قابل نہیں ہیں وہ لوگ اپنی رسومات میں اتنے پختہ کہ حلال حرام کا لحاظ نہ کریں اور ہم شریعت پر پختہ ہو کر ان کی خوشی و ناراضی کی پروانہ کریں تو ہم کو طعن کرتے ہیں۔ اللّٰہ کا شکر ہے ہم دعوتوں کے بھوکے نہیں اور نہ کسی کی تقریب میں شرکت کی امنگ ہے دلداری کو بھی جی چاہتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ معصیت کے مرتکب ہوں جس کا دل چاہے ہم کو چھوڑ دے مگر ہم سے توقع نہ رکھے کہ خدا اور رسول کو چھوڑ کر ان سے ملاپ کی خواہش رکھیں گے۔ حاجی اسمٰعیل صاحب اپنی عادت کے موافق مسکراتے اور عرض کرتے تھے کہ حضرت بالکل صحیح ہے اور یہ نئی پود تو ایسی آزاد بھی ہے کہ قوم کے بڑوں کا بھی ان کو لحاظ نہیں رہا جہاں شریعت کا احترام گیا وضعداری کا نام بھی جاتا رہا۔ ان سے کوئی درخواست ہی کرنا حماقت ہے۔ میں تانگہ لینے اٹھا تو حاجی صاحب نے فرمایا سواری موجود ہے حضرت اس میں جائیں گے حضرت نے فرمایا نہیں آپ کو تکلیف ہو گی۔ عرض کیا کہ حضرت میں

Marfat.com

مگر تو اسٹیشن کے راستہ میں ہے میں ساتھ چل کر وہاں اتر لوں گا اور حضرت اسٹیشن پر چلے جائیں گے چنانچہ ریل کا وقت جب قریب آگیا تو حاجی اسمٰعیل صاحب حضرت کو اور مجھے لے کر اپنی گاڑی میں سوار ہوئے اور خود مکان کے قریب سڑک پر اتر کوچبان سے کہا اسٹیشن پر لے جاؤ۔

حضرتؒ کی یہ شرکت و دلداری اکثر جگہ بہتیری خرافات کی اصلاح کا سبب بن گئی اور جہاں ضد ہوئی وہاں اتنی درجہ تبلیغ اور امر بالمعروف کے ساتھ اسکی تعلیم ضرور ہو گئی کہ دیندار کو کس پختگی و استقلال کا برتاؤ کرنے کی ضرورت ہے اور وہ مستحب معاشرت و دلداری کونسی ہے جس پر اجر کی توقع ہے اور مداہنت و کمزوری سے ممتاز ہے

خوشی کے مواقع پر مٹھائی وغیرہ کی تقسیم یا احباب و اعزہ کے جمع کرنے کو آپ منع نہ فرماتے اور سرور کی ان صورتوں پر آپ کو تشدد نہ تھا یوں فرمایا کرتے تھے کہ جس بات کو دین سمجھکر کیا جائے حالانکہ وہ دین نہیں اس کا نام بدعت ہے اور اس پر تشدد ضرور ہے۔ مگر جن باتوں کو دنیا ہی سمجھکر کیا جاتا ہے ان کو بدعت کا درجہ دینا فرق مراتب سے غفلت ہے۔ نیز فرمایا کرتے کہ شرعی گنجائش پر عمل کر کے ملا جلا رہنا صلہ رحمی کو بھی قائم رکھتا ہے اور اکثر اصلاح کا بھی سبب بن جاتا ہے ورنہ اس زمانہ میں آزادی ایسی آگئی کہ ہم علیحدہ ہو کر بیٹھیں تو دوسروں کو پروا بھی نہ ہو گی۔ وہ کہیں گے تم روٹھے ہم چھوٹے۔ اور اس طرح معاصی میں اور زیادہ ڈوبیں گے۔ اور فرمایا کرتے کہ پہلے زمانہ میں عوام محتاج تھے اور نائبین رسالت محتاج الیہ کہ جتنا بھی ان پر تشدد ہوتا وہ اس کا اثر لیتے پریشان ہوتے اور توبہ و رجوع کیا کرتے تھے مگر اب تو وہ زمانہ ہے کہ خود طالب بن کر لگے لپٹے رہو اور کچھ کام اصلاح کا نکال لو تو نکال لو ورنہ عوام کو اصلاح کی پروا تو کیا حس بھی نہیں ہے پس اصلاح امت کے لئے اللہ و رسول کی خوشی کی خاطر تہذیب ہی رنگ بدلنے پڑیں گے کہ این ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔

ہاں معصیت کا ارتکاب کسی حال جائز نہیں ۔ اور فرمایا کرتے کہ پہلا سا رنگ
اختیار کرلے تو آج کوئی پاس بھی نہ پھٹکے۔ اس لئے ہمارے حضرتؒ نے رسمی
امور میں کبھی تشدد نہیں برتا۔ ذرا بھی کسی میں طلب پائی تو اپنے سے چپٹائے رکھنے
کی کوشش فرمائی۔ ہاں اپنے امور میں کسی خاص صورت کے پابند نہ تھے موقع
ہوا خرچ بھی کیا دعوت بھی دی زیورات اور کپڑے بھی دیئے اور اگر نہ ہوا تو سادہ
طریق پر نکاح کردیا۔ خدام آپ کی اس سادگی کا نظارہ کرتے اور اس اصل کو سمجھ لیا
کرتے تھے کہ انسان دنیا میں اپنے اللہ کی طاعت کے لئے آیا ہے اور یہی ایک
شے ہے جو ہر طرح مواظبت واہتمام وپابندی کی صلاحیت رکھتی ہے۔ باقی دنیا
محض اس لئے ہے کہ بقاء جسم اور حصول انبساط کا آلہ بن کر طاعت کی ماندگی و
کسل کو کھودے۔ اس کا کوئی جزو بھی اہتمام کے قابل نہیں جیسا وقت پائے کر
گذرے اور مزاج وخوش طبعی کے درجہ میں کوئی خوشی بھی منالے تو مضائقہ نہیں
مگر طاعت کا معمول ترک نہ ہو اور قلب کا سکون جس پر حلاوت ولذت دینی کا
مدار ہے جانے نہ پائے کہ آلہ آلہ بنا رہے اور مقصود مقصود۔ مولوی ظفر احمد
صاحب کا نکاح ہوا تو آپ نے فرمایا مولوی ظفر تمہارے گھر سے تو شاید ہم کو
نہ بلایا جائے گا کہ کسی کو بھی نہیں بلایا گیا مگر ہم ولیمہ کے دن خود ہی آئیں گے۔
چنانچہ جمعہ کو نکاح ہوا اور شنبہ کو حضرت خود ہی تھانہ بھون پہنچ گئے یہاں ولیمہ
بھی نہ تھا کہ دینی مصالح کی بنا پر حضرت مولانا تھانوی کا رنگ ان امور میں بھی تشدد
کا ہے جیسا کہ ہمیشہ اکابر میں رنگ کا اختلاف رہا ہے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا میاں
ولیمہ تو سنت تھا یہ بھی نہ ہوا۔ عرض کیا حضرت ولیمہ بھی آجکل سنت کے موافق نہیں
ہوتا اس لئے عملاً ظاہر کیا کہ یہ بھی ضروری نہیں ہے۔ ہاں خوشی کے طور پر مٹھائی
تقسیم ہوئی تھی وہ حضرت کے لئے خاص اہتمام سے الگ لایا ہوں۔ مولوی ظفر احمد
صاحب شادی کے لئے جب سہارنپور سے چلنے لگے تو حضرتؒ نے ان کو ایک صدری
عطا فرمائی جو ان کے شادی کے لباس سے بھی زیادہ قیمتی تھی مولوی ابراہیم خان نے

آپ کو اپنے نکاح کی شرکت کے لئے ٹونک بلایا تو آپ تشریف لے گئے۔ وہاں رسم ہے کہ جب دولہا نکاح کے لیے دلہن کے گھر جاتا ہے تو دلہن والے ساری بارات کو روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ جب تک منہ مانگا حق نہ دیدو گے جانے نہ دو گے چنانچہ حضرت بھی روک لئے گئے بندہ ساتھ تھا مسکرا کر فرمایا بھئی یہ مہمانوں کی اچھی قدر ہے کہ دو تو رہائی ملے ورنہ قید۔ ایک بوڑھے بزرگ عالم بھی ساتھ تھے وہ آگے بڑھے اور دلہن والوں سے کہا حضرت کو تو چھوڑ دو اور تم دونوں فریق نمٹتے رہو۔ چنانچہ حضرت اور بندہ تو رہائی پا کر مکان پر آ بیٹھے اور دولہا بیچارہ گھنٹہ بھر بعد پہنچا۔

یہ واہیات باتیں حضرت کو ناگوار ضرور گزرتی تھیں مگر ہنس کر ٹال دیتے اور ان کا خرافات ہونا ظاہر فرما دیا کرتے تھے۔ حاجی احمد حسن صاحب کی دعوت پر آپ انبالہ گئے اور لڑکے لڑکی کا نکاح جو بہت ہی سادہ ہوا تھا خود پڑھایا۔ اسی طرح آپ دوستوں کی غمی میں شرکت فرماتے اور صرف تحریر پر اکتفا نہ کرتے بلکہ جلد از جلد تشریف لانے کا اہتمام فرماتے کہ اس سے مصدوم کو تسلی بھی زیادہ ہوتی تھی اور اس کو حضرت سے تعلق بڑھ جاتا تھا جس کی وجہ سے تدریجاً رسومات میں بہت کچھ اصلاح ہو جاتی تھی۔ میری اہلیہ کا جس زمانہ میں انتقال ہوا تھا تو وبا پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت خود علیل تھے اور جگہ جگہ سے اعزہ و احباب کی وفات کی اطلاعیں آ رہی تھیں۔ آپ فوراً تشریف نہ لا سکے مگر آپ کا یہ والا نامہ آیا۔

مکرم و محترم مدفیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج فجر منشی حمید الدین کی زبانی اطلاع حادثہ انتقال والدہ محمود الٰہی مرحومہ معلوم ہو کر موجب کلفت ہوئی اس کے بعد ڈاک میں آپ کا خط پہنچا اور جس قدر خطوط ڈاک میں پہنچے کوئی بھی ایسا خط نہیں تھا جس میں کسی عزیز یا دوست کے حادثہ کی اطلاع نہ ہو خطوط پڑھ کر طبیعت اس قدر بے حس ہو گئی کہ کچھ صدمہ کا بھی احساس نہ رہا انا للہ و انا الیہ راجعون میری حالت یہ ہے کہ ہر وقت بخار کی حرارت رہتی ہے بلکہ

Marfat.com

جن کی وجہ سے چلنا پھرنا کیا اٹھنا بیٹھنا بھی دشوار ہے۔ ورنہ کیا ممکن تھا کہ میرٹھ نہ آتا۔ اب سب کچھ سن رہا ہوں اور افسوس کہ ہل نہیں سکتا۔ بچوں کو سخت صدمہ ہوگا۔ ابھی آپ تشریف آوری میں جلدی نہ کریں اور سب عزیزوں کو دعوات سلام فرمادیں۔ والسلام

فراست و ذکاوت آپ کی بے نظیر تھی۔ خدام اپنے تجارتی صنعتی معاملات اور طرح طرح کے مقدمات میں آپ سے مشورہ لیتے تو آپ یہ لکھکر کہ بندہ ان معاملات میں کیا مشورہ دے جن سے مناسبت و واقفیت نہیں ان کی تسلی کے لئے تحریر فرمادیتے کہ میرے خیال میں یوں کرلو۔ بارہا تجربہ ہوا کہ حضرت کی رائے ملیشہ صائب ہوئی اور انجام کار اسی میں علاج و منفعت نکلی کہ اچھے اچھے تجربہ کار اور عقلاء حیران ہوگئے۔ یاد داشت آپ کی اتنی قوی تھی کہ پچیس پچیس برس قبل حضرت ایک مرتبہ ملاقات کرنے والے کو صورت دیکھتے ہی فوراً آپ نے پہچان لیا۔ ایک بار بندہ حاضر تھا کہ ایک عرب آئے آپ ان کو دیکھتے ہی کھڑے ہوگئے اور بغلگیر ہوکر ملے پھر تعجب کے ساتھ مجھ سے فرمایا مولوی عاشق الٰہی پہچانا بھی؟ میں نے ان کو بغور دیکھا اور عرض کیا کہ حضرت میں نے نہیں پہچانا۔ فرمایا بھائی فلانے ہیں جو ۲۳ھ کے سفر حج میں فلاں جگہ ہم سے ملے تھے۔ وہ خود بھی حیران ہوگئے اور عرض کیا حضرت آپ نے خوب پہچانا حالانکہ اس وقت کی سرسری ملاقات کے بعد آج پچیس برس میں ملنا ہوا ہے۔ فرمایا ہاں بھئی بعض کو ایک دفعہ دیکھ لیا تو عمر بھر نہیں بھولا اور بعض کو بیس مرتبہ دیکھتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں۔

خدام کے ساتھ آپ بہت بے تکلف رہتے ان کو ہنساتے قصے سناتے خوشدل بناتے اور کبھی کبھی مزاح بھی فرمایا کرتے تھے ایک بار فرمانے لگے ہمارے ایک چچا تھے بڑے زندہ دل اور مسخرے۔ زمین کے متعلق اپنے رشتہ داروں سے مقدمہ تھا عدالت سہارنپور میں مقدمہ ان کے حق میں فیصل ہوگیا۔ کچہری سے باہر نکلے تو ایک شخص جو فریق ثانی کا خیر خواہ تھا انہیں جاتا ہوا ملا۔ اس نے دریافت کیا پیر جی آج

مقدمہ میں کیا ہوا؟ سو کھا سا منہ بنا کر کہا میاں ہمارے گھر جا کر کہہ دیجو کہ جو اللہ کی مرضی تھی وہ ہو گیا صبر کریں۔ وہ سمجھا کہ یہ مقدمہ ہار گئے۔ دل میں بہت خوش ہوا۔ انہیں پہنچ کر ان کے ہاں پیام پہنچا دیا کہ مقدمہ ہار گئے اور فریق ثانی کے ہاں جا کر مبارک باد دی۔ ان کے ہاں تو رونا پیٹنا شروع ہو گیا اور فریق مخالف نے اگلے دن دعوت کا سامان کر کے دیگیں چڑھوا دیں ہارے ہوئے فریق جو گھر پہنچے تو دیگیں دیکھ حیران لوگ آ آ کر مبارک باد دیتے تھے اور یہ ان کو گالیاں دیتے تھے اور ہمارے چچا کھڑے ہنستے تھے۔" ایک دعوت میں حضرت کے ہمراہ بعض مخلصین کھانا کھا رہے تھے ایک صاحب تبرک کے زیادہ شوقین تھے کہ جہاں حضرت نے ایک تشتری میں سے ذرا سا کھا کر دوسری تشتری کی جانب توجہ کی انہوں نے حضرت کے سامنے سے جھٹ تشتری اٹھا کر خود کھانا شروع کر دیا اور کہا حضرت کا تبرک" اس طرح زردہ پلاؤ وغیرہ کئی تشتریوں پر انہوں نے ہاتھ صاف کیا۔ آخر میں حضرتؒ نے دال کی تشتری بھی انہیں کے آگے سرکا دی اور فرمایا لو دال کا تبرک بھی تو کھاؤ۔" مولوی ظفر احمد صاحب کے لڑکا تولد ہوا تو حضرت نے فرمایا مولوی ظفر ہم نے تمہارے بچے کا تاریخی نام سوچا ہے مرغوب احمد۔ مگر حساب کر کے تم خود دیکھو کہ کتنے عدد ہوتے ہیں۔ انہوں نے حساب لگایا اور عرض کیا حضرت آٹھ عدد زیادہ ہیں۔ بے ساختہ فرمایا بس ب اور و کو حذف کر دو مرغ محمد تاریخی نام ہے۔ لوگ اس پر ہنسنے لگے تو فرمایا میاں کلب علی سے تو مرغ محمد بہر حال اچھا ہے۔" شعر تصنیف کرنے یا پڑھنے کی آپ کو عادت نہیں تھی۔ حالانکہ ادب میں آپ کو مہارت کاملہ تھی کہ صدہا اشعار عربی کے آپ کو یاد تھے۔ ایک بار عمرہ لانے کے لئے آپ پیدل مسجد تنعیم تشریف لے گئے اور مجھے ساتھ لیا۔ راستہ میں آپ نے بیسیوں اشعار حماسہ اور متنبی کے سنائے اور ادبیت و فصاحت عرب کا کمال بیان فرماتے چلے گئے۔ مجھے حیرت تھی کہ یوں کبھی حضرت کو شعر پڑھتے نہیں سنا مگر اشعار حضرت کو خوب یاد ہیں۔ عربی بولنے پر حضرت کو پوری قدرت تھی اور کمال تھا کہ اہل عرب و اشراف سے نحوی عربی بولتے تھے اور بدوؤں سے بدوی۔ آپکو

Marfat.com

کبھی تعب کے بعد بدن دبوانے کی عادت تھی اور وہ بھی زور و قوت کے ساتھ کہ جو شخص دبانا جانتا تھا بس وہی دبا سکتا تھا ورنہ بجائے راحت کے تکلیف ہوتی تھی ایک بار بندہ نے بدن دبانا شروع کیا فرمایا بھئی تمہیں بدن دبانا نہیں آتا رہنے دو۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے معلوم ہے کہ بدن دبانا نہیں آتا مگر برکت کے لئے ہاتھ مس کرنے کو اور اس زمرہ میں شامل ہونے کو دل چاہتا ہے۔ فرمانے لگے ایک مُلّا تھے اپنے شاگردوں سے بدن دبوانے کے بڑے عادی تھے۔ وہ حج کو گئے اور جب واپس آئے تو خادموں نے پوچھا حضرت ہمیں یاد بھی رکھا تھا؟ فرمایا ہاں تمہیں تو کسی وقت بھی نہیں بھولا۔ عرض کیا حضرت ہمارے لئے دعا بھی فرمائی؟ کہا ہاں دُعا بھی کرتا تھا اور کوستا بھی تھا۔ عرض کیا حضرت یہ کیوں؟ فرمایا جب بدن میں درد ہوتا اور کوئی دبانے والا نہ ملتا تو کوستا تھا کہ تم عادی بناتے نہ یہ تکلیف ہوتی۔

آپ اسپرٹ آمیز چیزوں سے وحشت کھاتے تھے۔ جب آپ کے دانت گر گئے اور تلاوت و درس میں صحیح الفاظ نکلنے دشوار ہو گئے تو آپ نے مصنوعی دانت بنوائے۔ مانجہ دہن کا لینے کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ یہ اسپرٹ سے پکایا گیا ہے تو آپ نے نفرت ظاہر فرمائی اور پانی منگا کر کُلّیاں کیں۔ پان آپ بہت کم کھاتے تھے اور وہ بھی نہایت کم چونہ کا۔ ہاں الائچی آپ کو زیادہ مرغوب تھی کہ بعض دفعہ چھالیہ کی جگہ اس کے دانے استعمال فرماتے اور جب خطبہ نکاح پڑھتے یا کسی کو بیعت کرتے تو کُلّی ضرور کر لیا کرتے۔ پان کھاتے ہوئے ذکر اللہ آپ کو پسند نہ تھا۔ طبیعت آپ کی اس درجہ لطیف تھی کہ تمبا کو کھانے والوں سے بات کرنا آپ کو مشکل ہو جاتا تھا کیونکہ دہن سے نکلنے والی بُو برداشت نہ کر سکتے تھے اور زبان سے بھی کچھ نہ فرما سکتے تھے۔ قیلولہ کا بھی آپ کو زیادہ اہتمام تھا کہ اس سے شب کے جاگنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ امانت کی حفاظت آپ کی مشہور تھی کہ بجنسہ پوٹلی یا پڑیہ میں باندھ کر مالک کا نام اس پر لکھ دیتے اور کہیں

Marfat.com

سفر میں مدرسہ کے لئے کچھ ملتا تو جلد سے جلد اس کو مدرسہ میں داخل فرما دیتے تھے۔ مدینہ منورہ میں آپ کو کسی نے ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے تو بحمد اللہ ضرورت نہیں۔ ہاں مدرسہ کو بیشک ضرورت ہے۔ عرض کیا بہتر مدرسہ میں دیدیجئے۔ مجلس سے اٹھتے ہی آپ اول مولوی سید احمد صاحب کے پاس آئے اور رقم عطا فرما کر کہا اس کو جمع کرلو۔ وعظ و تقریر کرنے کی آپ کو عادت نہ تھی۔ میں نے آپ کا صرف ایک وعظ سنا ہے جو بیر و صحنہ میں خدام کے اصرار پر گھنٹہ بھر ہوا تھا۔ ہر امر میں اتباع سنت آپ کی عادت تھی کہ کسی وقت بھی تو عدول نہ ہوتا تھا۔ مدرسہ کی ایک ضرورت کے لئے آپ نے بندہ کے ساتھ ایک بار مولوی یحییٰ صاحب سہسرامی کو کلکتہ بھیجا تو میرے نام تحریر فرمایا۔ السلام علیکم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسّروا ولا تعسّروا و بشّروا ولا تنفّروا و تطاوعا ولا تختلفا۔ فقط والسلام خلیل احمد عفی عنہ۔ کاندھلہ میں کسی خادم نے اپنے باغ کے درخت کا پہلا پھل آپ کو پیش کیا تو آپ نے حدیث کی دعا پڑھی اور چھوٹا بچہ سامنے کھڑا دیکھا اس کو عطا فرما دیا۔ آپ کی نواسی کی عمر تین سال کی تھی گھٹنیوں چلتی تھی کسی نے گھر میں سے لاکر اس کو مدرسہ میں فرش پر بٹھا دیا اور وہ گرتی پڑتی لڑھکتی آپ کی طرف چلی۔ آپ نے آگے بڑھ کر اس کو اٹھایا اور گود میں بٹھا کر خوب پیار کیا۔ پھر گود میں لئے اس کو مکان لے گئے۔ شب کو سرمہ آپ اہتمام سے لگاتے اور ہر آنکھ میں تین تین سلائی یک رخی استعمال فرماتے تھے۔ حجرہ میں آپکے بخور روشن کی جاتی اور کواڑ بند کر دیئے جاتے تھے۔ یہ آپ کو عطر سے زیادہ پسند تھی کہ کبھی کئی دن حجرہ مہکتا رہتا۔ بچوں کو آپ بے تکلف گود میں بٹھاتے اور وہ پیشاب کر دیتے تو غصے نہ ہوتے تھے۔ رحمتی آپ کی خادمہ گھر میں روٹی پکاتی تھی۔ اسکا شیر خوار بچہ روتا تو آپ اس کو پاس بٹھا لیتے۔ وہ روٹی پکانے میں رہتی اور آپ بچے کو بہلایا کرتے۔ گھر والے کہتے بھی کہ پیشاب کر دے گا۔ فرماتے کیا حرج ہے دھو ڈالیں گے۔ ایک بار آپ مصلے پر بیٹھے ہوئے تھے اور بچے کو پاس بٹھا رکھا تھا کہ اس نے پیشاب کیا اور کپڑوں کے ساتھ مصلے پر بھی چھینٹیں پڑیں۔ کسی نے بچے کو دھمکایا اور تیزی

ہے کہا بھلا اب نالین کا مصلّٰے کیسے دھلے گا۔ آپ کو یہ غصّہ گراں گذرا اور فرمایا بچہ کیا جانے کہ مصلّٰے ہے یا ٹاٹ۔ تم کیوں پریشان ہوتے ہو میں خود دھولوں گا" کھانے کے اوّل کوئی ہاتھ نہ دھوتا اور کہتا کہ میرے ہاتھ پاک یا دھلے ہوئے ہیں یا ابھی وضو کرکے آیا ہوں تو فرماتے یہ تو کھانے کی سنت ہے۔ طہارت یا نظافت کے لئے نہیں ہے۔ مسلمان جب کھانا کھائے تو یہ نیت اداء سنّت اول بھی ہاتھ دھوئے اور بعد میں بھی۔ اسی طرح پانی یا چائے کوئی بائیں ہاتھ سے پیتا تو آپ کو بہت گراں گذرتا۔ اور وہ عذر کرتا کہ حضرت داہنا ہاتھ کھانے میں ملوث تھا تو اور زیادہ خفا ہوتے کہ عذر گناہ بدتر از گناہ وہی کھا رہے ہیں اور اسی کا گلاس کو لگانا عیب سمجھتے اور گھنیاتے ہیں۔ دسترخوان آپ کا چمڑے کا تھا یا مدنی گول چٹائی کا جس کو سُفرہ کہتے ہیں اور اسی پر کھانا آپ کو مرغوب تھا۔ سیب انگور خوبانی یا اور کوئی پھل کوئٹہ وغیرہ کی طرف سے آتا تو آپ دوستوں کا انتظار دیکھتے اور باہر سے مخلصین آتے تو باہتمام گھر سے لاکر ان کے سامنے رکھتے۔ کبھی خود چھیلتے اور تراش کر دوستوں کو دیتے اور بمحبت و پیار و اصرار کے ساتھ کھلاتے۔ ہمیشہ سوتے وقت چراغ گل کر دیتے اور دیاسلائی کا بکس سرہانے رکھتے تھے۔ مٹّی کے تیل کی بُو ناگوار تھی اس لئے صرف راستہ میں آتے جاتے اس سے کام لیتے اور آخر شب میں موم بتی روشن فرمایا کرتے تھے سفر میں استنجے کیلئے کچے ڈھیلے اور ٹین کا ہلکا سفری لوٹا ضرور ساتھ ہوتا تھا اور ناواقف کو لوٹا دینا آپ کو ناپسند تھا ایک دفعہ ریل کے سفر میں آپ وضو کر رہے تھے کہ کسی نے لوٹا مانگا آپ نے فرمایا میں آپ کو کہاں تلاش کرتا پھروں گا۔ یہ کہکر آپ نے لوٹا تپائی کے نیچے رکھدیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ وہ تاک میں تھے اور جب دیکھا کہ نماز شروع کردی تو تپائی کے نیچے سے لوٹا اٹھایا آپ نے نیت توڑ ان کا ہاتھ پکڑ لیا کہ یہ کیا بے عنوانی ہے۔ وہ بولے واہ واہ ذرا لوٹا دینے میں اتنا بخل کہ نماز توڑ دی۔ فرمایا نماز تو ٹوٹنے کے بعد پھر جُڑ جائے گی مگر لوٹا جانے کے بعد آنا مشکل ہے۔ اور اس کے بغیر سارے سفر میں مجھے جو تکلیف ہوگی وہ مجھ ہی کو بھگتنا

Marfat.com

پڑے گی۔ بخل کا طعن سُننا منظور مگر وضو نماز کی تکلیف منظور نہیں۔ آخر کھسیانے ہو کر بڑبڑاتے چلے گئے اور آپ نے پھر نماز کی نیت باندھ لی ملاقات میں اکثر آپ معانقہ فرمایا کرتے اور مسکراتے ہوئے اٹھکر آنے والے کو چھاتی سے چپٹا لیتے تھے سلام میں ابتدا اکثر آپ کی طرف سے ہوتی اور کوئی اس کا جواب آہستہ سے دیتا کہ آپ نہ سنتے تو ناراض ہوتے اور فرماتے کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ ایسا تو ہو کہ دوسرا سُن لے۔ کوئی بچہ سلام کر کے مصافحہ کے لیئے ہاتھ بڑھاتا تو آپ اس کے سر پر ہاتھ رکھدیتے اور دُعا دیتے بارک اللہ وعمرک اللہ واصلحک اللہ۔ گھر میں تشریف لے جاتے تو اس خیال سے کہ شاید کوئی اجنبی عورت ہو دروازے پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں آؤں، اور جب پردہ ہو جاتا تو السلام علیکم کہتے ہوئے اپنے کوٹھے میں تشریف لے جاتے۔ عورتوں میں اس مسنون سلام کا رواج بہت کم ہے۔ اس لیئے آپ اس کی اصلاح فرماتے اور کہتے کہ کسی نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا؟ ایک نے کہا کہ شرم آتی ہے۔ فرمایا دین میں کیا شرم۔ یہ تو ضعف ایمان ہے اس کا نام شرم کس نے رکھا۔ چنانچہ رواج چل نکلا اور عورتیں بھی وعلیکم السلام سے جواب دینے لگیں۔ ایک مرتبہ آپ سلام کرتے ہوئے گھر میں تشریف لائے تو عورتوں نے بجائے وعلیکم السلام کے السلام علیکم کہا گویا پیر لوخود سلام کیا۔ فرمایا کیوں ہمارا سلام قابلِ قبول نہیں تھا جو اس کا جواب نہ دیا؟ عرض کیا حضرت چھوٹوں کو سلام میں ابتدا کرنا چاہیئے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ حضرت کے آتے ہی خود سلام کریں گے مگر حضرت اس کا موقع ہی نہیں دیتے اور ہم اپنے عزم پر جلدی سے السلام علیکم کہتے ہیں۔ فرمایا اس میں چھوٹا بڑا کیا تھا سنت تو یہ ہے کہ آنے والا اول سلام کرے اس لیئے اس کا جواب دو وعلیکم السلام۔ آپ کو پردہ میں تشدد تھا اور جب گھر میں عورتوں کا مجمع ہوتا تو باوجود پردہ ہو جانے کے آپ مُنہ پر رو مال ڈال کر آتے اور پیٹھ پھیر کر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عورتوں نے حضرت کی اہلیہ سے کہا کہ حضرت تو اطلاع کرا کے اور پردہ کرا کے آتے ہیں پھر پردہ کے پیچھے پیٹھ پھیر کر

بیٹھتے ہیں؟ یہ بات حضرتؒ کے کان میں بھی پڑی تو آپ نے فرمایا بعض جاہل عورتوں کا خیال ہوتا ہے کہ پیر کی صورت دیکھنا ضروری ہے اور ثواب ہے۔ بلکہ بعض تو دلیل بھی لاتی ہیں کہ صورت نہ دیکھی تو قیامت کے دن پیر کو پہچانیں گے کیسے؟ اس لئے میں احتیاط کرتا ہوں۔ اور اب تو اس کا ثبوت بھی مل گیا کہ میرا خیال ٹھیک ہے ورنہ بغیر جھانکے انہیں خبر کیسے ہوئی کہ میں پیٹھ پھیرے بیٹھا ہوں" ہاں پردہ کے پیچھے سے بات کر لینے کی اجازت تھی اس لئے جو کچھ کہنا یا مسئلہ پوچھنا ہوتا تو وہ حضرت سے خود کہہ لیتیں۔ مگر اس میں بھی اتنی احتیاط تھی کہ یا اماں جی پاس ہوتیں تب آپ بات کرتے یا عورت کا محرم حضرت کے پاس بیٹھا ہوتا۔

عورتوں کو بات سمجھانے میں حضرت ان کے فہم کی رعایت زیادہ فرماتے اور بہت سادہ و صاف لفظوں میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا کھڑا جوتا یا مردانہ صدری پہننا اور نامحرم کے سامنے آنا حضرت کو بہت ناگوار گذرتا تھا۔ ایک دفعہ کسی نے کھڑا جوتا پہننے کی بابت دریافت کیا آپ نے فرمایا حرام ہے۔ انہوں نے بہتیرے عذر پیش کئے کہ سفر میں پھٹی جوتی سے چلنا مشکل ہے کہ پاؤں سے نکل نکل جاتا ہے۔ مگر حضرت نے ایک نہ سُنی آخر میں فرمایا اچھا میں تم سے پوچھتا ہوں اگر ایڑی میں زخم ہو جائے تو کیا کرو گی؟ عرض کیا وہ مجبوری ہے ایڑی دبا کر دھجی باندھ لیں گے۔ فرمایا پھر آخرت کا عذاب تمہارے خیال میں دنیا کے زخم سے بھی کم ہے۔ حدیث میں آیا ہے ایک شخص ایسا ہوگا کہ قیامت کے دن اس کو صرف آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے اور دوزخ میں نہ ڈالیں گے۔ اس کا حال یہ ہوگا کہ دماغ اس کا مثل ہانڈی کے پکیگا اور وہ سمجھے گا کہ میرے برابر کسی کو بھی تکلیف نہیں۔ یہ مضمون حضرت نے اس طرح بیان فرمایا کہ سُننے والیاں رونے لگیں اور توبہ کی کہ آئیندہ مردانہ جوتا کبھی نہ پہنیں گے۔ اس کے بعد واسکٹ اور مردانہ صدری کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ بھی ناجائز ہے اور جس میں بھی مردانہ صورت وضع حاصل ہو وہ عورت کے لئے حرام ہے۔ کسی نے ایک عالم کی بیوی کا حوالہ

Marfat.com

دیکر کہا فلانی کو ہم نے پہنتے خود دیکھا ہے۔ فرمایا کسی کا نام لینے سے کیا حاصل۔ جو چیز ناجائز ہے وہ کسی کے بھی پہننے سے جائز نہیں ہوسکتی۔ اگر دنیا میں ایک نفس بھی حلال و حرام پر عمل کرنے والا نہ رہے تب بھی جو چیز حلال ہے وہ حلال ہے اور جو حرام ہے وہ حرام ہے۔ صرف جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فعل اور عمل البتہ حجت ہے۔ آپ کی بیبیوں کا فعل بھی حجت نہیں۔ پھر مولانا کی بی بی اور میری بی بی کی تو ہستی کیا ہے۔ اللہ میاں کے سامنے کوئی یہ کہکر سرخرو نہ ہوسکے گا کہ میں نے ازواج مطہرات کے فعل پر عمل کیا تھا۔ ایک عورت نے مسئلہ پوچھا کہ حضرت پھوپھی اور خالہ کی زندگی ہیں تو پھوپھا اور خالو کے سامنے آجاتے ہیں کوئی حرج تو ہونا چاہیئے کیونکہ پردہ تو ان سے کرنا چاہیئے جن سے نکاح جائز ہو۔ حضرت نے فرمایا اچھا اگر سارے مرد چار چار نکاح کرلیں کہ ان کے ہوتے ہوئے پانچویں سے نکاح کرنا ان سے ناجائز ہے تو ان سب کے سامنے آنے لگو گی؟ عرض کیا نا حضرت یہ کیس طرح ہوسکتا ہے؟ فرمایا پھر اسی طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ خالو اور پھوپھا کے سامنے آؤ۔

عورتوں کا اپنی اولاد کو کوسنا آپ کو نہایت ناگوار تھا اور آپ تشدد کے ساتھ اس کی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ زبان سے جب کوئی لفظ نکالو تو اچھا لفظ نکالو۔ بددعا اگر پوری ہوگئی تو سر پکڑ کر روؤ گی۔ عورتیں عرض کرتیں کہ حضرت جب بچے ستاتے ہیں تو کوسنا ہی زبان سے نکلے ہے۔ فرمایا تمہیں بھی تمہاری ماؤں نے پالا ہے وہ تم کو کوستیں تو آج نہ تم زندہ ہوتیں نہ اولاد کی صورت دیکھنا نصیب ہوتی۔ اور موت زندگی تو اللہ کے اختیار ہے مثل مشہور ہے کوؤں کے کوسنے ڈھور نہیں مرتے مگر بری بات زبان سے بکنے کی جب عادت ہو جاتی ہے تو اس کی نحوست سارے گھر کو گھیر لیتی ہے اور ایسی بد زبان عورت کبھی خوشحال نہیں رہ سکتی۔ شوہر کی اطاعت کا آپ عورتوں کو خاص طور پر امر فرماتے اور اس کی زیادتیوں پر صبر و تحمل کی تلقین فرما کر کہتے کہ صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے یہاں نہیں تو آخرت میں اس کا مزہ پاؤ گی۔ عورتیں اکثر آپ سے اپنے دکھ درد کی لمبی چوڑی کہانیاں گھنٹوں کہتی تھیں۔ آپ

Marfat.com

سب کی سُنتے اور تسلی و تسکین دلاتے۔ بلکہ خاص تعلق والوں سے نام لے کر خود پوچھا کرتے کہ کہو بیٹی کوئی بات تو کہنا نہیں۔ آخری سفر سے قبل جگہ جگہ سے حضرت کی خادمات حاضر ہوئیں اور آپ نے شفقت پدرانہ کے ساتھ رخصتی وصیتیں ان کو فرمائیں۔ میری اہلیہ بھی حاضر تھی مگر خاموش۔ بعد تہجد اس کو حضرت نے پردہ کے پیچھے بلا کر فرمایا بھئی تم نے کچھ نہ کہا تم بھی تو کچھ کہہ لو۔ عرض کیا حضرت مجھے تو کچھ کہنا نہیں اور کہنا ہے بھی تو ہمت نہیں۔ حضرت نے باصرار فرمایا کہ نہیں ضرور کہو۔ عرض کیا حضرت کہنا یہ ہے کہ یہاں تو آپ کی پدرانہ شفقت دیکھکر ماں باپ کو بھول گئی۔ کہ جب چاہتی ہوں بے تکلف آتی اور میکہ سمجھکر رہتی ہوں۔ اب اپنے اللہ سے ملنے کا وقت قریب آگیا بس یہ دعا فرما دیجئے کہ وہاں بھی اس قابل رہوں کہ جب چاہوں اسی یگانگت کے ساتھ حضرت کے محل میں آسکوں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کہیں ہوں اور میں کہیں۔ یہ سُنکر حضرت پر ایک کیفیت طاری ہوگئی چشم نم ہوئے اور چند منٹ خاموش بیٹھے رہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ بھئی خدا کرے دونوں کو ایمان کے ساتھ دنیا سے اُٹھنا نصیب ہو تو انشاء اللہ وہاں بھی ایک ہی جگہ رہیں گے۔ چھوٹی لڑکیاں آپ کے پاس آجاتیں تو آپ ان کے سر پر ہاتھ رکھکر ان کو پاس بٹھا لیتے نام پوچھتے اور میٹھی میٹھی باتیں کیا کرتے۔ ان کے لباس میں کوئی غیر مشروع یا بدنمائیت کی وضع پاتے تو انھیں سے فرماتے یہ کپڑے تمہاری اماں نے پہنائے ہوں گے بُری وضع ہے اماں سے کہو بھلے مسلمانوں کے سے کپڑے پہنائے پھر مٹھائی وغیرہ کوئی چیز ہوتی تو آپ ان کو دیتے اور یہ لینے میں جھجکتیں تو ماں سے کہتے بھئی انہیں اجازت دو ہماری درخواست تو منظور نہیں ہوتی۔

لڑکیوں کو آپ بیعت نہ فرماتے البتہ حامد یار خاں بریلوی کی لڑکی نفیسہ کو جس کی عمر ۱۴ برس تھی جب والدین کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوئی تو یہ فرما کر کہ میں نے لڑکیوں کو کبھی بیعت نہیں کیا مگر تجھے ضرور کروں گا، بیعت میں شامل فرما لیا جس پر وہ فخر کیا کرتی ہے۔ عملیات سے آپ کو مناسبت نہ تھی ہاں کوئی

درخواست کرتا تو تعویذ لکھدیا کرتے اور سائل کی ضرورت کے موافق جو آیت شریف یا حدیث اس وقت ذہن میں آتی وہ کاغذ پر تحریر فرما کر ان کو دیدیتے تھے کہ موم جامہ کرکے گلے میں ڈال لو یا بازو پر باندھ لو۔ ایک دفعہ کوئی صاحب آئے اور عرض کیا گھر والی کو چھاتی میں دودھ رُک جانے کی وجہ سے کل تمام دن اور رات بھر تکلیف رہی اور اس وقت تو درد و کرب کا ٹھکانا ہی نہیں۔ حضرت کوئی عمل بتائیں۔ فرمایا بھائی مجھے عمل وغیرہ تو آتا نہیں۔ صرف اللہ کا نام آتا ہے کہو تو پڑھ دوں ورنہ کسی عامل کو تلاش کرلو۔ انہوں نے معافی مانگی اور عرض کیا حضرتؒ عجلت میں زبان سے نکل گیا مقصود صرف دعا کرانا ہے۔ آپ نے پانی منگا کر اس پر دم کیا اور ان کو دے دیا۔ وہ کہتے تھے کہ دو ہی دفعہ کے پلانے سے مریضہ کی تکلیف رفع ہو گئی اور دودھ جاری ہو گیا۔ پانی پر دم کرنے کے بعد آپ اس میں سے ایک گھونٹ خود پی لیا کرتے تھے کہ سؤر بن جائے جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شفا فرمایا ہے۔ اکثر آپ بچوں کی بدخوابی دودھ نہ پینا اور زیادتی گریہ وغیرہ کی شکایت پر یہ لکھا کرتے تھے اُعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق وصلی اللہ تعالیٰ علےٰ خیر خلقہ محمد و الہٖ وبارک وسلم۔ اور عام امراض کے لئے اکثر آپ حروف سُریانی کا یہ مشہور تعویذ لکھتے تھے ٥ ااا ح H ااا ھ م عبن کو عامل ۵ ا کا تعویذ بتاتے اور اس رباعی سے ادا کرتے ہیں ؎

صفر و سہ الف، سائیا نے بر سر | جیم کج دکور نرد بانے بدو در
چہار الف مساوی ہا وواو معکوس | ایں ست زاسمائے الہ اکبر

کبھی قول جمیل سے کوئی گنڈہ بھی بنا دیتے یا اجازت دے دیا کرتے تھے کہ ہمارے خاندان میں یہی معمول ہے۔ اس کو دیکھکر خود گنڈا بنا لو۔ ایک مرتبہ دُمحر کے لئے خصوصیت کے ساتھ آپ نے مجھے اس کی اجازت دی کوئی شخص معوذتین برابر تین شب بہ نیت زکوٰۃ پڑھے اور تین روزے بھی رکھے۔ اگر ان ایام میں ایک

Marfat.com

اناج کھائے تو اچھا ہے۔ بعد زکوٰۃ صبح وشام بہ نیت رد سحر تین تین بار پڑھکر مریضہ پر دم کرے انشاء اللہ سحر دفع ہوگا اور ساحر ہلاک۔ آپ خود پڑھیں یا کسی محتاط سے پڑھوائیں۔ نیز اس کے ساتھ دوسرا عمل تحریر فرمایا سبحان اللہ القادر القاهر القائم الکافی اعوذ من شر عدو وھو اقوی منی برب ھو اقوی منہ۔ یہ دعا اگر مریضہ پڑھ سکے فبہا ورنہ آپ پڑھ کر اس پر دم کریں بتعداد ۱۱۱ بوقت دفع ہر بلا اور رد سحر کے لئے بھی نافع ہے فقط۔ میرا تجربہ تو یہ ہے کہ حضرتؒ کا وجود با جود مستقل تعویذ تھا اور کوئی مشکل کیسی ہی ان حل ہو جب آپکی خدمت میں پیش کی جاتی اور آپ کا اس سے دل دکھتا تو ایسی جلد حل ہوتی تھی گویا بادل پھٹا اور غبار صاف ہوتا گیا۔ میرا تئیس سال کا تجربہ ہے کہ جب کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا تو کچھ نہ سوجھتا بجز اس کے کہ حضرت کو صاف صاف لکھوں بارہا ایسا ہوا کہ خط لکھکر ڈاک میں ڈالا اور قلب کو سکون ہوکر بادل پھٹنا شروع ہوگیا۔ ورنہ حضرت کا جواب آنے پر تو امن و یسر نصیب ہو ہی جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اہل وطن شیعہ میں میرے خلاف شورش برپا ہوئی اور اتفاق سے کوتوال شہر شیعہ آگیا جنہیں پر نازاں ہوکر انہوں نے کوشش کی کہ مجھ پر آفت آئے میں نے پریشان ہوکر وطن چھوڑنا چاہا اور حضرت کو لکھا تو جواب آیا بالکل نہ ڈرو۔ دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر است۔ وطن کیا محلہ بھی چھوڑنے کی ضرورت نہیں میں دعا کرتا ہوں انشاء اللہ بال بھی بیکا نہ ہوگا اور دشمن خائب و خاسر ہوگا۔ بس میرے لئے تو لاکھ تعویذ کا یہی ایک تعویذ تھا کہ دل کو اسی وقت سکون ہوگیا اور چند ہی روز گذرے تھے کہ کوتوال کا بدنامی کے ساتھ تبادلے کا حکم آگیا۔ مولوی لطیف احمد صاحب لکھتے ہیں بندہ جب ۱۳۲۸ھ میں ضلع سورت میں ملازم ہوکر آیا تو ایک دیندار شخص حافظ عبدالرحیم نام آئے اور کہنے لگے تم مولانا خلیل احمد صاحب سے بھی واقف ہو؟ میں نے کہا خوب اچھی طرح۔ کہنے لگے مولانا کی ہستی اس وقت بے نظیر ہے بارہ سال ہوئے مجھے ایک مصیبت پیش آئی اور میں گھبرا گیا۔ غیبی مدد نہ ایک

ردی کاغذ پڑا پایا۔ اس کو اٹھا کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا مولوی خلیل احمد مستجاب الدعوات ہیں اور ان کی کوئی دُعا رد نہیں ہوتی۔ اس وقت میں نے مولانا کو جوابی خط لکھا اور اپنی مصیبت کا حل چاہا۔ ادھر جواب آیا اور اُدھر میری مشکل حل ہوگئی اس وقت مجھے پھر حضرت کو خط لکھوانا اور دُعا کرانی ہے۔ چنانچہ میں نے ان کی طرف سے خط لکھا اور چونکہ میں بھی اس وقت سخت مشکلات میں مبتلا تھا اس لئے وہ بھی لکھیں۔ حالانکہ اس وقت تک مجھے حضرت سے بیعت کا تعلق نہ تھا مگر حضرت کا جواب مسرت بخش آیا اور اس کے آنے کی ہی دیر تھی کہ ان کا اور میرا کام ایسا ہوا کہ خود مجھے بھی تعجب ہے۔ پھر بندہ بیعت بھی ہوا اور کچھ مدت بعد حضرت راندیر تشریف لائے تو حضرت نے اتنی شفقت فرمائی کہ آدمی بھیجکر مجھے اطلاع دی اور یاد فرمایا۔ بندہ زیارت کے لئے حاضر ہوا اور اس علاقہ کی بدعات سے وحشت کا تذکرہ کیا۔ فرمایا بھائی تم لوگ تو اب بڑے آرام میں ہو پہلے اس علاقہ میں ہوکر ہم لوگوں کا جانا بھی مشکل تھا۔

بے روزگاری یا قرض کی شکایت پر آپ ۱۱۱ بار یا مغنی پڑھنے کو فرمایا کرتے کہ اول آخر گیارہ بار درود شریف اور مقدمہ وغیرہ کی پریشانی پر حسبنا اللہ ونعم الوکیل بعد عشا ۵۰۰ بار۔ مرض لاعلاج کے متعلق فرماتے کہ سفید طشتری پر سورۂ فاتحہ مع بسم اللہ لکھکر یَا حَیُّ حِیْنَ لَا حَیَّ فِیْ دَیْمُوْمَۃِ مُلْکِہٖ وَ بَقَائِہٖ یَا حَیُّ لکھا جائے اور آب جاری یا زمزم میں گھول کر قبل طلوع آفتاب چالیس دن متواتر مریض کو پلایا جائے۔ ایک شخص پر کوئی سنگین مقدمہ تھا آپ نے فرمایا کچہری میں جانے سے قبل تین یا سات دفعہ سورہ قریش پڑھکر سینہ پر دم کرو اور پھر بسم اللہ کہکر اندر قدم رکھو۔ آپ کا کسی کو کچھ بتا دینا ہی علامت تھی انشاءاللہ کامیابی مقدر ہے اور ان سب کی اصل آپ کی دُعا و توجہ تھی کہ ایک مقبول بندہ اپنے آقا سے عرض کرتا اور قبولیت اس کا استقبال کیا کرتی تھی۔

حافظ فخرالدین صاحب تحریر فرماتے ہیں ایک جوان لڑکا اپنے والدین سے

Marfat.com

بیزار ہو کر کہیں نکل گیا اور مدت سے پتہ نہ تھا کہ کہاں ہے اس کی ماں بے حد پریشان تھی۔ میں نے حضرت کی خدمت میں لکھا تو آپ نے ایک آیت تحریر فرما دی کہ اس کو مکان میں کسی اونچی جگہ پر لٹکا دیں یا رکھدیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور دوسرے تیسرے دن لڑکا آگیا۔ اور کہنے لگا دو روز سے طبیعت بے چین تھی کہ کسی طرح گھر چل کر ماں سے ملوں۔ آج بازار میں کسی ضرورت سے نکلا تھا کہ بے اختیار اسٹیشن کی طرف کو ہولیا اسی وجہ سے نہ کوئی سامان سفر ساتھ ہے نہ کپڑے بدل سکا۔"

ایک شخص اپنی عورت کو بہت مارتا اور تکلیف پہنچاتا تھا۔ بندہ نے حضرت کی خدمت میں لکھا۔ حضرت نے ایک تعویذ روانہ فرمایا کہ عورت اس کو بازو پر باندھ لے یکدم شوہر کی حالت بدل گئی اور ہر طرح کا پیار اخلاص ہونے لگا مگر عرصہ گذر جانے پر عورت نے وہ تعویذ بے پروائی سے گم کر دیا تو پھر وہی پہلی حالت لوٹ آئی اور رات دن بیچاری کی درگت ہونے لگی۔ ایک بار میں نے اپنے ایک عزیز کی اہلیہ سے ناموافقت کا تذکرہ کر کے حضرت سے دعا کی درخواست کی مگر حضرت نے جواب دیا کہ بھائی اپنے ہی قلب پر قابو نہیں ہے۔ دوسرے کے قلب کو کوئی کیونکر پھیر سکے جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا۔ یہ سنکر بندہ بالکل مایوس ہو گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر طلاق و انقطاع کلی کی نوبت پہنچی۔ حضرتؒ کے ایک ذاکر شاغل خادم ایک مدرسہ میں مدرس تھے ان کو امرد لڑکے سے تعلق ہو گیا کہ اسکی صورت دیکھے بغیر چین نہ آتا تھا۔ ہر چند کہ معصیت کا وسوسہ بھی نہ تھا مگر رات بھر گھر سے باہر یا جنگل میں ٹہلا کرتے کہ اس تصور نے ان کے قلب کو گھیر لیا۔ میں نے ان کو میرٹھ بلایا اور اتفاق سے وہ میرے اصرار پر عین اس وقت پہنچے کہ حضرت تشریف فرما تھے۔ شرم و خوف کے مارے وہ حضرت کے سامنے نہ گئے اور واپسی کا عزم کیا۔ میں نے ان کو نیچے مسجد میں بٹھایا اور طرح طرح کی ملاطفت کی پھر حضرت کو سارا حال سنایا اور بالحاح عرض کیا کہ حضرت ان کے ساتھ مجھے محبت ہے اور مرض

لاعلاج ہے اللہ واسطے خاص توجہ فرمائیں۔ بار بار عرض کیا مگر حضرت ٹالتے رہے آخر ارشاد فرمایا ممکن ہو تو میرے پاس بھیج دو کہ چند روز سہارنپور رہیں۔ چنانچہ بہزار تدبیر میں نے ان کو سہارنپور پہنچایا اور آخر مہینہ بھر بعد حضرت نے ان کو رخصت کیا کہ وہ مطلوب کو دیکھنے اور وحشت کھاتے تھے۔ چند روز بعد وحشت بھی جاتی رہی اور وہ بھی ایسا ہو گیا جیسے سب لوگ۔

الحاصل اکل و شرب سکوت و تکلم بول و براز نوم و یقظہ اور ہر حرکت و سکون آپ کا سانچہ اتباع سنت میں گویا ڈھلا ہوا تھا اور اس بنا پر طاعت کے حکم اور عبادت کے تحت میں داخل تھا۔ شریعت پر عمل آپ کی طبیعت ثانیہ بلکہ فطرت اصلیہ بن گیا تھا کہ کبھی ذہول بھی ہوتا تو فطرت کا نور آپ کو فوراً متنبہ کر دیا کرتا تھا عدن پر جہاز ٹھہرا تو کشتی والے طرح طرح کی چیزیں فروخت کرنے کے لیے لائے بینڈک جیسا ایک جانور جس کو بیچ میں سے چاک کر کے گوشت کا عضلہ سا بنا لیتے ہیں بکثرت فروخت ہوتا اور عرب اس کو خاص رغبت سے کھاتے ہیں۔ حضرت کو مچھلی سے رغبت تھی اور عرب نے شوق دلایا کہ اس کو کھا کر دیکھئے مچھلی سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ آپ نے اس کو خریدنے کے لئے مجھ سے فرمایا۔ چنانچہ میں نے دو آنے کشتی میں ڈال دیئے کہ جتنا آئے دیدے۔ وہ جہاز پر آنے نہ پایا تھا کہ آپ دفعتہً گھبرائے اور فرمایا مولوی عاشق الٰہی ذرا ٹھہرو میرے خیال میں تو یہ حرام ہے کہ مچھلی نہیں ہے کوئی دریائی جانور ہے۔ مگر احناف کے نزدیک سوائے مچھلی کے کوئی بحری جانور حلال نہیں ہے۔ چنانچہ تحقیق ہوا کہ حضرت کا خیال صحیح ہے اور عرب چونکہ زیادہ تر شافعی المذہب ہیں اس لئے اس کو حلال سمجھتے اور ان کی دیکھا دیکھی سب خرید کر بے تکلف کھاتے ہیں کہ حلت و حرمت کی تحقیق کا واہمہ بھی نہیں ہوتا۔ ایک بار حرم شریف میں تلاوت قرآن مجید کی آواز آئی جس کی طرف بے اختیار دل کھینچتا تھا۔ ذرا دیر میں ٹھٹ لگ گئے...... آپ بھی چلتے چلتے رک گئے اور سننے لگے مگر شاید ایک منٹ پورا نہ ہوا تھا کہ آپ یہ فرما کر کہ پڑھنے والی عورت معلوم ہوتی ہے سننا جائز نہیں سے وہاں

سے چل دیئے۔ مُنہ پر چونکہ نقاب تھا اس لئے عورت مرد کی شناخت ناممکن تھی مجھے حیرت ہوئی اور میں نے عرض کیا حضرت نے کیسے سمجھا کہ یہ عورت ہے، فرمایا اس کی گٹکری بتا رہی ہے کہ مرد کی آواز نہیں ہے مجھے کُرید ہوئی اور معلوم ہوا کہ بیشک وہ عورت مصریہ تھی۔

غرض قدرت نے آپ کو عادات طبیعیہ اور معمولات جسدیہ کا کچھ ایسا بہترین مشغلہ تعیدیب فرمایا تھا کہ حاضرین وزائرین علماء وعوام کو آپ کے ہر لمحہ اور ہر آن کے حرکت وسکون میں اس کا علمی وعملی سبق ملتا تھا کہ انسان دُنیا میں کس غرض کیلئے آیا ہے اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کس حیات طیبہ کی تعلیم کے لئے یہاں تشریف لائے تھے آپ کے مشاغل حسنہ دیکھکر غبطہ ہوتا اور بے اختیار زبان سے نکلتا تھا ؎

کُلُّ امْرِءٍ فِی اُمُوْرِ الدَّہْرِ مُشْتَغِلٌ وَاَنْتَ عَنْ کُلِّہَا فِیْ اَحْسَنِ الشُّغُلِ

کمالات وکرامات

حضرتؒ کے کمالات کا بیان کرنا میری طاقت سے باہر ہے کہ اُن کا ادراک مجھ جیسے ناکارہ کی تو کیا حقیقت ہے بڑوں کو بھی مشکل تھا۔ مولوی ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں حضرت مولانا تھانوی نے ایک بار فرمایا کہ جب حضرت مولانا گنگوہیؒ کا وصال ہوگیا تو میں نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے عرض کیا کہ مجھے اب تک جو کچھ بھی دریافت کرنا ہوتا تھا حضرت مولانا گنگوہی سے دریافت کر لیا کرتا تھا حضرت کے بعد اب جو کچھ مجھے دریافت کرنا ہوگا وہ جناب والا سے دریافت کیا کروں گا اور حضرت والا کو جواب کی تکلیف کرنا ہوگی۔ اور مولانا محمد یحیٰی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میاں ظفر آج جتنے بھی تمہارے سامنے بزرگ ہیں گنگوہ میں ان سب کے ساتھ میری دل لگی اور ہنسی رہا کرتی تھی بجز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے کہ ان کا ادب میں اُس وقت بھی بہت کرتا تھا حالانکہ خود حضرت مولانا

مجھ سے بدرجہ بے تکلف تھے مگر میں کبھی بے تکلف نہیں ہوا ایک بار فرمایا تم سمجھ سکتے ہو کہ میں حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں بارہ سال رہا ہوں اور حضرت کے ساتھ جو تعلق مجھے اور جو حضرت کو مجھ سے تھا وہ بھی سب کو معلوم ہے۔ اس صورت میں غور کرلو کہ مجھے حضرت گنگوہی کی معرفت کس قدر ہو سکتی ہے۔ اس پر جو میں نے حضرت کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب کو اپنا شیخ بنایا اور ان کی طرف رجوع کیا ہے اس سے جو کچھ نتیجہ نکلتا ہے تم خود سمجھ سکتے ہو۔ میاں ظفر بات یہ ہے کہ خدا کے نزدیک مراتب کا کم زیادہ ہونا تو کسی کو معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک معرفت وسلوک میں مولانا خلیل احمد صاحبؒ کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ میں نے اعلیحضرت حاجی صاحب کا ایک والا نامہ حضرت کی بیاض میں خود دیکھا ہے جس میں حضرتؒ کی نسبت تحریر فرمایا تھا تم میرے سلسلہ کے فخر ہو۔ مجھے تم سے بہت خوشی اور مسرت ہے

حج پنجم میں جس وقت حضرتؒ مسجد الحرام میں طواف قدوم کے لئے تشریف لائے تو احقر مولانا محب الدین صاحبؒ کے پاس (جو کہ اعلیحضرت حاجیؒ کے خاص خلفاء میں تھے اور صاحب کشف مشہور تھے) بیٹھا تھا۔ مولانا اس وقت درود شریف کی کتاب کھولے ہوئے اپنا ورد پڑھ رہے تھے۔ کہ دفعتہً میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے اس وقت حرم میں کون آگیا کہ دفعتہً سارا حرم انوار سے بھر گیا میں خاموش رہا کہ اتنے میں حضرتؒ طواف سے فارغ ہو کر باب الصفا کی طرف سعی کے لئے چلے تو مولانا محب الدین صاحب کے پاس کو آئے کہ وہی جگہ مولانا کی نشست کی تھی۔ مولانا کھڑے ہو گئے اور ہنس کر فرمایا میں بھی تو کہوں آج حرم میں دن آگیا یہ کہکر مصافحہ و معانقہ ہوا اور حضرت سعی کے لئے آگے بڑھ گئے۔ مولانا محب الدین صاحب اپنی جگہ بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا میاں ظفر مولانا خلیل احمد صاحب تو نور ہی نور ہیں، ان میں نور کے سوا کچھ نہیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے مولانا رشید احمد صاحبؒ کو نہیں دیکھا اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ وہ قطب الارشاد تھے مگر میں نے مولانا کے خلفاء کو دیکھکر سمجھ لیا کہ واقعی وہ قطب الارشاد تھے جو ایسے ایسے

کامل بنا گئے۔ میں نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ مولانا عبدالرحیم صاحب کیسے ہیں؟ فرمایا بڑے تو ی النسبت ہیں کہ ان کے پاس چاہے کوئی کیسا ہی دل میں کرائے سب جھاڑ جھنکاڑ کو ایک دم صاف کر دیتے ہیں۔"

مولوی عبداللہ جان صاحب جرمن انگلستان مصر حجاز وغیرہ ممالک دیکھے ہوئے سہارنپور کے مشہور وکیل اور مردم شناسی و استقلال رائے میں امتیازی نشان رکھتے ہیں۔ برسوں حضرت کی خدمت میں آتے اور دوستانہ درجہ میں کچہری سے شام کو فارغ ہو کر مدرسہ پہنچنے کے عادی رہے ہیں فرماتے ہیں کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب کے ماموں ڈپٹی علاء الحسن صاحب میرے دوست تھے جو میرے ہی پاس قیام کیا کرتے اور ان کی وجہ سے مولوی محمد یحییٰ صاحب کا آنا جانا میرے مکان پر ہو گیا۔ پھر یہاں تک مراسم بڑھے کہ مولانا کا معمول ہو گیا جمعرات کی شام کو میرے مکان پر تشریف لاتے اور رات یہیں گزارتے۔ وہ وقتاً فوقتاً مجھے ترغیب دیتے رہتے تھے کہ میں مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت ہو جاؤں۔ مگر ان کی تلقین کا میرے دل پر کبھی کچھ اثر نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ ڈپٹی علاؤ الحسن صاحب تشریف لائے اور مولانا محمد یحییٰ صاحب نے اپنے سلسلہ کے ایک بزرگ سے ان کو بیعت کرا یا میں نے معترضانہ لہجہ میں مولانا سے کہا کہ اپنے ماموں کو تو آپ نے ان بزرگ سے بیعت کرایا اور مجھے آپ ہمیشہ یہ تلقین فرمایا کرتے ہیں کہ میں مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت کروں۔ مولانا نے ایک جوش کے ساتھ جواب دیا تم نے تو میری ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔ ارے میاں یہ ماموں تو ابھی مبتدی ہیں میں نے ان کو اسکول کی ابتدائی جماعت میں جس کے قابل ان کو سمجھا داخل کرا دیا اور تم کو تو میں اپنے ساتھ بی اے کا طالب علم سمجھ کر کالج میں داخل کرانے کا ساعی ہوں۔ تم نہیں دیکھتے کہ میں گھر بار چھوڑ کر حضرت کی خدمت میں پڑا ہوا ہوں اور تمہیں بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں مولانا کے اس حوصلہ افزا جواب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا اور لگے دن جمعہ کو اپنے زعم میں رسم بیعت کی مخالفت پر تیار ہو کر حسب معمول

Marfat.com

مدرسہ میں پہنچ کر حضرت سے پوچھا کہ حضرت بیعت کی حقیقت اور ضرورت کیا ہے
میں نے تو خیال میں مخالفت پر کمر باندھ کر یہ سوال کیا تھا مگر حضرت نے اس کو
نہایت معمولی سوال قرار دے کر جواب دیا۔ کہ بیعت میں مُرید اللہ تعالیٰ سے
اجتناب منہیات اور تعمیل اوامر شرعیہ کا عہد کرتا ہے اور مُراد اس عہد کا گواہ بنتا
ہے اور بس "مُراد" کا لفظ پیر کے معنوں میں اسی روز میں نے پہلی دفعہ سُنا۔ اس
جواب پر میں مبہوت سا ہو کر دم بخود رہ گیا۔ مگر دل میں یہ خدشہ گذرا کہ خداوند کریم
کو جس کی شان ہے یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور کسی گواہ کی کیا ضرورت
ہے۔ مگر فوراً ہی منجانب اللہ یہ آیت کریمہ ذہن میں آئی الیوم نختم علیٰ افواھھم
وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون اور خیال ہوا کہ
وہ ذات پاک فعال لما یرید ہے اگر وہ قیامت کے دن انسان کے ہاتھ
پیروں سے استشہاد کرے گا تو یہاں اس کے ساتھ معاملہ کرنے میں کسی صالح
شخص کا استشہاد کیوں بیجا ہو۔ یہ سوچکر میں چپ ہو گیا۔ اور میرے سارے خیالی
اوہام واعتراضات کا خاتمہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے حضرت سے عرض کیا
کہ آج جمعہ ہے اور قبل مغرب میں حضرت سے بیعت کر لینا چاہتا ہوں۔ حضرت
نے فرمایا میرے خیال میں تو اس کی زیادہ ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ بیعت سے
جو مقصود اصلی ہے ان میں اکثر چیزیں اللہ تعالیٰ نے وہبی طور پر تم کو عطا فرما
رکھی ہیں۔ مگر میں اپنے ارادہ پر تُلا بیٹھا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے تو کبھی
کوئی کام ضرورت دیکھکر نہیں کیا۔ انگریزی معاشرت رکھتا ہوں۔ انگریزی لباس
پہنتا ہوں۔ انگریزی کھانا کھاتا ہوں۔ کوٹھی بنگلہ میں رہتا ہوں۔ انگریزوں
سے بہت زیادہ ملتا جُلتا ہوں یہاں تک کہ ایک میم سے بلا ضرورت شادی بھی
کر لی تھی۔ جہاں اور ہزار کام بلا ضرورت کرتا ہوں ایک بیعت بھی سہی مگر آج
اس کا سرانجام کر لینا ضرور ہے۔ حضرت خاموش ہو رہے۔ نماز عصر کے بعد صحن
میں حسب عادت تشریف فرما تھے اور احباب کا مجمع جمع تھا کہ حضرت اُٹھے

Marfat.com

اور اشارہ سے مجھے طلب فرمایا۔ میں پیچھے پیچھے ہو لیا۔ حضرت مسجد میں تشریف لائے اور میں ساتھ تھا۔ حضرت نے فرمایا۔ آؤ پھر وہ کام کرلیں چنانچہ بالکل تنہائی میں حضرت نے مصافحہ کے طور پر میرے اور اپنے ہاتھ ملا کر مجھے بیعت کیا اور آخری جملہ یہ کہکر کہ میں بیعت کرتا ہوں (حضرت مولانا) خلیل احمد کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کھینچ لئے اور فرمایا کہ بس یہ ہے بیعت" میرے دل پر دوران بیعت میں مطلق کوئی اثر کسی قسم کا نہ تھا مگر اس آخری جملہ پر دفعتہً میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور خود مجھے محسوس ہونے لگا کہ میرا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا ہے۔ حضرت فوراً مدرسہ میں اپنی جگہ تشریف لے آئے۔ اور پیچھے پیچھے میں چلا آیا مگر میری صورت دیکھکر احباب تاڑ گئے کہ بیعت کرکے آیا ہوں۔ پھر مولوی محمد یحیٰ صاحب کے اصرار پر جب میں نے حضرت سے ورد و وظیفہ پوچھا تو فرمایا تم کو اور کسی ورد وظیفہ کا وقت و موقع کہاں ہے تم صرف ذات باری تعالیٰ کو جب بھی وقت ملا کرے ورد کیا کرو اور اشراق و اوابین وغیرہ جو نوافل مسنون ہیں جو چاہو شروع کرو مگر شروع کرنے سے پہلے اپنی حالت کا اندازہ کرکے یہ مصمم عزم کرلو کہ جن نوافل کو شروع کرو ان کو مرتے دم تک نہایت التزام اور ثبات و استقلال سے نباہ دو۔

مولوی عبداللہ جان صاحب کی شہادت کوئی عالمانہ شہادت نہیں مگر دنیا چھانے ہوئے اور اکثر ممالک دیکھے ہوئے تھے۔ عدم تقلید کی طرف مائل بلکہ تشدد لئے ہوئے تھے کتب بینی کے عادی و خوگر اور ذکی و فہیم تھے کہ ہر مذہب کی کتابوں کو دیکھتے اور پرکھتے تھے اپنے پیشہ اور زمانہ کے رنگ سے متاثر انگریزی معاشرت میں غرق تھے اور تصوف کے ہر پہلو کو مخالفانہ و معترضانہ نگاہ سے دیکھتے تھے لہذا ان کی عقیدت و بیعت اس درجہ میں ایک وقیع شہادت ہے کہ الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔ تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے اول حضرت کی خدمت میں حاضری کا موقع اپنے پیشہ میں کسی مقدمہ

کی پیروی کے لئے مسئلہ طلاق کے متعلق روایات فقہیہ کی پوچھ گچھ کی ضرورت سے نصیب ہوا کہ میرا مؤکل حضرت کا رشتہ دار تھا اور میں اپنے اشکالات حل کرنے کے لئے مدرسہ مظاہر علوم میں پہنچا۔ حضرت نے جس اطمینان و بشاشت کے ساتھ میرے ہر سوال کا جواب دیا اور اس کی سند کے طور پر مختلف اور مستند کتب فقہیہ سے اس کی تائید ثابت کر کے دکھلائی اس سے حضرت کے تبحر علمی اور صدق نیت کا میرے دل پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ عین اسی صحبت میں حضرت کی عظمت و محبت کا میرے دل میں گویا بیج بو یا گیا۔ میری اور میرے مؤکل کی غرض و غایت صرف یہ تھی کہ جس طرح ہو ہم کو مقدمہ میں کامیابی حاصل ہو مگر حضرت نے ہماری ایسی تمام کوشش کی مخالفت فرمائی جس کو حضرت اعانت علی الاثم والعدوان یا برسر ناحق سمجھتے تھے اور ہم کو ہر قسم کی حیلہ جوئی اور واقعات اصلیہ کے اخفا سے یہ فرما کر روک دیا کہ یہ صداقت کے خلاف ہے۔ حضرت کی محبت و عظمت کا یہ اثر ہوا کہ میں روزمرہ عادی ہو گیا کہ کچہری سے واپسی پر سیدھا حضرت کی خدمت میں پہنچتا تھا۔ تکان و ضعف پیری اور مرض کی وجہ سے مجھے لیٹنے کی ضرورت ہوتی اور حضرت میری یہ حالت دیکھ کر فرط شفقت سے مجھے تکیہ دیدیا کرتے تھے کہ اس پر آرام کرو۔ میری جسارت کا یہ عالم تھا کہ بلا تکلف تکیہ پر لیٹ کر اپنا داہنا پیر بائیں گھٹنہ پر رکھ لیا کرتا۔ شام کو چائے معمولاً حضرت کے یہاں سے ملتی اور میں بلا حجاب پی لیا کرتا۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا کہ حضرت نماز مغرب کے بعد فرمادیا کرتے کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں ٹھہر جاتا اور اس روز رات کا کھانا حضرت کے ہمراہ کھا کر گھر آنا ہوتا۔ جب اس معمول کو میں نے اکثر اور متواتر دیکھا تو حضرت اس ارشاد پر کہ ذرا ٹھہر جاؤ میں فوراً سمجھ لیتا تھا کہ آج یہیں کھانا ہوگا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے شاید صرف دو دفعہ حضرت کی دعوت کر کے حضرت کو اپنے یہاں بلانے اور کھانا کھلانے کی تکلیف دی ہے اور میں نے بہت ہی دفعہ حضرت کے ہاں کھانا کھایا ہے جس کی تعداد سینکڑوں تک پہنچی ہوگی۔ فقط۔

Marfat.com

بندۂ ناچیز نے جہاں تک غور کیا حضرتؒ میں بڑا کمال استقامت اور عزم و علو ہمت پایا کہ موسم پلٹتے تھے کبھی جاڑہ کبھی گرمی اور کبھی برسات حالات بدلتے تھے کبھی صحت کبھی مرض کبھی سفر کبھی حضر کبھی خلوت کبھی جلوت کبھی عسر کبھی یسر کبھی اشتغال کبھی فرصت زمانہ گردش کرتا تھا کبھی جوانی کبھی بڑھاپا کبھی ضعف کبھی قوت انقلاب حوادث اپنا اثر دکھاتا تھا کہ کبھی خوشی کبھی رنج کبھی کسی کی ولادت کبھی کسی کا مرنا غرض سب کچھ ہوتا تھا مگر آپ کے معمولات شرعیہ میں کوئی فرق نہ آتا اور کسی ایک امر پر بھی کوئی اثر قوی نہ پڑتا تھا مجھے آپ کے ساتھ سفر میں بارہا معیت نصیب ہوئی ریل اور جہاز اونٹ اور بہل سب آپ کے معمولات لیلیہ و یومیہ کے لئے ایک حکم رکھتے تھے۔ انسان ایک مٹی کا پتلا ہے جس کی مشین کے پرزے ہاتھ پاؤں ایک خاص عادت اور سکون و راحت کے محتاج ہیں کہ جب اس عادت و راحت میں فرق آئے گا. تو ان کی رفتار سے جس کا نام عمل ہے ضرور فرق آئے گا۔ اچھی اچھی قابل اعتماد مشینیں کسی غیر معتاد حادثہ پر بند ہو جاتی ہیں، اور بڑے بڑے منتظم محکمے اور کارخانے اتفاقیات کے ہاتھوں چلتے چلتے رک جاتے ہیں۔ قوی سے قوی ہستیوں کو بھی آرام کرنے کے لئے تعطیل کی ضرورت ہوتی ہے اور مستعد سے مستعد نوجوانوں کو بھی راحت حاصل کرنے کے لئے اپنے معمول میں فرق ڈالنا پڑتا ہے مگر نہیں فرق دیکھا تو حضرتؒ کے معمولات میں کہ چھ چھ مہینے متواتر و مسلسل سفر میں ساتھ رہنے کا مجھے اتفاق ہوا مگر میں نے ایک دن بھی نہیں دیکھا کہ نماز باجماعت ترک یا وقت مستحب سے ہٹی ہو۔ یا ایک شب بھی تہجد کے لئے وقت معمول پر اٹھنے میں چند منٹ کی تاخیر ہوئی ہو۔ قرنطینہ کامران میں شب کو میری آنکھ کھلی اور میں نے گھڑی دیکھنے میں غلطی کھائی کہ دو بجنے کو چار سمجھ لیا۔ گرمی کا موسم تھا چاندنی رات تھی میں سمجھا صبح صادق ہوا چاہتی ہے اٹھکر حضرت کو دیکھا کہ بے خبر سو رہے ہیں سمجھا کہ آج داخلہ قرنطینہ میں کامل آٹھ گھنٹے تعب کا اثر حضرت نے لیا ہے۔ اس لئے آنکھ نہیں کھلی۔ اس خیال سے کہ برسوں کا معمول ترک ہونے کا حضرت

Marfat.com

کو قلق زیادہ ہوگا اُٹھکر حضرت کے پاؤں دبانے لگا کہ حضرت کو جگانے کا طریق
یہی تھا۔ پاؤں کو ہاتھ لگاتے ہی حضرت نے آنکھ کھولی اور گھڑی اٹھائی جس کو
حضرت ہمیشہ تکیہ کے پاس رکھکر سویا کرتے تھے۔ کیا بتاؤں کہ اس وقت میری
شرم کے مارے کیا حالت ہوئی۔ جب حضرت نے گھڑی دیکھکر فرمایا کہ ابھی
تو ڈھائی گھنٹے رات باقی ہے۔ شاید چاندنی سے تم کو دھوکا ہوا اور یہ فرما کر
پھر سو گئے۔ یہ بات حضرت کے پاس چند روز رہنے والے کو بھی محقق ہوگئی تھی کہ
کی نیند اختیاری تھی کہ پانچ منٹ کے لئے سونے کا ارادہ فرماتے تو پانچ ہی
منٹ میں آنکھ کھل جاتی اور آپ اُٹھ بیٹھتے تھے۔ جہاز پر بندہ نے اپنا بستر
حضرت کے سامنے اور متصل بچھایا تھا کہ آخر شب میں وضو کے لئے پانی دے
سکوں گا۔ میں نے بارہا دیکھا کہ حضرت کی آنکھ کھلی اور گھڑی دیکھکر فرمایا کہ ابھی تو
پانچ منٹ باقی ہیں۔ پھر فوراً سو گئے اور دوبارہ آنکھ کھلی تو شاید چھٹا منٹ شروع
ہوگیا ہو مگر ختم نہ ہوتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سونے کے لئے صرف ارادہ
کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ بعض دفعہ نیند کا ارادہ کرنے کے بعد تکیہ پر سر
رکھنے کی بھی مجھے خبر نہیں ہوتی۔ آپ نے شب کو سفر حجاز جاتے ہوئے ریل کا
سفر کیا اور جگہ جگہ اسٹیشنوں پر خدام کا زیارت و مصافحہ کے لئے ہجوم تھا
مگر اسٹیشن آتے ہی گاڑی ٹھہرنے نہ پاتی تھی کہ آپ اُٹھ جاتے اور اکثر نیچے اُتر
کر حاضرین کو چھاتی لگاتے اور حال پوچھتے اور جو ضروری بات کہنا ہوتی وہ کہہ
کر ریل میں سوار ہوجاتے۔ اور پھر ریل اسٹیشن کو چھوڑنے نہ پاتی تھی کہ سو
جاتے تھے۔ رات میں دس دس مرتبہ ایسا جاگنا اور سونا ہوتا مگر آپ پر کوئی اثر
نہ ہوتا تھا۔ رفقاء سے فرمادیا کرتے تھے کہ مجھے جاگنے میں تعب نہیں ہوتا اور نہ
پھر سونے میں دیر لگتی ہے اس لئے جب ضرورت ہو بے تکلف جگا لینا سفر میں
ایسا بھی اتفاق ہوا کہ ناوقت کھانا کھایا اور کئی کئی راتیں مسلسل ایسی گذریں کہ
گھنٹہ سوا گھنٹے سے زیادہ آپ کو سونا نہیں ملا اور وہ بھی متفرق بار بار جاگ

Marfat.com

کر۔ مگر صبح صادق سے دو گھنٹے قبل اٹھنے کا آپ کا جو معمول تھا اس میں کبھی فرق نہیں آیا۔ نوجوان بیٹے اور بیٹیوں کی وفات کے متواتر تین صدمے آپ کو پیش آئے اور ممتد تیمارداری بھی ہوئی کہ گھر میں یا آپ تھے یا آپ کی اہلیہ مگر تہجد کا معمول نہ تیمارداری میں چھوٹا نہ موت کی شب میں۔ مدنی راستہ میں آپ کو بخار ہوا اور شدید ہوا کہ بدن پر ہاتھ رکھنا مشکل تھا۔ آپ شغدف میں تھے اور فرط حرارت سے گویا بے ہوش تھے۔ مگر نصف شب میں بخار ہلکا ہوا۔ اور آخر شب میں حسب معمول آپ ہمت کرکے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کچھ کھڑے ہو کر اور کچھ بیٹھکر نفلیں ادا کیں اور لیٹ رہے۔ شب میں قافلہ چلتا تو آپ شغدف ہی پر وضو کرتے اور پورے نوافل ادا فرماتے۔ رات کے بارہ ایک بجے آپ کو ریل میں بیٹھا ہوا کہ نہ ادھر اطمینان سے سونے کا وقت نہ اُدھر آرام کا کافی وقت۔ مگر نصف شب کے بعد کا وقت ریل میں ہوتا تو اندر ورنہ باہر اسٹیشن پر آپ اٹھ دس نوافل ادا فرماتے اور ریل آنے پر اس میں سوار ہو جاتے۔ اگر میری آنکھوں کا اور وہ بھی بیسیوں دفعہ کا مشاہدہ نہ ہوتا اور کوئی مجھ سے لاکھ کہتا کہ ایک ایسا بھی انسان ہے جس کی نیند اختیاری ہے اور اس پر تغیرات عادت کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو مجھے ہرگز یقین نہ آتا اور میں کہتا کہ ناممکن و محال ہے عادت کے خلاف تغیر ہو اور طبیعت اُس سے متاثر ہو کر معمولات میں فرق نہ ڈالے۔ مگر حضرت کے متعلق اس مشاہدہ نے میرے دعوی کو توڑ دیا اور اب تک جب تصور آتا ہے میں حیران ہو جاتا ہوں کہ آخر وہ کون قوت اندرونی تھی جو طبیعت انسانیہ پر غالب آگئی تھی۔ ایک مرتبہ شب کو ۱۲ بجے بغیر اطلاع آپ میرٹھ تشریف لائے اور میرے مکان کے سامنے مسجد ہے اس کے فرش پر لیٹ رہے۔ آخر شب میں مجھے خواب نظر آیا کہ حضرت کنوئیں پر کھڑے اپنے ہاتھ سے پانی کھینچ رہے ہیں فوراً آنکھ کھلی اور ڈول کے پانی پر پڑنے کی آواز آئی۔ سمجھ رہا تھا کہ خواب ہے مگر جلدی سے اٹھکر باہر آیا تو دیکھا واقعہ ہے حضرت پانی کھینچ رہے ہیں

Marfat.com

جلدی سے لپک کر میں نے رسی تھام لی۔ پانی کھینچا اور حضرت سے خواب عرض کیا کہ یہ بھی کیا عجیب اور سچا خواب ہے اور حضرت نے نہ تشریف آوری کی اطلاع دی نہ آواز ہی دی کہ حاضر ہو جاتا مسکرائے اور فرمایا خواب مبارک ہو۔ سفر میں میرٹھ کو عبور ہوا تو دل نے نہ چاہا کہ ملے بغیر جاؤں۔ اور جگانے کی تکلیف کیوں دیتا۔ گرمی کا موسم تھا فرش پر لیٹ کر خوب نیند آئی کہ خمار رفع ہو گیا۔ ایک مرتبہ لاہور جلسہ میں جانا تھا اور ڈاک گاڑی کا سفر تھا جو شب کو ۱۲ بجے چلکر صبح ۷ بجے لاہور پہنچتی تھی۔ زحمہ بھی تھا اور گرمی تھی مگر حضرت ذرا سی جگہ میں پاؤں سمیٹ کر سوئے اور اپنے وقت پر اٹھکر وضو کر کے اس تنگ جگہ میں نفلیں پڑھنے لگے۔ مولوی اسحاق مرحوم حضرت کے خادم ساتھ تھے اور معلوم تھا کہ حضرت کو نوافل سے فارغ ہو کر چائے پینے کی عادت ہے۔ دودھ مصری اور خشک چائے وسماوار ساتھ لائے تھے۔ خدا ان کو غریق رحمت کرے آفرین ہے ان کی ہمت پر جس کا سبق حضرت سے لیا تھا کہ تیز چلتی گاڑی میں انہوں نے اپنا پلندہ کھول کر کوئلہ سلگایا اور سماوار گرم کیا اور پوری مقدار چائے تیار کی کہ حضرت کے فارغ ہوتے ہی انہوں نے فنجان بچھا دیئے اور حضرت نے مع چار پانچ رفقاء کے چائے نوش فرمائی۔ لاہور میں دن بھر جلسہ کے اندر گذرا کہ دن کو بھی لیٹنا نہ ملا مگر شب کو پھر وہی وقت تھا اور وہی معمول۔

نوافل پر جس کو اتنی مواظبت ہو اس کے سنن و واجبات کے اہتمام کا کیا پوچھنا۔ مولوی ظفر احمد صاحب جو مدت تک مدرسہ میں مدرس رہے ہیں لکھتے ہیں کہ میں حضرت کی خدمت میں چھ سال رہا ہوں مجھے یاد نہیں کہ حضرت کی تکبیر تحریمہ کبھی فوت ہوئی ہو۔ البتہ ایک دن صبح کو وضو کرتے ہوئے آپ کے دانتوں میں سے خون آنے لگا اور دیر تک اس کا سلسلہ چلتا رہا تو مسجد میں خادم کو بھیجا کہ نماز میں میری وجہ سے دیر نہ کی جائے۔ میرے دانتوں سے خون جاری ہے جو بند نہیں ہوتا۔ اس روز بے شک عذر کی وجہ سے حضرت

Marfat.com

کی تکبیر تحریمہ فوت ہوئی مگر رکعت اس روز بھی فوت نہیں ہوئی احقر کو اس چھ سال میں حضرتؒ کے ساتھ سفر و حضر کا بارہا اتفاق ہوا مگر میں نے حضرت کا تہجد ناغہ ہوتے کبھی نہیں دیکھا۔ ایک بار آپ کو بخار تھا اور گھر میں مہمان مستورات کی وجہ سے مدرسہ ہی میں آرام فرمایا تھا۔ اس بخار کی حالت میں بھی آپ نے تہجد پڑھی کہ کچھ رکعتیں کھڑے ہو کر اور کچھ بیٹھکر۔

حاجی احمد حسن ڈپٹی مجسٹریٹ انہار گنگ جو حضرت مولانا رائپوری سے بیعت اور ماشاء اللہ نہایت سلیم القلب صالح الاحوال شخص ہیں۔ جس طرح اپنے فرائض دنیوی میں ضرورت سے زیادہ مستعد اور محتاط و ہوشیار ہیں کہ قدردان افسروں نے صوبہ کا منتخب کارگذار سمجھ رکھا ہے اسی طرح دینداری و معمولات شرعیہ میں صاحب استقامت اور ہر شعبہ میں متورع و مستعد ہیں کہ دنیا داروں بالخصوص ان ملازم پیشہ مسلمانوں کو ان کی پابندی جماعت و تہجد و وظائف و زکوۃ و صوم و حج سے سبق لینا چاہیے جو فرائض کے متعلق بھی عذر کر دیتے ہیں کہ ملازم بن کر اداء فرائض مشکل ہے۔ ان کو سہارنپور میں ڈپٹی مجسٹریٹی پر کئی سال تک حضرت کے قریب ہی کرایہ کا مکان لے کر رہنے کا اتفاق ہوا وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت کے پاس خلوت میں جلوت میں حضر میں سفر میں حاضر رہنے کا اکثر اتفاق پیش آیا ہے لیکن کبھی ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرتؒ کے معمولات میں ذرا بھی فرق پایا ہو۔ میں نے اپنی عمر میں نماز اس وقار کے ساتھ پڑھتے کسی کو نہیں دیکھا جیسا حضرت پڑھا کرتے تھے۔ ایک موقع پر میں نے اپنا یہ خیال حضرت کے سامنے ذکر کر دیا۔ بیساختہ فرمایا۔ ہمارے حضرت اس سے بھی زیادہ وقار سے نماز پڑھا کرتے تھے (یعنی حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ)

مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی کہ اخیر سفر میں حضرت کے ساتھ معیت کا مدینہ منورہ میں اتفاق ہوا وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجلس میں تذکرہ ہوا کہ سفر حجاز بالخصوص بدوی راستہ میں نماز پڑھنا دشوار ہے کہ بدو اونٹوں کو

Marfat.com

ٹھہراتے نہیں اور اونٹ سے اترنا گوارہ نہیں۔ حضرت نے فرمایا الحمد للہ میں نے ہمیشہ اونٹ سے اتر کر با جماعت نماز پڑھی ہے۔ احقر نے عرض کیا حضرت آپ کی وجاہت کے سبب سے آپ کو سہولت رہتی تھی فرمایا میں نے اس زمانہ میں بھی تو سفر کیا ہے جب کوئی خصوصیت اور وجاہت نہیں تھی۔ نیز فرماتے ہیں احقر جس زمانہ میں مدینہ منورہ میں مقیم تھا گرمی نہایت شدید تھی اور مسجد نبوی کی پہلی اور دوسری صف میں نماز پڑھنا نہایت دشوار تھا۔ مغرب اور عشا بلکہ فجر کی نماز میں ہزارہا نمازی اندرون مسجد کو چھوڑ کر صحن مسجد میں نماز ادا کرتے تھے لیکن میں نے دیکھا کہ حضرت ہمیشہ پنج وقتہ صف اوّل میں منبر مبارک کے متصل نماز ادا کرتے تھے۔ نماز کے بعد جب احقر مکان پر حاضر ہوتا تو بطور خوش طبعی و ظرافت کے فرماتے کہو سید صاحب آج کونسی صف میں نماز پڑھی؛ احقر مطابق واقعہ تیسری یا پانچویں صف میں نماز پڑھنا بیان کرتا اور کہتا تھا کہ حضرت پہلی اور دوسری صف میں گرمی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ فرماتے کہ بھائی یہاں تو ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے گرمی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔" یہ حضرت کی لطافت طبع تھی کہ احساس نہ ہونے کا سبب ضعف و پیری کو قرار دیا ورنہ شوق و محبت اور استحضار فضائل کثیرہ احساس نہ ہونے دیتا تھا یا باوجود احساس کے برداشت اور تحمل تکالیف پر مستعد کرتا رہتا تھا۔ ایک مخلص ہندوستانی نے جو موٹر کمپنی میں کارکن تھے ایک موٹر لاری عصر کی نماز کے بعد ایک روز ہوا خوری کے لئے حاضر کی بعض متوسلین ہمراہ ہوئے۔ مدینہ منورہ سے باہر پندرہ بیس میل نکل گئے ایک باغ میں تھوڑی دیر ٹھہرے۔ واپسی میں خلاف امید اتنی تاخیر ہو گئی کہ مسجد نبوی میں جماعت شروع ہو گئی کچھ بازار کے ہجوم کی وجہ سے مسجد تک پہنچنے میں دقت ہوئی بلکہ احقر نے ہاتھ پکڑ کر احتیاط سے جماعت پہنچایا دو رکعتیں رہ گئیں اور صرف تیسری رکعت امام کے ساتھ ملی۔ اگلے روز احقر نے عرض کیا حضرت پہلے بھی کبھی ایسا اتفاق ہوا ہے؟ فرمایا کبھی نہیں (یعنی بیماری کی وجہ سے بعض

Marfat.com

مرتبہ مکان پر نماز پڑھنے کی نوبت تو ضرور آئی مگر یہ نہیں ہوا کہ مسجد میں آنا ہوا اور کوئی رکعت رہ گئی ہو) احقر نے عرض کیا کہ بمقتضاء عجز و عبدیت ایک واقعہ ایسا بھی ہونا چاہیئے تھا تبسّم فرما کر خاموش ہوگئے۔ آپ مرض کی وجہ سے جب مسجد میں حاضر ہونے سے معذور ہوتے تو مولانا سیّد احمد صاحب مہاجر کو نماز کے وقت طلب فرما کر گھر میں جماعت سے نماز ادا فرماتے۔ وارد و صادر اور غیر مہاجر لوگوں کے لئے حاضری مسجد کو ضروری سمجھ کر خاص طور سے خیال رکھتے یہاں تک کہ حاجی مقبول احمد صاحب کو بھی اپنی جماعت کے لئے گھر میں نہیں روکتے تھے کیونکہ انہوں نے اس وقت تک ہجرت کی نیت نہیں کی تھی۔

آپ کو حق تعالیٰ نے سات حج نصیب فرمائے جن میں پہلا سفر حج ۱۲۹۳ھ میں تنہا بھوپال سے اور دوسرا ۱۲۹۷ھ میں بمعیت مولوی شمس الدین صاحب بہاولپور سے مذکور ہو چکا۔ باقی پانچ حج آپ کے ملازمت مظاہر علوم کے زمانہ میں سہارنپور سے ہوئے۔ پہلا ۱۳۲۳ھ میں اہل کو ساتھ لے کر کہ ان کے پاس شوہر اوّل کا عطیہ زیور تھا جس کو تقریباً ڈیڑھ سو روپیہ میں فروخت کرکے زمین خرید لی تھی۔ اور پھر ۱۳۲۳ھ میں اس کو بعوض پانچسو روپیہ فروخت کر دیا۔ بیع کا تمام ہونا تھا کہ حضرت نے فرمایا کہ تم پر حج فرض ہوگیا اس کے ادا کرنے کا اہتمام کرو۔ اگرچہ محرم بن کر صرف حج آپ بھی اسی رقم میں کر سکتے تھے مگر آپ کے لئے سفر حج کا محرک جب کبھی ہوا وہ آستانہ محمدیہ کی حاضری کا شوق ہوا ہے اس لئے آپ نے مطرقۃ الکرامہ کے نسخے یک مشت فروخت کرنے کی سعی کی کہ صرف وہی آپ کا راس المال تھا اور اس کی رقم لے کر آپ مع اہلیہ اور اپنی لڑکی کے کہ شوہر کے مجنون ہو جانے کے سبب محزون و مضمحل زیادہ رہتی اور اپنے بدن کا زیور فروخت کرکے والدین کے ساتھ عرب جانے کو تیار ہوگئی تھی آخر شوال میں روانہ ہوئے اور بعد حج تیئیس ۲۳ دن مدینہ منورہ میں قیام فرما کر صفر میں واپس وطن تشریف لے آئے پھر ۱۳۲۸ھ میں جب حضرت مولانا رائپوری کو آپ نے دہلی تک مشایعت فرما کر حجاز روانہ

کیا تو شوق حاضری حرمین کا پھر غلبہ ہوا اور شاہ زاہد حسین صاحب رئیس بہٹ نے آپ سے خواہش کی کہ ساتھ تشریف لے چلیں تو آپ نے منظور فرما لیا اور مولوی یحیٰی صاحب کو اپنا قائم مقام بنا کر اہلیہ کو مکان پر چھوڑ کر وسط ذیقعدہ میں بمبئی روانہ ہو گئے۔ ۷ ذی الحجہ کو آپ مکہ پہنچے اور ۱۰ محرم کو براہ رابغ مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ بائیس ۲۲ دن قیام فرما کر وطن کو مراجعت فرمائی اور آخر صفر میں سہارنپور تشریف لے آئے۔ ان دونوں سفر میں بندہ کو ہمرکابی کا شرف نصیب ہوا اور دوسرے سفر میں میرٹھ سے حافظ فصیح الدین صاحب مرحوم مع اہل اور ان کے بھائی حاجی وجیہ الدین صاحب مع والدہ و اہل و دیگر حضرات تقریباً سولہ نفر حضرت کے ساتھ ہوئے جنہوں نے حضرت کا فوری قصد سنکر دفعۃً ارادہ کیا اور چل کھڑے ہوئے تھے مولانا ظفر احمد صاحب و مولانا عبد اللطیف صاحب بھی مکہ مکرمہ میں حضرت کے ساتھ ہو گئے کہ روانگی دونوں صاحبوں کی رائپوری قافلہ سے بھی قبل ہو چکی تھی۔ حکیم حافظ یعقوب صاحب اور آپ کی والدہ محترمہ دختر اعلیٰ حضرت گنگوہی نے جو حضرت مولانا رائپوری کے ساتھ گئی تھیں مکہ مکرمہ سے حضرت کی معیت اختیار کی۔

تیسرا سفر ۳۳ھ میں بماہ شوال اس وقت ہوا جبکہ ترکی و برطانیہ میں جنگ عظیم برپا تھی اور طرح طرح کے فساد رونما تھے دہلی سے آپ کے پاس ایک استفتا آیا تھا جس میں مسلمانان ہند کا ترکی سے جنگ کرنا جائز لکھکر حضرت سے تصویب چاہی گئی اور آپ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور آپ نے اپنے خالص لوگوں سے کہا کہ اگر یہ دھمکی صحیح ہے اور گورنمنٹ مجبور کرتی ہے کہ اسلام کے خلاف فتوی دیں تو ہندوستان میں رہنا جائز نہیں اور ہجرت کرنا فرض ہے۔ اپنے اس خیال کو آپ نے شائع تو نہیں کیا مگر خود ارادہ پختہ کر لیا کہ میں ایسی حالت میں ہندوستان کو دار الامن نہیں سمجھتا۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ بھی سفر کا ارادہ فرما چکے تھے اور حضرتؒ کا قصد مولانا کی معیت کا تھا مگر مولانا کے سفر میں کچھ تاخیر ہوئی تو حضرت نے بایں اندیشہ کہ دستخط کرنے سے انکار کرنے پر کوئی فتنہ پیدا نہ

Marfat.com

ہو جائے انتظار کو پسند نہ کیا اور وسط شوال میں روانہ ہو کر ۲۲ ذیقعدہ کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ بعد حج ۷ محرم کو مدینہ منورہ پہنچکر قیام فرمایا مگر وقت اتنا نازک تھا کہ آپ کے ساتھ خفیہ پولیس کی نگرانی تھی جو ہر حرکت و سکون کو قلمبند کرتی رہتی تھی۔ اور ادھر گورنمنٹ ترکی کو ان حضرات کی طرف سے برطانوی رعایا ہونے کی بنا پر بدگمانی ہوئی۔ چنانچہ آپ نے ترکی افسر سے فرمایا بھی کہ عجیب بات ہے۔ برطانوی حکومت ہم کو بحیثیت اتحاد مذہب ترکی کا خیرخواہ سمجھکر بدگمان ہے اور ترکی حکومت محض ہندی باشندہ ہونے کے لحاظ سے ہم پر مطمئن نہیں۔ پھر آخر مسلمان اپنی مذہبی زندگی عافیت کے ساتھ گذارنے کے لئے کونسا ملک ڈھونڈیں؟ مگر اس کا کوئی جواب نہ ملا اور آخر آپ کو نو مہینہ بعد شعبان سنہ ۱۳۳۱ھ میں ہندوستان واپس آنا پڑا۔ بمبئی بندر پر اترے تو آپ کو روک لیا گیا اور سیاسی تحقیق کے لئے مع اہلیہ کے بالا بالا نینی تال بھیجدیا گیا وہاں آپ سے طرح طرح کے سوالات ہوئے اور یہ بھی پوچھا گیا کہ کیا آپ نے ہندوستان کو دار الحرب بتایا ہے کہ یہاں رہنا مسلمانوں کو حرام اور ہجرت کرنا واجب ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ضرور کہا مگر اس وقت جبکہ دہلی سے اطلاع ملی کہ گورنمنٹ ہم کو ہمارے مذہب اسلام کے خلاف حکم دینے پر مجبور کرتی ہے مفتش نے کہا یہ آپ کو غلط باور کرایا گیا نہ تو استفتا گورنمنٹ کی سے تھا اور نہ گورنمنٹ کسی کو خلاف مذہب پر مجبور کرتی ہے آپ اس کا اعلان کردیں کہ یہ خبر غلط تھی اور مسلمانوں کو اطمینان دلا دیں کہ وہ خلاف مذہب قول یا فعل پر ہرگز مجبور نہ کئے جائیں گے۔ چنانچہ ہر قسم کی صفائی کے بعد آپ کو آزاد کردیا گیا اور آپ بعافیت وطن واپس تشریف لائے کہ آپ کی گرفتاری سے خدام کو خصوصًا اور عام مسلمانوں کو عمومًا جو اضطراب تھا وہ رفع ہوا۔ دفعۃً یہ خبر سنکر کہ آپ کو گرفتار کرکے نینی تال بھیجدیا گیا خدام میں کہرام مچ گیا اور بعض باوجاہت ذی مقدرت متوسلین نے وہاں پہنچنا چاہا مگر آپ نے بذریعہ تحریر سب کو تسلی دے کر ممانعت

Marfat.com

لکھی کہ یہاں آنے کا کوئی صاحب قصد نہ کریں مقدمہ پرشا کر رہیں۔

حضرتؒ کی مراجعت چونکہ براہ میرٹھ ہوئی اس لئے بندہ بھی سہارنپور تک کے لئے ہمرکاب ہو گیا تھا جس وقت حضرتؒ اسٹیشن سہارنپور پر پہنچے ہیں تو سارا پلیٹ فارم زائرین سے لبریز تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ دس ہزار کا مجمع تھا یا بیس ہزار کا مگر مجھے اندیشہ تھا کہ ازدحام میں دو چار کا پس جانا بعید نہیں۔ میری تو کیا ہمت تھی کہ زحمہ کے دھکوں کا تحمل کرتا اس لئے الگ کھڑا ہو گیا مگر اللہ رے حضرتؒ کا استقلال کہ سفر پر سفر کا تعب اٹھاتے آرہے تھے مگر سب ہی سے مسکرا کر مصافحہ و معانقہ کیا اور باہر سواری میں بیٹھتے وقت اسی بلما نینت سے دریافت کیا کہ میرے رفقاء بھی سوار ہو لئے یا نہیں۔ اور جب اطمینان ہو گیا کہ سب بیٹھ گئے تب آپ کی سواری آگے بڑھی۔ دوسرے دن آپ نے بھرے مجمع میں اپنے واقعات سفر و گرفتاری مفصل سنائے اور مسٹر برن کا پیام کہ اس دھمکی کا انتساب گورنمنٹ کی طرف غلط تھا۔۔ تمام حاضرین کو پہنچایا اس قصہ میں بھی آپ پر بہت کچھ بدگمانیاں اور گورنمنٹ سے تنخواہ ملنے کی بہتان بندیاں ہوئیں جن کا تذکرہ فضول ہے کہ ہر شخص اپنے افعال و اقوال کا جواب دہ ہے اور جزا و سزا مرتب ہونے کا وقت قریب آ لگا ہے۔

یہ بھی عجیب بات تھی کہ حضرتؒ کو خفیہ کا ملازم کہنے والوں سے جب پوچھا جاتا کہ تم کو علم کیونکر ہوا تو اُن کا راوی صرف خفیہ پولیس ہی ہوتی تھی۔ پس اگر خفیہ میں ہونا ثقاہت و صداقت پر اثر نہیں ڈالتا تو حضرتؒ پر کیا الزام؟ اور اس سے ثقاہت و دیانت و صداقت باطل ہوتی ہے کہ اس عہدہ کا مدار ہی انفعال حال و کتمان حقیقت پر ہے تو پھر ان کی روایت و نقل کیونکر معتبر ہوئی جبکہ اس پر اتنا یقین کہ ایک بڑی مقدس ہستی کے علمی و عملی غرض تمامی کارنامے یک لخت حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ ایک وقت تھا کہ شبہ کا نفع مجرم کو دیا جاتا اور مسلمان کو بری کرنے کے لئے احتمال و شک بھی کافی سمجھا جاتا تھا اور ایک یہ وقت ہے کہ ذہنی

اختراع اور شیطانی افواہ کو وحی ربانی کے حکم میں لا کر اس کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی کہ یہ بے ذلیل بہتان کس مقدس پر باندھا جا رہا ہے۔ مگر آپ کا استقلال عجیب تھا جب آپ کے سامنے ذکر ہوتا کہ لوگ یوں کہتے ہیں تو آپ ہنس دیا کرتے۔ زیادہ سے زیادہ آپ کا جواب یہ ہوتا تھا کہ میاں معاملہ بندے کا خدا سے صاف ہونا چاہیئے۔ دنیا کو کہنے دو جو چاہے کہے۔ میرا کیا بگڑتا ہے۔ کچھ گناہوں میں ہی کمی ہو گی۔

چوتھا حج ۳۸ھ میں ہوا کہ آپ شعبان میں روانہ ہوئے اور شہرت ہو گئی کہ بہ نیت ہجرت تشریف لئے جا رہے ہیں اس لئے عام بے چینی پھیل گئی اور جانوں کی وہ کثرت ہوئی کہ الامان۔ مولوی محمد زکریا صاحب مولوی منظور احمد صاحب قاری عبدالعزیز صاحب اور مولوی لطیف الرحمٰن صاحب نے بھی عزم کر لیا مولوی محمد اسحاق مرحوم مولوی حبیب احمد نانوتوی بھی ساتھ ہوئے اور حضرت مع اہلیہ و حاجی مقبول احمد اپنے قافلہ کو لے کر شعبان میں بمبئی روانہ ہو گئے۔ شیخ محمد یٰسین صاحب بریلوی بھی بمبئی میں جا ملے۔ یہ صاحب داروغہ آبکاری تھے اور انگریزی لباس و وضع کے دلدادہ ہیٹ لگاتے پتلون پہنتے تھے۔ بیعت ہونا تھا کہ کایا پلٹ گئی۔ نوکری بھی چھوڑی اور لباس بھی چھوڑا اچھے خاصے ملّا بن گئے۔ بمبئی میں اتفاق سے ایک پرانے دوست مل گئے غور سے دیکھ کر بولے کیا مسٹر محمد یٰسین صاحب ہیں؟ بولے اب تو مسٹر نہیں صرف محمد یٰسین ہوں۔ حضرتؒ کی روانگی سنکر بیتاب ہو گئے اور چل کھڑے ہوئے۔ قصد تھا کہ رمضان مکہ مکرمہ میں گذاریں۔ مگر جہاز کی روانگی میں تاخیر ہوئی کہ جہاز میں چاند نظر آگیا اور ۱۷ رمضان کو مکہ مکرمہ پہنچے۔ یہ زمانہ شریف حسین کی حکومت کا آخری زمانہ تھا کہ استبداد و خود رائی اپنا سکہ جما رہی اور علماء ہند کی مقدس ہستیاں مشتبہ نظروں سے دیکھی جاتی تھیں مولانا محمود حسن صاحب گرفتار ہو کر مالٹا پہنچ گئے تھے اندرون ملک میں عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے آپ نے اپنے قافلہ کو مدینہ منورہ بھیج دیا کہ

Marfat.com

نہ معلوم کیا مقدر ہے تم لوگ پہلی مرتبہ آئے ہو زیارت آستانہ سے محروم نہ جاؤ اور خود مکہ مکرمہ ٹھہرے رہے۔ ایک دن حرم شریف میں نماز کا سلام پھرا اور کہ ایک شخص نے کہ نہ معلوم مجنون تھا یا مغلوب الحال شور مچانا شروع کیا قیامت ٹوٹے اور آسمان پھٹے اس حکومت پر کہ مولوی خلیل احمد جیسے محترم مقتدی ہوں اور یہ ایسا اور ویسا شخص امام بنے وغیرہ وغیرہ جو منہ میں آیا کہا۔ اس شخص کے تو اگلے دن مرنے کی اطلاع ملی اور حضرت کے متعلق اندیشہ ہوا کہ شریف کو سب اطلاع مل چکی ہے عجب نہیں آپ پر بھی ہاتھ صاف ہو۔ آپ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ مسلمان حاکم کی شکایت انگریزی قنصل سے کر کے پناہ لیں۔ اور نہ سکون سے رہنا نصیب تھا۔ کہ خدا جانے اس کے بعد کیا فتنہ برپا ہو۔ اس لئے مولوی محب الدین صاحب کے اصرار پر کہ ہندوستان جلد جاؤ آپ آخر محرم ۱۳۳۹ھ میں روانہ ہو کر شروع صفر میں سہارنپور پہنچ لئے۔ آپ کا شوق وفات فی المدینہ میں بار بار حجاز جانا اور مشیت الہیہ عوارض پیش آنے پر واپس ہندوستان آنا آپ کے امتحان رضا برقضا کا عجیب حیرت بخش منظر تھا کہ کبھی آپ اداس ہو کر فرماتے بھلا اس قابل کہاں کہ اس مٹی میں ملوں۔ اور کبھی مبشرات پر آپ کو امید بندھتی کہ قدرت کے نزدیک کیا بعید ہے وہ اہلیت بخشے اور خوش نصیب بنائے۔ جہاں ان واپسیوں میں آپ کی یہ ترقیات باطنی مضمر تھیں وہیں یہ برکات مستتر تھیں کہ یہاں کے قیام میں علمی وعملی عام نفع کے علاوہ بیسیوں ناتمین سلوک کی تکمیل اور صدہا محرومین کو داخل سلسلہ ہو کر ہدایت نصیب ہوتی تھی حتیٰ کہ آپ پانچویں حج کو جو کہ عمر شریف کا ساتواں حج تھا ۱۶ شوال کو حیدرآباد ہوتے ہوئے بمبئی پہنچ لئے اور تقریباً دو سو رفقاء کے امیر بن کر ثانی جہاز میں حجاز روانہ ہوئے۔ بعد حج ۱۲ محرم کو مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور یہ داخلہ وہ تھا جس کے بعد خروج کا صرف وہی وقت ہے جبکہ سرور عالم دعا لیان صلے اللہ علیہ وسلم اپنے پڑوسیوں کے امیر بن کر صلہ وانعام دلانے کے لئے بارگاہ واہب العطیات کی طرف قدم اٹھائیں گے۔

ان ساتوں حج میں حضرتؒ کے ساتھ صدہا خدام و متوسلین کا مجمع رہا جن کو حضرت نے حج مبرور و مسنون کا عملی سبق پڑھایا۔ زیادہ تر حضرت کے رفیق سفر علماء ہوتے اور یہ دیکھ کر کہ حج جیسی عبادت میں جو کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے حضرت کو ان جزئیات کا ہر وقت اور تمامی سُنن و مستحبات کی پوری رعایت کا اہتمام رہتا ہے جن کی طرف اچھے اچھے مولویوں کی نظر بھی نہیں جاتی وہ حیران ہو جایا کرتے تھے طواف کی دو رکعت کے بعد استلام حجر اسود گویا آجکل متروک ہے مگر فقہاء نے اس کے استحباب کی تصریح کی ہے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت نے ترک فرمایا ہو۔ ۱۳ ذی الحجہ کو منیٰ سے واپسی میں محصب پر نزول حضرت کا کبھی نہیں چھوٹا حالانکہ اکثر حجاج محصب سے واقف بھی نہیں کہ کہاں ہے ۹ کو منیٰ سے چلنے میں آپ کی نظر جبل ثبیر پر رہتی اور جب سورج کی شعاع اس پر چمکتی اور اشرق ثبیر کا مصداق نظر آتا تو آپ عرفات کی طرف متوجہ ہوتے۔ اسی طرح واپسی میں مزدلفہ پر صبح کی نماز غلس میں پڑھتے اور بیٹھے رہتے حتیٰ کہ اسفار ہوتا اور اس وقت آپ منیٰ ہو کر سیدھے جمرۃ العقبہ پر رمی کے لئے پہنچتے تھے۔ ایک مرتبہ باب مکّہ کے قریب پہنچکر آپ نے فرمایا کہ مسنون راستہ حجون کا ہے چلو سنّت ادا کریں چنانچہ آپ نے قافلہ چھوڑ دیا اور پہاڑیوں کو قطع کرتے ہوئے جنّت المعلیٰ کے متصل نکل کر باب السفلیٰ سے مکہ میں داخل ہوئے مجھے اسی دن علم ہوا کہ حجون کیا ہے اور اس کا راستہ کونسا ہے۔ دخول کے لئے غسل کا آپ نے اہتمام فرمایا اور شہر سے باہر قہوہ خانہ میں ٹھہر کر ہم کو ایک کنستر پانی خرید فرما کر غسل کیا۔ ۹ ذی الحجہ کو عرفات میں بھی غسل کا اہتمام فرمایا اور روزہ تو رکھا نہیں مگر ایک پیالی چائے کے سوا کچھ کھایا بھی نہیں کہ صوم عرفہ اور افطار فی العرفات کو جمع فرمایا۔ رمی جمار کے بعد آپ کا وقوف دُعا کے لئے باوجود اتنی دھکا پیل کے کہ نوجوانوں کا پاؤں جمنا مشکل تھا ہمیشہ ہوا اور مسنون مقدار تک ہوا کہ کمی نہیں آئی۔ فتنہ و سکون اور قلت و کثرت حجاج گرمی سردی برسات غرض ہر موسم میں مختلف طبیعت والے اشراف و والیان کے زمانہ

Marfat.com

حکومت میں آپ کو اسفار حج پیش آئے مگر یہ امر مشترک کہ حج بطریق مسنون ادا
ہو کسی وقت کے کسی حج میں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ نماز تو آپ کی ہر جگہ آنکھ کی قرۃ العین
تھی پھر کیا پوچھنا نماز مسجد الحرام کا کہ آپ کے صدہا رفیقوں میں کوئی ایک بھی نہیں بتا
سکتا کہ فلاں نماز میں آپ کی تکبیر تحریمہ یا صف اوّل یا امام کی جانب یمین آپ سے
فوت ہوئی ہو۔ سخت گرمی میں جبکہ فرش پر پاؤں رکھنے سے چھالے پڑتے تھے
آپ ظہر میں انگلیوں کے بل تیز چلکر مصلّے حنفی پر پہنچتے اور صف اوّل میں امام کا
قرب لیا کرتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے ایک مرتبہ بعد نماز مغرب بارش خوب زور
کی ہوئی اور رفقاء کی زبان پر آیا کہ الاصلوا فی الرحال پر عمل کا وقت حق تعالیٰ
نے دکھایا۔ مگر حضرت نے اذان کی آواز کان میں پڑتے ہی مجھ سے فرمایا چلو بھئی نماز کو
ہر چند کہ میری ہمت بھی پست تھی مگر لالٹین ہاتھ میں لے کر ساتھ ہو لیا اور حضرت
نے پانی بھرا ہوا لوٹا ہاتھ میں اٹھا لیا میں بالکل نہ سمجھا کہ باوضو ہوتے ہوئے
اس کی کیا ضرورت ہے مگر حضرت نے فرمایا ممکن ہے پاؤں کو کیچڑ لگے اس لئے
دروازے پر پاؤں دھو لیں گے کہ حرم شریف ملطخ نہ ہو اس سے قبل مجھے مکہ
کی کیچڑ اور بارش کا منظر دیکھنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ نیچے اتر کر سڑک پر آئے
تو زمین پاؤں کو پکڑ لیتی تھی۔ ہر قدم پر میری تمنا ہوتی تھی کہ کاش حضرت رخصت پر
عمل فرمائیں اور سمجھتا تھا حضرت بھی اس تکلف کو برداشت نہ کر سکیں گے
مگر ہر قدم حضرت کا مجھ سے آگے رہا۔ ہر ایک کے سر پر چھتری جدا تھی اور میرے
ہاتھ میں لالٹین تو حضرت کے ہاتھ میں پانی کا بھرا ہوا لوٹا۔ بازار ختم ہوا اور سڑک
پر تا دیوار مسجد الحرام پچیس تیس فٹ پھاٹ کا دریا بہہ رہا تھا اور اس زور سے پانی
چل رہا تھا کہ دیکھکر ڈر معلوم ہوتا تھا۔ یہاں حضرت ٹھہرے اور میں سمجھا کہ اب
واپسی کا حکم فرمائیں گے۔ مگر حضرت بولے چھتریاں تو اب کر لو بند اور پائنچے کو چڑھا
جوتے لے لو بغل میں اور ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال لو کہ سنا ہے زور میں
پتھریاں آتی ہیں اور گر جانے کا ڈر رہتا ہے وہ پیارا منظر بھی اب تک نظر کے سامنے

ہے کہ برہنہ پا گھٹنوں تک پائنچے چڑھائے قینچی کی طرح باہم ہاتھ ملائے چھتریاں بازو پر لٹکائے چلے اور بسم اللہ مجریہا کہکر وہیں قدم ڈالدیئے چونکہ نشیب کا رُخ تھا اس لئے چھوٹی بڑی کنکریاں پانی کے ساتھ بہتی ہوئی اس زور سے آتی تھیں جیسے مٹھیاں بھر کر کوئی گولیاں مارتا ہے آگے بڑھے تو گھٹنوں تک پانی آگیا اور قریب تھا کہ میرا پاؤں پھسلے مگر حضرت نے بازو تھام رکھا تھا کہ گرنے نہ دیا اور خدا خدا کرکے باب الصفا پر چڑھے۔ وہاں پہنچکر پہلی سیڑھی پر اول پاؤں دھوئے اور ابواب فی المادی میں جوتے رکھے اس کے بعد بسم اللہ اللّٰہم افتح لی ابواب رحمتک پڑھکر حضرت نے مسجد میں قدم رکھا اور میں حضرت کا اتباع کرتا رہا۔ نماز پنجگانہ کے اہتمام کی خاطر حضرت کبھی جبل ثور پر نہیں گئے حالانکہ شوق ظاہر فرماتے اور کہا کرتے تھے کہ بھئی ہر چیز بدل گئی اور تیرہ سو برس میں وہ زمین جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پڑا کرتے تھے خدا جانے کتنے گز نیچے دب گئی مگر دنیا میں دو چیزیں ابھی موجود ہیں جن کو جسد محمدی کے مس کی عزت حاصل ہوئی ہے۔ ایک حجر اسود دوم غار ثور کے پتھر کہ یہی حجر اسود ہے۔ جس کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لبہائے مبارکہ لگے تھے۔ اور غار ثور کے پتھر بھی ابھی تک وہی پتھر ہیں جن سے مس کرتا ہوا آپ کا بدن غار ثور میں پہنچا تھا۔ مگر جگہ دور ہے اور فجر کے بعد چل کر ظہر تک آجاتا کہ حرم شریف کی نماز فوت نہ ہو طاقت سے باہر ہے اس لئے ہمت نہیں ہوتی۔ میں نوجوان تھا اور سمجھتا تھا کہ تیز چلنا کون دشوار ہے ایک قدم رکھا اور دوسرا اٹھایا۔ اس لئے حضرت سے عرض کیا کہ مجھے اجازت ہو تو میں ہو آؤں۔ حضرت کو معلوم تھا کہ تیز رفتار ہوں اس لئے ذرا سکوت فرماکر کہا بہتر ہے مگر دیکھو ایک لاکھ نماز کا ثواب نہ جاتا رہے میں نے کہا نہیں حضرت انشاء اللہ سویرے واپس آؤں گا۔ غرض حبشی کو راضی کیا کہ رہبر بن کر چلے اور دو ہم بادہ نوجوان مستعد رفقاء ساتھ ہولئے تو ان سے بھی کہدیا کہ فجر شافعی کا سلام پھیرتے ہی چل پڑیں گے۔ مگر صبح ہوئی تو حبشی ندارد۔ چونکہ عزم کر

Marfat.com

چکا تھا اس لئے بنام خدا رفقاء کو ساتھ لے خود نکل کھڑا ہوا کہیں کہیں راستہ پوچھا اور آخر انصاب دیکھکر سمجھ لیا کہ یہ راہ ثور کی علامات ہیں تو قدم اٹھا کر تیز چلا۔ تین میل چلکر تین ہی میل جبل کی چڑھائی ختم کی اور نصف گھنٹہ غار میں لیٹے بیٹھکر واپس ہوا اور اپنی انتہائی رفتار پر قدم ڈالے کہ ایک رفیق بھی ساتھ نہ رہ سکا مگر افسوس کہ دروازۂ حرم پر قدم رکھتے ہی تکبیر کی آواز آئی السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ گھٹنے ٹوٹ گئے اور وہیں بیٹھ گیا۔ بعد میں حضرتؒ سے ملا تو فرمایا بس اسی اندیشہ سے تو میری ہمت کبھی نہ ہوئی۔

مکہ کی گرمی مشہور ہے اور ایسی گرمی کا زمانہ حضرت نے وہاں گذارا ہے جو ناقابل برداشت تھی۔ ہر چند آپ کے متوسلین اور رفقاء نے اصرار کیا کہ چند روز کے لئے طائف تشریف لے چلیں۔ مگر آپ نے جب فرمایا یہی فرمایا کہ بھئی ہندوستان چھوڑ کر تو مسجد الحرام ہی کی خاطر آئے ہیں۔ اس کو چھوڑ کر طائف جائیں تو ہندوستان ہی چھوڑنا کیا ضرور تھا۔ سیر کے لئے تو وہاں بھی شملہ و منصوری موجود ہے تو کہیں جاتے نہیں دکھ سکھ گذر ہی جائے گی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت حرم شریف میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت فرماتے اور اس کو نہایت ہی برا سمجھتے تھے کہ حرم شریف کو راستہ بنایا جائے کہ چکر سے بچنے کے لئے مثلاً باب العمرہ کے پاس والے مسجد میں عبور کرکے سوق شامی یا باب السلام کے راستہ نکل کر بازار جائیں۔ اسی طرح کسی مسجد کو تماشا گاہ بنانا حضرت کو بہت ناپسند تھا۔ دار الطلبہ کی مسجد کلثومیہ تیار ہونے پر بعض عورتیں پردہ کرا کے دیکھنے آئیں تو آپ نے فرمایا جو وہاں جائے تحیۃ المسجد ضرور پڑھے۔

جبلپور میں بعض احباب کے اصرار پر آپ مشہور قلعہ جو پہاڑ پر بنا ہوا ہے دیکھنے کو تشریف لے گئے اس کے قریب ایک پرانی یادگار شاہی مسجد ہے اس میں آپ نے قدم رکھا تو فرمایا مولوی عاشق الٰہی وضو کرلو دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرلیں کیونکہ مسجد کو تماشا گاہ بنانا جائز نہیں۔ یہ عبادت کے لئے ہے نہ کہ یادگار سمجھکر دیکھنے کیلئے

Marfat.com

ہر سفر میں ایک دو دن کا اعتکاف مسنون بھی آپ مسجد الحرام میں ضرور کرتے اور زمزم شریف خاص رغبت و احترام کے ساتھ چاہ پر حاضر ہوکر ڈول سے چھک کر پیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ مولوی محب الدین صاحب کے خلوہ میں معتکف تھے اور بندہ ساتھ تھا کہ تہجد سے فارغ ہوکر فرمایا چلو آج زمزم کا سب سے پہلا ڈول پیئں گے سنا ہے اس میں خالص کچے دودھ کا مزہ آتا ہے چنانچہ چاہ پر پہنچکر دیر تک انتظار کیا اور قفل کھلتے ہی اندر تشریف سے جاکر پہلا ڈول اول خوب شکم سیر ہوکر خود پیا اور پھر مجھے پلایا۔ زمزم پلانے والے جو مسجد میں پھرتے تھے کہ پلاکر پیسے مانگتے تھے اُن سے پانی لینا آپ کو پسند نہ تھا اور فرمایا کرتے کہ یہ تو بیع و شرا ہے جو مسجد میں حرام ہے خصوصاً مسجد حرام میں۔ کاش یہ نہ کیا کریں کہ پلانا ان کے لئے ثواب ہو اور صدقہ دینا معطی کے لئے سبب اجر۔ مگر بیع کی صورت نے اس کو خرید و فروخت بنا دیا جس سے معطی بھی غافل ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق بنتے ہیں۔ اپنے دوستوں کو صاحبزادے مولانا محمود حسن[1] کی طرف متوجہ فرماتے کہ مسائل حج میں جو کچھ پوچھنا ہو صرف مولانا سے پوچھنا اور خود بھی پابندی کے ساتھ مولانا کے پاس آتے اور کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو حل فرمایا کرتے تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ مولانا کو مسائل حج کے جزئیات اتنے مستحضر ہیں کہ آج کوئی نظیر نظر نہیں آتی۔ مولانا نے مناسک حج میں سات برس کے اندر ایک رسالہ غنیۃ الناسک تالیف فرمایا تھا۔ حضرت نے اس کو تقاضے کے ساتھ نقل کروایا اور جب بندہ حاضر حرمین ہوا تو تاکید فرمائی کہ نقل اپنے ساتھ ضرور لیتے آنا چنانچہ بندہ نے نقل کا خود مولانا کے ساتھ اصل سے مقابلہ کیا اور ساتھ لاکر حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے بعض احباب کو ترغیب دے کر سو سو نسخے کا حصہ دار بنایا اور ایک حصہ خود لیا اور اس کو طبع کرایا کہ محفوظ و نافع ہے کیونکہ موجودہ ضروریات

---

[1] حضرت ممدوح علاقہ سوات کے باشندے حضرت گنگوہی کے شاگرد عرصہ سے مہاجر و مقیم مکہ تھے۔ فقہ میں بالخصوص مناسک حج کی واقفیت میں بے مثل تھے ۱۲

Marfat.com

کے لیے مناسک حج میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ حج میں مسلمان اتنا روپیہ خرچ کرتے اور اتنی مشقت اُٹھاتے ہیں مگر افسوس ہے کہ حج کو بطریق مسنون ادا کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ سارا روپیہ اور محنت ٹھکانے لگے۔ عوام جب حج کو جاتے تو حضرت تاکید فرماتے کہ کسی دیندار فقیہ عالم کی مرافقت تلاش کرو۔ اور علماء جاتے تو آپ وصیت فرماتے کہ یہ جدید مطبوعہ مناسک ضرور اپنے ساتھ رکھو اور شروع سے جس نسک کا وقت قریب ہو اس کا باب دیکھنا اور بار بار مطالعہ کرنا لازم کرلو۔ مولانا محمد حسن صاحب کا زہد کہ سال بھر میں پچاس روپیہ سے زیادہ خرچ نہیں رکھتے اور توکل کہ کسی سے بطمع ملنا بھی پسند نہیں کرتے اور استقامت کہ باوجود ضعف بصر اور زمانہ پیری کے نماز کی تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوتی تھی حضرت کی نظروں میں بڑا پیارا تھا اور حضرت فرمایا کرتے کہ بس ہجرت تو ایسے لوگوں کی ہے حضرت کے کچھ ہی دنوں بعد مولانا نے بھی وصال فرمایا اور غنیۃ الناسک اپنی یادگار باقیات صالحات چھوڑ کر جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے فرحمہ اللہ واطاب ثراہ۔

حضرت نے باوجودیکہ حج سات کئے مگر اس لحاظ سے کہ آپ کا دل ہر سال حاضری حرمین شریفین کا متمنی و مشتاق رہتا اور زندگی کا ہر لمحہ اسی تمنا و شوق میں گذرتا تھا۔ گویا آپ کا بدن بھی دل کی طرح بیت اللہ و بیت الرسول ہی پر پڑا رہتا تھا۔ آپ کے واقفین میں جب کوئی حج کو جاتا تو آپ اس کو اجازت دیتے اور بحسرت فرماتے کاش مجھے بھی یہ دن نصیب ہوتا ۔

جب کبھی سنتا ہوں جاتا ہے کوئی حج کیلئے　　حسرت آتی ہے کہ یہ شخص ہیں کیوں نہ ہوئے

بندہ نے ۱۳۲۲ھ میں جب مع اہل کے حج کا قصد کیا اور حضرت کی اجازت کے بعد دُعا کی درخواست لکھی تو حضرت کا جواب آیا آپ اس مبارک سفر میں جا رہے ہیں۔ اب بھی دعا کرتا ہوں اور انشاء اللہ تا واپسی آپ کے لئے دعا کرتا رہوں گا اللہ تعالیٰ شانہ آپ کو دینی اور دُنیوی مکارہ سے محفوظ رکھے اور صحت و عافیت و استقامت

لہ اس کتاب کے چند نسخے باقی ہیں قیمت ایک روپیہ دو آنے مجلد ایک روپیہ ۶ آنے ہے ۱۲

Marfat.com

مرافق بنادے۔ اور تمام اعمال قبول فرمادے۔ بمبئی میں جب میں میاں ضیاء الاسلام وغیرہ سے ملنے گیا تھا جہاز تیار دیکھکر بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ساتھ ہولوں اب آپ کی روانگی پر بھی طبیعت میں یہی رغبت ہوتی ہے۔ خوابوں میں بھی یہی خیالات ہیں لیکن جب کشش ہوگی اسی وقت ظاہر حاضری ممکن ہوگی۔ بہرحال آپ جارہے ہیں اور بے اختیار آپ کے ہمراہ دل بھی کشاں کشاں جارہا ہے اللہ معکم حیث ما کنتم " آپ کو اپنے متبعین کے ساتھ باپ سے زیادہ شفقت تھی کہ سفر میں بالخصوص آپ کا دھیان انہیں میں پڑا رہتا تھا۔ حافظ فخرالدین صاحب مع اہلیہ رمضان مکہ مکرمہ میں گذارنے کی نیت سے اسی سال حج کو روانہ ہوئے مگر جہاز نہ ملنے کی وجہ سے مسافر خانہ بمبئی میں اتنا قیام کرنا پڑا کہ اہلیہ کا دل گھبرایا اور قصد کیا کہ یہاں پڑے رہنے سے کیا حاصل گھر ہی چلیں کہ بچوں سے ملکر بعد عید جہاز جانے کے وقت آجائیں گے۔ حضرت نے منع کیا اور تحریر فرمایا کہ تم سفر حج پر ہو گویا حج ہی میں ہو واپسی کا قصد نہ کرو اور ان شاء اللہ تم سے وہیں آکر ملوں گا چنانچہ آپکو راندیر کا سفر پیش آیا اور آپ گنجائش نکال کر بمبئی پہنچے حاجی ضیاء الاسلام کاندھلوی بھی جارہے تھے اور انہوں نے ڈاک کے جہاز کا ٹکٹ لے لیا تھا۔ بمبئی اسٹیشن پر اترتے ہی آپ کو اطلاع ملی کہ ضیاء الاسلام جہاز پر روانہ ہو لئے چنانچہ آپ سیدھے بندر پر آئے اور بصد کوشش و تدبیر جہاز پر پہنچکر ان سے ملے۔ جب جہاز چھوٹ لیا تو آپ مسافر خانہ میں آئے اور حافظ فخرالدین صاحب سے ملکر ان کی اہلیہ کو تسکین دلائی اور بچوں کی طرف سے ہر طرح مطمئن ومسرور بناکر دیر کے بعد اپنی قیام گاہ پر آکر آرام فرمایا۔

وہ سال کچھ زیادہ شورش و بدامنی کا تھا کہ ہمارا قافلہ مدینہ منورہ جاتا ہوا منزل خیف میں محبوس ہو گیا اور پورے اٹھائیس دن ہم پانچسو اونٹوں کے مسافر کھلے میدان میں قید رہے کہ جبتک دشمن کی فی شغدف نہ دیں گے آگے نہ جاسکیں گے۔ قافلہ میں چار طرف سے عورتوں کے نوحہ و بین کی آوازیں آتیں اور اچھے اچھے

مردِ سراسیمہ دکھائی دیتے تھے۔ میں سمجھتا تھا کہ ہندوستان میں میری وجہ سے سب میں زیادہ پریشان ہونے والا صرف روحانی باپ کا دم ہے کہ خلافِ عادت خط نہ پہنچنے سے خدا جانے کیا کیا واہمے لائے گا مگر مجبور تھا کہ خود گرفتار تھا پھر خط ڈاک خانہ میں کیسے پہنچاتا۔ خط لکھنا پہلے ہی دن شروع کر دیا اور روزانہ کے حالات قلمبند کرتا رہتا تھا مگر حضرت تک پہنچانا قابو کی بات نہ تھی۔ ایک سانڈنی سوار بدو کو معاوضہ دے کر خط بھی دیا کہ ینبع کے ڈاک خانہ میں ڈال دے۔ مگر واپسی کے بعد معلوم ہوا کہ وہ خط نہیں پہنچا۔ میرا خیال صحیح نکلا کہ حضرت کو جب ولایتی ڈاک میں یکشنبہ کے دن کوئی خط نہ ملا تو پریشان ہو گئے اور ہفتہ میں کئی بار فرمایا اس ڈاک سے عاشق الٰہی کا خط نہیں آیا نہ معلوم کیوں۔ دوسرا ہفتہ خالی گیا تو اور پریشانی بڑھی حتیٰ کہ تیسرے ہفتہ حجاز کی خبر افواہ کے درجہ میں پھیلی کہ مدنی قافلہ کو بدوؤں نے قید کر لیا اور بہت آدمی مارے گئے۔ اس خبر پر تو حضرت کی پریشانی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ حضرت اکثر مغموم و متفکر بیٹھے رہتے اور کبھی کبھی ٹھنڈے سانس بھرا کرتے تھے۔ میرے مکان پر بھی اعزہ کو پریشانی تھی اور انہوں نے تین ہفتہ خط نہ آنے پر حضرت کو لکھا کہ حضرت کے پاس کوئی خط ضرور آیا ہو گا ہم لوگوں کو خیریت سے مطلع فرماویں۔ اس کا جواب حضرت نے فوراً دیا اور لکھا کہ میں خود نہایت پریشان ہوں اور اس افواہ نے تو کمر توڑ دی۔ بجز اس کے کہ اپنے اللہ پر بھروسہ کئے بیٹھا ہوں کچھ نہیں کر سکتا۔ دل گواہی دیتا ہے کہ لختِ جگر انشاء اللہ بخیریت ہے لیکن آنا کب مقدر ہے یہ نہیں بتا سکتا۔ میں بھی دعا کر رہا ہوں تم بھی دعا کرو۔ میری اہلیہ اس وقت سخت بیمار تھی کہ شغدف سے نیچے اترنا بھی دشوار تھا اور اس کی زندگی سے مایوسی تھی مگر الحمد للہ اس قدر مستقل مزاج تھی کہ ایک لمحہ کو بھی اسے ہراس نہ ہوا۔ ہاں جب بدوؤں کا اصرار ہوا کہ لاؤ اور قافلہ کا انکار ہوا کہ پیسہ بھی پاس نہیں تو دفعتہً اعلان ہوا کہ حملہ ہو کر قتلِ عام ہوا چاہتا ہے۔ اس خبر نے چار طرف گریہ و بکا کا کہرام مچا دیا اور اس وقت اس کی بھی آنکھوں میں آنسو بھر آئے

اور یہ کہکر یا اللہ عصمت اور آبرو تیرے ہاتھ ہے۔ کاش شوہر سے پہلے مجھے قتل ہونا نصیب ہو رونے لگی۔ اس پریشانی میں اس کی آنکھ لگ گئی اور اس نے خواب دیکھا کہ حضرت موجود ہیں اور اونٹ کی مہار تھام کر پہاڑ کے اوپر چڑھ رہے ہیں۔ ادھر بندہ نے خواب دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اور غایت حزن میں گردن جھکائے بیٹھے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی سے کوئی قصہ ہوا ہے اس لئے میں اس سعی میں ہوں کہ صفائی کراؤں تاکہ حضرت کا ملال رفع ہو۔ آنکھ کھلی تو رہائی کا سامان شروع ہو چلا۔ آخر سعی میں مجھے اٹھنا پڑا کہ بدوؤں اور اہل قافلہ میں سمجھوتہ ہو۔ ۱۰ محرم کا محبوس قافلہ ۱۰ صفر کو مدینہ میں داخل ہو لیا۔ وہاں سے بقیہ حالات کا ڈالا ہوا خط حضرت کو ملا مگر ایسے وقت کہ چوتھے دن میرا تار پہنچ گیا کہ میں براہ سہارنپور آرہا ہوں۔ کیا ٹھکانا حضرت کی مسرت کا کہ گاڑی آتی تھی ایک بجے مگر حضرت مدرسہ سے فارغ ہو کر بارہ ہی بجے اسٹیشن پر پہنچ لئے اور پوری دعوت کا تیار کھانا ساتھ۔ گاڑی آئی تو ادھر حضرت مجسم انتظار ایک ایک گاڑی پر نظر ڈال رہے تھے اور ادھر میں کھڑکی سے منہ نکالے حضرت کی صورت کا متمنی تھا کہ دفعۃً آمنا سامنا ہوا اور میں کھڑکی ہی سے نیچے کود پڑا۔ حضرت نے لپک کر چھاتی سے لگایا مگر آنسو میری آنکھوں میں بھی تھے اور حضرت کی آنکھوں میں بھی۔ ایک مرتبہ بندہ حضرت سے اجازت لے کر مدینہ منورہ سے حجاز ریلوے میں دمشق چلا گیا۔ مدنی اسٹیشن تک حضرت پہنچانے آئے اور جس وقت گاڑی آجانے پر رخصتی معانقہ فرمایا تو اس حالت کو میں عمر بھر نہیں بھول سکتا کہ حضرت کی آنکھوں میں آنسو تھے اور قلب میں غیر معتدل حرکت۔ گرامی نامہ دست مبارک کا لکھا ہوا پیچھے پیچھے پہنچا جو مجھے بیت المقدس میں ملا اس میں تحریر فرمایا تھا آپ انشاء اللہ مع الخیر منزل مقصود پر پہنچ لئے ہوں گے مگر آپ کے چلے جانے سے میں تو بیکار محض ہو گیا ع "از دیدہ برفتی و نرفتی ز دل ریش" واپس وطن آیا تو حضرت ۲۵ دن قبل وطن پہنچ لئے تھے مگر میرے اعزہ کو لکھ چکے تھے کہ تار آتے

Marfat.com

ہی مجھے خبر دینا کہ اسی دن ملنے کے لیے آسکوں چنانچہ حضرت تشریف لائے۔ اور واپسی کے وقت فرمایا اب سہارنپور پہنچکر اقامت کی نیت کروں گا کہ اجتک تیرے انتظار میں کی نہ جانے کس دن آجائے مسافر ہی بنا رہا اور نیت اقامت نہ کر سکا۔ میری ہی خصوصیت نہیں بلکہ حضرت کو اپنے خدام و منتسبین کے ساتھ بالعموم اس درجہ محبت تھی کہ ہر شخص یوں سمجھتا تھا میرے برابر حضرت کو کسی سے بھی تعلق نہیں ہے۔ مگر باایں شفقت سیاست و اصلاح سے غفلت نہ ہوتی تھی کہ کسی سے کوئی عجب و ناز یا کوتاہی دیکھتے تو زبان سے تو بہت کم فرماتے مگر بے رخی و اغراض کا برتاؤ زیادہ فرماتے جس سے طالب بے چین ہو کر ماہی بے آب کی طرح تڑپتا اور بزبان حال کہتا تھا ۔

اے فراق تلخ مے گوئی سخن ! ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

میرے متعلق بھی ایسا پیش آیا کہ بعض حاسد لوگوں نے حضرت کے کان میں میرے متعلق کچھ ڈالا اور میں نے اپنے ضعف قلب کی وجہ سے اس معاملہ کی صفائی سے وحشت کھائی جس پر یہ گمان صحیح ہو گیا کہ میری طرف جس خطا کا انتساب ہوا وہ بجا اور ٹھیک ہے۔ چنانچہ حضرت نے خط بھیجنا بند کر دیا۔ اور بندہ نے مسلسل تین خط نہایت بے چینی میں لکھے مگر حضرت نے ایک کا بھی جواب نہ دیا۔ آخر پریشان ہو کر چوتھا خط لکھا تو جواب تیز آیا کہ اوّل معاملہ کی صفائی کرنا ضرور ہے۔ چنانچہ حاضر خدمت ہوا اور بالمواجہہ قائل سے دعوی کی ثبوت سے صفائی ہوئی حضرت کو جب علم ہو گیا کہ مجھ پر بہتان لگایا اور اس کو سچ ثابت کرنے کے لیے ایک گہری چال چلی گئی تھی تو حضرت کی شفقت کا کچھ ٹھکانا نہ رہا اور پہلے سے بدرجہا زیادہ توجہ و کرم فرمانے لگے اور فرمایا غلطی سے دنیا میں کوئی بشر خالی نہیں۔ مجھ سے بھی غلطی ہوئی اور اب بالکل اطمینان رکھو انشاء اللہ آئندہ ایسی نوبت کبھی نہ آئے گی۔ دو ہفتہ کا وہ تلخ زمانہ مجھے اب بھی یاد آتا ہے تو طبیعت پریشان ہو جاتی ہے مگر اس کے ثمرات و برکات

پر نظر ڈالتا ہوں تو شاکی کو اپنا محسن سمجھتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے اس کو میرے لئے وسیلۂ خیرات بنایا۔

حضرت ہمارے بطئ الغضب اور سریع الفئ تھے کہ غصہ بدیر آتا اور جلد اتر جاتا تھا۔ مجھے حیرت ہوتی تھی جب میں دیکھتا تھا کہ حضرت کو غصہ آیا اور تیز لہجہ میں دھمکا رہے ہیں مگر جس وقت معتوب نے گردن جھکا کر زبان سے اتنا لفظ نکالا کہ حضرت بے شک مجھ سے خطا ہوئی اور آئندہ انشاء اللہ ایسا کبھی نہ ہوگا تو گویا حضرت کو غصہ آیا ہی نہ تھا۔ نہ آواز میں تیزی رہی نہ چہرے پر سرخی یہ فرما کر کہ بس بہت اچھا اسی محبت کے ساتھ باتیں کرنے لگتے جو آپ کا معمول تھا۔ ہاں اگر اس کو ندامت نہ ہوتی تو حضرت پر اس کا اثر بڑھ جاتا اور اگر کسی کی قسمت میں شقاوت مقدر ہوتی تو وہ حضرت کے غصہ کو جو کہ محض اس کی اصلاح نفس کے لئے ہوتا تھا ناگواری کے ساتھ دیکھتا اور کشید گی اختیار کرتا تھا۔ اوّل اوّل حضرت اس کا تذکرہ تاسف کے ساتھ اپنے دوستوں سے فرماتے اور آخر خالی الذہن ہو کر ہمیشہ کے لئے یکسو ہو جاتے تھے۔ مگر ایسا بہت کم شاید ایک یا دو ہی کے ساتھ پیش آیا ہوگا ورنہ حضرت کا شفقت آمیز غصہ ہمیشہ بار آور اور مثمر حسنات ہوا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنی مخلوق کی اصلاح کے لئے نعمت و نقمت کو توام بنایا اور ہر دو ابتلا میں ثابت قدم رہنے کو اخلاص اور بے نفسی جانچنے کی کسوٹی قرار دیا ہے جس سے کسی زمانہ میں کوئی مرشد و مصلح حتیٰ کہ وجود باجود سرور عالم و عالمیان صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی خالی نہیں رہا۔

حضرتؒ کی سخاوت بھی حیرت بخش تھی کہ اکثر خدام تبرک کے خواہشمند ہوتے تھے اور اس وقت سائل کی حیثیت کے موافق حضرت جو کچھ بھی پاتے بے دریغ عطا فرمایا کرتے تھے۔ مولوی حبیب الرحمٰن سہواروی شرم کی وجہ سے حضرت کی خدمت میں تو عرض نہ کر سکے مگر حاجی مقبول احمد سے کہ حضرت کے سالے تھے کہا کہ حضرت سے ایک عربی رومال تبرکاً لینا چند روز بعد یہ رات کی گاڑی

Marfat.com

سے سہارنپور آئے اور حضرت سے قبل فجر ملاقات ہوئی جبکہ حضرت حسب معمول مکان سے تشریف لائے۔ مصافحہ و مزاج پرسی کے بعد اول ہی حضرت نے فرمایا حافظ جی تم نے حاجی جی سے رومال کو کہا تھا۔ اور اتنا فرما کر فوراً سر مبارک سے رومال اتار کر ان کو عطا فرما دیا کہ بیش قیمت بھی تھا اور حضرت کا مستعمل ہونے کے سبب تو بے بہا ہو گیا تھا۔ ایک بار مجھے بھی شوق ہوا کہ حضرت سے کوئی تبرک لیتا اور دبی زبان سے عرض کیا۔ حضرت نے فوراً ہی چادر مبارک جس کو اوڑھے ہوئے تھے اتار کر لپیٹی اور خادم سے فرمایا بھئی یہ ان کے بیگ میں رکھ دینا۔ مولوی عبداللہ جان صاحب فرماتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ تھا اور اتفاق سے میری ساری گھڑیاں فرمت کے لئے گئی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے ایک گونہ تکلیف تھی۔ حضرت کے پاس حاضر ہوا تو سرسری طور پر اس کا ذکر آ گیا۔ حضرت خاموشی کے ساتھ اٹھے اور حجرہ میں سے ایک جیبی گھڑی لا کر مجھ کو دیدی۔ اس وقت میں نے بطیب خاطر لی کہ مستعار سمجھا تھا اور ضرورت بھی تھی مگر عید کے دن جب اس کو واپس کرنا چاہا تو حضرت نے فرمایا کیا واپس لینے کے لئے دی تھی؟ تب مجھے معلوم ہوا کہ یہ عطا تھی اور میں نے اس کو اپنی ملک بنا لیا مگر اس کو معمولی گھڑی سمجھا۔ کچھ دنوں کے بعد گھڑی ساز میرے مکان پر گھڑیاں دیکھنے آیا تو میں نے یہ گھڑی بھی اس کو دکھائی۔ اس نے کہا کہ تمہاری جتنی بھی گھڑیاں ہیں اس کے سامنے سب کھلونا ہیں اور یہ گھڑی اصلی انگلش لیور ہے جو بدرجہ اتم سو روپیہ کے لگ بھگ قیمت کی ہے۔ تب تو میری آنکھیں کھلیں اور اس گھڑی کی وقعت میری نظروں میں ہو گئی۔ پھر میں نے مختلف گھڑی سازوں کو دکھایا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ تو بڑی نادر الوجود گھڑی ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں نے غصہ میں ناراض ہو کر باہر صحن میں بیٹھے ہوئے بہت زور سے یہ گھڑی توڑ کے مارنے کے لئے اس کی طرف پھینکی جو بر آمدہ میں کھڑا تھا تو کر کے تو لگی نہیں۔ بلکہ دیوار سے ٹکر کھا کر زمین پر گر گئی۔ میں نے جی میں سمجھ لیا کہ گھڑی تو ٹوٹ ہی گئی مگر یہاں مرمت

نہ ہو سکے گی۔ کسی انگریزی کارخانہ میں بھیجوں گا۔ اگلے دن جو دیکھتا ہوں تو گھڑی چل رہی ہے اور وقت صحیح دے رہی ہے۔ میں حیرت سے مبہوت ہو کر رہ گیا وہ دن ہے اور آج کا دن کہ گھڑی بدستور چل رہی ہے اور مرمت کا نام بھی نہیں آنے دیتی۔" ایک مرتبہ کوئی بزرگ تشریف لائے اور ان کو نعلین کی ضرورت تھی جیسے ہی حضرت کو یہ معلوم ہوا حضرت نے اٹھکر اندر سے جوتوں کا ایک نیا جوڑا لا کر نذر کیا اور ان بزرگ نے اسی وقت اس عطیہ کو لے کر سر پر رکھ لیا شیخ محمد یعقوب صاحب نائب تحصیلدار پٹیالہ مؤلف عشرۂ کاملہ ایک بار حاضر خدمت ہوئے اور خود عرض کی ہمت نہ پا کر حاجی احمد حسن صاحب کی معرفت مستعمل ملبوس کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت مسکرائے اور سبب پوچھا۔ عرض کیا کہ حضرت کچھ طبیعت ہی کا تقاضہ ہے۔ ململ کا کرتہ زیب بدن تھا۔ حضرت نے فرمایا اچھا بھئی یہ ہمارا حاجی کرتہ ہے جو گذشتہ سفر حج میں پہنا تھا۔ یہی سے جانا گاڑی کا وقت قریب تھا انہوں نے عرض کیا حضرت میں اسی گاڑی سے جا رہا ہوں آپ اٹھکر حجرہ میں تشریف لے گئے اور دوسرا کرتہ پہنکر پہلا کرتہ ان کو عطا فرما دیا۔ حضرت کے بدن کا بالائی حصہ بھی کبھی مکشوف نہیں ہوتا تھا الا بضرورت خاص کہ کبھی جمعہ کے دن گرمی میں کسی خادم سے کمر ملواتے تو تنہائی میں کرتہ اتار دیا کرتے ورنہ غسل کے بعد باہر تشریف لاتے تو اندر ہی کپڑے پہن کر تشریف لایا کرتے تھے۔ عمامہ حضرت متوسط طول کا باندھتے تھے مگر نہایت خوبصورت۔ شملہ دو سوا دو بالشت پیچھے چھوڑتے اور اکثر مشروع ہوا گلیوری کا سبز یا کاہی ہوتا تھا ہمیشہ آپ کھڑے ہو کر عمامہ باندھتے اور اس کے پیچ داہنی طرف سے بائیں جانب جاتے تھے۔ آپ کہیں سفر میں جاتے تو آپ کا معمول تھا کہ تمام مخلصین کے لئے ہدایا اور سوغات لایا کرتے تھے جس میں اس پر بھی نظر رہتی تھی کہ کسی کو کیا مرغوب یا کس چیز کی ضرورت ہے۔ چنانچہ رنگون سے آپ واپس تشریف لائے تو دو بڑے بکس آپ کے ساتھ تھے۔ تمامی مدرسین کے لئے ایک ایک

جو مجھ کا کپڑا ان میں بند تھا اور کسی کے لئے بنیان تھا کسی کے لئے ٹوپی مجھے اونچی ٹوپی پہننے کی عادت تھی جب حاضر ہوا تو حضرت ایک خوبصورت بید کی بنی ہوئی ٹوپی اور ایک رنگین خوبصورت کھڑاؤں نکال کر حجرہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا تمہیں اونچی ٹوپی مرغوب ہے اس لئے تمہارے لئے یہ لایا ہوں اور گھر میں کے لئے کھڑاؤں۔ ڈیرہ غازی خاں سے حضرت کی تشریف آوری پر حاضر ہوا تو حضرت نے وہاں کے بنے ہوئے خوبصورت پنکھے عطا فرمائے کہ موسم گرمی کا تھا۔ غرض اتباع سنت کے علاوہ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ حضرت کو کسی وقت بھی اپنے مخلصین سے ذہول و نسیان نہیں ہوتا۔ سفر حج سے واپس تشریف لاتے تو چار چار کنستر زمزم اور کھجور کے لاتے اور عرصہ تک آپ کے پاس خدام کی آمد رہتی مگر کوئی بھی حضرت کے تبرک سے محروم نہ جاتا۔ مدرسہ کے طلبہ و مدرسین کی کثیر جماعت تو حضرت کے قریبی روحانی رشتہ دار تھے ہی کہ ایک ایک طالب علم کو خالص زمزم عطا ہوتا تھا پھر باہر سے جو کوئی بھی جب کبھی آتا پہلا لفظ حضرت یہی فرماتے کہ بھئی ان کو زمزم پلاؤ اور مدنی کھجور کھلاؤ۔ اس کے علاوہ مخصوص خدام اور محترم دوستوں کے لئے عمدہ تسبیح شامی رومال جانماز یا اور کوئی قیمتی چیز جس کو وہاں کی ہوا لگی ہو خرید کر لاتے۔ حضرتؒ اپنے مخلصین کے ہدایا نہایت مسرت سے قبول فرماتے تھے مگر جس قدر ہدایا حضرت نے خود تقسیم فرمائے شاید قبول فرمانے کی نوبت اس سے چوتھائی بھی پیش نہ آئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی حضرت چونکہ صاف گو بہت تھے اس لئے بے تکلف خدام سے ہدیہ کا عیب ظاہر بھی فرما دیا کرتے تھے۔ ایک بار کسی نے لکھنؤ کے خربوزے بھیجے جو شیریں نہ تھے آپ نے تحریر فرمایا تم پیسے خرچ کر کے چیز بھیجو اور مجھے شیریں معلوم نہ ہوں اس سے کیا فائدہ۔ ایک صاحب نے آم بھیجے اور جب انہوں نے حاضر ہو کر دریافت کیا کہ حضرت آم کیسے تھے؟ بے ساختہ فرمایا کچھ نہیں۔ تم نے تکلیف اٹھائی اور مجھے پسند نہ آئے۔ ترشی

Marfat.com

غالب تھی۔ دنیاداروں کا ہدیہ قبول کرنے میں آپ کو دریغ ہوتا اور جس ہدیہ میں اخلاص نہ ہوتا اس کو آپ رد فرماتے تھے۔ بمبئی میں ایک سیٹھ نے آپ کے حج کو جاتے وقت ملازم کے ہاتھ سو روپے بھیجے کہ مجھے حاضری کی فرصت نہیں اس لئے روپیہ آدمی کے ہاتھ بھیجتا ہوں قبول فرمائیں آپ نے واپس فرما دیا کہ بحمد اللہ مجھے ضرورت نہیں۔ آخر وہ خود آیا اور معذرت کی تب آپ نے قبول کیا۔ اگر کسی غریب کا کوئی ہدیہ ہوتا تو آپ اس کی بڑی عظمت فرماتے اور ایسے قبول فرماتے تھے گویا اس کے محتاج ہیں۔ ایک شخص نے ٹوپی پیش کی جو شاید ۸ ر سے زیادہ کی نہ ہوگی آپ نے مسکرا کر اس کو لے لیا اور اسی وقت اوڑھ کر اپنی ٹوپی کو بکس میں رکھوا دیا۔ آپ قاضی عبد المجید صاحب کی درخواست پر شملہ تشریف لے گئے ہیں تو نے بھی دعوت کا اصرار کیا آپ نے فرما دیا کہ بھئی ہماری دعوت تو عبد المجید نے سہارنپور میں کر دی تھی اس لئے ہمیں تو دوسرے کی دعوت منظور کرنے کا حق رہا نہیں۔ دعوت کے ذمہ دار تو یہ ہیں ان سے کہو یہ اپنے ہاں کھلائیں یا دوسرے کے ہاں ہمیں تو کھانے سے بحث ہے۔ ان سے کہا جاتا تو یہ منظور کرتے نہ تھے کہ دو دن کے لئے تو یہ دولت نصیب ہوئی جو کچھ بھی برکت ہو وہ گھر میں رہے کچھ دیر بعد ایک لڑکا آیا اور اس نے اپنی بوڑھی ماں کا سلام پہنچا کر درخواست دعوت پیش کی۔ استفسار حال سے حضرت کو معلوم کہ وہ بیوہ ہیں اور حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہیں اور اسی تعلق پر دعوت کر رہی ہیں حضرت نے بڑی خوشی سے منظوری بخشی اور یوں فرمایا کہ میرا سلام کہنا اور یہ کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ راستہ ہے پہاڑ کا جس کے اتار چڑھاؤ دونوں مصیبت نیز پھر رات کا وقت ہوگا اور جگہ ہے دور اس لئے خوشی سے یہ گوارا فرمائیں کہ صرف میرے لئے کھانا پکائیں اور مجھے یہیں بھیج دیں۔ انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور حضرت نے قاضی عبد المجید سے فرمایا کہ قاضی جی ان کی دعوت رد نہ کر سکا کہ عورت ذات ہیں اور پھر بیوہ ناحق ناراض ہوتیں اور طرح طرح

Marfat.com

دعا دیں لاتیں کہ غریب بیوہ کے ہاں کا کھانا کیوں کھاتے جبکہ بڑے لوگ خاطر تواضع کے لئے موجود ہیں چنانچہ مغرب کے بعد ہی حضرت مکان پر تشریف لے آئے اور کھانے کا انتظار فرمایا۔ دیر ہو گئی اور کھانا نہ آیا حتیٰ کہ عشا کی اذان کان میں پڑی تو آپ نے فرمایا قاضی جی کھانا تو خدا معلوم کس وقت پہنچے میں نے تو ان کو کہلا کر بھیج دیا تھا کہ میں یہاں پر دوسرے کا مہمان ہو کر اور ان کا بلوایا ہوا آیا ہوں تم کیوں ناحق دردسری کرتی اور بار اٹھاتی ہو۔ تم تو خود بیوہ ہو تمہاری تو امداد ہونی چاہیئے نہ کہ الٹی تمہیں تکلیف دی جائے۔ مگر وہ نہ مانیں اور اصرار ہوا تو اس اندیشہ سے کہ ناراض نہ ہو جائیں دعوت منظور کر لی۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت وقت زیادہ گذر گیا اور نماز کا وقت بھی قریب آ گیا بھوک بھی زیادہ لگ رہی ہے مگر اتفاق سے اس وقت گھر میں صرف خشکہ اور دال پکا ہوا ہے اور وہ بھی دن کا کہ اتفاق سے میرے ایک دوست کا لڑکا چار منزلہ مکان کی چھت سے گر گیا اور میری گھر والی اس اطمینان پر کہ حضرت تو دعوت منظور فرما چکے وہاں چلی گئی۔ سوچ رہا ہوں کہ اس تنگ وقت میں کیا چیز پیش کروں۔ حضرت نے شفقت و سنجیدگی سے فرمایا یہ تو میرا اپنا گھر ہے جو کچھ بھی ہو بے تکلف کھانا میرا فرض ہے۔ اور بھئی خشکہ تو بڑی لذیذ نعمت ہے خصوصاً جبکہ اس کے ساتھ دال ہو۔ جاؤ جلدی سے نکال لاؤ پھر نماز کو چلیں گے۔ چنانچہ وہ دال خشکہ لائے اور حضرت نے نہایت ہی رغبت اور بشاشت کے ساتھ کھایا کہ بار بار الحمد للہ فرماتے اور آخر میں کہا کہ آج تو خوب سیر ہو کر کھایا برتن سمیٹ سماٹ نماز کی عجلت میں مکان سے باہر نکلے کہ لڑکا کھانا لے کر آ پہنچا حضرت نے فرمایا واہ واہ خوب وقت پر آئے۔ اچھا ہوا ہماری موجودگی میں آ گئے ہم نے تو بہت انتظار کیا اب تو نماز کا وقت ہو گیا مسجد کو جا رہے ہیں اور قاضی عبد المجید سے فرمایا بھئی کھانا لے کر گھر میں رکھ آؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت واپس ہی نہ کر دیا جائے کہ اب تو ضرورت نہیں رہی۔ فرمایا نا بھئی

واپس نہیں کر سکتے بلکہ لاؤ اس میں سے ایک لقمہ لڑکے کے سامنے کھا لوں چنانچہ ایک لقمہ کھا کر کلی کی اور یہ فرما کر کہ صاحبزادے اپنی والدہ سے کہدینا کہ میرے سامنے ایک لقمہ کھایا تھا اور بہت خوش ہوئے تھے" لڑکے کو رخصت کر کے تیز قدم مسجد کو روانہ ہوئے راستہ میں فرمایا ہوں اور غریب کا دل تھوڑا ہوتا ہے اس لئے میں نے لقمہ کھا لیا کہ بچہ خوش ہو گیا اور اب یہ جا کر اپنی ماں سے کہے گا ورنہ بیچاری کو خیال ہوتا کہ خرچ بھی کیا تیار کرنے میں تکلیف بھی اٹھائی اتنی دور بچہ لے کر بھی گیا اور پھر بھی نہ کھایا۔

خدام کی دلداری کا حضرت کو خاص اہتمام تھا۔ بعض مخلصین انبہ یا رسا دل کے موسم میں حضرت کو تشریف آوری کی تکلیف دیا کرتے اور حضرت اس کو بخوشی منظور فرماتے۔ بلکہ جہاں غایت بے تکلفی ہوتی تو اپنے خواص مخلصین کے نام لے کر فرماتے کہ فلاں فلاں کو بھی دعوت دے دو، چنانچہ مولوی محمد جلیل اور حاجی ریاض الاسلام کی دعوت پر ہر سال آپ کاندھلہ ضرور تشریف لے جاتے اور مجھے بھی تاریخ کی اطلاع کے ساتھ دعوت ضرور آتی۔ اس لئے میں حاضر ہوا کرتا تھا حضرت آم اور دعوت کھانے سے اتنا خوش نہ ہوتے جتنا اپنے دوستوں کو ایک جگہ بے تکلفی کے ساتھ جمع ہوتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ سب کو ساتھ لے کر آپ بیٹھتے خوش طبعی فرماتے مسکراتے اور جو آم شیریں نکلتا کبھی ادھر اور کبھی ادھر خدام کو دیتے اور فرماتے میاں تم نے تو آم کھانے کا نام ہی کیا۔ ایک مطلب کہا کرتے تھے کہ جب تک پلنگ پر بیٹھ کر اتنے آم نہ کھائے کہ پٹی تک چھلکے آ جائیں تو اس نے کیا آم کھائے اور ایک جگہ تو مشہور رہے فلاں شخص نے ایک لنگی آم کھائے اور فلاں نے دو لنگی کسی نے عرض کیا حضرت اس کا کیا مطلب؟ فرمایا کھاتے کھاتے دست آنے لگیں کہ لنگی خراب ہو جائے" مولوی حبیب الرحمن صاحب لکھتے ہیں حضرت تشریف لیجا کر ہر سال سیوہارہ تشریف لایا کرتے مگر کمال یہ تھا کہ نہ کبھی گنا کھاتے تھے نہ رس پیتے تھے نہ رایب کا شوق تھا نہ گڑ کا

Marfat.com

کبھی شاید ایک دو چمچہ نوش فرماتے ہوں۔ مگر اخلاق و شفقت کا یہ حال تھا کہ خدام کی دعوت کبھی رد نہ فرماتے تھے۔ آخری سفر سے کچھ قبل جب آپ سیوہارہ تشریف لائے تو میرے والد حافظ مختار احمد صاحب نے آپ کے لیئے ایک من بورا تیار کرایا کہ رمضان اور سفر حج میں کام آئے گا۔ حضرت کے عزم واپسی کے وقت بورا تیار نہ ہو سکا تو والد صاحب نے اصرار کیا کہ حضرت ایک گاڑی اور رک جائیں۔ بورا بھی تیار ہو جائے گا اچھا ہے حضرت کے ساتھ چلا جائے فرمایا میں سہارنپور اسی گاڑی میں واپسی کو کہہ آیا ہوں۔ اگر میں نہ گیا تو وعدہ خلافی ہوگی گھر والوں کے علاوہ مہمان بھی انتظار کریں گے۔ دوسرے یہ کہ میں تو آپ حضرت سے ملاقات کو آیا ہوں نہ کہ بورا لینے کے لئے بس ملاقات کا مقصد حاصل ہو گیا۔ آخر جب زیادہ اصرار ہوا تو آپ حاجی مقبول احمد کو چھوڑ گئے مگر اپنے عزم میں فرق نہ ڈالا اور اس کے بعد میں تنہا سفر فرمایا۔ ایک بار مدینہ منورہ میں میرے سامنے ایک صاحب نے جائے نماز پیش کی جس پر خوبصورت نقوش تھے اور سرنامہ پر غالباً حضرت کا نام یا اور کچھ لکھا ہوا تھا حضرت نے بخوشی قبول فرمایا مگر یہ کہکر کہ جائے نماز پر لکھنا منع ہے۔ تمہاری دلداری کی بنا پر قبول تو کرتا ہوں مگر اس لکھے ہوئے کو مٹا دوں گا اس کو باقی نہ رکھوں گا۔

سفر میں حضرت اپنے رفقاء کی راحت کا بہت خیال رکھتے اور ایسے بے تکلف بن جاتے تھے جیسے برابر کے دوست۔ سامان اٹھانے میں خود پیش پیش رہتے اور اکثر ایسی چیز اٹھانے کی کوشش فرماتے تھے جس کے اٹھانے میں دوسروں کو جھجک ہو۔ کامران سے چلنے کا وقت آیا تو سامان اٹھا کر کشتی تک لانا پڑا۔ حضرت نے اٹھکر جلدی سے وہ دیگچہ اٹھا لیا جس میں کھانا پکا تھا کہ اوپر سے سیاہ ہو رہا تھا اور اندر سے چکنا۔ پھر ہر چند خدام عرض کرتے کہ آپ رہنے دیں آدمی بہت ہیں سب اٹھا لیں گے مگر ایک دو چیز حضرت لے ہی لیتے اور فرماتے

بھی مجھے بھی تو کچھ اٹھانا چاہیئے۔ کیا تم مجھے آدمی نہیں سمجھتے"۔ ایک بار مجھے لاہور ساتھ لے گئے اور میں نے عرض بھی کیا مگر نہ مانا اور کرایہ آمد و رفت خود ادا فرمایا۔ حافظ فخر الدین صاحب کو بھی چند مرتبہ ساتھ لیا اور کرایہ دیا۔ بالخصوص عرب کے سفر میں امیر ہوں یا غریب تمام رفقاء سفر کی ضروریات کا خود دھیان رکھتے اور ہر ایک کی دلجوئی فرمایا کرتے۔ ایک مرتبہ خلاف عادت مجھے دوران سر ہوا اور میں چادر سے منہ ڈھانپ کر انجن کے قریب پٹڑی پر لیٹ رہا کہ تپ لرزہ کا اثر بھی محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ غنودگی آگئی اور مجھے معلوم ہوا کہ کوئی میرا بدن باقاعدہ داب رہا ہے۔ چادر ہٹا کر دیکھتا ہوں تو حضرت ہیں۔ شرم کے مارے پسینہ آگیا اور حضرت نے فرمایا کہنا مانو ذرا لیٹے رہو کہ میں بدن دبا دوں کسل رفع ہو جائے گا۔ مگر مجھ سے نہ ہو سکا اور میں اٹھ بیٹھا۔ ایک مرتبہ آپ کے مطوف نے آکر کہا کہ حضرت آپ کے بعض رفقاء شکایت کرتے ہیں کہ تم حضرت کا خیال زیادہ رکھتے اور سواری وغیرہ کا انتظام پہلے کر دیتے ہو اور ہماری خبر بعد میں لیتے ہو حالانکہ سب تمہارے حاجی ہیں۔ آپ نے فرمایا آئندہ اس کا خیال رکھو کہ ان کا انتظام پہلے ہو اور ہمارا سب کے بعد۔ چنانچہ مدینہ منورہ جانے کے لئے جب سارا قافلہ تیار ہو پہنچ لیا تو آپ اور آپ کے خاص رفقاء سب کے اخیر میں روانہ ہوئے۔ رفقاء میں کوئی بیمار ہو جاتا تو اہتمام کے ساتھ آپ اس کے پاس جاتے اور دوا کا انتظام فرماتے۔ تسلی و تشفی دیتے۔ اخیر زمانہ میں آپ کو فالج کے اثر سے چلنا مشکل تھا کہ حرم شریف آنے میں بھی جوتے کو ذرا کھینچکر چلنا پڑتا تھا مگر کسی خادم کو معمولی بیمار بھی سنتا تو خود تشریف لے جاتے۔ ایک سفر میں ینبع پہنچکر شب کو میرے پیٹ میں درد ہوا کہ بیتاب ہو گیا۔ حضرت فوراً تشریف لائے اور پیٹ پر ہاتھ رکھکر پڑھتے اور دم کرتے رہے حتیٰ کہ جب سکون ہو گیا تب جا کر لیٹے۔ ایک طالب علم بیمار ہوا اور حضرت تمام رات اس کو چھاتی سے لگائے بیٹھے رہے کہ اس کو اپنی ماں بھی یاد نہیں آئی۔

Marfat.com

اہل عرب کا آپ احترام بہت زیادہ فرماتے تھے بالخصوص اہل مدینہ کا۔ آپ کے رفقاء اور کسی جمال میں نزاع ہوتا تو آپ جمال کی طرفداری کرتے اور حضرت کے ساتھ فرمایا کرتے کہ لوگوں کو ان کی قدر نہیں معلوم بھی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار تک پہنچانے والے ہیں۔ یہ محبوب کے ہم وطن ہیں" حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے نواسے مولوی عبدالکریم کو حضرت اصرار کے ساتھ صاحبزادی صاحبہ سے لے کر اپنے ساتھ لائے کہ بحرالعلوم کا خاندان علم دین سے بے بہرہ ہوا جاتا تھا۔ مولانا پانچ سال مدرسہ میں رہے مگر حضرت نے بیٹا بنا کر رکھا کہ ساتھ کھلاتے اور قریب ہی کا حجرہ قیام کے لئے تجویز فرمایا۔ ایک بار معاملات عرب اور تبدیل حکومت کے متعلق حاجی مقبول احمد صاحب نے کوئی نا ملائم لفظ کہدیا جس کا ان کو بہت صدمہ ہوا۔ حضرت کو خبر ہوئی تو اس قدر مغموم ہوئے کہ شاید اس سے زیادہ صدمہ کا اثر حضرت پر کبھی نہ ہوا ہو۔ مولوی عبدالکریم کی دلجوئی فرمائی اور بار بار معذرت کی۔ انہوں نے کہا حضرت حاجی صاحب نے مجھے گالی دی۔ فرمایا تمہیں گالی نہیں دی مجھے گالی دی۔ آخر جب مولوی صاحب کو راضی کر لیا تب سکون ہوا" مدنی فتنہ کے زمانہ میں جب سید عبدالتواب صاحب مزدور پریشان ہو کر ہندوستان آئے تو حضرت نے ان کو خاص مہمان بنا کر رکھا اور جگہ جگہ ان کی سفارش فرما کر معقول رقم نقد ان کے لئے فراہم کی اور پچیس ۲۵ روپے ماہوار کا تقرر کرایا جب تک بھی وہ ہندوستان میں رہیں" حرمین شریفین میں حضرت کی سخاوت بہت زیادہ بڑھ جاتی اور اتنی وسعت و فراخدلی سے صدقات فرماتے تھے کہ اُمرا بھی حیران ہو جاتے تھے جمالوں کو جہاں حجاج ہر راہ بخشش دیتے ہوئے مُنہ بناتے ہیں۔ حضرت ہر ایک جمال کو ایک روپیہ یومیہ دیتے۔ اپنے ساتھ بٹھا کر ان کو کھانا کھلاتے اور خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ کسی جمال نے اگر ذکر کیا کہ حضرت ہمارا حاجی تو ہم کو دیتا ہے یا کچھ نہیں دیتا تو حضرت کو افسوس ہوتا اور گنجائش پاتے تو حاجی کو نصیحت فرماتے

Marfat.com

کہ ان کے دینے میں بخل نہ کرو۔

عرب کے آدمی ہی نہیں بلکہ ہر چیز بالخصوص مدینہ منورہ کی مٹی تک آپ کو بہت پیاری تھی۔ زائرین کو آپ ابیارِ سبعہ کا پانی اور تراب مدینہ لے جانے کی ترغیب دیا کرتے اور فرماتے کہ ان میں شفا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ مٹی کھانا نہیں۔ کیونکہ ناجائز ہے۔ ہاں لیپ وغیرہ میں استعمال کر لینا۔ بندہ حضرت کی معیت میں تھا اور میرے ساتھ چچا صاحب مرحوم تھے۔ مدینہ منورہ پہنچکر وہ مرض ماشرہ میں مبتلا ہو گئے کہ طبیب نے حرکت کرنا اور ہوا لگنا سخت مضر بتایا۔ واپسی کا وقت قریب تھا حضرت اُن کے پاس آئے اور فرمایا حافظ صاحب گھبرانا نہیں۔ جبتک تندرست نہ ہو جاؤ گے میں سفر نہ کروں گا۔ قافلہ جاتے چلا جائے میں تمہارے ساتھ یہاں ٹھہروں گا۔ مرحوم کا دل کمزور تھا اور وہ طرح طرح کے خیالات لیتے تھے۔ کہنے لگے حضرت پاس خرچ بھی کم رہ گیا ہے اور موسم نکل چکا پھر اونٹوں کا انتظام بھی دشوار ہوگا۔ فرمایا خرچ کا کیا فکر جو لوگ واپس ہوں گے وہ مکان پر اطلاع دیکر روپیہ کا حوالہ کر دیں گے اور رہا اونٹوں کا انتظام سو جب چاہیں گے ہو جائے گا۔ مگر مرحوم ٹھہرنے پر راضی نہ ہوئے اور کہا کہ نہیں حضرت ایسے بھی میں پڑا سفر کروں گا۔ مجھے زیادہ فکر تھا کہ حضرت کی معیت میں اول تو اکثر حصہ حضرت کے پاس گذرتا ہے پھر بدوانی عربی زبان کی مہارت کے سبب قافلہ کا زیادہ بوجھ بار مجھ پر رہتا ہے کہ بدو اور حاجی کا نزاع دور کرنے میں گھنٹوں اپنے اونٹ پر بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں چچا صاحب کی دیکھ بھال اور اونٹ پر ان کا ردیف میں کر بیٹھنا بہت مشکل ہو گا۔ مگر کیا کر سکتا تھا۔ تیسرے دن قافلہ چلدیا اور حکیم رفاقت علی مرحوم سے کہ فوجی ڈاکٹر تھے راستہ کے لئے دوائیں وغیرہ لیکر بمشکل تمام چچا صاحب کو شقدف میں لٹا دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے سخت تاکید کی کہ منہ پر ہر وقت روئی لپیٹی رہے کہ ہوا نہ لگنے پائے ورنہ جان کا خطرہ ہے۔ پہلا پڑاؤ مناخہ میں ہوا کہ شہر سے ایک میل ہے۔ نماز کے لئے حضرت مسجد نبوی کو چلے اور مجھے ساتھ

Marfat.com

لیا۔ میں نے راستے میں اپنی پریشانی عرض کی کہ حضرت میرا قدیب بہت ضعیف ہے چچا صاحب تو آج ہی کے برائے نام سفر میں کچھ کے کچھ ہو گئے دیکھئے مقدر کیا پیش لائے اور کس طرح دور دراز کا سفر اونٹوں پر طے ہو۔ ذرا سکوت کے بعد فرمایا بھئی اللہ کی مشیت میں کسی کا چارہ نہیں اور غیب کی خبر کسی کو نہیں کیا ہوتا ہے۔ ہاں اس کا مجھے بھی فکر ہے کہ سفر میں ہوا سے بچنا بہت مشکل ہے اور تیمارداری اس سے زیادہ مشکل۔ مگر گھبراؤ نہیں اللہ سب آسان فرمائے گا۔ میرا خیال یوں کہتا ہے کہ اب واپسی میں آستانہ شریفہ کی مٹی لے لو اور وہ منہ پر ملو۔ میں نے کہا حضرت وہاں مٹی کہاں۔ فرمایا قالین کے نیچے زمین پر جو بھی گرد غبار ہو وہ ہاتھ کو مل لیجو اور سمیٹ لیجو مگر روضہ شریف کے قریب کی لیجو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور بعد نماز واپس آکر اپنے ہاتھ سے ان کے چہرے پر ملکر روئی لپیٹ دی۔ نماز عصر کے لئے حضرت کے ساتھ پھر حرم شریف میں آیا اور اب حضرت عشا سے فارغ ہو کر واپس ہوئے کہ جا کر واپس آنے کی گنجائش نہ تھی اور مسجد نبوی کی نماز سے زیادہ حضرت کو کوئی چیز پیاری نہ تھی۔ بعد عشا واپس آیا تو ڈر رہا تھا کہ چچا صاحب خفا ہوں گے اور کہیں گے یہیں پرواہ نہیں کرتا گھنٹوں غائب رہتا ہے آگے کیا امید۔ مگر یہاں آکر مزاج پوچھا تو چچا صاحب نے مسرت کے ساتھ فرمایا ذرا میرا منہ کھول کر دیکھو مجھے تو نصف مرض گیا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ سوزش ہے نہ کرب۔ اس تراب نے تو اکسیر سے زیادہ کام دیا۔ بس دوائیں سب پھینک دو اور اب جاؤ اور تھوڑی سی مٹی اور لیتے آنا کہ ایک دفعہ ملنے کی اور حاجت ہے۔ میری مسرت کا کچھ ٹھکانا نہ رہا اور فوراً حضرت کے پاس حاضر ہو کر قصہ سنایا نوافل سے فارغ ہوتے ہی اندھیرے میں جب حضرت نماز فجر کے لئے حرم شریف کو چلے تو پھر ساتھ ہوا اور رخصتی صلوٰۃ وسلام کے بعد خاک آستانہ اچھی مقدار میں فراہم کر کے ساتھ لایا۔ یہاں واپس آتے ہی قافلہ اٹھ کھڑا ہوا اور حق تعالیٰ نے ساری پریشانی کا اس طرح خاتمہ فرمایا کہ دوسری منزل پر چچا صاحب شفقت

Marfat.com

سے خود اتر گئے اور فرمایا بھوک زیادہ لگ رہی ہے کچھ کھانے کا انتظام جلدی کرو تیسرے پڑاؤ پر بالکل تندرست تھے کہ سارے سُرخ دانے مُرجھا کر سیاہ پڑ چکے تھے۔ اور بجز نقاہت کے مرض کا نام نہ رہا تھا تمر مدینہ سے حضرت کو گویا عشق تھا اور ہر نوع رغبت سے کھاتے تھے بالخصوص عجوہ۔ اور ہر نوع سے پوری واقفیت رکھتے تھے کہ یہ فلاں کھجور ہے اور اس کا نام یہ ہے اور اس کی یہ خاصیت ہے۔ آخری قیام میں چونکہ آپ کو کھجور کا پورا موسم دیکھنا نصیب ہوا اس لئے ابھی کچی ہی تھی کہ آپ نے ایک ڈبہ میں تازہ کھجور بند کر کے کپڑا سلوا کر نام اور پتہ لکھوا کر یہاں بھیجا کہ لو تم بھی کھاؤ۔" کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ روضہ مطہرہ میں روشن ہونے والا موم خدام روضہ سے تبرکاً لینا کیسا ہے؟ فرمایا بڑا موجب برکت ہے مگر مال وقف ہے کہ وہیں کے استعمال کے لئے بھیجا جاتا ہے اس لئے یوں کرو کہ اپنے طور پر بازار سے موم بتی خرید کر خدام کو دے دو کہ وہ روشن کر دیں اور پھر اس کو لے لو آستانہ محمدیہ پر حاضری کے وقت حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ آواز نکلنا تو کیا مواجہہ شریفہ کے قریب یا مقابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے خوفزدہ مؤدبانہ دبے پاؤں آتے اور مجرم و قیدی کی طرح دور کھڑے ہوتے بکمال تضرع صلوٰۃ و سلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے۔ زائرین جو بیباکانہ اونچی آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھتے اس سے آپ کو بہت تکلیف ہوتی اور فرمایا کرتے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اور ایسی آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپ کی ایذا کا سبب ہے۔ لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔ ایک صاحب نے اس پر اشکال پیش کیا کہ جسد مبارک تو چند دیواروں میں محفوظ ہے پست آواز کس طرح مسموع ہو گی۔ فرمایا یہ اشکال تو چیخنے چلانے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے کہ قبر کے اندر تو کتنا

Marfat.com

ہی کوئی باہر سے چلائے اور پکارے مگر آواز نہیں پہنچے گی۔بھئی یہ تو خصوصیات میں سے ہے جس پر یہاں کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔

تیر اندازی کا اس زمانہ میں صرف نام ہی رہ گیا ہے مگر میں حیران ہو گیا جبکہ ایک دفعہ حضرت نے کمان اور تیر کا نقشہ کھینچکر اس کے ایک ایک جز کی حقیقت بیان فرمائی کہ اس عربی لفظ کا مصداق یہ ہے اور اس اسم کا مسمیٰ یہ حصہ ہے۔ اور اس کا یہ۔ گویا آپ نے برسوں تیر اندازی سیکھی ہے۔بندوق شاید کبھی چلائی ہو مگر اچھی بری کی شناخت اتنی زیادہ تھی کہ دہلی شیخ رشید احمد صاحب کی دکان اسلحہ پر تشریف لے گئے تو پستول رائفل اور مختلف کارتوسوں کی برج لوٹ اور کارتوسی بندوقوں کا بڑے شوق اور غور کے ساتھ ملاحظہ فرمایا اور ان کے وہ حسن و قبح بیان فرماتے رہے جن کو سنکر شیخ صاحب بھی حیران تھے۔ میں نے بندوق کا لائسنس لیا تو بڑے شوق سے فرمایا اپنی بندوق دکھاؤ اور ملاحظہ فرما کر طریقہ تعلیم فرمایا کہ یوں اٹھانا اور یوں رکھنا چاہیئے۔آپ کا کبھی شکار کھیلنا مجھے یاد نہیں مگر شکار کا گوشت بڑی رغبت سے کھاتے تھے۔ایک دفعہ اجراڑہ ساتھ گیا اور بندوق ساتھ لے لی تو بعد ظہر فرمایا بھئی جنگل ہو آؤ دیکھو کوئی مور یا کبوتر مل جائے تو شکار ہی ہو جائے۔یہی حالت نباتات سے واقفیت کی تھی کہ ایک بار آپ نے گاؤں کے راستہ میں چلتے چلتے خود رو جڑی بوٹیاں پڑتی گئیں بیان فرماتے رہے کہ یہ فلاں گھاس ہے اور اس کا یہ نام ہے اور یہ خاصیت ہے۔طب میں آپ کو مہارت نہ تھی مگر نبض شناسی میں کمال تھا کہ خفیف حرارت، نبض پر ہاتھ رکھتے ہی بتا دیتے تھے۔مزارات پر حاضری کے لئے سفر کرنا آپ کو پسند نہ تھا۔ہاں کسی سفر میں اپنے بزرگان سلسلہ کا مزار پڑتا تو حاضر ہو کر روحانی استفاضہ کا جو اصل طریق ہے اس پر عمل فرما لیتے اور منکرات پر نکیر فرمائے بغیر نہ رہتے تھے۔ایک مرتبہ آپ مولانا رحیم بخش صاحب کے ساتھ ایک بزرگ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ وہاں کے سجادہ نشین نے مولانا کے ساتھ حضرت کو بھی چائے نوشی کے لئے مدعو کیا۔ چائے سے فارغ ہو کر اٹھے اور باہر

نکلے تو سجادہ صاحب نے ۲ دو سبز رومالوں میں مزار شریف کا چڑھاوا اٹھائی اور نقل وغیرہ پیش کیا۔ مولانا رحیم بخش صاحب گو حضرت گنگوہی سے بیعت تھے مگر عقیدت و محبت کا تعلق حضرتؒ سے اتنا تھا کہ گویا حضرت ہی سے بیعت ہیں۔ ہر چند کہ حضرت کو بھی مولانا کے ساتھ بے حد محبت تھی اور احترام بھی فرمایا کرتے تھے مگر مولانا حاضر ہوتے تو بس حضرت کا منہ تکا کرتے اور زیارتِ جمال میں محو و مستغرق ہو جاتے تھے مجھے یاد ہے جب حضرت کا آخری سفر ہوا تو مولانا حیدر آباد جا کر حضرتؒ سے ملے اور پھر بمبئی ساتھ گئے اور تین دن قیام فرما کر آخری رخصت ہوئے۔ حضرت ان کو سوار کرانے کے لیے اسٹیشن پر آئے تو بندہ ساتھ تھا جس وقت ریل نے سیٹی دی تو وہ منظر بھی عجیب تھا۔ مولانا لپک کر حضرت کو چمٹ گئے اور حضرت نے آغوش میں دبا لیا۔ چلتی ریل میں مولانا سوار ہوئے کہ آنکھوں میں آنسو اور ادھر پلیٹ فارم پر حضرت چشم تر تھے۔ ڈاک گاڑی تیز جا رہی تھی مگر دو نظروں کی ٹکٹکی بندھی ہوئی تھی حتی کہ نگاہ سے اوجھل ہو گئی اور وہ نظارۂ دنیا کا آخری نظارہ بن کر چشم زدن میں ختم ہو لیا۔ غرض مولانا کا ادب جو کہ عادت بن گیا تھا گوارا نہ کرتا تھا کہ کسی امر میں حضرت سے تقدیم کریں اس لئے آپ نے پھر حضرت کی طرف اشارہ فرما دیا۔ سجادہ صاحب حضرت کی طرف بڑھے اور حضرت رکے۔ فرمایا کیا ہے؟ عرض کیا حضرت صابر صاحبؒ کا تبرک ہے۔ حضرت کی صاف گوئی تو دنیا میں بے نظیر تھی۔ بیساختہ فرمایا سجادہ صاحب آپ کو معلوم بھی ہے کہ ما اہل لغیر اللہ ہے اس کا لینا بھی حرام اور کھانا بھی حرام۔ یہ فرما کر حضرت چل دیئے کہ پیچھے پیچھے مولانا رحیم بخش صاحب تھے اور سجادہ صاحب خاموش حجرہ میں تشریف لے گئے۔

ایک بار حضرت راندیر جاتے ہوئے اجمیر اترے کہ شیخ الطائفہ کے مزار پر حاضر ہوں۔ حضرت مولانا تھانوی اور بندہ ساتھ تھے۔ میزبان چونکہ مزاورین کے حالات سے واقف تھے کہ طواف اور سجدہ کراتے ہیں اس لئے حسنِ تدبیر کے ساتھ کام کیا اور بعد عصر کا وقت تجویز ہوا۔ ہم سب حاضر ہوئے اور اندر کٹہرے کے قریب

Marfat.com

کھڑے ہو گئے۔ حضرتؒ تو جاتے ہی بیٹھ گئے اور مراقب ہو کر ایسے مستغرق ہو گئے کہ خبر ہی نہ رہی کہاں بیٹھے ہیں چونکہ بیٹھنا وہاں کمال بے ادبی سمجھا جاتا ہے اس لئے چاروں طرف سے حضرت پر تیز اور ترچھی نظریں پڑنے لگیں۔ بیچارے میزبان کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں کہ کوئی شورش برپا نہ ہو جائے۔ گھبرا کر انہوں نے مولانا تھانوی سے کہ حضرت کے پاس کھڑے تھے چپکے سے عرض کیا کہ حضرت کو اٹھا دیجئے اندیشہ ہے فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ مولانا نے فرمایا اس حالت میں میری ہمت نہیں کہ مخل ہوں اور حضرت کو اٹھنے کے لئے کہوں اور میری طرف اشارہ کیا کہ اس سے کہو یہ حضرت کی خدمت میں زیادہ جری ہے۔ وہ میرے پاس آئے اور گڑگڑا کر کہا کہ میرا دم ہوا ہو رہا ہے حضرت سے کہو جلدی اٹھ بیٹھیں دیکھو مجاورین کا رنگ بدلا جاتا ہے اور پھر میرے سنبھالے نہ سنبھلے گا۔ میں نے کہا کہ حضرت مولانا کی ہمت نہیں ہوتی تو میں کیسے ہمت کروں۔ مگر وہ اس درجہ سراسیمہ تھے کہ ہوش باختہ تھے کہنے لگے خدا کے واسطے جلدی کرو ایک دوسرے پر نہ ٹالو۔ آخر میں نے حضرت کے شانہ مبارک پر ہاتھ رکھا اور عرض کیا حضرت بس تشریف لے چلیں۔ فوراً حضرت کو افاقہ ہو گیا اور اٹھ کر ساتھ ہو لئے۔ راستہ میں حضرت کو قصہ سنایا۔ مگر حضرت نے فرمایا مجھے کچھ خبر نہیں اور ایسا تھا تو پہلے ہی مجھے اطلاع کیوں نہ کر دی۔

حضرتؒ کی فراست قابلِ حیرت تھی۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے وصال پر مخلوق پریشان تھی۔ جمعہ کا وقت تھا آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ آہ و زاری کر رہا اور حضرت کا عاشق و دلدادہ بنا ہوا پکار رہا ہے۔ ہائے مجھے حضرت کی زیارت تو کرا دو۔ لوگوں کو نماز پڑھنا مشکل ہو گیا مگر اس کو حضرتؒ کا جان نثار محب سمجھتے تھے اس لئے کچھ نہ بولے۔ حضرتؒ نے مسجد میں جا کر مولانا محمود حسن صاحب سے کچھ آہستہ آہستہ باتیں کیں اور پھر باہر تشریف لا کر غصہ کے ساتھ اس کو ڈانٹا کہ میں جانتا ہوں تجھے بہت صدمہ ہے، میں جانتا ہوں تو حضرت کا عاشق ہے، پھر فرمایا اس کو مسجد سے نکال دو۔ یہ نہ حضرت کا خادم ہے نہ اس کو حضرت کی محبت ہے۔

۱؎ از مولوی کفایت اللہ صاحب گنگوہی

حاضرین کو تعجب تھا کہ ایسے عاشق بیتاب کے متعلق کیا فرما رہے ہیں مگر ایسے لیبا ابلیس آدم روئے ہست۔ بعد میں تحقیق ہوا کہ کوئی بدعتی تھا جو ہاتھ میں اس قسم کا پوڈر لگا کر آیا تھا کہ چہرے پر ملنے سے سیاہ ہو جائے۔ حضرت گنگوہیؒ کی کرامت تھی اور حضرتؒ کی فراست کہ وہ اپنی روسیاہی کی چال نہ چل سکا اور مسجد سے نکال دیا گیا

صدمات میں حضرت کا صبر بے نظیر تھا آپ کے اکلوتے صاحبزادے ابراہیم مرحوم کی شدت علالت سنکر عیادت کے خیال سے بندہ چلا تو اسٹیشن سہارنپور پر اترتے ہی نظر ڈالی کوئی مل جائے تو حال پوچھوں لکھنو جانے والے ایک دوست ملے جو حضرت ہی کے پاس سے آرہے تھے دریافت کرنے پر انہوں نے اطلاع دی کہ انتقال ہو گیا اور مغرب سے قبل دفن بھی کر چکے۔ نیز کہنے لگے مجھے تو بیماری کا علم بھی نہ تھا میں حضرت کے پاس حاضر ہوا تو حضرت حسب معمول حجرہ کے پاس بیٹھے تھے اُسی محبت سے معانقہ فرما کر باتیں کرنے لگے اور میں اپنی ضروریات پیش کرتا رہا۔ دو گھنٹے بعد آدمی نے آکر کہا حضرت چلئے جنازہ تیار ہے۔ حضرت اٹھے اور اتنا فرما کر روانہ ہوئے گھر میں سے ابراہیم کا جنازہ لے آؤں آپ تشریف رکھیں۔ میں نے حاضرین سے دریافت کیا جنازہ کس کا؟ اور یہ معلوم ہو کر کہ صاحبزادے کا ذکر ہے مجسم حیرت بن کر اپنے کو تفرین کرنے لگا کہ ایسی حالت میں حضرت سے فضول باتیں کرتا رہا مگر کسی انداز سے پتہ ہی نہ چلا کہ گھر میں بیٹے کو غسل و کفن دیا جا رہا ہے اور حضرت باہر اپنے مہمانوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرتؒ جنازہ لے کر تشریف لائے کہ دوسروں میں اور حضرت میں کوئی فرق معلوم نہ ہوتا تھا۔

صلہ رحمی اور عزیزوں کو مصیبت کے وقت تسلی دینا اور مال سے مدد دینا آپ کی فطرت تھی۔ آپ کے چچا زاد بھائی مولوی انوار احمد صاحب پر ہردوئی میں انجنیئر کی طرف سے ایک فوجداری مقدمہ دائر ہو گیا جس میں انکی ٹھیکہ داری کی ساری کمائی خرچ ہو گئی اور پریشان ہو گئے۔ حضرت نے بار بار خط سے تسلی دی اور دعا کا وعدہ فرمایا اور پچاس روپے ان کے حقیقی بھائی مولانا صدیق احمد صاحب

بھیجے تو پچاس روپے ہی آپ نے بھیجے جو اعانت کے لیئے تھے نہ کہ قرض۔ حالانکہ زمانہ وہ تھا جبکہ آپ کی گذران بھی تنگی و عسرت سے ہوتی تھی۔ ان معنوی کمالات کے سامنے حسی کراماتوں کی نہ کچھ وقعت ہے اور نہ کبھی اس پر نظر گئی کہ آپ کی کرامات حسیہ کو ضبط کیا جائے ورنہ آپ کے خدام میں ہر شخص کے ساتھ آپ کا معاملہ جُدا تھا اور اس کی ضروریات و پریشانی میں آپ کے ظل عاطفت و برکات توجہ سے منجانب اللہ ہر طرح کی مدد ہوتی رہتی تھی کہ اسی کا نام کرامت ہے ۱۳۲۸ھ میں جب حضرت نے سفر حج کیا تو دار الطلبہ زیر تعمیر تھا۔ آپ نے چلتے وقت مستری سے بتاکید فرمایا کہ غربی دیوار کے شمالی گوشہ میں جو حجرہ بنایا جائے اس کی دیوار پختہ نہ کرنا اور نہ اس میں الماریاں زیادہ بنانا بلکہ پشت کی جانب دروازے کی محراب رکھدینا۔ حضرت کے اس ارشاد کی وجہ کسی کی سمجھ میں نہ آئی اور وہ حجرہ بھی دیگر حجرات کی طرح پختہ بنادیا گیا۔ واپسی پر حضرت نے حجرہ کو دیکھا تو فرمایا تم نے یہ کیا کیا۔ میں تو تاکید کر گیا تھا کہ پشت دروازہ لگا کر چھوڑ دینا۔ عرض کیا کہ حضرت میں بالکل بھول گیا۔ کیونکہ میرے ذہن میں اس ارشاد کی کوئی وجہ آئی نہیں۔ فرمایا کوئی بات بلا وجہ بھی مان لیا کرتے ہیں۔ مدت کے بعد اس کی وجہ اس وقت سمجھ میں آئی جبکہ پشت کی افتادہ زمین خلد آشیاں کلثوم جہاں بیگم جاگیر دار بھوپال نے خرید کر وہاں عالیشان مسجد بنوادی اور اسی حجرہ کو توڑ کر دار الطلبہ سے مسجد جانے کا دروازہ رکھا گیا۔ سالانہ جلسہ میں ایک دفعہ دیہاتی مہمان اُمید سے زیادہ آگئے کہ کھانا تیار شدہ نصف کو بھی بمشکل کافی ہوتا۔ کارکنان مدرسہ گھبراگئے کہ نہ تیار کرانے کا وقت ہے کیونکہ جلسہ سے ایک بجے فراغ ہوا تھا اور نہ کوئی انتظام جنس وغیرہ کا فراہم ہو سکے۔ حافظ عبد اللطیف صاحب نے حالت حضرت سے عرض کی اور یہ بھی کہ باورچی بھی تھک گئے ان میں پکانے کی ہمت بالکل نہیں۔ حضرت نے فرمایا کھانے کو چادروں سے ڈھانک دو میں آتا ہوں۔ چنانچہ حضرت نے تشریف لاکر کچھ پڑھا اور کھانے پر دم کر کے دعاء برکت فرمائی اور حکم دیا کہ کپڑا دیگ

Marfat.com

کے منہ سے نہ ہٹایا جائے اور نیچے سے کھانا نکال کر کھلانا شروع کر دیا جائے۔ الحمدللہ کہ سب مہمان فارغ ہو گئے اور کھانا بہتیرا بچ رہا۔

ایک مرتبہ[ع] ایک بزرگ مع خدام کے حضرت کے مہمان ہوئے مگر یہ شرط کر لی کہ کھانا ریل ہی پر کھاؤں گا مدرسہ نہ آسکوں گا۔ چنانچہ کھانا اسٹیشن پر بھیجدیا گیا مگر ان بزرگ نے کھانا تھوڑا دیکھکر واپس کر دیا اور فرمایا کہ واپس کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ اگر ماما نے دیا ہوگا تو گھر والوں کو معلوم تو ہو جائے گا کہ ماما نے کیسی حماقت کی کہ اتنے آدمیوں میں اتنا ذرا سا کھانا بھیجا۔ کھانا واپس آیا تو حضرت پر بہت گراں ہوا اور فرمایا جیسے یہ احتمال ہوا کہ ماما نے کھانا کم اتارا یہ احتمال بھی تو ہونا چاہیئے تھا کہ شاید میزبان کا اللہ تعالیٰ سے کوئی خاص معاملہ ہو کہ وہ اس کے تھوڑے کھانے میں بہت برکت دیدیتے ہوں پھر فرمایا بھائی ہمارا کام تو برکت ہی سے چلا اور چل رہا ہے ورنہ جتنے مہمان میرے یہاں آتے ہیں ان کے لئے میری آمدنی کافی نہ تھی۔ پھر فرمایا برکت کا احتمال نہ ہوا تھا تو کم از کم یہی احتمال ہونا چاہیئے تھا کہ شاید آج گھر میں آٹا کم ہو کہ ایسا اتفاق بھی ہو جاتا ہے اور میزبان کا یہی فرض ہے کہ اس کے گھر میں جو کچھ ہو مہمان کے سامنے رکھدے تھوڑا ہو یا بہت اور جو کھانا بھیجا گیا تھا اس کو دسترخوان پر رکھکر بسم اللہ کر کے کھایا جاتا تو انشاء اللہ سب کو کافی ہو جاتا۔

مولوی حبیب الرحمٰن صاحب سہواروی لکھتے ہیں۔ جب ۴۵ھ میں بندہ نے حضرت کی خدمت میں مدینہ منورہ عریضہ لکھا کہ حضرت دعا فرمائیں کمترین کو زیارت حرمین شریفین نصیب ہو۔ حضرت کا جواب آیا کہ تم یہ لکھو کہ مدینہ منورہ حج سے پہلے آؤ گے یا بعد کو میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ تم کو مع اپنے رفقاء خاندان کے میری زندگی میں یہاں پہنچا دے تاکہ ایک مرتبہ پھر ملاقات ہو جائے۔ مجھے یہ جواب پڑھکر بڑا تعجب ہوا کہ نہ اب تک میرا ارادہ سفر عرب کا ہوا نہ میں نے حضرت کو اپنا ارادہ لکھا اور حضرت کے انداز تحریر سے ظاہر ہو رہا ہے گویا ارادہ

ع ازمولانا الحاج ظفر احمد صاحب تھانوی

کرچکا اور صرف تعین باقی ہے کہ مدینہ منورہ پہلے جاؤں یا بعد میں۔ پھر میرا ہی نہیں بلکہ خاندان اور دوستوں میں رفقاء بھی حج و زیارت کی نعمت سے مالا مال ہونے والے ہیں۔ خدا کی شان کہ دو مہینہ بعد دفعتہً ایسے سامان مہیا ہوئے کہ میں اور میرے ساتھ وطن و خاندان کے بعض اعزہ و احباب سفر کے لئے تیار ہوئے اور حضرتؒ کی بھی آخری زیارت نصیب ہوئی کہ پھر دوبارہ مقدر نہ ہوا۔

پانچویں سفر حج ۱۳۳۳ھ میں حضرت کا جہاز عدن پہنچا تو وہ نازک زمانہ تھا جبکہ جنگ عظمیٰ کے سبب جگہ جگہ سنسر اور بحری سفر میں طرح طرح کی دشواریاں تھیں جہازوں کو عدن سے کوئلہ بھرنا پڑتا تھا اور وہاں کوئلہ کے ساتھ مزدوروں کا بھی بڑا قحط تھا۔ آپ کے جہاز سے قبل اسی کمپنی کا جہاز جہانگیر چار دن عدن بندر پر پڑا رہا اور جب اس کو کوئلہ نہ مل سکا تو مجبوراً وہ کوئلہ لینے کے لئے پورٹ سوڈان روانہ ہوا۔ رفقاء کو پریشانی ہوئی کہ دیکھئے کے دن پڑے رہیں اور پھر کوئلہ کے لئے کہاں جانا پڑے۔ حضرت نے فرمایا بھئی پریشانی سے کیا نتیجہ اللہ کارساز ہے خدا کی شان آپ کے جہاز نے ایک شب عدن سے باہر لنگر انداز رہ کر اگلے دن گودی میں قدم رکھا کہ علی الصبح ایک سٹیمر کوئلہ کی دو بڑی کشتیاں بھری ہوئی کھینچتا ہوا لایا اور کپتان سے کہا یہ کوئلہ لو۔ کپتان نے کہا لاؤ مگر پہلے مزدور لے آؤ۔ چند منٹ میں مزدور بھی آ گئے۔ اور کپتان یہ حکم دے کر کہ کوئلہ جلد جہاز میں داخل کر دو ایک بوٹ میں سوار ہو عدن چلا گیا۔ کوئلہ بھرا جا رہا تھا کہ نورنگ جہاز کا کپتان گھبرایا ہوا آیا اور کہا کہ یہ کوئلہ تو ہمارا ہے تم نے اپنے جہاز میں کس کے حکم سے لیا۔ ہم نے تو چار دن میں اپنے خلاصیوں بوٹ میں بھروا کر مزدوروں کا بمشکل انتظام کیا تھا کہ آج جہاز میں لادیں۔ نائب کپتان نے کہا ہمیں کچھ معلوم نہیں خود بوٹ والا ہمارے پاس آیا اور بولا یہ کوئلہ لو ہم نے کہا لاؤ۔ نورنگ کے کپتان نے کہا اب کام روک دو باقی کوئلہ ہمارے جہاز پر جائے گا۔ نائب نے کہا ہمارے کپتان کہہ بولو وہ حکم دے گا تو ہم روک دیں گے۔ کپتان شام تک غائب رہا اور آخر لدکا ٹی ہمرہ

لے کر آیا تو اس وقت جبکہ سارا کوئلہ جہاز پر چڑھ لیا۔ قیمت و مزدوری کا حساب کر کے اس نے فوراً لنگر اٹھا دیا اور چوتھے دن جدّہ بھی پہنچ گیا۔ تورنگ اپنے دس رنگ دکھاتے کو عدن کی گودی ہی پر ٹھہرا سمجتا رہا۔

ڈپٹی احمد حسن صاحب کے داماد میاں عبدالحکیم پروفیسر لاہور نے جب ایس اے وی کا پرائیویٹ امتحان پنجاب یونیورسٹی میں دیا تو اتفاق ایسا ہوا کہ یہ امتحان کی تیاری کچھ نہ کر سکے اور پرچے آئے ایسے سخت کہ تیاری کرنے والے طلبہ بھی گھبرا گئے۔ انہوں نے جوابات لکھے مگر ایسے کمزور کہ خود کامیابی سے مایوس تھے۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ پرچوں کی وجہ سے تو ناکامی یقینی ہے لیکن حضرت دُعا فرمائیں تو شاید پاس ہو جاؤں۔ چونکہ ان کی داڑھی اور وضع قطع خلاف شرع تھی حضرت نے ٹلا دیا اور نصیحت فرمائی کہ مسلمانوں کی سی وضع رکھو اور صوم و صلوٰۃ کے پابند بنو۔ یہ مایوس ہو کر وطن آ گئے۔ حسنِ اتفاق سے حضرت انبالہ گئے اور دو تین دن قیام ہوا۔ عبدالحکیم نے موقع کو غنیمت سمجھا اور لگے حضرت کی خدمت میں ہر لحظہ و ہر آن حاضر رہنے اور جہاں موقع ملتا بہت لجاجت سے عرض کرتے کہ حضرت میری کامیابی کے لئے دُعا فرمائیں۔ آخر ایک دن حضرت نے خوش ہو کر فرمایا کہ اچھا جاؤ انشاء اللہ پاس ہو جاؤ گے لیکن تم بھی اپنا معاملہ حق تعالیٰ سے درست کرو۔ خدا کی قدرت کہ نتیجہ نکلا اور یہ بہت اچھے نمبروں پر کامیاب ہوئے۔ اپنے خسر کو لکھا میرا فیل ہونا تو یقینی تھا مگر حضرت نے دُعا کر کے پاس کرا ہی دیا۔

ڈپٹی صاحب کے بڑے صاحبزادے میاں سعید احمد کہ ماشاء اللہ اسم بامسمّٰی اور بایں جاہ دنیوی باپ کی طرح صورت اور سیرت دونوں میں مسلمان مُلّا بنے ہوئے ہیں ڈگسشئی محکمہ ڈاک میں ملازم تھے کہ ترقی کا دروازہ بہت تنگ تھا۔ حضرت کو اس جوان صالح سے محبت تھی کہ قدرت نے سعید بنایا تھا۔ شملہ جاتے ہوئے آپ نے ڈگسشئی اتر کر ڈیڑھ دن قیام فرمایا اور میاں سعید کی بہتری کے لئے دُعا فرمائی

Marfat.com

دو ہی مہینے گذرے تھے کہ ان کے افسر نے از خود ان سے کہا کہ اس محکمہ میں ترقی بہت محدود ہے عنقریب گورنمنٹ آف انڈیا میں مقابلہ کا امتحان ہونے والا ہے جس میں ٹائپسٹ اور لوئر ڈویژن کے لئے امیدوار لئے جائیں گے تم اس امتحان میں قسمت آزمائی کرو۔ انہوں نے عذر کیا مگر افسر نے اصرار کیا اور زبردستی ان کی جانب سے درخواست بھجوا دی۔ اب یہ حیران کہ ٹائپ جانتا نہیں۔ گورنمنٹ کے دفتر کے کام سے بالکل ناواقف۔ امتحان کا وقت اتنا تنگ کہ باوجود ہمہ تن کوشش کے تیاری ناممکن چہ جائیکہ روزمرہ ڈاک خانہ کا کار منصبی بھی انجام دیتا ہوں عجب پریشانی تھی کہ افسر نام بھیج چکے شرکت امتحان کی منظوری آ گئی۔ تاریخ امتحان سر پر آ گئی مگر یہ ابھی ہی دریافت کرتے پھرتے ہیں کہ امتحان کس کس مضمون میں ہوگا۔ ایک معمولی سا ٹائپ مشق کے لئے ایک دوست سے مستعار لیا مگر کب؟ جبکہ دو گشتائی سے امتحان دینے کے لئے دہلی روانہ ہوئے راستہ میں سہارنپور اترے اور سارا ہی قصہ حضرت کو سنایا۔ حضرت نے بہت خوش ہو کر فرمایا بھئی گھبراہٹ کی کیا بات ہے حق تعالیٰ شانہ کو سب قدرت ہے اللہ پر اعتماد رکھو اور اس کے آپ نے کچھ پڑھنے کو بتایا اور تاکید فرمائی کہ جس دن جس مضمون کا امتحان ہو اس سے ایک دن پہلے اس مضمون کا نام اور امتحان کے وقت سے بذریعہ خط مجھے اطلاع دیتے رہنا غرض حضرت کی دعا و توجہ لے کر دہلی روانہ ہوئے۔ امتحان کا کوئی نصاب مقرر نہ تھا۔ دنیا بھر کی معلومات عامہ اور اس کے ساتھ قدیم و جدید تاریخ و جغرافیہ۔ ریاضی و ہندسہ اور تمامی دفاتر کے پیچیدہ مسائل غرض ہر شعبہ کے سوالات جنکی طرف وسوسہ و خیال بھی جانا مشکل۔ میاں سعید کہتے تھے کہ پرچہ امتحان پڑھتا تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک سوال کا جواب بھی نہ دے سکوں گا مگر قلم اٹھاتے ہی مضامین کی اس قدر آمد ہوتی تھی کہ گھبراتا تھا پہلے کونسی بات لکھوں۔ شرح صدر کی یہ کیفیت تھی کہ مشکل سے مشکل سوال پانی بن جاتا تھا کہ غلطی کا واہمہ بھی نہ ہوتا تھا۔ امتحان ختم نہ ہونے پایا تھا کہ کامیابی کی توقع ہو چلی اور امنگ بڑھ گئی تھی۔ دیکھتا تھا کہ تمام ہندوستان کے قابل لوگوں

Marfat.com

کا مقابلہ ہے جن میں ہندوستانی بنگالی مدراسی پنجابی ہندو مسلمان اور انگریز سب ہی تھے کہ سینکڑوں کی تعداد میں ایم اے اس کثیر تعداد میں تحریری امتحان نے غالباً صرف اسی کو پاس کیا جن میں میرا نمبر نمایاں تھا۔ مگر ضرورت تھی صرف چالیس کی اس لئے چوتھے دن تقریری امتحان کا نمبر آیا۔ یہ تحریری سے بھی زیادہ مشکل تھا۔
ممتحن چند افسر تھے جن کو اختیار تھا کہ اپنے اپنے مذاق کے موافق امیدوار کی قابلیت کا اندازہ کرنے کے لئے ملکی اخلاقی سیاسی مذہبی ہر طرح کے سوالات کریں۔ نیز امیدواروں کی نقل و حرکت انداز گفتگو طریقہ جواب وضع قطع لباس نشست برخاست عزم استقلال سلیقہ ہر بات کا جائزہ لیں اور جو چاہئیں سوال میں سے سوال پیدا کرتے چلے جائیں۔ اللہ کی قدرت کہ نمبر وار چار دن ممتحن سوالات سے اس طرح فارغ ہوئے کہ میاں سعید کے ہر جواب پر مسرور و محظوظ ہو کر ہنس ہنس پڑتے تھے۔ ایک ماہ بعد سب سے اول ایک دوست کے مبارکبادی کے تار اور اگلے دن انگریزی اخبارات کی اشاعت سے معلوم ہوا سینکڑوں امیدواروں میں سب سے اول رہنے کا سہرا حق تعالیٰ نے دعاء خلیل ہی کے سر رکھا کہ میاں سعید مجموعہ ہی میں نہیں بلکہ فرداً فرداً ہر ہر مضمون میں اول رہے۔ چنانچہ فوراً ہی معقول تنخواہ پر تقرر ہوا اور اب ماشاء اللہ گورنمنٹ آف انڈیا میں اسسٹنٹ ہیں۔
ایسے واقعات اگر شمار کئے جائیں تو صدہا بلکہ ہزاروں نکلیں گے مگر آپ کے معنوی کمالات بالخصوص استقامت علی الدین اور اتباع سنت محمدیہ میں فنائیت کے سامنے ان کی نہ کوئی وقعت ہے نہ شان۔ اس لئے مجھے خود اس سے دلچسپی نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی طبیعت کو قدرت نے اتباع سنت نبویہ کا سانچہ بنا دیا تھا اور اللہ و رسول کے ساتھ وہ محبت جو خون کی طرح آپ کی رگ رگ میں جاری و ساری تھی آپ کی مبارک طویل زندگی کے لمحہ لمحہ کو ایک بے نظیر مستقل کرامت بنائے ہوئے تھی۔ آپ کا عمر بھر دینی خدمت میں انہماک حدیث

Marfat.com

ہیں تبحر فقہ میں اجتہاد تحریر و تقریر میں اشاعت دین حرکت و سکون میں اظہار حق قیام و قعود میں اتباع سُنّت لازمی و متعدی نفع دینی کا وہ بے پایاں سمندر تھا جس میں کوئی بھی غوطہ لگانے والا غواص موتیوں سے کبھی محروم نہیں رہا۔ اور اس بنا پر مجھے یہ کہنے کا حق ہے کہ ؎

اولئك ابائی فجئنی بمثلھم   اذا جمعتنا یا جریر المجامع

تربیت و تصرفات اور وصیت و وفات

بھوک ہر چند کہ ایک تکلیف ہے کیونکہ معدہ کی اس کھرچن کا نام ہے جو انسان کو غذا کی طلب پر مجبور کرتی ہے اور ہر قسم کے تعب اور مشقت کا تحمل بناتی ہے مگر درحقیقت بڑی نعمت ہے کہ یہ نہ ہو تو غذا کی طلب نہ ہو اور غذا نہ ملے تو انسان مر جائے پس انسانی زندگی کا مدار صرف بھوک پر ہے اور اسی نے عالم دنیا کو آباد بنا رکھا ہے۔ ورنہ گورستان بھی دُنیا میں ہے جہاں ہم جیسے بیسیوں قرن جا چکے ہیں۔ مگر چونکہ بھوک سے خالی ہیں اس لئے سنسان شہر اور عالم خموشاں کے باشندے ہیں۔ بھوک کی حالت میں انسان سوکھے ٹکڑے بھی کھاتا ہے۔ تو اس میں مزہ آتا ہے اور وہ خون بن کر طاقت پہنچاتے ہیں مگر بھوک کے بغیر بریانی و متنجن بھی کھائے تو نہ لذت آتی ہے اور نہ قوت پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ عجب نہیں بدہضمی پیدا ہو کر ہلاکت کا سبب ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان جب اپنی بھوک میں کمی محسوس کرتا ہے تو طبیب کی طرف رجوع کرتا اور دوا و پرہیز کو لذت پسندی پر ترجیح دیتا ہے کہ کسی طرح بھوک کھل جائے جو غذا کی طلب پر مجبور و مضطر کرے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے روح انسانی میں بھوک کا مادہ رکھا ہے جو اس کو روحانی غذا کی طلب پر مجبور کرتا ہے اور وہ پیٹ کی بھوک سے زیادہ اور بڑی نعمت ہے کہ اس پر آخرت کی زندگی کا مدار ہے جب نفسانی خواہشات میں پڑ جانے یا ناجنس بد دینوں کی صحبت میں رہنے یا اس بھوک سے

Marfat.com

بے وا ہو کر کاہلی و غفلت کی عادت ڈال لینے سے وہ بھوک بند یا کمزور ہو جائے تو ضرورت ہے معالجہ کی کہ کسی طرح وہ پیدا ہو اور روح اپنی غذاؤں کو طلب کر کے اپنی زندگی قائم رکھ سکے۔ جسمانی غذاؤں میں مفید اور مضر کی کوئی فہرست مرتب نہیں ہے۔ اُن کا مدار صرف تجربہ پر یا کچھ طبی کتابوں کے احسان پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر دھوکا کھایا جاتا اور مفید غذا سمجھ کر بھوک میں ایسی مضر چیز کھا بیٹھتا ہے جو اس کی زندگی کو ختم کر دیتی ہے۔ مگر روحانی غذاؤں کی مکمل فہرست جس میں تمامی مفید اور مضر چیزوں کی پوری تفصیل موجود ہے حق تعالیٰ نے اپنی آسمانی کتابوں میں بھیج دیا ہے جس کو شریعت اور مذہب کہتے ہیں۔ اور اسلام نے تو اس تفصیل کو اتنا حد پر پہنچایا ہے کہ ہر مفید و مضر غذا کے نفع و نقصان کے درجے بھی بتا دیئے۔ چنانچہ استعمال کے لئے فرض واجب سنّت مستحب مباح کے مراتب قائم فرما کر ضرورت کی نوعیت دکھائی تو پرہیز کے لئے حرام مکروہ تحریمہ کراہت تنزیہہ اور خلاف اولیٰ کی تقسیم سے بچنے کی ضرورت کے مدارج بتا دیئے اور الیوم اکملت لکم دینکم نازل فرما کر اطمینان دلا دیا کہ اب اندیشہ نہیں کہ شاید کسی مضر کو مفید سمجھ کر کھا لینے سے ہلاک ہو جائیں۔ اس عطا کردہ مکمل فہرست پر صرف عمل کی ضرورت ہے اور وہی نجات کی کفیل ہے۔ مگر بھوک کا سوال اب بھی باقی ہے کہ روح میں طلب صادق ہو گی تو وہ روحانی غذاؤں کے استعمال اور شریعت پر عمل کی محرک بنے گی ورنہ بادل ناخواستہ کیسی ہی قوی غذا کا استعمال کرے وہ بیکار بلکہ عجب نہیں منافقوں کے اعمال کی طرح مہلک و مضر ہو۔ چونکہ بھوک کے بغیر غذاؤں کی فہرست پر عمل دشوار تھا اس لئے حق تعالیٰ نے طبیب و معالج بنا کر اپنے پیغمبروں کو بھیجا کہ یزکیہم سے ان کی شان معالجہ بیان فرمائی مخلوق کو بتایا کہ ان کی صحبت میں رہنا ان کی عقیدت و محبت رکھنا قدرتی قانون کے موافق تمہاری روح کو ان کی روحانی قوت میں منجذب کرے گا اور جو سچی بھوک ان کے قلوب میں ہے وہ تمہارے قلوب میں اس طرح آئے گی جیسے لوہے میں

مقناطیس کے ساتھ صحبت و تعلق رکھنے سے مقناطیسی کشش پیدا ہو جاتی ہے
اور پھر تم کو خود محسوس ہو گا کہ اتباع شریعت اور مرضیات الٰہیہ پر چلنے کی طلب
تم کو برغبت ہے یا کسی شرم و دباؤ کے لحاظ میں۔ پس اب یہ کوئی علمی سوال نہیں
جس میں مباحثہ کی ضرورت ہو بلکہ مشاہدہ اور تجربہ کے متعلق بات ہے کہ اپنے
قلب کو خود ٹٹولو۔ اگر وہ عبادات و مرضیات الٰہیہ کا ایسا طالب ہے جیسا روزہ
دار شام کو سچی بھوک لگنے کے وقت افطاری کا طالب ہوتا ہے تو بیشک تمہاری
بھوک قائم ہے اور تم کو معالج کی مطلق ضرورت نہیں۔ اور اگر ایسا نہیں بلکہ برعکس ہے
تو گویا تمہاری بھوک بند ہے اور اندیشہ ہے پوری ہلاکت یعنی سوء خاتمہ
کا۔ یا رغبت تو ہے مگر پوری اور کامل نہیں ہے تو بھوک میں کمی ہے اور وہ بھی
خطرے سے خالی نہیں کہ مبادا بڑھ کر مرض کو لاعلاج نہ بنا دے۔ اللہ کے پیغمبروں
کے قلوب ایک برقی قوت کے مخزن اور مقناطیسی کشش کے سرچشمہ ہوتے ہیں
اس لئے قلوب کو اپنی طرف منجذب کر کے اول ان میں بھوک پیدا کرتے اور پھر
دوسروں میں بھوک پیدا کرنے والی برقی قوت پیدا کرتے ہیں۔ جن میں یہ طاقت
معتد بہ آجاتی ہے وہ شیوخ طریقت کہلاتے ہیں۔ اپنے معدن یعنی مشکوٰۃ قلب
محمدی سے روحانی بھوک کی پیدا کرنے والی استعداد حاصل کر کے اپنے زمانہ کے
مریضوں کو پاس بٹھا کر سینہ بسینہ لگا کر۔ کچھ دوا اور کچھ پرہیز کا پابند بنا کر ان کے
قلوب میں بھوک پیدا کرتے ہیں۔ اسی کا نام سلوک و طریقت ہے اور یہی بیعت
و اکتساب کا مقصود ہے۔ پس طریقت درحقیقت شریعت ہی پر عمل کا نام ہے
کوئی شے زائد نہیں۔ مگر بشرطیکہ اس کی بھوک ہو کہ رغبت و شوق کے ساتھ اس
پر عمل ہو۔ لہٰذا اگر پیر خلاف شرع ہے تو مرضیات الٰہیہ کا خود بھوکا نہیں وہ کسی
قلب میں اس بھوک کو کس طرح پیدا کر سکے گا۔ آں را کہ خود گم است کرا رہبری
کند۔ اور اگر خود متبع شریعت ہے مگر دوسروں میں بھوک نہیں پیدا کر سکتا تو گو
تندرست ہے مگر معالج طبیب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اسی بھوک کا نام نظرت

Marfat.com

ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ۔ ہر بچہ اس بھوک کو اپنی زندگی بھر کا رفیق بنا کر اپنے ساتھ لاتا ہے کہ ماں کے پیٹ سے جُدا ہو کر گہوارۂ دُنیا میں قدم رکھتے ہی غذا کی طلب میں چیختا چلاتا اور ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے۔ شفیق ماں اس کی ناتوانی اور احتیاج و طلب کو دیکھکر اسے اٹھا لیتی اور آغوش میں لے کر وہ پستان اس کے مُنہ میں دے دیتی ہے جس میں مادرانہ محبت کی وجہ سے دودھ جوش مارتا اور بچہ کے ذرا چُوسنے سے اُبل اُبل کر اس کے منہ میں بھرتا چلا جاتا ہے۔ یہی حال روحانی بھوک کا ہے کہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی قلب میں پیدا ہوتی ہے اور بڑے ہو کر بُری صحبت یا عادت اور رواج میں ڈوب کر کم یا بالکل بند ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ وینصرانہ ویمجسانہ۔ ہاں اگر وہ بھوک قائم رہے اور اپنی غذا کی طلب میں ذرا بھی بلبلائے اور ہاتھ پاؤں ہلائے تو رحمت الٰہیہ میں جوش آجاتا اور وہ ماں سے زیادہ اس کی مربیہ بن کر اپنے آغوش لطف و کرم میں اس کو پرورش کرنے لگتی ہے۔ اپنی محبت اس کو عطا فرماتی اور اپنے اولیاء کے قلوب سے انوار قدسیہ اس کے قلب میں پہنچاتی اور اس کو جوان بنا دیتی ہے پس طریقت اور سلوک معالجہ روحانی کا نام ہے جس سے روح کی ظلمت و کثافت دور ہو کر وہ بھوک اصلی حالت پر آجائے جو فطرت میں ودیعت ہے۔ اور اسی لئے عمروں کا تفاوت مزاجوں کا اختلاف مشاغل کا تنوع طبائع کا تخالف اور زمانہ کا انقلاب طریق معالجہ کو بدلتا رہتا ہے کہ ہر طبیب مقصود صحت قلب کو مدنظر رکھتے ہوئے جو طریق بھی جس مریض کے لئے مناسب پاتا ہے اس کو عمل میں لاتا ہے جیسے جہاد کا مقصود ہے کفار کو مغلوب کرنا۔ مگر طریقۂ جنگ میں امیر لشکر کو اختیار ہے کہ جو صورت غلبہ کے لئے مفید پائے خواہ تیر اندازی ہو یا توپ و تفنگ کی گولہ باری اس کو اختیار کرے۔ اس کو کوئی عاقل بدعت نہیں کہہ سکتا۔ اب بھوک کے ساتھ ایک اور چیز بلاؤ یعنی محبت کیونکہ بھوک کا کام صرف اتنا

Marfat.com

ہے کہ غذا کی طلب پر مجبور کرے اگرچہ وہ غذا ادنیٰ اور اتنی قلیل ہو جس سے صرف معدہ کی کھرچن جاتی رہے۔ مگر محبت میں قدرت نے طلب کا کچھ ایسا مادہ رکھا ہے کہ سمندر کے پانی کی طرح جتنا بھی پیا جائے وہ پیاس کو بڑھاتا اور کسی حالت پر بس نہیں کرنے دیتا۔ بھوک میں طالب کو اپنا تعب و نقصان محسوس ہوگا مگر محبت میں طالب کو بجائے تعب کے لذت آئے گی اور اس کو طلب محبوب میں اپنی جان کا دینا بھی پیارا معلوم ہوگا۔ مجنوں کا قصہ سنو لیلیٰ کی محبت میں اس کا حال اتنا شکستہ ہو گیا تھا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا مگر اس نے کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی یہ خواہش نہیں کی کہ یہ محبت اس کے دل سے نکل جائے جس نے اس کو تکلیفوں کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا۔ اس کے باپ نے مرض کو لاعلاج پا کر آخری تدبیر یہ کی کہ اپنے ساتھ حج کو لایا اور بیت اللہ کا دامن پکڑوا کر اس سے کہا کہ دعا مانگ یا اللہ میری خطاؤں کو معاف فرما اور لیلیٰ کی محبت میرے دل سے نکال لے۔ مگر وہ دعا مانگتا ہے ؎

الٰہی تبت من کل المعاصی | الیک فقد تکثرت الذنوب
و اما من ہوی لیلی و ترکی | زیارتہا فانی لا اتوب

یا اللہ سارے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں مگر لیلیٰ کی محبت اور اس کی زیارت کے شوق سے توبہ نہیں کرتا۔ پس طریقت میں جہاں روحانی غذاؤں کی بھوک پیدا ہوتی ہے وہیں ساتھ ساتھ حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے طالب ہر دم امتثال امر محبوب کے لئے تیار اور ہر وقت اس کی رضا جوئی میں ڈوبا رہتا ہے۔ ساری شریعت پر عمل اس کو آسان نظر آتا اور محض بھوک رفع کرنے کی خاطر نہیں بلکہ محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کا متمنی ہوتا ہے کہ اس جیسی ہزار شریعتیں بھی ہوں تو ان پر عمل کر دوں گا۔ اور عمر کا لحظہ لحظہ بھی ایک نئے حکم سے جکڑا ہوا ہو تو اس کی تعمیل میں زندگی ختم کر دوں گا۔

فرہاد سے شیریں کی فرمائش ہوئی کہ پہاڑ کھود کر دودھ کی نہر اس کے مکان

Marfat.com

تک لائے۔ تو اس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ ایسا ہونا ممکن ہے یا ناممکن۔ بلکہ کام میں لگ گیا اور کوہ کنی میں لذت معلوم ہوئی۔ جب فانی مخلوق کی ذلیل محبت کا یہ اثر ہے تو کیا پوچھنا حق تعالیٰ شانہ کی محبت کا کہ اس میں مر کھپنا تو عین حیات ہے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے باغ میں کروڑہا بلکہ ان گنت پھول کھلے اور مہکے جن کو اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ اور گو رنگ سب کے مختلف اور بو سب کی جدا تھی مگر ان کی سرشت و آب پاشی صرف اسی محبت سے ہوئی تھی کہ دنیا کی ہر چیز ان کی نظروں میں ہیچ اور امتثالِ امر محبوب کے سوا ہر شے ان کو بے وقعت نظر آئی۔ کتابوں کے اوراق الٹو اور ان محبت والوں کے قصے پڑھو تو مجسّم حیرت بن جاؤگے اور تمہارے دل میں ایک گدگدی اٹھے گی۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ تمہارے دلوں میں بھی محبت کا مادہ رکھا ہوا ہے اور ہر جنس اپنے ہمجنس کی طرف کشش کیا کرتی ہے۔ مسلمان تو مسلمان کسی کافر کا دل بھی اس مادہ سے خالی نہیں۔ مگر چونکہ وہ اپنے مرکز سے بھٹک گیا اور مقصود سے غافل ہو کر محبوب حقیقی سے بہت دور جا پڑا ہے اس لئے اس کا یہ اضطراری جوش یا سیم و زر کی طرف جھک جاتا ہے یا دنیا کے مٹ جانے والے حسن کی طرف کوئی باغات کا شیدا بن جاتا ہے کوئی تعمیرات کا کسی کو چٹے چمڑے والی عورتوں کے ساتھ گرویدگی ہوتی ہے اور کسی کو نرم و نازک کپڑوں کے ساتھ عشق ہوتا ہے۔ بہر حال کوئی نفس نہیں جو کسی نہ کسی چیز کی طرف کشش نہ کرتا ہو۔ بس یہی مادہ جیسے بازاری حسین کسبیوں سے متنفر ہو کر ایک گھر کی مالک عفت مآب خاتون کی طرف کھچ آتا ہے تو ہر گندے مرض اور خطرناک نتیجہ سے امن مل جاتا اور اس وقت بدچلن عیاش کا نام نیک وضع پاکدامن قرار پا جاتا ہے

محبت ایک عجیب الخاصیۃ اکسیر ہے جو کبر و نخوت کے جھاڑ جھنکاڑ کو جن میں ہزاروں مہلک حشرات الارض چھپے ہوئے ہیں یکدم صاف کر دیتی ہے خشوع و مسکنت کا بیج بوتی ہے ہمت بلند کرتی تواضع اور زہد کا سبق پڑھاتی طاعت

Marfat.com

میں اخلاص پیدا کرتی۔ رضا جوئی کا مشاہدہ کراتی فانی اور باقی کا فرق ظاہر کرتی اور جس قلب کو اپنا گھونسلہ بناتی ہے اس کے جسم کو انسانیت کے سانچے میں ڈھال دیتی ہے کہ کسی عضو اور کسی حاسہ سے بھی کوئی کام خلاف انسانیت سرزد نہیں ہوسکتا۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تمامی کمالات جن کے ذکر کرنے سے بھی دل کو فرحت ہوتی اور مزہ آتا ہے اسی محبت کے ثمرات تھے۔ اور آپ کی عمر شریف کے ہر لمحہ اور ہر آن کا کارنامہ جو آج قانون اور اصول موضوعہ بنا ہوا ہمارا راہبر ہے وہ اسی آتش سوزاں کا دھواں تھا جس کو مخلوق کے دلوں میں سلگانے کے لئے آپ تشریف لائے تھے۔ کہ ٹھنڈے سیاہ کوئلہ کو اپنے سلگتے ہوئے انگارہ سے چپٹائیں اور پھونک مار کر اس کو بھی سلگائیں۔ یہی ایک چیز ہے جو سینوں میں سلسلہ بسلسلہ سلگتی چلی آئی کہ سلسلہ کے ہر شیخ کو طالب کے قلب میں آتش محبت سلگانے کے لئے اپنی چھاتی سے چپٹانا ضرور ہوا۔ محبین خدا کے قصوں سے کتابیں بھری پڑی ہیں مگر خود محبت چونکہ بھوک کی طرح ایک وجدانی چیز ہے اس لئے دنیا میں وہ الفاظ نہیں جن سے اس کی حقیقت بیان ہوسکے۔ ہاں خود حق تعالیٰ فرماتے ہیں یحبہم ویحبونہ اور والذین آمنوا اشد حبا للہ اس لئے اس میں شک نہیں کہ محبت کوئی چیز ضرور ہے۔ تیرہ یہ کہ ایمان درحقیقت اسی شدت محبت کا نام ہے جس کو اصطلاح دنیا میں عشق کہتے ہیں کہ مومن اس سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اور جو اس سے خالی ہو اسے اس کا حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ مومن کا مصداق بن سکے۔ البتہ اس کے مراتب غیر متناہی ہیں جن میں ادنیٰ درجہ الفت اور میلان قلب کا ہے اور انتہائی درجہ ولہ کا۔ پھر اسی کی کیفیت بڑھتی رہتی ہے اور کسی حد پر بس نہیں کرتی۔ یہ درجہ صرف سرور عالم و عالمیان صلے اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ خطاب محبوبیت سے نوازے گئے۔ البتہ نیچے کے مراتب میں جس خوش نصیب کے لئے جتنا مقدر تھا وہ عطا ہوا اور اتنے ہی میں ان پر وہ احوال طاری ہوئے کہ دیکھنے والے

Marfat.com

قیس اور فرہاد کے قصوں کو بھول گئے۔

محبت کے ثمرات عجیب و غریب ہیں کہ محبوب کی طرف دل کھچتا ہے اور اس کے پہلے ہی حملہ میں وہ عقل و ہوش جن کے بل بوتے دنیا کی طلب میں تڑپ رہا تھا رخصت ہو جاتے ہیں ؎

حدیث حسن او ناگہ فرو خواند در گوشم درآمد عشق یکبارہ ببرد از عقل و از ہوشم

بیچارہ بیتابئ دل کو چھپاتا ہے مگر چھپ نہیں سکتی ؎

ہر چند مے دارم نہاں در سینہ سر تو چو جاں لیکن ہمی گردد عیاں از چشم واند خسارۂ

پھر دیدار محبوب کی تمنا اور قرب کی آرزو پیدا ہوتی ہے مگر نہیں سمجھتا ؎

ہزاراں سر درآنجا پائمال است نظر در روے دریں جا خود محال است

باایں ہمہ نہ جان کا اندیشہ کرتا ہے نہ مال و آبرو کا۔ آگے بڑھتا اور اس تمنا میں مر جانا بھی حصول مراد سمجھتا ہے ؎

اگر فرہاد را حاصل نشد پیوند با شیریں ہم آخر جان شیرینش برآمد در تمنایش

ہجر و دوری سے گھبرا کر محبوب تک اپنی خبر پہنچانے اور خود محبوب کی خبر معلوم کرنے کا مشتاق ہو کر رسول تلاش کرتا اور قاصد کا دامن پکڑتا ہے اور نہیں پاتا تو دیوانہ وار نسیم و صبا کو مخاطب کرتا ہے ؎

کفی حزنا انی مقیم ببلدۃ وانت باخری یا الیک سبیل

وان لم یکن بینی و بینک مرسل فریح الصبا منی الیک رسول

پھر تضرع و زاری اور منت و سماجت سے محبوب کو اپنے حال پر ترس دلاتا اور عرض کرتا ہے ؎

تنم بپوسد و جانم بزیر خاک شود ہنوز مہر تو باشد ز استخواں اے دوست

پھر اپنے نفس کی مخالفت کرتا اور یہاں تک بڑھتا ہے کہ نفس جس چیز کو تکلیف بتا رہا ہے یہ اس کو راحت کہہ رہا ہے۔ اور نفس جس کو لذت کہہ رہا ہے یہ اس کو تلخی بتا رہا ہے کیونکہ اس کے لئے لذت اسی میں ہے جو محبوب کی

Marfat.com

طرف سے آتے ہے

ہر درد و رنج کز تو رسد بر دل حزیں　　آں محض راحت است مرا عین عافیت

آتش شوق شعلہ زن ہوتی ہے تو فریاد کرتا ہے ؎

مشتاقی و صبوری از حد گذشت یارا　　گر تو شکیب داری طاقت نماند مارا

اور قلق و اضطراب کے ہاتھوں گھبراتا ہے تو چیختا ہے ؎

کارم ز اشتیاق تو جانم بلب رسید　　واز تو ہنوز مژدۂ وصلے نمے رسید

اب اس کی زبان محبوب کے ذکر سے اور تخیل محبوب کے فکر سے مانوس ہو جاتا ہے ؎

اے نام تو ام شفاء امراض　　وز یاد تو ام حصول اغراض

اور کہتا ہے ؎

واللہ ما طلعت شمس ولا غربت　　الا و ذکرک مقرون بانفاسی

ولا ہممت بشرب الماء من عطش　　الا رائیت خیالا منک فی الکاس

اور کہتا ہے ؎

اے نام تو راحت دہانم　　وز یاد تو پر شکر دہانم

گر بر سر من تو تیغ رانی　　جز نام تو بر زبان نرانم

یہ ہے وہ ذکر اللہ جو اللہ کو پیارا ہے اور جس پر ثمرہ مرتب فرمانے کا وعدہ ہے کہ فاذکرونی اذکرکم۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ کیونکہ محبت محبوب پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہتی آج جو بیچارہ محب ہے امتحان کے سچا ثابت ہونے کے بعد محبوب بنے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ خود سوچو کیا فرق ہے گھڑی کی رفتار کی طرح اللہ کا نام رٹتے ہیں کہ دل کہیں ہو اور خیال کہیں۔ اور محبانہ و عاشقانہ اشتیاق سے اللہ جل جلالہ کا نام پاک لیتے ہیں۔ کہ وہ محبان دنیا کی عادت و خو ہے اور یہ محبانِ خدا کی طلب و جستجو۔ بھوک کی طلب کا مدار پھر بھی خود غرضی پر ہے اور وہ شکم سیری پر ختم ہو جاتے والی ہے۔ مگر محبانہ طلب خاص مخلصانہ طلب ہے اور غیر متناہی

Marfat.com

ہے کہ مر مر کر ہزار بار بھی زندہ ہو تو یہ طلب ترقی سے نہ رکے گی۔ اسی لئے اس کا صلہ بھی محبوب کی طرف سے غیر متناہی زائد ہے یعنی خلود فی الجنۃ ہے کہ جیسا کام ویسا انعام۔ غرض یہ محبت جب قلب میں اس درجہ پیوست ہو جاتی ہے کہ محبوب کا خیال ہمہ وقت قائم رہنے لگے اور کسی وقت بھی دل سے نہ ہٹے تو اس کا نام نسبت یادداشت ہے اور ایسی حالت ہو جاتی ہے جیسے دن میں انسان سب کچھ کرتا اور اس کا یقین رکھتا ہے کہ سورج نکلا ہوا ہے اور جو کچھ کر رہا ہوں اسی کی روشنی میں کر رہا ہوں اسی کا نام یقین اور حضور ہے اور ان مختلف اثرات کو رنگہائے نسبت کہتے ہیں کہ ایک ہی باغ محبت کے گونا گوں پھول ہیں جن کی بو جدا جدا ہے مگر مہک واحد اور سب میں مشترک ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش ۔۔۔۔ من انداز قدت را مے شناسم

مگر سب رنگوں میں پیارا رنگ وہ ہے جو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ محبت کا اثر امتثال محبوب پر بکمال اعتدال تھا۔ اور جو شان زر خرید غلام کی اپنے مولا اور آقا کے سامنے ہونی چاہیئے وہ آپ کی اپنے جل جلالہ کے سامنے تھی ہمہ وقت آقا کے دروازے پر حاضر ہر لحظہ حکم کے منتظر ہر امر میں اطاعت کے لئے تیار اور اس کے ہر تصرف و انقلاب میں راضی و مسرور نماز میں دل لگایا تو پاؤں ورم کر آئے گویا اسی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور روزہ دار بنے تو ایسے کہ مہینہ مہینہ مسلسل ہو گیا اور چھوڑنے کا قصد نہ کیا۔ غنی بنے تو لاکھوں درہم و دنانیر کے ڈھیر نظر اور ہاتھوں سے گذار دیئے اور زاہد و فقیر بنے تو ایسے کہ گھر میں ایک دینار رکھکر رات گذارنا دشوار ہو گیا۔ متاہل بنائے گئے تو نو نو بیبیاں رکھیں اور بار نفقہ کا فکر پاس نہ آیا۔ اور سپہ سالار لشکر بنے تو ایسے کہ کوہ وحنین کو لرزہ آیا۔ درزی کی سوئی کو تامل ہوتا ہے کہ ململ میں چل کر ٹاٹ میں مشکل سے چلے لیکن آپ کو حق تعالیٰ نے بادشاہ سے لے کر گداتک ہر شخص کو جتنے بھی مختلف حالات دنیا میں پیش آسکتے ہیں سب ہی میں چکر دیا مگر آپ یکساں تھے اور گویا مرکز سے

Marfat.com

بندھی ہوئی رسّی کے طول پر دائرہ کا چکر لگا رہے تھے کہ جنوب ہو یا شمال اور مشرق ہو یا مغرب مگر آپ کا رُخ ہر حال اور ہر وقت مرکز پر ٹھہرا ہوا تھا موسم بدلے زمانہ بدلا حالات پلٹے وقت پلٹا کبھی عسر ہوا کبھی یسر کبھی راحت ہوئی کبھی تکلیف کبھی دن ہوا کبھی رات کبھی گرمی ہوئی کبھی سردی کبھی کوئی پیدا ہوا کبھی کوئی مرا کبھی فتح ہوئی کبھی شکست کبھی تمول ہوا کبھی فقر کبھی جوانی ہوئی کبھی بڑھاپا کبھی سفر ہوا کبھی حضر کبھی بیماری لاحق ہوئی کبھی صحت کبھی سب وشتم ہوا کبھی اعزاز واحترام گردش فلک کے پیچھے جو کچھ ہونا چاہیئے سب ہی کچھ ہوا مگر آپ اپنی غلامی وعبدیت کے متوالے ہر حال میں مسلوب الارادہ تھے کہ بجز ہاں حضور اور لبیک یا اللہ کچھ جانا ہی نہیں تھا

روزہا گر رفت گو رو پاک نیست تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

اس کا نام نسبت عبدیت ہے اور یہی ترکۂ پدری میں ان خواص اولیاء کو دی جاتی ہے جن کو اقطاب کہا جاتا ہے کہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کے سبب اصلاح امت کے لیے جانشینی کا کام انہیں سے لیا جاتا ہے۔

بات بہت دور چلی گئی مگر بلا اختیار۔ حاصل یہ ہے کہ سلوک طریقت کا مقصود صرف یہ ہے کہ سالک کے قلب میں مرضیات الٰہیہ کی ایسی طلب پیدا ہو جائے جیسی بھوکے کو غذا کی طلب ہوتی ہے۔ اور اس کے لئے ضرورت ہے خاص تعلیم کی کہ مجاہدہ وریاضت کرے۔ تاکہ بداخلاقیوں کے وہ عوارض دُور ہو جائیں جنہوں نے فطرۃ کو مغلوب کر کے اس بھوک کو بند کر دیا اور اس تعلیم پر عمل کے ساتھ ضرورت ہے شیخ کے ساتھ اُنس اور تعلق کی کہ اس کے محب خدا قلب سے مرتبط ہو کر اپنے سیاہ کوئلہ قلب میں محبت کی چنگاری لگ جائے اور وہ بڑھتی رہے اور پہنچے جہاں تک بھی پہنچنا اس کے لئے مقدر ہوا۔ اس محب خدا کا شریعت پر عمل نہ جنت کی ہوس میں ہوگا نہ دوزخ کے خوف میں بلکہ اس لئے ہوگا کہ اللہ جل جلالہٗ محبوب ہے اور وہ نہ جنت دوزخ پیدا

نہ فرماتا تب بھی مستحق تھا کہ مطلوب بنتے اور ہم طالب و شیدا۔ اور اس کے ساتھ ہی چونکہ اس کی رضا اتباع شریعت ہی میں ہے کہ خود ارشاد فرما چکا لہٰذا جائز نہیں کہ اس سے سرِ مو قدم ہٹائیں ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم　　　الا حدیثِ یار کہ تکرار میکنیم

مولوی ظفر احمد صاحب کو جب حضرت نے بیعت فرمایا تو حجرہ میں لے گئے اور تصوف کی حقیقت مختصر مگر جامع الفاظ میں اس طرح فرمائی۔ سلوک کا مقصود یہ ہے کہ بندہ کا دل حق تعالیٰ کی مرضیات کا ایسا طالب ہو جائے جیسا کہ جسم غذا کا طالب ہے اور اس کو عبادت کی ایسی خواہش ہو جیسی جسم کو غذا اور پانی کی خواہش ہوتی ہے۔ اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ دل حق تعالیٰ کی عظمت و محبت سے پُر ہو جائے اور ما سوائے اللہ کی محبت و عظمت سے خالی ہو جائے۔ جب تک اغیار کی محبت و عظمت اس درجہ میں قائم ہے کہ عظمت و محبت حق سے مزاحمت کرتی ہے اس وقت تک وہ مرضیات حق کا طالب نہیں ہو سکتا اور نہ معاصی سے پوری طرح بچ سکتا ہے۔ پس اب دو چیزیں ضروری ہوئیں۔ ایک تخلیہ کہ دل کو اغیار سے پاک کیا جائے اور دوسرے تحلیہ کہ دل کو محبت و عظمت حق سے پُر کیا جائے۔ پہلے زمانہ میں مشائخ ان دونوں کی الگ الگ تعلیم کرتے تھے۔ مگر اب چونکہ عمریں قصیر ہیں اور اذکار و مشاغل بھی زیادہ ہیں اس لیے اس وقت مشائخ نے ایسا طریقہ تجویز کیا ہے جس میں دونوں مقصود ساتھ ساتھ حاصل ہو جاتے ہیں اور وہ طریقہ کثرت ذکر ہے کہ طالب حق تعالیٰ کے ذکر میں اس درجہ مشغول ہو کہ یاد الٰہی اس کے ہر بُن مو میں سرایت کر جائے اس سے دل محبت و عظمت حق سے پُر ہو جاتا اور اغیار کی محبت و عظمت سے خالی ہو جاتا ہے۔ اور اسی سے مرضیات الٰہیہ کا شوق بڑھتا ہے اور اس کی طلب دل میں مستحکم اور معاصی سے نفرت ہو جاتی ہے کیونکہ جب وہ کسی معصیت کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک وحشت ضیق اور ظلمت

دبے چینی ایسی پیدا ہوتی ہے جو غیر ذاکر کے دل کو محسوس نہیں ہوتی۔ اس سے پریشان ہو کر وہ معصیت پر اقدام کرنے سے رک جاتا ہے۔ اور اگر اتفاقاً معصیت کا صدور ہو جائے تو وحشت و دل تنگی ترقی پکڑ کر اس کو بہت جلد توبہ کی طرف مضطر کرتی ہے کہ بدون سچی توبہ کے اس کو چین نہیں پڑتا۔ اور کثرت ذکر کے دو طریقے ہیں۔ ایک وہ جو مشائخ کا معمول ہے۔ مثلاً ذکر نفی اثبات اور ذکر اسم ذات وغیرہ۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو دعائیں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات اور مختلف حالات کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں ان پر مواظبت کی جائے۔ میرے نزدیک ان دونوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے اس کے بعد آپ نے اپنے دست مبارک میں میرے ہاتھ لے کر حسب معمول بیعت فرمایا اور پھر دو سو بار ذکر نفی اثبات اور دو ہزار مرتبہ اسم ذات کی تلقین فرمائی اور خود باقاعدہ کر کے دکھلایا کہ چار زانو بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے لا الٰہ کو ناف سے مد کے ساتھ گردن کی دائیں طرف سے جا کر الا اللہ کو قلب پر ہلکی ضرب کے ساتھ ختم کیا۔ دو تین بار اسی طرح کر کے دکھلایا اور فرمایا کہ مشائخ کا معمول یوں ہی ہے اور اسی طرح سکھلاتے آئے ہیں۔ اس طرح نفع زیادہ اور جلدی ہوتا ہے اس کے بعد ذکر اسم ذات بھی خود کر کے دکھلایا اور پھر فرمایا کہ حصن حصین سے ادعیہ ماثورہ متعلقہ اوقات و حالات مختلفہ معلوم کر کے ان کا بھی ورد کیا جائے۔ اور چلتے پھرتے تسبیح ہاتھ میں رکھ کر شغل پاس انفاس کی مشق کی جائے۔ اوپر کے سانس میں اللہ اور نیچے کے سانس میں ھو کا تصور کیا جائے۔ یہ بہت مثمر انوار و برکات ہے۔ نیز ذکر اسم ذات میں یہ تصور کیا جائے کہ لفظ اللہ کے ساتھ ایک نور منہ سے نکلتا ہے جو میرے سارے جسم کو محیط ہے اور پھر احاطہ کو اس قدر وسیع کیا جائے گویا تمام عالم کو محیط ہے اور تم اس میں فانی و لاشے ہو۔ اور لا الٰہ میں یہ تصور کیا جائے کہ قلب سے تمام ظلمات علائق ماسوے اللہ کو پس پشت پھینک رہا ہوں اور الا اللہ میں یہ تصور کیا جائے کہ قلب انوار

Marfat.com

محبت و عظمتِ حق سے پُر ہو گیا۔

حضرت کے سوانح نگار بتاتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو نسبت عبدیت سے نوازا تھا کہ اتباع شریعت میں گھُل مل جانے کے سوا آپ پر کسی حال کا غلبہ نہ تھا۔ اور صرف استقامت کا رنگ آپ پر چڑھا ہوا تھا کہ آپ کی زبان آپ کا دل اور آپ کے بدن کا رُواں رُواں بس یہ پکارتا تھا کہ اتباع سنت میں فنا ہو جاؤ اور عادات ہوں یا عبادات ہر حال اور ہر امر میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل کو اپنا امام اپنا ہادی اپنا پیشوا اپنا راہبر بناؤ کہ بجز اس کے کوئی صورت بھی فلاح کی نہیں۔ سنتِ محبوب ہی وہ قلعہ ہے جس کے چار طرف قدرت نے سربفلک دیواروں کا حصار کھینچ دیا ہے اور دروازے پر امین دنبوی پہرہ دار کھڑے کر دیئے ہیں کہ اس کے اندر شیطان کی کسی طرح رسائی نہیں ہو سکتی۔ پس ہر طرح کا امن چاہتے ہو تو اپنے آپ کو حصار کے اندر لے آؤ ورنہ اندیشۂ ہلاکت سے محفوظ نہ رہو گے،

آپ کی ساری تعلیم کا خلاصہ صرف یہی تھا اور جس طرح آپ نے اس حال پر اپنی عمر شریف کے لمحات و ایام گذارے آپ چاہتے تھے کہ آپ کے منتسبین بھی اسی کے عاشق بن کر اپنی زندگیاں ختم کر دیں۔ اور اس کے سوا کسی دوسرے رنگ کا مزہ بھی نہ چکھیں۔ حضرت امام ربانی مولانا گنگوہی قدس سرہ نے آپ کی نسبت کے متعلق جو ارشاد فرمایا وہ اس کی شہادت ہے کہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے میرے قرۃ العین سعید ازلی خلیل احمد کو نسبت صحابہ سے نوازا ہے اور یہ کہ تمہاری نسبت کو میری نسبت سے زیادہ قرب و مناسبت ہے۔

چونکہ محبت میں یہ خاصیت ہے کہ مغایرت کو پسند نہیں کرتی اور کان نمک کی طرح ہر شئے کو اپنے رنگ میں لے آتی ہے چنانچہ المرء مع من احب سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہی سلوک کا اصل الاصول ہے جس کی ابتدا بیعت سے ہوتی ہے پس آپ اس تعارف و تعلق کو سالک کے قلب میں بڑھانے کی اوّل ہی سے کوشش

Marfat.com

فرماتے اور اس کو تعلیم کرتے تھے کہ شیخ سے ملنا جلنا بڑھائیں۔ خط بھیجنے کا پابندی سے خیال رکھیں اور جہاں اوراد و اذکار کے پابند ہوں وہیں حب مع الشیخ کے وسائل اختیار کرنے کی سعی کرتے رہیں۔ بعض لوگ بیعت ہو کر جاتے اور مراسلت سے غفلت کرتے تو آپ کو یہ رسمی بیعت ناگوار گذرتی اور جب موقع پاتے اس پر تنبیہ فرماتے تھے۔ بمبئی میں ایک صاحب آئے اور میں نے یہ سمجھکر کہ حضرت نے پہچانا نہیں ان کی تقریب کی کہ یہ حضرت کے خدام میں ہیں۔ حضرت نے ان پر غور کی نظر ڈالی اور شکایت کے درجہ میں فرمایا کہ میرے پاس تمہارا کبھی کوئی خط بھی نہیں آیا پھر بھلا پہچانوں کیسے؟ عرض کیا کہ حضرت خط بھیجنے کی مجھے عادت نہیں ہے۔ بے ساختہ فرمایا مجھے بھی عادت نہیں کہ جو خط نہ بھیجے اسے یاد رکھوں"
مولوی محمود العانی صاحب کرسوی کا خط بعد مدت آیا تو تحریر فرمایا عرصہ دراز کے بعد عنایت نامہ متضمن خیریت موجب مسرت ہوا۔ ہم تو یہ سمجھے تھے کہ آپ نے ہم کو بالکل بھلا دیا مگر خیر اس خط سے معلوم ہوا ابھی کچھ تعلق باقی ہے جو موجب یادوری ہوا۔"
محبت شیخ چونکہ پہلی سیڑھی ہے محبت الٰہیہ کی کہ جس طرح ایک نل سے وابستہ ہو کر دوسرے نل میں پانی آتا ہے اسی طرح شیخ کے منور قلب سے فیضانِ محبت سالک کے قلب میں پہنچے گا۔ بشرطیکہ قلب طالب میں مستعدانہ تنبیہ اور قلب شیخ کے ساتھ پوری محبانہ بندش ہو۔ اس لئے اس کے حصول کی جو صورت حق تعالےٰ نے عالم اسباب میں تجویز فرمائی ہے اس کو آپ عمل میں لاتے اور نتیجہ مولیٰ کریم کے حوالے فرماتے تھے۔ کہ درحقیقت قلب میں محبت ڈالنا بطن مادر میں جنین کے اندر روح ڈالنے کی طرح اسی کا کام ہے

آپ روحانی معالج تھے اور معالجہ میں حاذق ہو کے ساتھ حق تعالیٰ نے دست شفا بھی آپ کو مرحمت فرمایا تھا اس لئے جو کوئی بھی آپ کے دامن سے وابستہ ہوا وہ بالعموم کامیاب و صحتیاب ہوا۔ چونکہ یہاں طبیب کا مطلب بیان کرنا مقصود نہیں ہے اور نہ وہ دوسروں کے لئے مفید کہ ہر مرض کا علاج جدا ہے اور

Marfat.com

ہر فہم کی تشخیص الگ۔ ہاں بالاجمال اتنا ضرور سمجھ میں آیا کہ آپ کا مطمح نظر ہمیشہ یہ رہا کہ دوا کی مقدار نہایت قلیل ہو مگر زود اثر اور کثیر النفع ہو۔ پس میرے علم میں آپ کا کوئی خادم بھی ایسا نہیں جسے آپ نے متقدمین کے موافق چوبیس ہزار دفعہ ذکر اسم ذات تلقین فرمایا ہو۔ آپ زیادہ تر اول ذکر نفی اثبات اور اس کے ساتھ دو ہزار یا تین ہزار یا چھ ہزار جیسی بھی سالک طبیعت اور اس کی فرصت و گنجائش دیکھتے ذکر اسم ذات بتلاتے اور بعض کو صرف چار سو مرتبہ ذکر لا الہ الا اللہ کی تعلیم پر اکتفا فرماتے۔ البتہ دو باتوں کی بہت تاکید فرمایا کرتے تھے ایک یہ کہ ذکر میں عجلت نہ ہو بلکہ پورے اطمینان اور شوق کے ساتھ پورا کیا جائے دوم مواظبت اور پابندی ہو کہ کسی حال میں ترک نہ کیا جائے کیونکہ ایک قطرہ جو ہمیشہ پڑتا رہے آخر ایک دن پتھر میں سوراخ کر دے گا مگر بارش کے کروڑوں قطرے جو موسلا دھار بن کر ادھر برسیں اور ادھر ختم ہو جائیں۔ خاک بھی اثر نہ کریں گے۔ نیز آپ کا معالجہ زیادہ تر مرکبات سے ہوتا تھا جو معجون کا حکم رکھتی تھیں اور ان میں متعدد امراض اور مختلف قوتوں کی رعایت ایک وقت میں جمع کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ اکثر ذکر ہی کے ساتھ مراقبہ تعلیم فرما دیتے تھے۔ مثلاً یہ کہ ذکر میں لفظ اللہ کے ساتھ یہ تصور کرو کہ منہ سے ایک نور نکل رہا ہے جو ذاکر کو اور تمام عالم کو محیط ہے۔ اور جب اس کے اثرات ظاہر ہونے لگتے تو مراقبہ معیت تعلیم فرماتے کہ ذکر کے وقت معیت حق کا تصور کرو کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔ اور پھر اس تصور کو ہر وقت اور ہر حال قائم رکھو کہ اللہ ساتھ ہے مگر نہ جسم ہے نہ جہت نہ کوئی صورت ہے نہ کیفیت۔ ان تصورات کے قائم ہو جانے پر طالب کی جو حالت ہوتی تھی اس کو وہی خوب جانتا ہے جس پر گذری اور جس نے اس طریق کو طے کیا ہے۔ مجھے جہاں تک علم ہے انہیں تصورات قائم ہو جانے پر حضور مع اللہ کی شان پیدا ہو جاتی تھی اور پھر حضرت منتظر رہتے تھے کہ اس میں قوت اور شان تمکین پیدا ہو جائے

کہ کسی وقت بھی ذہول وغفلت نہ ہو اور کوئی مشغلہ خواہ دنیا کا ہو یا دین کا اور کوئی حادثہ خواہ موت کا ہو یا ولادت کا اس حضور کو نہ مٹا سکے۔ اسی کو اصل نسبت فرمایا کرتے اور اسی کے پختہ ہو جانے پر بیعت کی اجازت عطا فرما دیا کرتے تھے جب تک اس حضور کا تمکن اور جذبہ قلب میں بیٹھ جاتا حضرت نے اپنی فراست و روحانیت سے جانچ نہیں لیا کتنے ہی حالات عجیبہ اور واردات حسنہ سالک پر کیوں نہ پیش آئے ہوں مگر آپ مجاز طریقت ہرگز نہ بناتے۔ ہاں دلدہی فرماتے اس کے شوق کو بڑھاتے واردات سے اس کی نظر ہٹاتے اور گویا محبت کے ساتھ فرماتے کہ بچو آگے بڑھو اور چلو چلو کہ مقصود ابھی آگے ہے یہ جو کچھ دیکھ رہے ہو راستہ کے مناظر اور شاہی باغ کی تفریح گاہیں ہیں عنقریب وہ محبوب نظر آیا چاہتا ہے جس کے نظارہ سے مست ہو کر تمہیں اپنی بھی خبر نہ رہے گی کہ کون ہو اور کہاں ہو عزیز دوستو دیکھو دیکھو کہ بس چھاتی سے لگانے والی ماں صرف ایک ہے اور وہ اتنا دیکھنا چاہتی ہے کہ تم اس کے طالب ہو اور اس کے آغوش کی تمنا میں پریشان حال بکھرے بال یہ جنگل قطع کر رہے ہو۔ دیکھو ذرہ مت گھبراؤ مدت زیادہ وقت کہ نگاہ دو چار ہوئی اور ہاں خود لپک کر تم کو فرش خاک سے اٹھا لے گی۔ اور لوریاں دے کر کہے گی کہ آ میرے بچھڑے ہوئے لال جس کے پاؤں میں میری خاطر چھالے پڑ گئے۔ اس مزہ کے سامنے راستہ کی ساری کلفت بھول جاؤ گے۔ تمہارا قلب محبت کا لذت چشیدہ بن جائے گا۔ کہ اب وہ تم کو آغوش سے جدا کرے گی تو تڑپو گے اور ایڑیاں رگڑ کر اسی کی طرف ہاتھ پھیلاؤ گے۔ وہ کہے گی کہ ایک قلب میں دو کی گنجائش نہیں اور رقابت و شرک مجھے ناپسند ہے۔ مگر آنا چاہو تو ہمارے سوا ہر شے کی محبت و تمنا دل سے رخصت کر کے آؤ تو کیسی دنیا اور کیسی اس کی ترقی سب کو پس پشت ڈالو گے اور پروانہ وار لپک کر التجا کرو گے کہ بار الٰہا پروردگارا ہم کو اپنا بنا لیجئے اور آستانہ سے دھکے نہ دیجئے۔ جناب خواجہ عزیز الحسن صاحب نے خوب فرمایا ہے ؎

Marfat.com

سب تمنا دل سے رُخصت ہو گئی — اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی
دل میں داغوں کی یہ کثرت ہو گئی — رُو نما اک شانِ وحدت ہو گئی
ایک تم سے کیا محبت ہو گئی ! — ساری خلقت ہی سے وحشت ہو گئی
جی رہا ہوں موت کی اُمید میں — مر ہی جاؤں گا جو صحت ہو گئی

آہ یہ وہ ٹھنڈی آگ ہے جس کی سوزش میں لذت جس کے درد میں مزہ جس کی ناریت میں نور اور جس پر مر مٹنے میں بقا وحیات ہے کسی کا مُنہ نہیں کہ جو کام کرنے سے تعلق رکھتا ہے اس کو لکھ کر سمجھا سکے اور نقطوں میں بتا سکے کہ حضرت سالک کو کہاں پہنچانا چاہتے تھے اور کس راستہ سے جاتے اور اس کی مرافقت کا کیا حق ادا فرمایا کرتے تھے جس نے دنیا کے کسی سفر میں حضرت کے ساتھ رہ کر اس کا اندازہ کیا ہو کہ آپ نے اس کے دُکھ درد میں کتنا ساتھ دیا وہ سمجھ لے کہ یہ صرف نمونہ اور عکس تھا اس مرافقت طریق حق کا جس کے لئے حضرت دنیا میں آئے تھے اور ہزاراں ہزار مخلوق کو ہر طرف سے پکڑتے تھامتے سنبھالتے دائرہ کے چکر پر اپنے ساتھ دوڑاتے لپکاتے لئے چلے گئے حتیٰ کہ خود تو اپنے مرکز پر پہنچ کر جس پاک مٹی سے پیدا ہوئے تھے اس میں جا ملے مگر محور پر چلنے والوں کو صحیح راستہ بتا گئے کہ اس دائرہ سے ایک نقطہ بھی اندر یا باہر نہ جھکیں ورنہ مرکز سے رُخ پھرتے ہی خدا جانے مقصود سے کتنا دُور چلے جائیں گے،

حضرت بالعموم ابتدا میں ذکر بالجہر کی تعلیم فرماتے تھے مگر متوسط کہ سونے اور سُننے والوں کو تکلیف نہ ہو اور فرمایا کرتے تھے کہ اس سے مذکور کی طرف میلان اور شوق میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ حافظ فخر الدین صاحب کو تحریر فرمایا "اذکار میں آواز متوسط بلند ہونا چاہیئے مگر ضرب قوت کے ساتھ ہو اور اگر ذوق شوق میں آواز زیادہ بلند ہو جائے تو مضائقہ نہیں" چونکہ یہ سلوک کی ابتدا تھی اس لئے شیطان رخنہ اندازی شروع کرتا اور تذبذب میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا تھا۔ کوئی کہتا کہ حضرت ذکر بالجہر سے تو شرم آتی ہے تو

Marfat.com

فرماتے کہ بھائی یہ شیطانی وسوسہ ہے اس کو تعوذ دفع کرو اور ہمت کے ساتھ اپنے کام میں لگو۔ ایک خادم نے لکھا کہ حضرت ذکر بالجہر میں شہرت کا اندیشہ ہے کہ لوگ کہیں گے بزرگ ہو گئے اور ریا کا احتمال ہے اس لئے مناسب ہو تو ذکر خفی تعلیم فرمائیں۔ جواب تحریر فرمایا۔ انشاءاللہ شہرت اور ریا کا اندیشہ نہیں۔ اس زمانہ میں تو ایسے لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کا نام لیں۔ یا علم دین پڑھیں پاگل سمجھتے ہیں پھر ریا کا کیا موقع ہے۔ ریا تو ان افعال میں ہوتی ہے جو لوگوں کے نزدیک اچھے سمجھے جائیں ؎

کارکن کار بگذر از گفتار : کاندریں راہ کار آید کار

نیز فرمایا کرتے کہ ذکر باوضو ہونا چاہیئے بلکہ درویش سالک کو ہر وقت باوضو رہنا چاہیئے۔ اور اسم ذات ہو یا نفی اثبات اطمینان کے ساتھ خوب ٹھہر ٹھہر کر کرنا چاہیئے اور معنی کا بغور لحاظ رکھنا چاہیئے اور بہتر ہے کہ آخر شب میں اٹھکر تہجد کے بعد ذکر ہونا چاہیئے کہ برکت اور قبولیت کا وقت ہے اور طبیعت پر اس وقت سکون وانبساط بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ہاں کسی عذر کی وجہ سے کبھی آنکھ نہ کھلے تو دن میں جس وقت موقع پائے پورا کرلے۔ اور آخر شب میں اٹھنے کا خاص اہتمام کرے کہ سلوک کی پہلی سیڑھی یہی ہے۔ کسل کو پاس نہ آنے دے۔ ہمت کو بلند کرے کہ آنکھ کھلتے ہی اٹھ بیٹھے۔ جہاں کسمسایا اور خیال کیا کہ اب اٹھوں اب اٹھوں بس وقت ہاتھ سے گیا کہ پھر سو کر اُٹھنے کی ہمت نہ ہو گی۔

سالک کو خواب نظر آتے تھے کہ حج کو جا رہا ہوں۔ بزرگوں کے مجمع میں بیٹھا ہوں۔ بغیر کشتی وجہاز کے سمندر عبور کر رہا ہوں۔ حرم شریف میں نماز پڑھ رہا ہوں۔ فرشتوں سے مصافحہ کر رہا ہوں۔ ہوا پر اڑ رہا ہوں۔ ایک قوت پروانہ ہے جو زمین سے اوپر اٹھائے ہوئے خلا میں چلا رہی ہے یا مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا اور کسی نبی کی زیارت ہوتی یا مقامات متبرکہ میں کسی مقام کی۔ تو ایسے تمام خوابوں پر آپ مبارک باد لکھتے

اور تحریر فرماتے کہ الحمد للہ حسن احوال کی علامت ہے۔ اور کوئی پریشان خواب لکھتا کہ سانپ پکڑے ہوئے ہوں یا شیر مجھ پر حملہ کر رہا ہے یا کتا بھونک رہا ہے وغیرہ تو اطمینان دلاتے کہ یہ سب شیطانی اثرات ہیں ڈرو مت۔ انشاء اللہ دفع ہو جائیں گے اور جب ایسا خواب دیکھکر آنکھ کھلا کرے تو اعوذ پڑھکر بائیں طرف تھو تھو کرکے کروٹ بدل لیا کرو"۔ ایسے وحشت ناک خواب زیادہ تر ان لوگوں کو نظر آتے تھے جو کسی نا اہل پیر کی بیعت توڑ کر ادھر متوجہ ہوتے تھے۔ کیونکہ ان کے ذہن کا یہ تخیل و اندیشہ کہ فسخ بیعت سے کوئی مصیبت نازل نہ ہو جیسا کہ متروک پیر غصہ ہو کر دعوٰی کے ساتھ کہہ رہا ہے اُن کے دماغ میں متخیل ہوتا اور پھر شیطان اس میں سہارا لگاتا اور حق تعالٰی شانہ کی طرف سے اس کی طلب صادق اور پختگی وہمت کا امتحان لیا جاتا تھا۔ پس ایسی صورت میں آپ اُس کا بہت زیادہ خیال رکھتے اور قولاً و عملاً لساناً و قلماً ہر طرح اس کو سنبھالتے اور پھسلنے سے بچایا کرتے تھے۔ یورپ کی ایک مسماۃ کو یہی صورت پیش آئی اور اتنی وحشت ناک خوابوں کا سلسلہ بندھا کہ خدا کی پناہ۔ حضرت سے تجدید کرتے ہی کبھی خواب دیکھا کہ نجاست سے بھرے ہوئے سنڈاس میں کو گزر رہی ہوں۔ کبھی دیکھا گھر میں آگ لگ گئی اور جان بچا کر باہر جنگل کو بھاگ رہی ہوں۔ کبھی دیکھا الہ آباد کے اسٹیشن پر ریل کی منتظر ہوں مگر ریل آکر چلی گئی اور میں حیران پریشان بیٹھی رہ گئی وغیرہ وغیرہ۔ وہ بیچاری بلکہ دوسرے سننے والے بھی یہی تعبیر دیتے کہ فسخ بیعت کے وبال میں وصول الی اللہ سے محرومی ہوئی اور گندگی و آتش عذاب میں پڑ گئی۔ مگر اللہ رے استقلال۔ وہ یہی کہتی رہی کہ جو پیر عورتوں کے مجمع میں منہ کھول کر آئے اور پردہ نشین جوان مریدنیوں سے کہے کہ میرا منہ دیکھلو تاکہ قیامت کے دن مجھے پہچان سکو تو وہ پیر بننے کے ہرگز قابل نہیں ہے۔ اگر بیعت کا مقصود یہ ہے کہ اللہ کی محبت اور اس کے احکام کی تعمیل نصیب ہو تو پیر کا مریدوں سے زیادہ متبع شریعت ہونا ضروری ہے۔ پس یا کہو کہ پردہ کا حکم شریعت میں نہیں ہے

Marfat.com

اور اگر یہ غلط ہے تو بے پردہ پیر ہرگز بیعت کے قابل نہیں ہے۔ کئی مہینے تک اس بیچاری کو یہ ابتلار رہا۔ آخر فضل الٰہی نے دستگیری کی کہ خواب دیکھا گھر میں آگ لگی اور گھبرا کر باہر نکلی۔ کوئی تعاقب کر رہا ہے کہ ہلاک کرے اور یہ بدحال پریشان بھاگ رہی ہے کہ جائے پناہ تلاش کرے۔ کچھ فاصلہ پر چند نورانی صورتیں نظر آئیں اور یہ ان میں گھس گئی کہ دشمن سے بچائیں۔ ایک بزرگ کھڑے ہوئے ہیں اور انہوں نے غصہ کے تیز لہجہ میں تعاقب کرنے والوں کو دھتکارا۔ وہ معدوم و فنا ہو گئے اور آنکھ کھل گئی۔ خواب ہی میں قلب پر وارد ہوا کہ یہ بزرگ مولانا گنگوہی تھے۔ بس وہ دن آفتوں کے ختم کا دن تھا کہ اس کے بعد نورانی خواب نظر آنے لگے اور قلب کا سکون بڑھتا چلا گیا۔

جن منتسبین کو آپ ہونہار پاتے ان کی طرف خصوصی توجہ فرماتے اور اولاد سے زیادہ ان کو محبوب سمجھتے تھے۔ حافظ فخرالدین صاحب کو بیعت کے بعد صرف تسبیحات بلاقید وقت وغیرہ پڑھنا تعلیم فرمایا اور حالات کی اطلاع دیتے رہنے کا حکم دیا۔ طبیعت میں استعداد پا کر کچھ ہی دنوں بعد نفی اثبات اور ایک ہزار بار اسم ذات کا ذکر تلقین فرمایا اور چار سال تک یہی چلتا رہا کہ بحمد اللہ کامیاب ہوئے اور مولوی محمد یحییٰ صاحب نے ہاتھ سے اجازت نامہ لکھوا کر بھیجدیا۔ اثنائے سلوک میں ان پر ایک خاص حالت حزن کی پیدا ہوئی کہ کھانے پینے سے بے رغبتی بڑھ گئی خوراک کم ہو گئی۔ طبیعت ہر وقت مضمحل رہنے لگی کہ بیوی سے بولنے کو دل چاہے نہ بچوں سے ہنسنے کو۔ دوستوں سے ملکر وحشت ہوتی اور اکیلے پڑے رہنے میں مزہ آتا۔ رونے کو دل چاہتا اور جنگل کی طرف نکل جانے کی طلب ہوتی تھی۔ ہر وقت طبع پر حزن کا غلبہ دیکھکر ماں کو پریشانی ہوئی اور ان کے والد نے حضرت کو لکھا کہ بچے کی ایسی حالت ہے ماں بہت متفکر ہے۔ حضرتؒ نے ان کو جواب لکھدیا کہ چند روز کی مشقت ہے اس کا خیال نہ کریں۔ انشاء اللہ جلد کامیابی ہوگی اور یہ صورت نہ رہے گی۔ خود حافظ صاحب

Marfat.com

نے اپنا حال بذریعہ تحریر پیش کیا تو آپ نے جواب لکھا مُبارک حالت ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم متواصل الاحزان پس حزن خواہ اپنے نقصان پر ہو یا محبوب حقیقی سے مہجوری پر ہو یا خوف و رجا کی وجہ سے ہو بہر حال اچھا اور عمدہ ہے نیز ذاکر کا قلب جب ذکر کے ۔ تہ منصبغ ہو جاتا ہے تو لذائذ دنیویہ سے طبع میں افسردگی پیدا ہو جاتی ہے الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ نعمت میرے لخت جگر کو نصیب ہوئی" اس کے بعد جب آپ خور جہ تشریف لائے کہ حافظ صاحب وہاں اسٹیشن پر ملازم تھے تو مسرت کے ساتھ فرمایا حافظ جی تمہارے ساتھ تو ہمارا پرانا تعلق نکلا عرض کیا حضرت وہ کیسے؟ فرمایا تمہارے والد صاحب سے خط کتابت رہی اور معلوم ہوا کہ انہوں نے تو غدر سے پہلے مولانا مملوک علی صاحب سے تحصیل علم کیا ہے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ میرے نانا تھے بعض خدام پر کشف زمانی و کشف کونی کا دروازہ کھلتا کہ رات کو واقعہ خواب میں دیکھا اور صبح کو اس کا ظہور بجنسہ ہو گیا۔ مگر آپ اس کی مقصودیت بھی ذہن میں نہ جمنے دیتے تھے۔ بعض پر حقائق علمیہ کا انکشاف ہوتا اور طرح طرح کے نکات و دقائق احادیث و آیات قرآنیہ کے متعلق منکشف ہوتے تو آپ مبارک باد دیتے۔ مگر فرماتے کہ مقصود ابھی آگے ہے۔ کسی پر مخلوق سے وحشت اور خلوت کی محبت کا غلبہ ہوتا تو آپ سنبھالتے اور صحرا نوردی سے روکتے تھے مولوی لطیف احمد صاحب حضرت مولانا رائپوری سے بیعت تھے اور بچپن سے حضرت رائپوری کے زیر سایہ پرورش پائی تھی مگر طبیعت میں آزادی تھی کہ شرارتوں کی وجہ سے حضرت نے کئی بار سزا بھی دی آخر آوارہ گردی کی دھن میں وطن سے نکل پڑے اور برسوں بنگال کی طرف مارے پھرے کہ اسی درمیان میں حضرت رائپوری کا وصال ہو گیا اس مدت میں بیسیوں پیروں کے پاس پہنچے اور سب ہی نے چاہا کہ مرید کریں۔ ایک بدعتی فقیر نے تو اتنا زور دیا کہ پچیس ۲۵ دن تک روکے رکھا اور جانے کی اجازت نہ دی مگر حضرت رحمہ کے انتساب کی برکت تھی کہ کسی جال میں نہ پھنسے اور آخر ... سویں دن شب کو چوری سے نکل بھاگے۔ اور اب گجرات کی

Marfat.com

سیر و سیاحت شروع کی اس اثنا میں ایسے ناقابل بیان واقعات پیش آئے کہ عیاذاً باللہ ارتداد کی طرف میلان ہوا اور ایک معزز یوربین پادری کا رقعہ لے کر احمد آباد کے پادری مسٹر مارٹن کے پاس جانے کی نوبت آ گئی۔ آخر معمولی میلان پر حضرتؒ سے بذریعہ تحریر بیعت ہوئے تو کایا پلٹ گئی اور خود لکھتے ہیں کہ حضرتؒ کا روحانی تصرف ہے جو آج یہ غلام مسلمان ہے ورنہ عرصہ سے کسی گرجا کا پادری بنا بیٹھا ہوتا الحمد للہ کہ حضرت کی دعا سے میری تمامی دنیوی مشکلات کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کی بیعت حضرتؒ کے قیام ہندوستان کے اخیر زمانہ کی ہے اور بیعت کے بعد شاید حضرت کی زیارت کا اتفاق راندیر میں ایک یا دو ہی دفعہ اور پھر آخری سفر حج کے وقت حیدرآباد میں ہوا باقی جو کچھ تعلیم ہوئی وہ بذریعہ تحریر ہوئی اور اب ان کے احوال حسنہ قابل مبارکباد ہیں۔ بے روزگاری سے ان کو پریشانی لاحق ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ وساوس و خطرات کا ہجوم ہو کر ذکر کے اثر سے جنگل میں جا بیٹھنے کا شوق بڑھا تو حضرتؒ نے تحریر فرمایا تمہاری پریشانی اور بیکاری سے کلفت ہے حق تعالیٰ شانہ تمہارے لئے رزق کا باب مفتوح فرمائے تمہاری پریشانیوں کو رفع فرمائے اور اہل و عیال کو صحت عطا فرمائے وساوس و خطرات کا کچھ فکر نہ کریں۔ نہ اس کے دفعیہ کے درپے ہوں جب اطمینان قلب نصیب ہوگا سب خطرات رفع ہو جائیں گے جس وقت فرصت ہوا کرے مراقبہ کر لیا کریں جنگل میں جا کر بیٹھنا اور کھانا پینا ترک کرنا راہبوں کا کام ہے اسلام میں یہ نہیں ہے۔ فقط والسلام۔

دوسرے خط میں تحریر فرمایا آپ التزام اور استقامت کے ساتھ اپنا ورد اور وظائف پڑھتے رہیں اور تعمیل کرتے رہیں۔ کیفیات کے پیچھے نہ پڑیں جنگل کے نکل جانے کا خیال صرف خیال ہی کے درجہ میں رہنا چاہیئے۔ البتہ کبھی کسی وقت تفریح کے طور پر تھوڑی دیر کے لئے چلے جانے کا مضائقہ نہیں۔ ذکر چار زانو بیٹھ کر کرنا چاہیئے۔ مراقبہ کے لئے کوئی بیٹھک مخصوص نہیں ذکر اسم ذات یک ضربی کرنا چاہیئے۔ خواب میں حضرت گنگوہی کی زیارت موجب برکت ہے۔ والسلام۔ رخصت کے وقت حضرت نے ان کو مشورہ دیا کہ عاشق الٰہی

Marfat.com

کے ساتھ مراسلت رکھیں۔ انہوں نے شکایت کی کہ وہ تو جوابی خط کا بھی جواب نہیں دیتے۔ فرمایا تم نے کیسا پتہ لکھا تھا؟ عرض کیا خیر نگر دروازہ میرٹھ۔ فرمایا یہی تو خرابی ہے پتہ بھی غلط لکھا اور پھر خود بندہ کا پتہ تحریر فرما کر ان کے حوالے کیا اور فرمایا میرے لوگوں میں سب سے زیادہ انتظام جواب کا اسی کے ہاں ہے۔

لگی ہوئی ملازمت کا ترک آپ کو بالکل پسند نہ تھا اور کبھی اجازت نہیں دیتے تھے کہ خود کوئی ملازمت یا سلسلۂ معاش کو چھوڑے کہ کفران نعمت ہے اور اس کے وبال میں آدمی بہت پریشان ہوتا ہے۔ ذکر و شغل تو کیا نماز بھی اطمینان سے نصیب نہیں ہوتی "پراگندہ روزی پراگندہ دل"۔ اسی طرح لوگ اپنے اہل وطن اور اعزہ کی طرف سے کوفت و کلفت پا کر خواہش کرتے کہ وطن چھوڑ کر دوسری جگہ جا رہیں تو یہ بھی آپ پسند نہ فرماتے اور لکھا کرتے کہ بھائی پریشانی سے دنیا میں کوئی بھی خالی نہیں ہے۔ پریشانیاں تو انسان کے ساتھ پیدا ہوئی ہیں کہ جب تک انسان رہے گا پریشانیاں اس کے ساتھ رہیں گی اس لئے منہ سر لپیٹے پڑے رہو۔ اپنی طرف سے کہیں جانے کا خیال نہ کرو کہ باہر جا کر خدا جانے کن پریشانیوں میں مبتلا ہو گے مولوی لطیف احمد کو اہل بدعت کی طرف سے روحی تکالیف کے ساتھ بدنی تکلیف بھی پہنچی تو آپ نے کہا۔ السلام علیکم۔ آپ کی اور قاری نظام الدین صاحب کی تکلیف جو آپ صاحبان کو پہنچی موجب کلفت اور موجب مسرت ہوئی۔ کلفت تو اس وجہ سے کہ دوستوں کی تکلیف موجب کلفت ہوا ہی کرتی ہے۔ اور مسرت اس وجہ سے کہ جو کچھ تم صاحبوں کو تکلیف پہنچی ہے وہ فی سبیل اللہ تھی۔ تم نے حدیث میں دیکھا ہوگا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت مبارک مجروح ہوئی تھی تو آپ فرماتے تھے هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ۔ اہل اللہ کو یہ تکالیف قدیم سے اٹھانا پڑتی ہیں یہاں تک کہ قتل تک ہوئے ہیں پس اگر ہم کو یا ہمارے دوستوں کو کوئی تکلیف پہنچے تو موجب مسرت ہونا چاہیئے "میراث پدر خواہی علم پدر آموز"۔ حضرتؒ کی تحریر

Marfat.com

مختصر مگر جامع اور ایسی بابرکت سیدھی سادی ہوتی تھی کہ دو فقروں میں بڑے
بڑے مسائل و مراحلے طے فرما دیتے تھے "تکلیف جسمانی ہو یا روحانی موجب کلفت
بھی رہے کہ اجر کا مدار اسی پر ہے اور شان تسلیم و رضا بھی مرتب ہو کہ جو کچھ ہو رہا ہے
وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ ان دو اضداد یعنی رنج و خوشی کے ایک جگہ جمع
ہونے کا عملی سبق آپ نے دو سطر میں پڑھا دیا۔ بعض سالکین پر بغض فی اللہ کا غلبہ ہوتا
کہ وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ جن کو معاصی یا بدعقیدگی میں منہمک پاتے کوئی تعلق نہ
رکھ سکتے تھے تو آپ اس کو اعتدال پر لانے کے لئے فرمایا کرتے کہ میاں خدا
بن کر تو تم نہیں آئے۔ اس کی مخلوق ہے وہ جو چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے اللہ
کی مشیت یہی ہے کہ کافر اور مومن۔ فاسق اور صالح سب اس دنیا میں آباد رہیں
کہ شروع سے عالم کو اسی طرح چلایا ہے۔ نرمی و شفقت کے ساتھ ان کو سمجھاؤ
کوئی نہ مانے تو یہ سمجھ کر کہ اللہ کی مشیت یوں ہی ہے چپ ہو جاؤ مگر قطع رحمی نہ
کرو۔" خود مجھ پر یہ حالت گذری کہ اپنے خاندان کے بعض بزرگوں کو مبتلائے بدعات
یا بے نمازی دیکھتا تو اندر ہی اندر جھڑا کرتا تھا کہ نہ زور کے ساتھ نصیحت پر قدرت
تھی اور نہ اُن کی یہ غفلت ضبط ہو سکتی تھی۔ حضرت کو لکھا تو آپ کا والا نامہ آیا۔
السلام علیکم۔ بقول رسو خداوند تعالیٰ جل و علیٰ شانہ نے دنیا میں کافر اور مسلم دیندار
اور بددین متقی اور فسق پیدا فرمائے اور ہر ایک کو لما خلق لہ کی طرف رغبت
دی۔ تم کسی پر داروغہ کر کے نہیں بھیجے گئے۔ تم بقدر وسعت امر بالمعروف کے
مامور ہو اور جب نہ کر سکو تو خدا کی مخلوق کو خدا کے حوالے کرو۔ پھر کسی کی حالت کا
مشاہدہ آپ کے لئے کیوں سوہانِ روح ہے۔ دنیا میں جو چیز پیدا ہوئی ہے
کتنی ہی قبیح ہو حکمت سے خالی نہیں ہے پھر قاضی شہر کے اندیشہ سے کیوں
دُبلا ہو۔"

حضرت اپنے منتسبین کو نشست برخاست خواب بیداری دخول خروج
یوں ہوا از صبح شام دن رات غرض ہر دقیقہ اور ہر حال کے متعلق جو دعائیں

Marfat.com

حدیث میں آئی ہیں ان کی مواظبت پر اہتمام کی تعلیم دیتے اور عادات میں بھی اتباع سنّت محمدیہ کے ہمہ وقت دھیان و لحاظ قائم رکھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ اس کی برکت سے محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت قلب میں پیدا ہوتی تھی۔ اور چونکہ آپ ہی دربار خداوندی کے فیوضات تقسیم فرمانے کا واسطہ و وسیلہ ہیں اس لیئے برکات محبوبیت کی بارش برسنے لگتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دوسرے پیدل یا بہل میں یا تانگہ پر یا موٹر میں یا ریل پسنجر پر راستہ قطع کرتے تھے تو آپ کے منتسبین اس میل ٹرین میں سفر کرتے تھے جس کا زبردست انجن آندھی کی طرح بیسیوں اسٹیشنوں کو چھوڑتا ہوا جاتا تھا کہ سوئے تھے وطن کے اسٹیشن پر اور آنکھ کھلی تو منزل مقصود پر کھڑے نظر آئے اور راستہ کا کوئی جنگل پہاڑ بستی باغ دریا جھیل شہر یا گاؤں کچھ بھی نظر نہ آیا۔

ہاں دوا کے ساتھ آپ کو پرہیز کا بہت اہتمام رہتا تھا کہ سب سے زیادہ آپ بدعت سے بچنے کی تاکید فرمایا کرتے اور سمجھاتے تھے کہ دوا کھا کر ضد کا استعمال کیا تو دوا کا نفع کیا خاک ہوگا۔ قلب کی ساری صلاحیت کا مدار ہے حق تعالیٰ کی محبت پر اور اس کا طریق صرف وہ ہے جو اس کے اپنے محبوب اکمل نے تعلیم و تعمیل کے ذریعہ زبان سے کہکر اور بدن سے کر کے مخلوق کو دکھا دیا۔ پس اس کے خلاف ذرہ برابر بھی دوسروں کی تجویز کو پسند کیا تو نہ وہ نور و برکت رہے گی جو سنّت محمدیہ پر موقوف تھی اور نہ وہ حصار دامن رہے گا جو معمولات محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہے پس بدعت کا ارتکاب تو بڑی چیز ہے اس کی رغبت اور قلب میں اس کی طرف سے وحشت کی کمی کو بھی سالک کے لیئے آپ سمّ قاتل فرماتے تھے کہ لاکھ دوائیں اور مقویات استعمال کرے مگر ساتھ میں ذرا سا سنکھیا کھالے تو انجام ظاہر ہے کہ مرنے سے بچ بھی گیا تو خشکی کا دوسرا مرض اتنا قوی ہوگیا جس کے سبب قوی دواؤں کا اثر بھی کمزور پڑگیا اور اب معالجہ بھی مشکل ہوگیا۔ سالک جتنا بھی سنّت کے دامن سے چپٹے گا اسی قدر باران رحمت میں جوش آئے گا۔

اور جتنا اس سے قلباً یا جسداً ہٹے گا اسی قدر شیطان اس پر قابو پائے گا آپ کی تعلیم کا سارا راز ان دو حرفوں میں مستتر تھا کہ عادات ہوں یا عبادات اللہ کے محبوب کی ہر ادا کو دانتوں سے مضبوط تھاموا اس پر عمل کرو۔ اور محبت و شوق کے ساتھ عمل کرو کہ ہمارے اللہ کے محبوب پیغمبر کا طریقہ ہے۔ اس طرح اول محبوب کی محبت قلب میں آئے گی اور وہ پہنچائے گی محب یعنی اللہ جل جلالہ کی محبت تک۔ کہ اس کی وجہ سے شوق ہوگا اللہ کو راضی رکھنے کا اور طلب ہوگی مرضیات کی فہرست معلوم کرنے اور اس پر چلنے کی۔ لہذا شریعت کے علم اور عمل کا شیدا بن کر اپنی زندگی کے لمحات اس حالت پر گزارے گا جو آفرینش بنی آدم کی غایت ہے اور جس کی تعلیم کے لئے آنحضرت روحی فداہ دنیا میں تشریف لائے تھے۔ اسی کا نام حیات طیبہ ہے اور یہی شریعت کی روح اور طریقت کا مقصود ہے۔

اعمال میں آپ کی نظر زیادہ ان امراض پر جاتی تھی جو وبائی بن کر عموم پکڑتے اور اندھیاؤ کی طرح نہ آگ دیکھیں نہ پانی سب کو مکدر و مغلوب بناتے چلے جاتے ہیں مثلاً سود دینا کہ سود لینے کو سب حرام سمجھتے ہیں مگر سود دینا اتنا آسان ہوگیا کہ معمولی ضرورت بلکہ خرافات اور حظ نفس میں بھی بے دریغ اس پر جھکتے ہیں کہ قلوب سے بھی اس کی حرمت و وحشت کا اثر جاتا رہا۔ لہذا آپ کسی کو سنتے کہ اس پر سود و قرض ہے تو بہت زیادہ تاکید فرماتے کہ اس بلائے بے درماں سے جہاں تک ممکن ہو جلد نکلو اور فاقہ کرو تنگی جھیلو ضروریات کو بند کرو مگر اس وبال سے کسی طرح نجات پاؤ جو شعلہ نار کی طرح سارے گھیر پھونس کو ایک آن میں راکھ بنا چھوڑے گی۔ اسی طرح داڑھی کا منڈانا یا کتروانا کہ ایک مشت سے کم ہوجائے آپ کے لئے بہت ہی تکلیف دہ تھا میں نے بارہا دیکھا کہ کوئی اجنبی آتا جس پر خفگی کا کوئی حق نہ ہوتا تو آپ بکراہ اس سے گفتگو کرتے اور گرانی کے سبب منہ پھیر لیا کرتے کہ ایسی حالت کا دیکھنا آپ کو برداشت نہ ہوتا تھا۔ کوئی ایسا شخص بیعت ہوتا تو سب سے اول اور سب سے زیادہ تاکید اسی کی ہوتی تھی کہ آئندہ کبھی داڑھی نہ کتروانا۔ اور کسی خادم کو اس کا مرتکب پاتے تو اول تیزی

Marfat.com

سے اور پھر غصہ سے نصیحت فرماتے اور آخر تیسری بار صاف فرما دیا کرتے تھے کہ میرا تعلق داڑھی کے ساتھ ساتھ ہے۔ یہ رہے گی تو وہ بھی رہے گا اور یہ قطع ہے تو اسی وقت وہ بھی قطع ہے" نیز فرمایا کرتے کہ نصرانیت کا لباس داڑھی منڈانا یا کتروانا عورتوں کا مردانہ وضع سے انس کھڑا جوتا پہننا۔ پردہ میں کمی کرنا وغیرہ طاعون اور ہیضہ کی طرح وباء عام بن کر پھیلے ہوئے ہیں کہ جسے دیکھو اس مرض میں مبتلا ہے الا من شاء اللہ۔ ان کے نزدیک گویا داڑھی رکھنا شعار اسلام اور طریقہ محمدیہ ہی نہیں اور اسلام کی صورت سے بھی وحشت ہے۔ ایسی حالت میں محبت حق کا حصول ناممکن ہے۔ حضرتؒ کی تعلیم سالکین کے طبائع کی رعایت پر مختلف ہوتی تھی جو کسی ایک صورت میں محدود نہیں۔ اور اس کا مدار محض آپ کی حذاقت تشخیص اور فہم خداداد پر تھا کہ کسی کو چشتیت کی تعلیم فرمائی اور کسی کو نقشبندیت کی۔ کسی کو مراقبۂ صمدیت تلقین فرمایا کسی کو مراقبہ معیت۔ کسی سے ذکر کا کام زیادہ لیا کسی سے شغل کا۔ کسی کو اوراد زیادہ تعلیم کئے کسی کو محض ایام بیض کے روزے اور تہجد و اوابین و اشراق کے نوافل۔ مگر یہ امر مشترک سب میں ملحوظ رہتا تھا کہ عادات میں اور احوال مختلفہ کی ادعیۂ ماثورہ میں سنت کا اتباع اور خیال و دھیان ضرور رکھیں اور جادۂ شریعت سے چاول برابر بھی قدم نہ ہٹائیں۔ اور سالکین کے لئے تو تاکید تھی کہ صغیرہ گناہ کو بھی سانپ بچھو سمجھیں اور گنجائش چھوڑ کر عزیمت پر عمل کریں۔

حافظ فخر الدین ریلوے ملازم تھے اور اکثر ریلوے ملازمین کو بغیر ٹکٹ سفر کرنے کی عادت ہے۔ آپ ان کو سفر میں ساتھ لیتے تو ٹکٹ دینے کے دروازہ پر پہنچ کر آپ ان کو آگے بڑھاتے کہ چلو اور اس طرح نظر ڈالا کرتے کہ ٹکٹ لیا تھا یا نہیں۔ خدام کو ساتھ کھانا کھلاتے تو دیکھا کرتے کہ پانی کا برتن سیدھے ہاتھ میں اور یری طریق سے لیا یا سکون و آرام کے ساتھ۔ چائے پلاتے تو نظر رکھتے کہ پیالی داہنے ہاتھ سے اٹھائی یا بائیں سے۔ بہرحال یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ حضرت کے منتسبین کو کیا کیا تعلیم ہوئی۔ عوام سے زیادہ آپ کی طرف علماء اور اہل ذوق کا رجوع ہوا کہ اس جماعت کے ایک شخص

Marfat.com

کی اصلاح گویا ہزاران ہزار کی اصلاح تھی۔ اس لئے آپ کی نسبت عبدیت کا وہ نور جو آپ کی پیشانی میں چمک رہا تھا اُن قلوب کو زیادہ کھینچتا تھا جو ایک قوم کے مقتدا ہیں یا آئندہ بننے والے ہیں۔ نیز آپ کی توجہ زیادہ تر اپنے مرشد مولانا گنگوہیؒ کے اُن متوسلین کی طرف زیادہ مبذول ہوئی جن کا کسب ناتمام رہ گیا تھا یا صرف بیعت ہو کر اس کے ثمرات سے ناآشنا تھے۔ اور ان کی تکمیل کو آپ اپنے اوپر منجملہ حقوق شیخ سمجھ کر واجب الادا سمجھے ہوئے تھے۔ حضرت کے یہاں کوئی رجسٹر نہ تھا کہ مریدین کے نام لکھے جاتے اور صحیح شمار ہو سکتی۔ مگر جہاں تک مجھے علم ہے اطراف ہند میں حضرت کے منتسبین بڑی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں اور آخر زمانہ میں تو اتنا رجوع بڑھا کہ ایک دفعہ میں کئی کئی سو کو آپ نے اس طرح بیعت کیا کہ عمامہ دُور تک پھیلا دیا اور طالبین اس کو پکڑتے چلے گئے۔ جو سفر بھی آپ کا ہوا جہاں آپ نے دینی مدرسہ کی بقا اور زائرین کی تعلیم دین کا نفع اس سے اٹھایا وہیں سلسلۂ روحانیہ کی تخم ریزی بھی فرمائی اور بدعات و معاصی سے توبہ کرا کے اتباع سنت پر جمے رہنے کا عہد لیا۔ پھر جس نے کسب کرنا چاہا اس کو تعلیم دی ورنہ برکات دخول سلسلہ سے الامال ضرور کرا آئے چنانچہ حاجی محمد یوسف صاحب کی دعوت پر آپ رنگون تشریف لے گئے تو ان کی درخواست پر پورا رمضان وہاں گذارا اور دس بارہ تاجر داخل سلسلہ ہوئے جن میں محمد ابراہیم ملا سیٹھ ابراہیم محمد متی اور محمد جیوا کڑوا صاحب قابل ذکر ہیں۔

میرٹھ دہلی کا تذکرہ گلاؤٹھی وغیرہ کا تو پوچھنا ہی کیا کہ بارہا تشریف لانا ہوا اور حضرت کی جوتیوں کے صدقے اچھے اچھے پھلدار درخت پیدا ہوئے۔ ہاں میوات کا منظر جو آپ کی سکونت ہند کے آخری سال کا آخری نظارہ تھا ضرور قابل ذکر ہے۔ جو قصبۂ نوح کے سیدھے سادے مسلمان باشندوں محراب خاں اور نصر اللہ خاں پٹواری نے لکھکر بھیجا ہے یہ طویل و عریض علاقہ میو قوم سے آباد ہے یہ مسلمان ضرور ہیں مگر جہالت اور مذہبی ناواقفیت کے سبب ان کو مسلمان کہنا مشکل۔ کوئی عالم اس علاقہ میں گیا بھی تو تقدیر سے بدعتی اور زر پرست کہ گاؤں کے گاؤں مرید کئے مگر

کسی مرید کو اس سے زیادہ بیعت کا کوئی مقصود ہی معلوم نہ ہوا کہ عیب چھٹے مہینے پیر کا
دورہ ہوا تو ہر مرید نقد نذرانہ لے کر حاضر ہو گیا اور پیر کی نذر قبول کر لینے کو جنّت کی
قیمت سمجھ لیا کہ جو چاہے کریں اور جہاں چاہے رہیں۔ اوّل مولانا محمد صاحبؒ نے
اور پھر ان کے بھائی مولانا محمد الیاس صاحب نے اپنی مخلصانہ توجہ اس کی اصلاح اور
ظلمت جہالت دُور کرنے کی طرف مبذول کی اور بحمد اللہ برسہا برس کے بعد اس ملک
میں جو علم دین کے نام سے گھبرا کر کانوں پر ہاتھ رکھتا تھا جگہ جگہ مکاتب قرآن مجید کھل
گئے اور نو عمر بچے ان میں پڑھنے کو آنے لگے۔ حضرت وہاں کی حالت سن کر ہمیشہ مسرور رہتے
رہتے اور قلبی توجہ سے اندر ہی اندر کام لیتے ہوئے مولانا محمد الیاس کو تاکید فرماتے
رہتے تھے کہ اس طرف توجہ بڑھاتے رہیں۔ آخر جب آپ نے ہندوستان چھوڑنے
کی دل میں ٹھان لی تو باوجود ضعیف اور علیل ہونے کے آپ نے میوات جانے کا عزم
کیا اور تشریف لے گئے۔ یہ ایک قدرتی کشش تھی کہ آپ کا پہلا سفر اور انجان لوگوں
میں جانا مگر مخلوق آپ کا نام ہی سنکر زیارت کے شوق میں گھروں سے نکلی تو یہ عالم تھا
کہ قصبہ نوح ہی کے نہیں بلکہ گرد و نواح کے دیہات اور دُور دُور کے ہندو مسلمان بچے
اور جوان ہزاروں ہزار کی تعداد میں گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور اس شوق
میں کہ پہلے ہم زیارت کریں بستی سے باہر سڑک کے دونوں طرف قطار باندھکر دُور
تک پرے باندھ لئے۔ حضرت کی موٹر وہاں پہنچی تو حضرت اتر لئے اور مخلوق پروانہ
وار گری تو خدام کو اندیشہ ہوا کہ حضرت گر نہ جائیں مگر اللہ رے ہمت سبھی سے آپ نے
مصافحہ کیا اور آگے بڑھے۔ کہ دس ہزار کی گویا تیچھے تھی اور ہر شخص کی زبان پر بے اختیار
یہ لفظ جاری تھے واہ واہ پیر کیا ہیں فرشتہ ہیں۔ دل چاہتا ہے اس نور کے مکھڑے کو دیکھے
ہی جاؤ۔ پیر بہت دیکھے مگر ایسا سوہنا پیر کبھی نہیں دیکھا۔ جمعہ کا دن تھا نماز ہوئی تو مسجد
اندر باہر سے لبریز۔ چھت ساری پُر راستے دُور تک بند کہ کبھی سالے ملک کو یہ دن دیکھنا نصیب
نہ ہوا تھا۔ نماز کے بعد وعظ شروع ہوا اور حضرتؒ قیامگاہ پر تشریف لے آئے کہ واعظ
مرعوب نہ ہو۔ دل کے دل وعظ چھوڑ کر حضرتؒ کے پیچھے ہو لئے کہ یہاں تو وعظ میں یہ مزہ

Marfat.com

نہیں آتا جو پیر کی صورت دیکھنے میں آتا ہے کہ نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں گلاب کا پھول کھلا ہوا مہک رہا ہے خدا جانے کتنی دیر کا مہمان ہے بس پیر کی تو صورت دیکھے ہی جاؤ جانے پھر دیکھنا نصیب ہو یا نہ ہو۔ پھر اس بیشمار مخلوق نے الٹی پلٹی باتوں کی اپنی گنواری زبان میں پوچھ گچھ جو شروع کی تو سننے والے پریشان ہوتے جاتے تھے مگر حضرتؒ ہر بات کا جواب مسکرا کر دیتے اور ان کی دل لگتی دلیل سے ان کو سمجھاتے تھے۔ آخر بیعت کا وقت آیا تو ایک پر ایک گرتا اور ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ سعادت سب سے اوّل مجھے حاصل ہو۔ مگر صد ہا کا مجمع اور حضرتؒ کے دو ہاتھ اس لئے عمامہ دُور تک پھیلا دیا گیا اور ایک کافی نہ ہوا تو دوسرا اور تیسرا عمامہ اس میں باندھ دیا گیا اور دو طرفہ صف اس کو تھامے ہوئے دُور تک چلی گئی تب حضرتؒ نے خطبہ پڑھا اور آیت ان الذین یبایعونک تلاوت فرمائی۔ پھر سب کو بیک زبان کلمہ طیبہ پڑھا کر ایمان کی تجدید کرا کے توبہ کرائی کہ کہو عہد کیا ہم نے کفر نہ کریں گے شرک نہ کریں گے بدعت نہ کریں گے چوری نہ کریں گے زنا نہ کریں گے جھوٹ نہ بولیں گے کسی پر بہتان نہ دھریں گے۔ پرایا مال ناحق نہ کھائیں گے اور کوئی گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہرگز نہ کریں گے اور اگر ہو جائے گا تو فوراً توبہ کریں گے۔ بیعت کی ہم نے خاندان چشتیہ میں نقشبندیہ میں قادریہ میں سہروردیہ میں خلیل احمد کے ہاتھ پر۔ یا اللہ ہماری توبہ قبول فرما اور ہم کو اپنے نیک بندوں کی جماعت میں محشور فرما۔ اس طرح دو مرتبہ میں تقریباً ایک ہزار میواتی داخل سلسلہ ہوئے اور ایک ہی نظر کیمیا اثر میں نماز روزہ کے پابند اور اتباع سنت پر اتنے پختہ کہ جان جائے مگر ایمان نہ جائے۔

حضرتؒ کی نسبت میں کشش بہت تھی۔ بارہا تجربہ ہوا کہ حضرتؒ نے کسی کو سہارنپور میں یاد کیا اور فوراً ہی اس کے دل میں حاضری خدمت کے لئے بے چینی و اضطراب پیدا ہوا۔ مولانا عبداللہ صاحب مرحوم بعض دفعہ رات کو تھانہ بھون میں اٹھے اور سہارنپور چلنے کی تیاری کی۔ لوگ کہتے کہ ریل نہیں مل سکتی کہ صرف دس منٹ باقی ہیں اور اسٹیشن دو میل ہے۔ مگر فرماتے کہ مجھے جانا ضروری ہے ریل ملے یا نہ ملے۔ مگر ریل مل جاتی

اور واپسی پر احباب دریافت کرتے تو فرماتے کہ حضرت نے یاد فرمایا تھا اسلئے قلب میں بے چینی پیدا ہوئی اور اسی وجہ سے ریل مل جانیکا مجھے پورا توق بھی تھا چنانچہ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا میں تو یاد ہی کر رہا تھا۔" حاجی محمد خاں مرحوم خورجوی جو گھوڑوں کی تجارت کے سلسلہ میں کابل گئے اور امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم کی ملاقات سے مشرف ہوئے تھے کہتے تھے کہ میں خورجہ میں تھا کہ دفعۃً قلب پر تقاضہ ہوا بلند شہر چل ہر چند اس تقاضہ کو رد کیا مگر رد نہ ہوا آخر اسٹیشن پر آیا اور مجھے اپنے اوپر مرض کا شبہ ہوا کہ آخر آج سفر کس لئے کر رہا ہوں اور بلاوجہ یہ تقاضا کیوں ہے؟ معلوم ہوتا ہے مجھے مراق ہوگیا یا ہونے والا ہے۔ اسی اُدھیڑ بن میں ریل پر سوار ہوکر بلند شہر کے اسٹیشن پر اترا۔ دیکھتا ہوں کہ ایک بنچ پر حضرت اور مولانا محمود حسن صاحب بیٹھے ہیں۔ میرا دل خوش ہوا کہ خیر یہ سفر بیکار نہ گیا۔ پاس آکر حضرت سے مصافحہ کیا تو مسکرا کر فرمایا میں تو تمہیں یاد ہی کر رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی یاد نے تو مجھے ایسا مضطرب بنایا کہ مجھے اپنے دماغ پر مرض کا شبہ ہوگیا تھا۔ اور اگر اس وقت جناب نہ ملتے تو مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا پڑتا۔" مولوی ظفر احمد صاحب اپنے بالائی حجرہ میں بیٹھے مشغول ذکر تھے کہ دفعۃً نیچے آنے کا دل پر تقاضا ہوا۔ ذکر ملتوی کر کے نیچے آئے تو دیکھتے ہیں کہ حضرت کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ عرض کیا حضرت کیا مجھ سے کچھ ارشاد فرمانا ہے؟ فرمایا ہاں ذرا چارپائی بچھا دو میں لیٹوں گا کچھ تعب سا معلوم ہوتا ہے۔" ایسے واقعات صدہا ہیں اور یہی قوت تھی جو سالکین و منتسبین کو منجذب کرتی اور بہت اپنے رنگ میں رنگ لیا کرتی تھی۔

ہمت بھی حضرت کی بہت عالی اور عزم اتنا قوی تھا کہ دنیوی معاملات میں بھی آپ جو ارادہ کر لیتے اُس سے ہٹتے نہ تھے تو اور دینی امور بالخصوص تربیت سالکین میں تو آپ کی توجہ اور ہمت ایک بڑی چیز تھی کہ قوی تر انجن بن کر ہزارہا من بوجھ سے لدی ہوئی بیسیوں گاڑیوں کو یکدم محرک بنا دیتی اور آن کی آن میں کہیں کا کہیں پہنچا دیا کرتی تھی مگر اس کا تعلق صرف انہیں سے ہے جنکو اس کی ضرورت ہوئی اور انہوں نے شاغ کیا

بمبئی میں سیٹھ محمد عمر صاحب کہ بچپن سے آزادی لئے ہوئے تھے وطن سے نکل کر ایسی ترانات میں پھیلا ہوئے کہ ان کے عزیزوں کو پہچاننا مشکل تھا کہ ہندو ہے یا مسلمان۔ تمام بمبئی میں لچوں اور شہدوں کی کمان عمر ہی کے ہاتھ میں تھی کہ عزت آبرو والے ڈرتے تھے۔ جس کے چاہا سر بازار جوتے مار دیئے اور پولیس جو اگھبراتی تھی کہ اوباشوں کا بڑا جرگہ زیر فرمان تھا۔ آخر جب وقت آیا اور حضرت سے مرید ہوئے تو ایک ہی نظر تیر کا کام کر گئی اور مسجد کا ملا بنا دیا۔ ہر شخص حیران تھا کہ یہ محمد عمر وہی ہے جو پہلے تھا یا کوئی دوسرا ہے۔

وہ لوٹ پوٹ ہی دیکھا نگاہ کی جس پر کسی کے بس کا ترا تیر لے کماں نہ ہوا

آپ کے متعلق کوئی خواب دیکھتا یا مکاشفہ بیان کرتا تو آپ تواضع کے مضمون سے اس کو ٹال دیتے تھے۔

مولوی حبیب احمد نارفولی نے خواب دیکھا کہ حضرت مجھے بید دں سے مار رہے ہیں کہ میں دو دو گز پرے جا پڑتا ہوں اور پھر مار کا مزہ لینے قدموں میں آپڑتا ہوں صبح کو حضرت سے خواب عرض کیا تو فرمایا ہاں بھئی کام کسی کا اور نام کسی کا۔ حضرتؒ کو حاضرین کے خواطر و وساوس پر بھی بہت جلد اطلاع ہو جاتی تھی ایک مرتبہ آپ مولوی عبید اللہ جان کے پاس جانے لگے اور مولوی ظفر احمد صاحب کو ساتھ لیا۔ راستہ میں ان کے قلب میں یہ خطرہ گذرا کہ حضرت ایسے جنٹلمینوں کے پاس از خود کیوں تشریف لے جاتے ہیں۔ اگر وہ التجاء و درخواست کرتے تو مضائقہ بھی نہ تھا۔ فوراً ان کی طرف متوجہ ہو کر حضرت نے فرمایا مولوی عبد اللہ جان کا دل بہت اچھا ہے گو ظاہر دنیادار وں جیسا ہے۔ مولوی ظفر احمد صاحب پر یہ سنکر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ مولوی حبیب الرحمن صاحب سہواروی حضرتؒ کے سفر حج سے قبل حاضر خدمت ہوئے تو خیال ہوا کہ مسلسلات کی اجازت حضرت مجھے بھی عطا فرما دیتے۔ حضرت نے ادھر منہ کر کے فرمایا مولوی حبیب الرحمٰن تم بھی طلبہ میں مل بیٹھو مسلسلات کی اجازت لے لو۔ خوشی سے پھولے نہ سمائے مگر ساتھ ہی خیال ہوا کہ صحاح کی اجازت بھی مل جاتی تو حضرت نے پھر متوجہ ہو کر فرمایا۔ صحاح کی بھی اوائل سنا دو اجازت دے دونگا۔ دوسری خوشی ہوئی مگر فکر ہوا کہ کوئی

Marfat.com

شناسا بھی نہیں کتابیں کس سے مانگوں تو تیسری بار حضرت نے ادھر رُخ فرمایا اور کہا جاؤ کتب خانہ سے کتابیں لے لو، سچ ہے بن مانگے موتی ملیں اور مانگے ملے نہ بھیک۔ فرحاں و شاداں اٹھے اور حسب مُراد اجازت حاصل کی۔

حضرتؒ ابتداء بیعت میں سائل کی طلب کا امتحان ضرور لیا کرتے اور چونکہ روحانی نفع کا مدار اسی طلب پر ہے اس لئے جب تک فراست و وجدان سے اس کا اطمینان نہ فرمالیتے اس وقت تک بیعت نہ کرتے تھے بارہا دیکھا کہ کسی کو حضرت نے درخواست کرتے ہی بیعت فرمالیا اور بعض کو مہینوں ٹالا اور یہی جواب دیا یہی دیا کہ تھانہ بھون جاؤ یا یہ کہ رائپور جاؤ۔ آخر معلوم ہوا کہ حقیقۃً اسکو تذبذب تھا اور جب توحید مطلب حاصل ہو کر یک درگیر محکم گیر کا مضمون حاصل ہوا اسی وقت حضرت نے بیعت فرمالیا۔ سیّد شبیر محمد صاحب نے کہ خلیفہ ہیں مولانا تھانوی کے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت یہ پیرزادے اور مولوی اکثر محروم کیوں رہتے ہیں؟ فرمایا پیرزادے تو باپ کے بعد اپنے کو پیر سمجھ بیٹھتے ہیں اور مولوی تحصیل علوم کر کے عالم خاص ہو جاتے ہیں کہ آئندہ کسی شے کی ضرورت نہیں سمجھتے حالانکہ جبتک بزرگوں کے جوتے سیدھے نہیں کئے تب تک حالت نہیں بنتی۔

علم محض آلہ و ذریعہ ہے عمل کا اور عمل کے بعد ایک درجہ ہے حال کا۔ کہ عمل کو اعضائے بدن سے تعلق ہے اور حال کو قلب سے کہ عمل کا محرک قلب ہو اور یہ نصیب نہیں ہو سکتا جبتک کہ حق تعالیٰ کی محبت و عظمت قلب میں راسخ اور جاگزین نہ ہو جائے پس جس طرح بادام میں ایک پوست ہے کہ محافظ ہے گری کا مگر گری کے اندر ایک روغن ہے کہ گری سے مقصود وہی ہے۔ اسی طرح علم اگرچہ صورت عمل ہے مگر عمل سے بھی مقصود صرف وہ حال ہے جو عمل میں ایسا گھلا ملا ہے جیسے گری میں تیل۔ کہ وہ نہ ہو تو چھلکا جلانے کے قابل ہے اور گری پھینک دینے کے قابل۔ چونکہ عمل کا روغن یعنی شوق و اخلاص اور حلاوت و حسن نیت سلوک کے بغیر نصیب نہیں ہوتا اس لئے علماء کو خانقاہوں میں معیت و اکتساب کی ایسی ضرورت ہے جیسے پڑھنے کے بعد گننے کی اور سیکھنے کے بعد مشق و تمرین کی۔ ورنہ ایم اے پاس کرنے والا بھی تعلیمی یا تجارتی یا صنعتی کام میں نہ گھل مل سکتا ہے نہ بے تکلف گھلکر آزادانہ اس کو انجام دے سکتا ہے۔ مگر علماء یا تو علم ہی کو مقصود بالذات

Marfat.com

سمجھ لیتے ہیں کہ عمل کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اور آگے بڑھے بھی تو بس عمل کو کافی سمجھکر مطمئن ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ ابھی ان کو آخری درجہ اور طے کرنا ہے جو سب میں زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ کہ اس کے بغیر علم موجب وبال ہے اور عمل پوست بےلب مغز کی طرح ردی و بےکار۔ اور جب اس کی ضرورت ہی ذہن میں نہ ہو تو طلب نہ ہوگی اور طلب کے بغیر قوی النسبت شیخ کے بیٹے اور بیوی کو بھی کبھی کچھ نہیں ملا۔ اجنبی کو دس بیس سال رہنے سے تو کیا مل سکتا ہے۔ ہاں عورتوں کی بیعت میں اتنی طلب کا آپ امتحان نہ لیتے بلکہ ادنیٰ درخواست پر بیعت فرما لیا کرتے تھے کہ صنف ضعیف ہے اور مردانہ تعلق و تصنع سے خالی۔ یا کوئی مبتلائے بدعات ہوتا تو اس کے اظہار طلب پر بھی آپ زیادہ کرید نہ ہوتی تھی کہ مبادا بدک نہ جائے اور سلسلہ میں جکڑ بند ہوجانے کے بعد سیدھا ہوجانے کی توقع غالب ہوتی ہے۔ ایک بار سالانہ جلسہ کا موقع اور مہمانوں کے کثیر مجمع کا ازدحام مگر دیکھا کہ آپ گھبرائے ہوئے ایک شخص کو تلاش فرما رہے تھے کہ فلانا کہاں ہے وہ بیعت ہونے کو کہتا تھا! عادت کے خلاف اس اُلٹی طلب و تلاش پر دیکھنے والوں کو حیرت بھی ہوئی مگر بعد معلوم ہوا کہ ان کی عمر بدعات میں گذری تھی چنانچہ بیعت ہوکر ان کی کایا ہی پلٹ گئی کہ خود متبع سنّت ہوکر اکثر اہلِ خاندان کو متبع سنّت بنا چکے بیعت کے بعد عموماً آپ نماز باجماعت کی پابندی کا حکم فرماتے کہ معراج المومنین یہی ہے اور قلب میں سب سے اول اسی کا تخم جمتا ہے جو چند روز بعد ایسا سایہ دار مضبوط درخت بنتا ہے جس کے نیچے ہزار پیادہ و سوار آرام لیتے ہیں۔ پھر داڑھی وغیرہ کے متعلق کوئی عملی ضعف یا کسی بدعت میں ابتلا کا اعتقادی نقص ہوتا تو اسکی تصریح فرماکر نصیحت کرتے اور ہر امر میں اتباع شریعت کا لحاظ رکھنے کی تاکید فرماکر ہر نماز کے بعد کچھ وظیفہ پڑھنے کو بتلاتے تھے۔ مثلاً یہ کہ فجر و مغرب کے بعد سَو سَو مرتبہ کلمہ تمجید اور ظہر کے سَو مرتبہ لاحول اور عصر کے بعد تین تسبیح درود شریف اور عشا کے بعد سَو مرتبہ استغفار۔ نیز فرائض پنجگانہ کے بعد تسبیح فاطمہ اور کم سے کم ایک پارہ قرآن مجید کی روزانہ تلاوت اور حزب الاعظم کی ایک منزل کہ حزب الاعظم سے آپ کو خاص محبت تھی اور اسکی مواظبت کو بہت زیادہ موجب برکت سمجھتے تھے۔ کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان

Marfat.com

مبارک سے نکلی ہوئی دعائیں ہیں جن میں آپ نے ہر خوبی اپنے اللہ سے مانگ لی اور ہر عیب و مضرت سے پناہ چاہ لی ہے نہ اس سے زیادہ جامع کوئی دعا ہے نہ اس سے زیادہ کسی دوسرے کی تصنیف کی ہوئی دعا یا درود میں حسن ادب اور مقبولیت و حلاوت پیدا ہو سکتی ہے پھر اگر مرید عالم ہوتا تو تہجد و اوابین کی نوافل بتا کر علم دین کی تعلیم یا دوسری طرح اشتغال بالعلم کی تاکید فرماتے۔ کہ قلب اور دماغ کا بہترین شغل ہے اور یہی اس کے سلوک کا طریق بن کر صورت نشان حضور ہو جاتا تھا۔ ورنہ دوازدہ تسبیح ذکر بالجہر یا اس کے مناسب مزاج آپ کا نور فراست جو کچھ بھی تجویز کرتا وہ اس کو خوب سمجھا کر تلقین فرماتے تھے۔ ہاں اس تلقین میں کہ تربیت و اکتساب کہلاتا ہے پھر دوبارہ آپ طلب صادق کو جانچتے تھے کہ طلب کے بغیر مداومت و التزام نہیں ہو سکتا اور پھر بتایا بے سود اور بچوں کا کھیل بنا جاتا ہے مولوی محمد زکریا صاحب نے ایک مرتبہ کسی مخلص دوست کے متعلق حضرت سے عرض کیا کہ فلاں کو حضرت کے ساتھ محبت ہے مگر اس نے کچھ کرنا شروع نہیں کیا حضرت اس کو کچھ تلقین فرمائیں۔ بیساختہ فرمایا وہ پوچھے بھی یا یوں ہی بتلا دوں؟ عرض کیا حضرت سے اس کو تعلق ضرور ہے مگر یا شرم و حجاب مانع ہے یا بے توجہی اور جب تعلق ہے تو حضرت از خود ہی ارشاد فرمائیں تب آپ نے تیز لہجہ میں فرمایا میں تو نہیں بتاتا تم بتلا دو۔ عرض کیا حضرت تو بہ توبہ میں کیا بتا سکتا ہوں۔ ارشاد ہو تو اسے لکھ دوں کہ پوچھے۔ فرمایا اپنی طرف سے جو چاہو لکھو میری طرف سے نہیں۔ چند روز بعد مولانا عبدالقادر صاحب سے کہ حضرت مولانا رائپوری کے خلیفہ و جانشین ہیں اور حضرت کے ساتھ وہی محبت و عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں جو حضرت کے متوسلین کو حضرت کے ساتھ ہے اسی قسم کا تذکرہ آگیا تو فرمانے لگے کہ مولوی صاحب مجھے تو اسکی بڑی غیرت ہے کہ بلا طلب کے بتلاؤں۔ کسی کو دس دفعہ غرض ہو تو پوچھے ورنہ میری پاپوش سے۔ مگر ان باوا بیٹوں کا یہ اصول ہے کہ دوسرے ایسے تیسے کے سر ہو جاؤ۔ مولوی زکریا نے چونکہ حضرت کی پدرانہ شفقتوں میں پرورش پائی تھی اور تعلیق میں تو حضرت کے گویا قوت بازو اور ہاتھ کا قلم یا آنکھوں کی روشنی ہی تھے اس لئے حضرت ان کو بہت ہی پیار کی نظر سے دیکھتے تھے۔ عرض کیا کہ حضرت جب اس کو اپنے

Marfat.com

ساتھ تعلق ہو تو کیا مقتضاء تعلق یہ نہیں کہ اس کی خیر خواہی کی جائے؟ فرمایا میں منع تھوڑا ہی کرتا ہوں۔ بھئی اپنا اپنا اصول ہے۔ اس کے بعد مولانا کو خطاب فرما کر اپنے داماد کی بیعت کا قصہ سنایا کہ میں ایک دفعہ محمد یامین کو ساتھ لے کر گنگوہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ محمد یامین حضرت سے بیعت ہونا چاہتا ہے۔ حضرت نے کچھ اعراض فرما کر کہا خود بیعت کا کرا لائے ہو گے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت تب مجھے تو اس امر میں اتنی غیرت ہے کہ اشارۃً بھی کسی سے یہ کہنا گوارا نہیں کہ حضرت کی طرف توجہ کرو۔ میرا شیخ تو آفتاب ہے لاکھ دفعہ کسی کا جی چاہے حاضر آستانہ ہو ورنہ جہاں چاہے بھٹکتا پھرے۔ بہلانے پھسلانے سے مجھے تو بڑی عار آتی ہے۔ طالب اور تلقین کے تمام مراحل جب طے ہو جاتے اور سالک اپنا کام شروع کر دیتا تب تو آپ کی توجہ و شفقت کی کچھ انتہا نہ رہتی تھی۔ اب تک تو وہ طالب تھا اور آپ مطلوب مگر اکتساب میں لگ جانے کے بعد آپ طالب بنتے تھے اور سالک کو مطلوب سمجھتے تھے۔ توجہ کی یہ صورت کہ سالکین آنکھیں بند کر کے گردنیں جھکا کر شیخ کے گرد بیٹھیں اور شیخ اسی طرح بیٹھ کر اپنے خیال سے ان کے قلوب پر اثر ڈالے آپ کو پسند نہ تھا۔ مگر اصل توجہ کہ آپ سالک کا خیال دل میں رکھتے اور ہمت و عزم سے اس کی مدد فرماتے قریب و بعید دونوں حال یکساں تھا۔ ہاں خاص حالت میں اپنے پاس بلا لیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ چند روز میرے پاس رہو۔ اور اس کا نفع بس وہی سمجھتا ہے جس کو یہ مبارک وقت نصیب ہوا۔

مولانا عبد اللہ مرحوم کے قلب پر ابتداء سلوک میں ایک غیر اللہ کا تعلق مستولی ہو گیا کہ شرم کے مارے حضرت سے عرض نہ کر سکے اور وہ اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا کہ جنون کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ آپ نے مجبور کیا کہ تھانہ بھون چھوڑ کر سہارنپور تعلیم کریں۔ چنانچہ وہ آئے اور ان سے حضرت نے کچھ کام نہ لیا کہ کام کے قابل ہی نہ رہے تھے۔ خود تصرف و ہمت سے مدد فرمائی کہ قلب سے کائی سی چھٹتی چلی گئی اور ایک مہینہ نہیں گذرا تھا کہ گویا ان کو ہوش آ گیا اور قلب بالکل خالی ہو کر محبت الٰہیہ سے معمور ہونے لگا۔ بدنظری اور امرد یا اجنبی عورت سے محبت کا تعلق آپ کو بہت گراں گذرتا تھا اور سالک کو اس سے بچنے کی بہت ہی زیادہ تاکید فرماتے تھے کہ یہ جب قلب کو گھیر لیتا

Marfat.com

ہے تو پھر کسی کام کا نہیں چھوڑتا۔

مولوی کفایت اللہ صاحب سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے بیعت تھے اور گنگوہ میں پرورش پائی تھی۔ مولانا جس زمانہ میں مالٹا تھے ان پر اتنا ذکر و شغل میں ایک کیفیت پیدا ہوئی کہ خود کشی کی رغبت ہوتی تھی مگر کر نہ سکتے اور اس وجہ سے ایسے مضیق میں مبتلا تھے کہ مرجانا بہتر سمجھتے تھے انہوں نے حضرت کی خدمت میں خط لکھا اور مدد چاہی۔ حضرت نے حسب عادت انکسار کا جواب لکھا جس میں یہ فقرہ بھی تھا جیرانم کہ بچہ دہقاں را بچہ کار سپردند۔

صلاح کار کجا و من خراب کجا ؛ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مجھے ایسے کام کے لئے اہل کیوں سمجھ لیا وغیرہ وغیرہ۔ آخر یہ میرٹھ سے دیوبند گئے اور وہاں سے تھانہ بھون کا ٹکٹ لے کر سہارنپور پہنچے۔ اتفاق سے تھانہ بھون کی گاڑی نہ ملی اور مجبوراً مدرسہ مظاہر علوم میں آ گئے۔ بعد نماز ظہر حضرت سے ملے تو حضرت نے محبت کے ساتھ پاس بٹھا لیا اور جب حاضرین چلے گئے تو ان کی طرف خطاب فرمایا کہ تم نے کیا لکھا تھا مجھے تعجب ہوا کہ جانتے بوجھتے تم ایسی بات لکھو۔ بھلا میں اس کا اہل کہاں؟ مولوی کفایت اللہ صاحب نے جرأت سے کام لیا اور کہا کہ حضرت اگر کوئی کہے کہ آپ اہل نہیں تو یہ آپ پر نہیں بلکہ حضرت گنگوہی پر اعتراض ہے کہ انہوں نے آپ کو خلیفہ کیوں بنایا۔ آپ یقیناً اہل ہیں اور حضرت گنگوہی کے خلیفہ ہیں۔ چونکہ میں نے اسی دروازے پر پرورش پائی ہے جہاں سے آپ کو سب کچھ ملا ہے اس لئے میرا فرض تھا کہ اپنا دکھ درد عرض کر دوں۔ اس پر حضرت نے سکوت فرمایا اور پھر پوچھا کہ اب کیا حالت ہے؟ عرض کیا کچھ نہیں۔ بعد عشا بکمال شفقت حال سنا اور ذکر دوازدہ تسبیح میں کچھ ترمیم فرما کر ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی کے یہاں ایک شخص کو یہی حالت پیش آئی تھی تو حضرت نے بھی یہی بتایا تھا جو میں نے بتایا ہے۔ یہ کہیں کہ کسی طرح اس مصیبت سے نجات مل جائے کہ درس تدریس میں لگیں چھوڑ کر اس ذکر شغل کو جس میں جان سے عاجز ہو گیا اور حضرت اصرار فرمائیں کہ گھبراؤ مت ذکر شغل جاری رکھو اور کرتے رہو جو کر رہے ہو۔ یہاں تک کہ جب مکان تشریف لے جانے لگے تو فرمایا کتب خانہ کے

Marfat.com

سامنے والے کمرے میں پچھلی رات کو بیٹھ کر اتنے زور سے بارہ تسبیح کرنا کہ میرے گھر تک آواز جاوے۔ پھر صبح کو نماز فجر کے بعد ارشاد ہوا کہ یہاں حجرہ سے باہر مراقب ہو کے بیٹھ جاؤ۔ مولانا لکھتے ہیں کہ اس وقت کی کیفیت ذکر میں نہیں آسکتی کہ اندر بیٹھے کیا کر رہے تھے۔ مجھے اپنا قلب زخمی نظر آتا تھا کہ جیسے اس میں پیپ پڑ گئی ہے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ حضرت اپنے دست مبارک سے اس کو صاف فرما رہے ہیں۔ بعض دفعہ میں چونک پڑتا اور پھر مراقب ہو کر بیٹھ جاتا تھا۔ بعد اشراق حضرتؒ حجرہ سے باہر تشریف لائے اور درس کے لئے تشریف لے چلے تو مجھے ساتھ لیا اور بخاری شریف کا سبق ہونے لگا۔ سبق میں مجھے وہ کیفیت نظر آئی کہ پھر نصیب ہونا مشکل ہے میرا دل چاہتا تھا کہ حضرت تقریر کو طول دیں اور اس کے لئے حضرت کو چھیڑنے کی ضرورت تھی لہذا میں نے الٹے سیدھے سوالات شروع کر دیے۔ پھر کیا تھا گویا سمندر میں تلاطم آگیا۔ حضرت نے ایک سوال کے کئی کئی جوابات دینا شروع کئے اور بعض دفعہ یہ بھی فرمایا کہ اس جواب کو کتابوں میں مت تلاش کرنا کہ یہ جواب کتابی نہیں ہے۔ بعض دفعہ میں اشکال پیش کرتا تو اس کا جواب دے کر فرماتے دوسرا اشکال اور ہے جس سے شراح نے تعرض نہیں کیا اور اس کے بعد وہ اشکال اور پھر اس کا جواب خود ارشاد فرماتے غرض وہ حال جاتا رہا اور طبیعت میں سکون پیدا ہو گیا تو میں نے عرض کیا کہ میں نے ٹکٹ تھانہ بھون کا لیا تھا فرمایا اچھا جاؤ مگر واپسی میں کم از کم ایک دن یہاں کے واسطے رکھنا کہ ابھی خامی باقی ہے۔ چنانچہ واپسی میں بجائے ایک دن کے میں نے دو دن حضرتؒ کے پاس قیام کیا اور جو خامی مجھے محسوس نہ ہوتی تھی وہ محسوس ہونے لگی کہ جب نماز فجر کے بعد حضرتؒ کے حجرہ کے باہر مراقب ہو کر بیٹھتا تو معلوم ہوتا کہ قلب میں کوئی چیز بھری جا رہی ہے جس سے دل میں سکون و قوت اور راحت معلوم ہوتی۔ غرض اول حاضری میں زخم قلب کو آلائش سے پاک صاف فرمایا اور دوسری میں زخموں کو مندمل کیا اور آئندہ مرہم پٹی سے مستغنی و بے نیاز بنا دیا۔ اللہ جزائے خیر دے حضرتؒ کو کہ میری ایسی دستگیری فرمائی جس کا شکریہ تمام ادا نہیں ہو سکتا۔

حضرتؒ اپنی قوت قلبیہ کے تصرف کو بہت کم کام میں لاتے اور خاص ضرورت ہی کے وقت صرف فرمایا کرتے تھے۔ سہارنپور میں اہل اسلام اور آریہ کا مناظرہ ہوا جو موضع روپڑی سے منتقل ہو کر سہارنپور آیا تھا۔ حضرت شریک جلسہ تھے اور مسلمانوں کی طرف سے مقررین کی تقریروں کو قلمبند کرنے کے لئے مولوی کفایت اللہ اور مولوی احمد اللہ صاحب تجویز ہوئے تھے مگر مولوی احمد اللہ تھک گئے تو صرف مولوی کفایت اللہ صاحب نے اس خدمت کو انجام دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مجلس مناظرہ میں آریوں کی طرف ایک جوان خوبصورت گیروے کپڑے پہنے ہوئے سادھو تھا جو آرام کرسی پر لیٹا رہتا اور جب مسلمانوں کے مقرر تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تو وہ گردن جھکا کر بیٹھ جاتا تھا۔ مقررین اسلام کی تقریریں نہایت پراگندہ اور خراب ہو رہی تھیں حتیٰ کہ مولانا عبد الحق حقانی سے دور و تسلسل کی تقریر بھی نہ ہو سکی۔ تو میں نے صدر جلسہ مرزا عزیز بیگ کو ایک پرچہ پر لکھکر دیا کہ مسلمانوں کی طرف سے جب مناظر تقریر کرنے کو کھڑا ہوتا ہے تو یہ جوگی اثر ڈالتا ہے۔ لہٰذا مولانا خلیل احمد صاحب کو اس کی اطلاع دے دو۔ صدر جلسہ نے یہ پرچہ پڑھکر حضرتؒ کی طرف سرکا دیا اور حضرت نے پرچہ پڑھتے ہی گردن جھکا لی کہ دونوں حق و باطل میں تصرف قلب کی جنگ ہونے لگی۔ دو منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ وہ سادھو بیقرار ہو کر آرام کرسی سے اٹھا اور میدان جلسہ سے باہر چلا گیا۔ پھر کیا تھا مسلمانوں کی وہ تقریریں ہوئیں کہ گویا دریا کا بند کھل گیا اور حالانکہ اس مناظرہ میں بہت کچھ بے عنوانیاں ہوئی تھیں مگر نتیجہ یہ نکلا کہ گیارہ آدمی مشرف باسلام ہوئے۔ اسی دن دوپہر کو کھانا کھانے میں حضرت نے فرمایا اس کا تو مجھے یقین تھا اور ہے کہ اسلام غالب رہے گا۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ مگر حق تعالیٰ کی شان بے نیاز ہے اس کا خوف ہر وقت اور ہر لبشر کو ہے"۔

سالانہ جلسہ سے فارغ ہو کر باہر کے مہمان رخصت ہوئے پنجاب جانے والی گاڑی پہلے آئی اور اس طرف کے مہمان گاڑی میں سوار ہوئے۔ گاڑی میں ایک سادھو بیٹھا تھا جو ہردوار سے آرہا تھا۔ اسٹیشن پر ازدحام دیکھکر اس نے دریافت کیا۔ یہ بھیڑ

Marfat.com

کیسی ہے؟ حضرت کے خادم نے جو اس گاڑی میں سوار ہوئے تھے جواب دیا کہ میاں مہارنپور میں ایک بڑے بزرگ شیخ ہیں سب لوگ مختلف اطراف سے انکی زیارت کو آئے تھے اور اب اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو رہے ہیں۔ وہ حضرتؒ کے حالات پوچھنے لگا اور پھر خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ کہتے تھے کہ کچھ دیر کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ قلب پر ایک خیالی نوس اثر اور دباؤ پڑ رہا ہے جس کا ظاہری سبب کوئی معلوم نہیں ہوتا اور دل اندر سے گھبراتا اور اڑا ہوا جاتا تھا۔ حیران تھا کہ دن ہے رات نہیں مجمع ہے تنہائی نہیں۔ ریل گاڑیہ کھچا کھچ بھرا ہوا ہے .... جنگل یا بیابان نہیں ہے۔ پھر یہ وحشت و پریشانی کیوں ہے کہ طبیعت آپے سے نکلی جاتی ہے اور زبان گنگ اور سُن ہوئی جاتی ہے۔ اسی پریشانی میں تھا کہ دفعۃً حضرت کی تنبیہ نظر آئی اور اس کا عکس دل پر پڑنا شروع ہوا اور اشارہ ہوا کہ پڑھو حسبی اللہ ونعم الوکیل چنانچہ زبان گنگ تھی مگر دل نے اس کا ورد شروع کیا اور گھبراہٹ و اضطراب کے بادل چھٹنا شروع ہو گئے۔ چند منٹ میں وہ کیفیت جاتی رہی اور قلب کو سکون نصیب ہوا۔ کان میں آواز آئی سادھو کہتا ہے واقعی تمہارے گرو بڑے کامل اور بہت زوروالے ہیں۔ اس وقت میں سمجھا کہ یہ اثر ڈال رہا ہے اس لئے میں نے کہا بس تم میں اتنی ہی ہمت تھی ذرا کچھ کر کے دکھایا ہوتا۔ وہ کھسیانا ہو گیا اور منہ موڑ کر بیٹھ گیا کہ پھر بات تک نہیں کی۔ ہاں اپنی توجہ و خیال طالب سالک کی طرف بڑھانے کے لئے کہ گھڑی کو چلانے کی غرض سے ہلا دیتا ہے آپ سالک کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ جلد جلد خط بھیجتے اور حالات کی اطلاع دیتے رہو۔ بلکہ اگر کسی کے خط میں معمول ٹلتا تو خود ابتدا فرماتے اور شکوہ لکھتے کہ تم کو اس کا خیال نہیں ہوتا کہ مجھے انتظار رہتا ہے آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ حضرتؒ کو اپنے ہوئے نسخہ میں تبدیلی کی ضرورت پیش نہ آتی تھی یا پہلی ہی مرتبہ تشخیص کامل کے بعد وہ تعلیم فرما دیتے جو آخر تک چلتا اور حضور کی شان پیدا کر دیتا تھا ورنہ درمیان میں ایک دو مرتبہ خفیف سا اضافہ فرما دیتے اور آخر تک اس کا نباہ کراتے تھے۔ حضرت کے تعلق میں تجدد اور برکت بہت زیادہ تھی کسی کا کوئی مشغلہ ملازمت و صنعت بشرطیکہ خلاف

Marfat.com

شریعت نہ ہوا آپ نے کبھی نہیں چھڑایا، نوکری نہیں چھوڑنے دی، بیوی بچوں کے ساتھ محبت میں کمی نہیں آنے دی کھانا پینا کم نہیں کرایا، چلّہ کشی کبھی نہیں کرائی، جنگل یا دریا کے کنارے کبھی نہیں بھیجا دماغ میں خشکی کبھی نہیں آنے دی اور طاقت سے زیادہ بوجھ کبھی نہیں ڈالا بلکہ ہمیشہ ان صورتوں سے منع کیا یہاں تک کہ اپنے پاس رہنے پر بھی کبھی زور نہیں دیا ہمیشہ بہت ہلکا کام بتایا کہ تمامی تعلقات میاحبہ بحال رکھتے ہوئے بشاشت کے ساتھ انجام پا جائے۔ مگر اس کا ثمرہ اتنا کثیر دیکھا کہ برسہا برس مجاہدوں میں پڑنے والے بھی وہ بات نہ پا سکے آپ کے سلسلہ میں نہ وجد و حال کی دھوم دھام تھی نہ گریہ و بکا کا شور و غل نہ مکاشفات کا ورود تھا نہ واردات کا صدور۔ گویا سالک آنکھیں بند کئے ریل میں بیٹھا ہوا مقصود کی طرف جاتا اور خود اس کو بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ کہاں جا رہا ہوں اور کہاں پہنچ گیا۔ آپ کے تعلیمی اصول صرف دو تھے کہ امراض قلب میں ہر مرض کے مستقل علاج کی اس زمانہ میں فرصت نہیں رہی لہٰذا سہل طریقہ یہ ہے کہ سالک کے قلب پر ذکر اللہ کو غالب کر دیا جائے تاکہ محبت حق میں مغلوب ہو جائے اس سے تمام رذائل اور اخلاق ذمیمہ خود بخود جاتے رہیں گے کیونکہ محبت کا خاصہ ہے کہ جب دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے تو سب چیزوں کو مغلوب کر دیتی ہے ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

اس اصول کا خلاصہ یہ تھا کہ جنگل کی جھاڑیوں کو درانتی سے کاٹنا دشوار بھی ہے اور مہینوں کا دھندا ہے آسان تدبیر یہ ہے کہ چلتے ہوئے انجن سے ایک چنگاری آگ کی پھینک دو کہ سارے جھاڑ جھنکار بلکہ ان کی جڑوں میں رہنے والے سانپ بچھو بھی بھک سے اڑ جائیں گے مگر اس کے لئے ضرورت ہے دو باتوں کی ایک یہ کہ جھاڑیاں خشک ہوں تاکہ آگ قبول کریں۔ دوم چنگاری ڈالا انجن تیز رفتار ہو کر چھا پھینکتا چلا جائے اور اتنے یہاں کا میدان صاف ہو دوسرے جنگل پر جا کر آتش برسائے۔ پس اخلاق ذمیمہ کی تازہ شاخوں میں خشکی تو ذکر اللہ سے آتی تھی مگر آتش محبت آپ کے اس قلب پر پڑتی تھی جو محبت الٰہیہ کی انگیٹھی بنا ہوا تھا اور اس لئے طالب کو آپ کے قلب میں اپنا تعلق بٹھاتا اور آپ کا جوش محبت میں ہمت و عزم

Marfat.com

پر متوجہ ہونا ضروری تھا۔ اور جتنا اس میں وقت صرف ہوتا اسی قدر حصول مقصود میں توقف ہوتا تھا۔ دوسرا اصول یہ تھا کہ ذکر اللہ سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے جو ذاکر کو خود بخود معاصی سے متنفر اور طاعات کا شائق و راغب بنا دیتا ہے۔ کیونکہ معصیت سے اس نور میں کمی آتی ہے لہذا وہ اس سے گھبراتا اور کتراتا ہے اور طاعت سے اس میں ترقی ہوتی ہے لہذا وہ اس سے مانوس ہوتا اور اس کی طرف جھکتا ہے۔ گویا طاعت اسکی غذا بن جاتی ہے اور معصیت سم قاتل اور زہر ہلاہل۔ مگر اس ذکر میں جبتک لذت نہ آئے اس پر مواظبت نہیں ہو سکتی۔ اور لذت پیدا ہونے کی آسان صورت یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑا جائے اور عادات روزمرہ میں بھی آپ کے اتباع کا خیال رکھا جائے اور اوقات مختلفہ میں جو دعائیں آپ نے تعلیم فرمائی یا خود پڑھی ہیں ان کا دھیان اور ورد رکھا جائے۔ اور ہمہ وقت اس کا اہتمام رہے کہ میرا کوئی حرکت و سکون سنت کے خلاف نہ ہو۔ تو محبوب رب العالمین کے ساتھ قلب کا یہ تعلق ذکر اللہ میں حلاوت و برکت پیدا کرے گا اور اس طرح پر سالک الذاکرین اللہ کثیرا میں داخل ہو کر ہمہ وقت اللہ کی یاد میں رہے گا۔ کریم کے دروازے پر جا ہوا فقیر انشاءاللہ خالی ہاتھ واپس نہ آئے گا خصوصاً جبکہ مقبولین و محبوبین کی طرف منسوب اور ان کا نام لیوا بن کر یہ سمجھکر بیٹھا ہو کہ ملے یا نہ ملے مگر اس دروازے سے ٹلونگا نہیں کیونکہ یہاں سے اٹھا تو دروازہ ہی کونسا ہے جس پر جا کر پڑوں یا کچھ ملنے کی امید رکھوں۔"
مگر اس پر وار اور جماؤ کے لئے بھی کبوتران حرم سے وابستگی اور آستانہ حق پر جمنے والے شیخ سے چپٹا رہنے کی ضرورت ہے کہ اسی کا نام توحید مطلب اور حب شیخ و تعلق مع الشیخ ہے ؎

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد   دست برپائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

پانی سے بھرے ہوئے نل سے پانی حاصل کرنیکی صرف ایک صورت ہے کہ اپنا نل نیچا کر کے اس نل سے اتنا چپکا دیا جائے کہ سارا پانی نل ہی میں آوے۔ کہ بغیر بندش تام کے سارا پانی نل میں نہ آسکے گا ادھر ادھر نکل جائیگا اور نشیب اس لئے ضروری ہے کہ بلند بلکہ مساوی سطح پر بھی پانی کا ٹھہرنا اس کی طبیعت کے خلاف ہے۔ پس اس روحانی فیضان کے لئے آپ بیعت کرنا ضروری سمجھتے تھے کہ اس کے بغیر طالب ہرجائی بنا رہتا ہے اور

Marfat.com

اس کو وہ یکسوئی نہیں ہوتی جو ایک پاکدامن شریف عورت کی طرح اس کا یقین والے کہ
ہیں زبردست محتاج ہوں اور بجز شوہر کے دوسرے مرد کی طرف آنکھ اٹھانا بھی مجھے
حرام ہے۔ ہاں مطلق صحبت کا فیضان ہر وارد و صادر کو پہنچتا تھا کہ بارش برستی ہے تو
اس کی خنکی اپنے اور غیر ہر شخص ہی کو محسوس ہوتی ہے پس اگر کسی نے بدون بیعت کے آپ
سے تعلیم و تلقین ذکر کی درخواست کی تو آپ نے بیساختہ جواب دیا کہ یہ طریقہ مولانا اشرف
علی صاحب کا ہے تم تھانہ بھون چلے جاؤ۔ اسی اصول پر آپ نے حضرت گنگوہی کے منتسبین
کو بھی اکثر تجدید بیعت کے بعد ہی ذکر و شغل تلقین فرمایا۔ البتہ ان کی طرف توجہ سے زیادہ
کام لیا کہ ان کو اپنا چھوٹا بھائی سمجھتے تھے۔

طالب اگر شجرہ مانگتا تو آپ اکثر دے دیا کرتے مگر فرمایا کرتے کہ وظیفہ نہ بنانا کبھی
کبھی دعا میں توسل اہل اللہ یا حصول برکت کے لئے پڑھ لینا۔ مستورات کو آپ اکثر ذکر و
شغل تعلیم نہ فرماتے بلکہ نماز پنجگانہ کے اہتمام اور اتباع شریعت کی تاکید فرما کر ایک پارہ کی
تلاوت ایک منزل حزب الاعظم اور نماز کے بعد تسبیح فاطمہ اور کلمہ تمجید و لاحول درود شریف
و استغفار کی تسبیحات تعلیم فرماتے اور فرمایا کرتے کہ شوہر کی اطاعت بچوں کی تربیت خانہ
داری کا انتظام خود طاعت ہے اللہ کا حکم سمجھ کر رسول کے طریقہ کے موافق اس کو انجام دو
کہ یہی بہت کچھ ہے۔ پھر کوئی اضافہ چاہتا اور اس کو فرصت و فراغت دیکھتے تو تہجد و
اوابین اور اشراق کے نوافل بتاتے اور اس پر بھی کوئی اضافہ چاہتا اور اس کی طبیعت میں
مناسبت اور امور خانہ داری سے بہت مہلت متحقق فرماتے تو ذکر دوازدہ تسبیح اور پاس
انفاس تعلیم فرمادیا کرتے تھے۔ محض اتنی تعلیم پر ان کے قلوب میں شریعت کی عظمت اور
شارع علیہ السلام کی محبت حق تعالیٰ کی مرضیات سے رغبت اور معاصی سے نفرت پیدا
ہو جاتی تھی کہ اصل ایمان ہے۔ مستورات میں صوفی کریم حسین صاحب کی لڑکی کو البتہ حضرت
نے تفصیلی طریق پر سلوک طے کرایا اور اس پر حالات و واردات بھی بہت زیادہ طاری ہوئے
جن کی نگہداشت میں حضرتؒ نے خاص اہتمام فرمایا۔ چونکہ واردات سالک ذکر میں لانے کی
چیز نہیں اس لئے بیان کرنا فضول ہے اور ان کو چھوڑتا ہوں۔

اثناء سلوک میں آپ کی عام تعلیم و نگہداشت مقصود پر نظر قاصر رکھنے کے متعلق ہوتی

تھی - کہ سالک اِدھر اُدھر نہ بھٹکے - چند امور جن کو نصائح سلوک کہنا چاہیئے اپنی یادداشت اور حافظ فخرالدین صاحب کے خطوط سے ملخص کر کے درج کرتا ہوں - چونکہ شب کے وقت خلوت اور سکون حاصل ہوتا ہے اس لیئے ذکر و شغل کے لیئے رات کا وقت بہتر ہے - اگر کسی کو رات کا وقت نہ ملے یا کبھی رات کو کسی ضروری کام یا سو جانے کی وجہ سے وظیفہ رہ جائے تو دن میں پورا کر لے کہ عبادت کے لیئے رات دن سب برابر ہیں جعل اللہ لکم اللیل والنہار خلفۃ لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا - تلاوت کلام اللہ چلتے پھرتے لیٹے بیٹھے ہر حال میں درست ہے - مگر کلام مجید کو بغیر وضو نہ چھوئے اور حالت ناپاکی میں زبان سے بھی نہ پڑھے - لیٹے ہوئے پڑھنے میں بہتر ہے کہ گھٹنے سکیڑ لے - برہنگی کی حالت میں نہ پڑھے - ہاں درود شریف وغیرہ ناپاکی کی حالت میں بھی پڑھنا درست ہے - سالک کو حلال لقمہ اپنے پیٹ میں پہنچانا چاہیئے تاکہ نورانیت پیدا ہو - اور حرام بلکہ مشتبہ سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے کہ ظلمت پیدا ہوتی ہے - ہدیہ و تحفہ صرف ان لوگوں کا قبول کرنا چاہیئے جو محبت یا دینی تعلق غرض جائز وجہ سے پیش کرتے ہوں اور ایسے لوگوں سے نہ لینا چاہیئے جو منصب اور عہدہ ملازمت کی وجہ سے یا ناجائز ضرورت پورا کرنے کو دیں جنکی آمدنی کا بیشتر حصہ حرام یا مشتبہ ہو اُن کی دعوت وغیرہ بھی قبول نہ کرے - مگر بلا وجہ مسلمانوں کے حالات میں تجسس بھی نہ چاہیئے - تنگی کی حالت پیدا ہوا ہو تو امیدوار رحمت بن کر توبہ و استغفار اور خشوع و خضوع کے ساتھ گریہ و زاری میں مشغول ہو اور اپنے مولا کریم سے توفیق طلب کرے اور ناامید نہ ہو - بحالت بسط ہر وقت شکر نعمت ادا کرتا رہے کہ ازدیاد نعمت شکر نعمت کے ساتھ وابستہ ہے لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید - مراقبہ کی حقیقت نگہداشت ہے کہ حضور کے ساتھ قلب کو خطرات ماسوای اللہ سے خالی و محفوظ رکھنا یہ جو شخص آنکھیں بند کر کے اور گردن جھکا کر کیا جاتا ہے اور عرف میں اسی کو مراقبہ سمجھا جاتا ہے صرف مبتدیوں کو عادت ڈالنے کے لیئے ہے کہ یکسوئی سے مناسبت ہو جائے - اور پھر رفتہ رفتہ جب طبیعت معتاد ہو جاتی ہے تو وہ کیفیت مراقبہ قائم ہو کر ہمہ وقت جاری رہتی ہے اور کسی وقت منقطع نہیں ہوتی - مراقبہ میں حق تعالیٰ کی صفت کا استحضار اس لیئے

Marfat.com

کرتے ہیں کہ اس صفت کے لحاظ سے اسکی عظمت اور اس کے ساتھ محبت قلب میں راسخ ہو جاتی ہے۔ ورنہ آخر میں ایک بے کیف حضور رہ جاتا ہے جسکو نسبت سلسلہ کہتے ہیں۔ سالک[۹] کو پاکی اور طہارت کا بہت خیال رکھنا چاہیئے۔ بلکہ ہمیشہ باوضو رہنا چاہیئے کہ سوتا بھی باوضو ہو۔ غیر[۱۰] جنس سے اختلاط ہرگز نہ رکھنا چاہیئے بجز اس کے کہ اس کی اصلاح کی نیت سے ہو بشرطیکہ اس کی حالت رو باصلاح محسوس ہو۔ اور اس اختلاط میں اپنا کوئی قول یا فعل خلاف شرع سرزد نہ ہو۔ ورنہ علیحدگی اختیار کرلے اور ایسے مضر اختلاط سے سخت پرہیز کرے۔ جو عبادت[۱۱] تھوڑی ہو مگر خلوص اور مداومت کے ساتھ ہو وہ اس کثیر عبادت سے جو خلوص یا مداومت کے ساتھ نہ ہو بدرجہا بہتر ہے کہ عبادت و ریاضت کی تمامی برکات وابستہ ہیں خلوص اور مداومت کے ساتھ تصور[۱۲] شیخ کی مطلق ضرورت نہیں اور اس میں تکلف اور آورد مضر ہے۔ جب مرید کو شیخ کے واسطہ سے استفادہ ہوگا تو خود اس کی محبت سالک کے قلب میں پیدا ہو جائے گی۔ اور جب محبت ہوگی تو شیخ کا تصور و خیال خود آئے گا اصل شئے جس کا نفع ہے وہ محبت ہے اور تصور اس کا فرع غیر اختیاری۔ ورنہ محض تصور بجائے مفید ہونے کے بسا اوقات مضر ہوتا ہے۔ تہجد[۱۳] کی نفلوں کا اہتمام بہت زیادہ کرنا چاہیئے کہ شعار صالحین ہے اور روحانیت کے لئے بیحد مفید۔ اگر شب میں فوت ہو جائیں تو بعد طلوع آفتاب بارہ رکعت ادا کرلے۔ اور تہجد کے وقت اٹھنے کا اطمینان ہو تو وتر بعد نوافل تہجد ادا کرے ورنہ بعد عشاء۔ مگر رمضان میں بعد تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنے چاہئیں۔ اور دنوں میں ان کو جماعت سے ادا نہ کرے،

سالک[۱۴] کو اپنے دل اور دماغ کی صحت کا زیادہ خیال کرنا چاہیئے کہ ان کو تقویت پہنچانا بہ نیت تقویت فی العبادت خود عبادت ہے۔ اور اس کی طرف توجہ نہ کرنے سے پھر انسان نہ دنیا کے کام کا رہتا ہے نہ دین کے کام کا۔ طریقت[۱۵] سے مقصود یہ ہے کہ دنیا و مافیہا کی طرف سے بے رغبتی ہو اور اللہ و رسول کی محبت دل میں جاگزیں ہو۔ بس اس سے ادھر یا ادھر نظر نہ ہٹانا چاہیئے۔ کیفیات[۱۶] و حالات پر سالک کو پیش آتے ہیں مگر جس قدر زیادہ صحابہ کرام کے حالات سے مطابقت ہوگی اتنے ہی

Marfat.com

با موں ہوں گے۔ اور جتنی دُوری ہو گی اسی قدر پُرخطر اور سلامتی سے دور ہوں گے۔ کشف القبور اور کشوف کو قیمۂ گرفتہ قابل التفات نہیں کہ سب اطفال سلوک کے کھیل ہیں۔ اکثر پُرخطر اور قاطع راہ مقصود ہو جاتے ہیں۔ علم کی فضیلت اسی لئے ہے کہ مورثِ عمل ہے۔ اور عمل اس لئے مطلوب ہے کہ وہ مورثِ حال ہے اگر نصیب نہ ہوا تو نہ عمل مفید کہ منافقین بھی کرتے بلکہ مسلمانوں سے زیادہ کرتے تھے اور نہ علم مفید کہ آخر شیطان کو بہت کچھ نصیب تھا اور حدیث میں ہے کہ عالم بے عمل دوزخ میں جائے گا۔ کہ اس کی آنتیں چکّی کی طرح اس کے گرد گھومیں گی۔ سالک کے لئے دو چیزیں سخت مُضر ہیں۔ بدعت سے تعلق اور نعمت الٰہیہ کا کفران پس جبھی ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ نصیب ہو تو منعم کا انعام سمجھکر جُھک جائے اور ہزار ہزار شکر ادا کرے کہ بشر سا ناپاک اپنے خالق برتر کی پاک درگاہ میں نام لینے کے قابل بنا۔ اور وہاں اس کا تذکرہ ہوا کہ فاذکرونی اذکرکم اللہ والوں سے لپٹا رہے اور ان کی محبت دل میں ہو تو انشاء اللہ خاتمہ کبھی خراب نہ ہوگا۔ اور دل میں اگر اللہ والوں سے بغض ہوا تو خاتمہ خراب ہونے کا بہت اندیشہ ہے اس لئے کچھ بھی نہ کرے تو محض دخول سلسلہ بھی نفع سے خالی نہیں۔ علوم دینیہ کی تدریس اور خدمت تعلیم بھی طرق وصول الی اللہ سے ہے کہ طرق وصول ایک اسی میں منحصر نہیں۔ مگر اہل اللہ کے قواعد کا پابند ہونیکی حاجت ضرور ہے کہ بغیر روحانی تعلق کے محبت کا حصول دشوار ہے اور برکت بھی دخول سلسلہ ہی میں ہے۔ انسان کی حالت ہر وقت یکساں نہیں رہتی۔ کبھی بحالت ذکر قلب میں سرور و انبساط ہوتا ہے۔ کبھی گرمی محسوس ہوتی ہے کبھی مزہ آتا اور دل لگتا ہے اور کبھی کچھ بھی نہیں ہوتا بلکہ طبیعت اُچاٹ ہوتی ہے۔ مگر یہ سب کچھ نہیں اصل خیر و برکت ذکر کی مداومت میں ہے۔ یہ کسی حال نہ چھوٹنا چاہیئے۔ اور غلامی کا امتحان بھی اسی میں ہے کہ بندہ خدا بنے بندۂ لذت نہ بنے۔ سب کچھ کرے مگر اپنے کو متقی و کامل گذارا کبھی نہ سمجھے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فلا تزکوا انفسکم۔ اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے برّہ نام بھی پسند نہیں فرمایا۔ جب کوئی اپنا بڑا اور بزرگ ناخوش ہو تو اس سے عاجزی اور خوشامد کرے

اور اس کا دل اپنے ہاتھ میں لے لے۔ چھوٹے اور بڑے میں یہی فرق ہے جو شخص
اس کے خلاف عمل درآمد کرے گا دینی یا دنیوی نقصان اٹھائے گا۔ شانِ حضور اور
اور اتباع سنّت میں جتنی ترقی ہوگی اسی قدر قرب الٰہی بڑھے گا اور برکت ہوگی۔

مولانا صادق الیقین کے بھانجے مولوی محمود العاقی اپنے نانا شاہ سراج الیقین
صاحب قدس سرہ سے بیعت تھے۔ ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ کو حضرت کی خدمت میں
سہارنپور حاضر ہوکر تجدید کی درخواست کی۔ حضرت نے استخارہ کا حکم فرمایا اور بعد
استخارہ ان کے قلب پر وارد ہوا فاستجاب لهم ربهم انی لا اضیع عمل عامل
منکم چنانچہ انہوں نے پختگی ظاہر کی اور بعد مغرب حضرت نے بیعت فرماکر یہ مختصر
جامع مضمون ارشاد فرمایا "ہر چیز کی تحصیل سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مقصود
کیا ہے اور غیر مقصود کیا ہے تاکہ غلطی سے محفوظ رہے اور مقصود بخوبی ذہن نشین
اور متمیز ہوجائے۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد
مبارک میں ببرکت صحبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ ان ہی طاعات و
عبادات مشروعہ صوم و صلوٰۃ وجہاد وغیرہ کے حصول نسبت کا ہوجاتا تھا۔ اور ایک
نظر اشرف انور میں کل مقامات طے ہوجاتے تھے۔ بعد اس کے جب اکابر امت مرحومہ
نے دیکھا کہ اس قوت قدسیہ کے مستور ہوجانے کے سبب اب یہ امور وصول الی اللہ کے
لئے کافی نہیں ہوتے تو انہوں نے خاص خاص طرق ذکر کے نکالے تاکہ کثرت ذکر سے
حق تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق پیدا ہوجائے۔ خواہ اس کو علاقہ محبت کا کہو یا بندگی اور
نیازمندی کا۔ تو مقصود اذکار و اشغال سے یہ ٹھہرا کہ اسم کی کثرت اور تکرار سے مسمیٰ
یعنی حق تعالیٰ کا حضور ہوجائے۔ اسی کو حدیث شریف میں احسان سے تعبیر فرمایا ہے
اور ان تعبد ربک کانک تراہ اسی کا حاصل اور مدلول ہے۔ باقی رہیں کیفیات اور
حالات یہ امور زائدہ ہیں مطلوب اور مقصود لذاتہ نہیں۔ کسی کو ہوتی ہیں اور کسی کو نہیں
ہوتیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا ہے الکیفیات تربی بہا اطفال الطریقة طریق
باطن کے بچے ان سے پرورش کئے جاتے ہیں۔ پس طالب کو لازم ہے کہ مقصود کی طرف
ملتفت اور متوجہ رہے اور غیر مقصود کے درپے نہ ہو۔

Marfat.com

حوادث پر صبر اور وقائع میں تقدیر پر نظر رکھنے کی تعلیم حضرت کے ہاں خاص اہتمام سے ہوتی تھی۔ حافظ فخر الدین صاحب کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو حضرتؒ نے تعزیت نامہ میں یہ الفاظ تحریر فرمائے "یہ ظاہر ہے کہ یہ دُنیا گذشتنی اور گذاشتنی ہے۔ ہر ایک جز اس کا ناپائدار ہے۔ اگرچہ مفارقت اعزہ بظاہر شاق ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو سب کے سب اپنے حقیقی دار کی طرف پس و پیش رجوع کر رہے ہیں اور ایک پائدار راحت کی طرف سفر ہو رہا ہے۔ اگر سچ پوچھو تو یہ نہایت لذیذ امر ہے۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حبیب کی سچی متابعت کی توفیق عطا فرمائے جس کے ساتھ اُخروی راحت و آرام وابستہ ہیں" جنگ عظمیٰ کے زمانہ میں جبکہ خانقاہوں بتوں اور پہاڑی غاروں سے عجیب عجیب پیشینگوئیوں کی صدائیں آرہی تھیں۔ ایک خادم نے دریافت کیا کہ اب تو فقرا و درویش بھی تبدیل سلطنت کا حکم لگانے لگے جس کی بنا پر ملازمین اپنا جمع شدہ روپیہ لینے کے لئے مستعفی ہو رہے ہیں لہذا اس کے متعلق حضرت کا کیا مشورہ ہے؟ تو آپ نے تحریر فرمایا بھائی کسکو خبر ہے کہ کل کو کیا ہونے والا ہے تمہارا تو فنڈ میں ہزار دو ہزار ہی روپیہ ہوگا لوگوں کا تو کاروبار میں لاکھوں روپیہ لگا ہوا ہے۔ اگر ایسی موہوم باتوں پر وہ خیال کریں تو سب کاروبار بند ہو جائیں۔ پس تم سکون کے ساتھ اپنا کام کئے جاؤ۔ جو مشیت الٰہیہ ہوگی وہ خود ظاہر ہو جائے گی۔ ان باتوں پر التفات نہ کرو"

حضرت اپنے متوسلین کی تربیت محض قلم اور زبان ہی سے نہیں فرماتے تھے بلکہ مال اور جان سے بھی فرماتے تھے کہ کسی کو ناداری سے پریشان پاتے تو قرض یا ہدیۃً جس پر جتنی قدرت پاتے خود مدد فرماتے۔ کوئی سفارش چاہتا تو تحریراً و تقریراً سفارش فرماتے اور اسکی ہر ضرورت میں جتنا ہاتھ بٹا سکتے اس میں دریغ نہ فرمایا کرتے تھے۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب سلمہٗ خسرو دکن کے علاقہ صرف خاص تعلقہ سلوڑ کے صدر مقام قصبہ انوا کے باشندہ تھے اور ان کے باپ ہری رام نے کہ مرہٹہ متعصب ہندو خاندان کا تھا ان کا نام بلی رام رکھا تھا۔ اللہ

لہ والد حافظ فخر الدین صاحب مد

کی شان کہ ان کے قلب میں نورِ اسلام چمکا اور چودہ برس کی عمر تھی کہ باپ نے سرکاری مدرسہ میں بغرض تعلیم روانہ کیا تو اسکو بہانہ بنا کر گھر سے تن تنہا چل دئے۔ اس خوف وہراس میں کہ کوئی عزیز قریب یا خیر خواہ مو کر نہ پکڑ لے منزل بمنزل چل کر ریلوے اسٹیشن پر آئے اور راستہ میں طرح طرح کی تکلیف اٹھا کر بمبئی پہنچے۔ یہاں علانیہ مشرف باسلام ہوئے اور اسلامی نام عبدالرحمن رکھا گیا۔ جو نور ان کے قلب میں چمکا تھا اس نے حضرت اسلام پر قانع نہیں رکھا بلکہ ان کو گدگدایا کہ علم دین حاصل کریں۔ بمبئی میں چونکہ اہلِ وطن کے تجارتی تعلقات تھے اس لئے وہاں سے گھبرا کر دہلی آئے اور چھ مہینے میں قرآن شریف ختم کر کے ابتدائی تعلیم دینی شروع کر دی دہلی میں دل نہ لگا اور اس لئے مدرسہ مظاہر علوم میں آ گئے۔ یہاں پہنچکر تو گویا ماں کی آغوش میں پہنچگئے کہ حضرت نے سینہ سے لگا کر باپ اور ماں دونوں کو بھلا دیا۔ درسیات فارغ ہو کر سند لے چکے تو حضرت نے مدرسہ کا مدرس بنا دیا اور اپنے پاس سے جدا نہ ہونے دیا۔ پھر نکاح کا فکر کیا اور رشتہ تجویز فرما کر پیام لے گئے حتیٰ کہ مہر کی تقلیل پر خود زور دیا اور خود نکاح پڑھا کر روحانی بیٹے کو متاہل بنا بٹھایا۔

الحاصل چونکہ آپ مدنی مٹی سے پیدا ہوئے تھے اور تقدیر میں ہجرت و وفات لکھی گئی تھی اس لئے آپ نے ۱۶ شوال سے ۱۵ ربیع الثانی تک ڈیڑھ سال کی رخصت مدرسہ سے لے کر دارِ محبوب کا دفعتہً عزم کر دیا۔ اور اوائل شوال میں آپ نے اپنے عزیزوں دوستوں اور خدام سے رخصتی ملاقات کے لئے انبہٹہ گنگوہ دیوبند کاندھلہ اور میرٹھ کا سفر کیا کہ ایک ایک کے مکان پر گئے اور یہ الفاظ فرمائے کہ میرا ہر گناہ معاف کرنا میں غریب جا رہا ہوں۔ کسی نے اگر جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا سفر مبارک کرے اور بخیریت واپس لائے تو فرمایا بھائی جب میرا شباب تھا تو جب کبھی حاضر آستانہ ہوا ہوں یہی تمنا ساتھ لے کر گیا ہوں کہ وہاں کی پاک زمین مجھے نصیب ہو جائے۔ اب جبکہ تمام میرے ساتھ کے کھیلے ہوئے میرے ساتھ کے [illegible] میرے ہمعصر عزیز دوست ایک ایک کر کے ملک بقا کو راہی ہو چکے

Marfat.com

میں کب تک زندہ رہوں گا۔ اب اس توقع پر جا رہا ہوں کہ شاید اب میرا وقت آگیا ہو اور مدینہ طیبہ کی خاک پاک مجھے نصیب ہو جائے اور جوار نبوی میں مجھ کو بھی جگہ مل جائے۔ دعا کرو حق تعالیٰ ایمان کے ساتھ اٹھنا نصیب فرمائے اور مراد پوری کرے" شیخ رشید احمد صاحب میرٹھی سے فرمایا کہ میاں اپنے بچوں کا نکاح کر دیتے تو ہم بھی شریک ہو جاتے۔ چنانچہ انہوں نے سلسلہ جنبانی کی اور خدا کی شان کہ چند ہی دنوں میں دونوں لڑکوں کا رشتہ پختہ ہو کر جلد سے جلد تاریخ بھی مقرر ہو گئی دو نہ برسوں ہیرا پھیری کرنا قومی رواج تھا۔ حضرت کے فرمانے کی برکت تھی کہ خود بخود سامان مہیا ہو گئے اور حضرت خوشی خوشی اس میں شرکت کے لئے میرٹھ تشریف لائے۔ یہاں بھی ایک ایک خادم کے مکان پر مستقل تشریف لے گئے اور آخری سلام فرما کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہوئے۔

حافظ فخر الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کے اس مبارک ارادۂ ہجرت سے خدام پریشان ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں؟ فرمایا پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ عادۃ اللہ اسی طرح جاری ہے اور سلسلہ اسی طرح چلتا رہا ہے کہ جب کوئی شیخ وصال کرتا ہے تو اس کے خلف کام کرتے ہیں اور ان سے مخلوق ہدایت و فیضان حاصل کیا کرتی ہے۔ پس میرے لوگوں کو چاہئے کہ میرے خلفاء میں سے کسی طرف چاہیں رجوع کریں اور اپنا کام کرتے رہیں۔ میں اگر ہندوستان ہی میں رہتا تو آخر کب تک زندہ رہتا۔ کوئی چیز باہر سے ہدیہ آئی اور حضرت نے حسب عادت گھر سے منگا کر مخلصین کے سامنے رکھی کہ کھائیں۔ مولوی زکریا بولے حضرت کے طفیل میں کیا کیا کچھ کھایا اور کھاتے ہیں۔ یہ سنکر فرمایا اب طفیل میں کھاتے ہو چند روز بعد انشاء اللہ مستقل کھاؤ گے کہ لوگ خود پیش کریں گے" کاندھلہ سے دہلی جاتے ہوئے ریل میں تنہائی پا کر میں نے عرض کیا کہ حضرت مبارک جگہ تشریف لے جا رہے ہیں اس کی تو مسرت ہے مگر اپنی بیکسی کا قلق ہے کہ مولانا گنگوہی حیات تھے تو حضرت کی مفارقت کا صدمہ وہاں حاضر ہو کر کم ہو جاتا

اور جب طبیعت گھبراتی تو رائپور جاکر سکون مل جاتا تھا۔ اب جدھر نظر اٹھاتا ہوں کوئی اپنا نظر نہیں آتا۔ اتنا کہکر میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے اور ہچکی بندھ گئی۔ حضرت بھی چشم نم ہوئے اور ذرا سکوت کے بعد فرمایا اللہ خلیفتی علیک انشاء اللہ کہیں جانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور کوئی مشورہ کی ضرورت پیش آئے تو اپنے بھائیوں سے لیجو اور ان سے ملتے رہیو۔ غرض جلد جلد وہ آخری منظر ختم ہوگیا اور اوائل شوال میں حاضر ہوا تو شفقت کے ساتھ فرمایا لو بھئی اب ہماری تاریخ روانگی مقرر کر دو کہ کس تاریخ کو یہاں سے چلیں۔ بندہ ہی نے ۱۶ شوال مقرر کی کہ پنجشنبہ کا دن تھا مگر کیا خبر تھی کہ یہ تقرر آخری زیارت کا ہے جو اپنی زبان سے تجویز کر رہا ہوں۔ حضرت میرٹھ ہی میں تھے کہ حیدرآباد سے بلاوا آگیا اور مدرسہ کو نفع پہنچنے کی توقع تھی۔ ہرچند کہ لمبا سفر تھا مدت دراز بلکہ عمر بھر کے لئے قیام کی نیت سے سفر تھا سارا اسباب بندھوانا ...اور یہاں کے تمامی معاملات طے کرنا تھے ضعیفہ اہلیہ اور ان کے بیمار بھائی کو ساتھ لے جانا تھا اور پھر درجن کے قریب رفقاء کی معیت تھی۔ اور ہر نزدیک و دور سب کو اطلاع ہو چکی تھی کہ ۱۶ شوال کو روانگی ہے اور اس لئے کوئٹہ اور کشمیر تک سے خدام رخصتی زیارت کے لئے آنے والے تھے۔ سب کچھ تھا مگر خداداد عزم بے نظیر ہمت مدرسہ اور کار تعلیم پر جاں نثاری اور صدقات جاریات علمیہ کا شغف اور انہماک اتنا زبردست تھا کہ دنیا میں نظیر نہیں ملتی اس لئے یہیں سے ارادہ کر دیا کہ میں ۹ شوال کو حیدرآباد چلا جاؤں گا اور گھر والے حسب تجویز ۱۶ کو رفقاء کے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوں میں وہیں سے بمبئی میں آملوں گا۔ چنانچہ آپ کر گذرے جو عزم کیا تھا اور حیدرآباد روانہ ہوگئے۔ بندہ قافلہ کے ساتھ بمبئی تک گیا اور حضرت کا حیدرآباد لائن پر استقبال کرکے کہ مولانا رحیم بخش صاحب عاشقانہ طرز سے ہمراہ تھے قیام گاہ پر آیا۔ آخر چوتھے دن حضرت نے تاکیداً فرمایا کہ وطن

Marfat.com

واپس جاؤ اور اب ٹھہرنا فضول ہے۔ وہ سماں عمر بھر نہ بھولوں گا جب رخصت ہو کر عشا کے بعد چلا اور حضرت گاڑی میں سوار کرانے کے لئے سڑک تک آئے۔ میں چند عرض کیا کہ اندھیرا ہے راستہ خراب ہے وقت ناوقت ہے حضرت تکلیف نہ فرمائیں۔ یہیں سے رخصت کر دیں مگر پدرانہ شفقت نے نہ مانا اور جب گاڑی پر سوار ہونے لگا تو حضرت نے چھاتی سے لگا لیا کہ میں رو رہا تھا اور حضرت کا قلب غیر معتدل حرکت کر رہا تھا۔ آخر ہوا جو ہونا مقدر تھا کہ حضرت مجھے دیکھتے رہے اور میں حضرت کو تکتا رہا یہاں تک کہ راستہ کے موڑ نے دو باپ بیٹوں کو ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد   روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

میرے لئے تو یہی آخری معانقہ تھا مگر آپ اپنے دو سو رفقاء کی برات کے دولھا بنتے ہوئے بیس دن بمبئی میں ٹھہرے کہ سب آپ ہی کی معیت کے شوق میں گھر در سے نکلے تھے اور موجودہ جہاز یک مشت اتنے ٹکٹ نہیں دے سکتا تھا۔ آخر ۲ ذیقعدہ کو زیانی جہاز میں آپ سوار ہوئے جس کے متعلق مشہور تھا کہ سب میں بُرا اور نہایت بوسیدہ و شکستہ جہاز ہے۔ خدا کی شان کہ اس کی رفتار اچھے جہازوں سے بھی بڑھ گئی اور ۱۷ ذیقعدہ کو آپ کامران میں بغرض قرنطینہ اُتر گئے۔ ۲۰ کو وہاں سے چل کر ۲۱ کو جدہ اور وہاں سے اونٹ کی سواری پر ۲۵ کو مکہ معظمہ پہنچ گئے مناسک حج سے فارغ ہو کر دار محبوب کا قصد فرمایا اور ۱۲ محرم ۱۳۰۵ھ کو حرم نبوی کی خاک پاک کا سرمۂ چشم بنانا آپ کو نصیب ہوا کہ آپ کی عمر کا سوا برس باقی رہ گیا تھا۔ خوشی کی گھڑیاں گذرتی محسوس نہیں ہوا کرتیں۔ یہ زمانہ آپ کے لئے ایسی فرحت و سرور کا تھا کہ آپ کی تہتر سال ڈیڑھ ماہ کی عمر میں کوئی وقت بھی اس کی نظیر نہیں کہا جا سکتا۔ محبوب کا وطن محبوب کا قرب وصال کی راتیں وصال کے دن جو کچھ بھی لذت ہو وہ تھوڑی ہے

Marfat.com

پھر مشغلہ کلام محبوب کی شرح کا کہ اسی میں ہر آن دماغ مشغول اور اسی میں
زبان اور خیال منہمک، بچپن سے جس تمنا و شوق کی آگ احشاء میں جل رہی
تھی اس پر ٹھنڈے پانی کی پھواریں تھیں اور جس توقع و اُمید میں زندگی کے
پل اور لمحے گذارے تھے خدا خدا کر کے اس کے بر آنے کی صورت نظر آئی
خدام دردِ فرقت میں بیتاب مگر آپ وہاں سے مجھے تحریر فرماتے ہیں کہ میں لہ
ابتداء سفر سے اس وقت تک بحمد اللہ نہایت راحت و آرام سے ہوں
اور حق تعالیٰ شانہٗ کے اس بے انتہا انعام پر کہ مجھ جیسے ناکارہ کو یہاں پہنچا
دیا نہایت شاداں و فرحاں ہوں ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل　　نسیم صبح تیری مہربانی!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحابہ و بارک وسلم۔

۱۷ صفر ۱۳۴۶ھ کو آپ کے رفقاء واپس ہند ہوئے اور مولوی محمد زکریا
صاحب، اور مولوی محمد جلیل صاحب کاندھلوی کے سوا سب کو آپ نے رخصت
کر دیا۔ اب ہمہ تن تالیف بذل المجہود میں اشتغال ہو گیا اور وسط شعبان میں
آپ اس کو ختم فرما کر بالکل فارغ ہو لئے۔ بذل کا ختم ہونا تھا کہ ادھر لقاء رب
کا شوق بڑھنے لگا اور ادھر کشش اپنا کام انجام دینے لگی ؎

اگر از جانبِ معشوق نباشد کششے　　طالبِ عاشق بیچارہ بجائے نرسد

تعلقات سے یکسوئی ہونے لگی خلوت و تنہائی سے انس بڑھ گیا تلاوت کلام اللہ
کی رغبت اتنی ہوئی کہ دیکھنے والے ترس کھاتے اور عرض کرتے کہ اس ضعیفی
میں تعلیق ابوداؤد کی ناقابل برداشت محنت سے دماغ تھک لیا ہے اب
اس پر رحم فرمائیے۔ مگر آپ جواب دیتے کہ دماغ سے کام ہی لینا کیا باقی ہے

لہ صبح کو کھانے سے قبل تین چار پارے خود تلاوت فرماتے اور بعد ظہر دو پارے اہلیہ کو سناتے
بعض آیات پر بے اختیار گریہ غالب ہو جاتا اور رونے لگتے تھے پھر ترجمہ فرما کر گھر والوں کو سناتے ۱۲

Marfat.com

جو رعایت کروں اچھا ہے جس نے دیا ہے اسی کے کام آئے ہ
جان بھی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

قیس سے پوچھو کہ لیلیٰ کے ساتھ باتیں کرنے میں کیا مزہ ہے؟ اور اس سے اندازہ کرو کہ محبِ خدا کو کلام اللہ کی تلاوت میں کیا لذت آنی چاہیئے ماہ رمضان قریب آچکا تھا اور عمر کا آخری رمضان تھا کہ تجسرو عن الخلائق وملکوتی صفت نصیب ہونے کے لیئے آئندہ کبھی یہ وقت نصیب ہونے والا نہ تھا۔ اس لیئے آپ نے اپنے متوسلین کو بھی خطوط لکھ دیئے کہ آئندہ جواب کا انتظار نہ دیکھیں۔ چنانچہ احقر کے پاس جو ۲۰ شعبان کا لکھا ہوا خط آیا تو اس میں تحریر فرمایا تھا۔ اب رمضان شریف آگیا خطوط کا لکھنا دشوار ہوگا۔ لہذا جواب کا انتظار چھوڑ دیجیئے اور رمضان بعد مولوی زکریا وغیرہ احباب حج کے لیئے وا‌پس ہوں گے اور بعد فراغ حج وطن کو واپس ہو جائیں گے پھر جواب کا ملنا نہایت ہی مشکل اور دشوار ہے۔ بہرکیف اب آپ اپنی خیریت سے اکثر اطلاع کرتے رہیں اور ممکن ہوا تو کبھی کبھی میں بھی اپنی خیریت لکھا دیا کروں گا۔“ ادھر سے امراض وعوارض کے ہلایا پیش ہونے لگے کہ اول نزلہ کا سخت دورہ ہوا اور پھر بخار آیا کہ کئی دن تک آستانہ محبوب تک جانے کی طاقت نہ رہی۔ مگر رمضان کی خاطر افاقہ ہوا اور وہ مبارک مہینہ اس مجاہدہ تامہ میں گذرا کہ بیان کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ رات دن کے چوبیس گھنٹے اور دو چار فنجان چائے اور بمشکل آدھی چپاتی۔ دن بھر تلاوت اور رات بھر سماعت کہ شاید سونے کے لیئے تین گھنٹے بھی نہیں تھے۔ رمضان ختم نہ ہوا تھا کہ تپ لرزہ شدید ہوا اور اسی میں فالج کا اثر۔ مگر آپ نے ہندوستان میں اطلاع نہ دی کہ خدام پریشان ہوں گے۔ چنانچہ ۱۲ شوال کو بندہ کے پاس خط تحریر فرمایا تو اس میں لکھا کہ گذشتہ ہفتہ میں مختصر خط لکھوا چکا ہوں مگر اس میں

اپنی بیماری کی خبر قصداً نہیں لکھی تھی کہ باعثِ تشویش ہوگی۔ اب الحمدللہ افاقہ ہے اور طبیعت رُو بصحت ہے اس لئے اطلاعاً لکھتا ہوں۔ آخر رمضان المبارک میں مجھے کچھ تپ لرزہ کی سخت شکایت ہوئی مگر دو روز بعد وہ تو بالکل جاتی رہی لیکن بائیں ٹانگ اور بائیں ہاتھ میں ایک خدر واسترخاء کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی جس کی وجہ سے چلنا پھرنا بالکل ناممکن ہوگیا تھا۔ اس میں کسی قسم کا درد یا تکلیف بالکل نہیں تھی صرف قوت مشی اور قوت ماسکہ کام نہیں کرتی تھی۔ اب الحمدللہ کہ بہت افاقہ ہے اور طبیعت گویا اچھی ہے۔ بے تکلف تو اب بھی چلنا یا پکڑنا نہیں ہوتا مگر تھوڑا بہت چل سکتا ہوں۔"

اُس وقت آپ نے لکڑی اور آدمی کے سہارے آستانہ محبوب پر حاضر ہونا پھر شروع کر دیا کہ پاؤں بہ تکلیف اٹھاتے اور گویا گھسیٹتے ہوئے چلتے تھے مگر پنجگانہ اوقات میں حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ ذیقعدہ میں آپ نے مولوی زکریا صاحب اور مولوی جلیل صاحب کو بھی رخصت فرما دیا اور اب عجیب کیفیت میں دن گذرنے لگے کہ شوق تقاضا کرتا تھا جلد وہ دن آئے جس میں قفس عنصری کا جال ٹوٹے اور ادب کہتا تھا کہ چُپ رہو مشیت الٰہیہ کے غلام بنے ہوئے کام کئے جاؤ۔

یہ دن کچھ عجیب حسرت اور مسرت سے مخلوط گذر رہے تھے کہ ان خوابوں کا اور رویاء مبشرات کا خیال آتا جو عرصہ سے بار بار دیکھ رہے تھے تو اُمید بڑھتی تھی کہ ضرور یہاں کی مٹی میں ملنا نصیب ہوگا۔ اور شاہنشاہ کی بے نیازی وجلالت شان پر نظر جاتی تھی تو خوف ہوتا تھا کہ دیکھئے کیا مقدر ہے یا امید وصال حقیقی شادمان تھے تو خوف قطعیت و اندیشۂ ہجر سے ترساں و لرزاں ؎

زجان دادن نمی ترسم من اے جان   ازیں ترسم کہ از تو دور مانم

Marfat.com

آپ نے ۵ر ذیقعدہ سنہ ۴۶ھ کو مظاہر علوم کے ظاہری تعلق سے انقطاع کی تحریر سرپرستان کے نام رجسٹری کراکے بھیجدی تھی کہ میں جب سہارنپور سے رخصت ہوا تھا تو میں نے ہجرت کی نیت نہیں کی تھی اور نہ اب تک ہجرت کی نیت کی ہے کیونکہ مجھ کو معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک میں اس مقدس ارض کے قابل ہوں یا نہیں۔ اگر حق تعالیٰ شانہٗ کو مجھ جیسے ناکارہ کا قیام اس مقدس زمین میں منظور نہ ہوا تو اپنے سیاہ اعمال کے ساتھ واپس ہوجاؤں گا۔ لیکن ابھی تک مجھ کو بحمد اللہ یہاں دلبستگی ہے اور یہاں سے واپسی کے لئے مضطر نہیں ہوا۔ لہذا یہاں کے قیام سے کسی طرح برداشتہ خاطر نہیں ہوا ہوں۔ اگر خدا نخواستہ میں یہاں نہ ٹھہرایا گیا اور واپسی ہوئی تو بھی میں اس قابل نہیں رہا ہوں کہ مدرسہ کی کوئی خدمت بعوض تنخواہ بجا لاسکوں۔ اس لئے جو انتظامات مدرسہ کے عارضی طور پر کئے گئے تھے ان سب کو مستقل کردیا جائے۔ مگر اس کے چند ماہ بعد جبکہ آپ اپنے رفقاء کو ہندوستان بھیج چکے تو ہجرت کی نیت پختہ کرلی اور ایک دن گھر میں تشریف لاکر متعلقین سے فرمایا کہ اب مجھے اپنے قیام کا یقین ہوگیا ہے لہذا میں تو ہجرت کی نیت کرچکا۔ چنانچہ بقیہ ایام جتنے بھی گذرے وہ مہاجرانہ اقامت کے گذرے۔ حتیٰ کہ ربیع الثانی کا دوسرا جمعہ پڑھکر عمر شریف کا آخری ہفتہ آیا اور آپ نے بعض علماء مدینہ کے اصرار پر ابوداؤد پڑھانا شروع کردیا کہ مولوی سید احمد صاحب قاری بینے اور مولانا عمری مدرس حرم شریف سامع۔ شنبہ اور یکشنبہ کو بعد عصر دو دن مدرسہ شرعیہ مدینہ میں درس دیا تھا کہ تیسرے دن دوشنبہ کو جب کہ ظہر کی نماز حرم شریف میں پڑھکر واپس ہوئے تو راستہ میں فرمایا سینہ کے اوپر کے حصہ میں پھر آج کچھ درد محسوس ہو رہا ہے۔" اس سے تین چار دن پہلے بھی اسی طرح ایک درد محسوس ہوا تھا جو مالش اور سینک

سے دو تین گھنٹہ میں جاتا رہا تھا۔ گھر پہنچکر مالش اور سینک ہوئی مگر عصر کے وقت معلوم ہوا کہ درد تو کم ہے لیکن ضعف بہت ہے کہ حرم شریف جانے کی ہمت نہیں ہے۔ چنانچہ عصر کی نماز مکان پر مولوی سید احمد صاحب کے اقتدا میں پڑھی اور باوجود ضعف کے کھڑے ہو کر پڑھی۔ پھر ضعف اور بڑھا کہ بدن میں بجائے حرارت کے ٹھنڈک اور پسینہ تھا۔ مغرب کی نماز کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے بیٹھکر پڑھی بلکہ مولوی سید احمد سے فرمایا کہ مختصر اور جلدی پڑھائیں عشا کی نماز کے لئے نیچے اترنا بھی دشوار ہو گیا اور پلنگ ہی پر بیٹھکر پڑھی۔ کرب اور بے چینی کے ساتھ ساتھ ضعف بڑھتا رہا اور تمام رات کلمہ و استغفار اور درود ورد زبان رہا۔ مطلق نیند نہیں آئی۔ صباح سہ شنبہ نمودار ہوئی تو نماز فجر بھی پلنگ پر بیٹھکر ادا فرمائی مگر پسینہ اور برد اطراف بڑھتا جا رہا تھا اور وقت پکار رہا تھا کہ یہ صبح ہوش و حواس کی آخری صبح ہے ہنس میں دوا دارو کا خدام کو اہتمام رہا مگر نہ پیشاب ہوا اور نہ کوئی دوا ہضم ہوئی۔ ظہر کے وقت اتنا ضعف ہو گیا کہ وضو بھی کرنے کی طاقت نہ رہی اور تیمم فرما کر پلنگ پر بحالت قعود نماز پڑھی اور اس کے بعد حرکت و سکون بہ تکلف اور دوسرے کا محتاج ہو گیا۔ عصر کے وقت ہوش و حواس میں اختلال شروع ہو گیا اور امام کی آواز پر خود رکوع نہ کیا بلکہ جب حاجی مقبول احمد صاحب نے رکوع کا لفظ کہکر اشارہ کیا تو رکوع کیا اور جب سجدہ کو کہا تو سجدہ کر لیا۔ اس طرح چار رکعت بمشکل پوری کرا کے آپ کو لٹا دیا گیا اور اس کے بعد سکوت بڑھتا گیا کہ اس سے پہلے بات کا سمجھنا اور جواب دینا یا از خود کوئی بات فرمانا برابر جاری تھا۔ مغرب کے وقت مولانا سید احمد صاحب نماز پڑھانے کے لئے آئے تو بالکل غفلت تھی کہ نماز کے واسطے پکار کر اطلاع کی مگر کچھ جواب نہ ملا اور نہ اٹھنے کی طاقت محسوس ہوئی۔ خدام نے اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی مگر انتظار رہا کہ کچھ التفات یا افاقہ ہو تو نماز کے لئے عرض کیا

جائے گا۔ لیکن بالکل دنیا سے قطع تعلق ہوچکا تھا اور سوائے پاس انفاس کے نہ کوئی حرکت تھی نہ کسی بات کا جواب نہ سوال۔ شب میں ایک دو مرتبہ آبِ زمزم ڈالا گیا تو اس کے حلق سے اترنے میں بھی تکلف ہوا۔ لہذا وہ بھی ترک کر دیا گیا۔ پورے چوبیس ۲۴ گھنٹے اس عالم خموشی میں گذار کر یوم چہارشنبہ کہ عرب میں ۱۶ اور ہندوستان میں ۱۵ ربیع الثانی تھی منزل مقصود پر پہنچ لئے کہ باآواز بلند اللہ اللہ کہنا شروع کیا اور دفعتہً آنکھیں بند کرکے خاموش ہوگئے۔ ہر چند کہ وقت تنگ تھا مگر غیب سے عجلت کے سامان مہیا ہوگئے غسل کا انتظام ہوا۔ سید احمد تو آپ صاحب مزور تھے نہلایا۔ ابومسعود نے پانی دیا اور مولوی سید احمد اور مولوی عبدالکریم نے مدد پہنچائی۔ جلد جلد جنازہ تیار ہوا اور آستانۂ محمدیہ پر باب جبریل کے باہر صلوۃ جنازہ کی جگہ لا رکھا گیا۔ صلوۃ مغرب سے فراغ کے بعد مدرسہ شرعیہ مدینہ کے صدر مدرس مولانا شیخ طیب نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع کو لے چلے۔ باایں ضیق وقت کہ اطلاع کا موقع ہی نہیں ملا جنازہ کے ساتھ اتنا ازدحام تھا۔ کہ بہتیر دل کو باوجود کوشش کے کندھا دینا نصیب نہ ہوا اور سریر کو صرف ہاتھ لگا دینا ہی غنیمت معلوم ہوا ؎

اے تماشاگاہ عالم روئے تو   تو کجا بہر تماشہ مے روی

آخر آپ کا جسدِ انور جو آتش محبت میں گھل گھلکر مغز استخواں رہ گیا تھا تیرہ اہلِ بیت کے متصل عشا سے قبل آغوش لحد کی سپرد کر دیا گیا اور وہ شب شبِ عروس قرار پائی کہ دیرینہ مراد جو صدہا مرتبہ آپ کی زبان اور قلم سے نکلی تھی کہ کاش میری مٹی بقیع کی خاک پاک میں مل جائے الحمدللہ پوری ہوگئی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون و للہ ما اخذ ولہ ما اعطی۔ کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ؎

مرض کے پہلے ہی دن آپ نے فرمایا تھا رہیں نے ایک خواب دیکھا ہے

Marfat.com

کہ میں ایک مکان میں ہوں جس کے نیچے تہ خانہ ہے اور چھت اس کی تختوں سے پٹی ہے۔ اس میں سے دو تختے نیچے کو جھکے ہیں اور نکل گئے ہیں۔ میں بہت سہولت سے اس تہ خانہ میں اُتر رہا ہوں۔ وہاں پہنچکر کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بہت بڑا اور اچھا چونہ قلعی کیا ہوا روشن مکان ہے۔ اور اس میں ایک طرف دروازہ ہے جس سے روشنی وغیرہ آتی ہے لیکن لوٹنے کا ارادہ انہیں تختوں کی طرف سے جدھر سے آیا ہوں کر رہا ہوں۔ اتنا کہنے کے بعد فرمایا اس کے بعد میرا خیال دوسری طرف چلا گیا اور پھر آنکھ کھل گئی۔ اس کے بعد خود ہی تعبیر بتائی کہ وقت تو جب بھی ہو مگر یہ میرے لئے بشارت ہے کہ انشاء اللہ قبر میں سہولت ہوگی۔ اور وہ دروازہ دروازہ جنت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔"

مولوی سید احمد صاحب خواب اور تعبیر سُنکر جب باہر چلے گئے تو آپ نے اہلیہ کو پاس بُلایا اور التجا کے درجہ میں یہ الفاظ فرمائے کہ جو کچھ تمہارے حقوق میرے ذمہ ہوں یا میں نے تم کو بُرا بھلا کہا ہو وہ سب اللہ واسطے معاف کر دو۔ اس کے بعد ان کے بھائی حاجی مقبول احمد سے کہ مدت سے حضرت کے پاس رہتے تھے فرمایا کہ میں تم پر بہت مرتبہ خفا ہوا ہوں اور اکثر بُرا بھلا کہا ہے تم بھی معاف کر دو۔

آخیر زمانہ میں اہلیہ کے ساتھ حسن معاشرت بہت بڑھ گیا اور ان کی بیوگی کے تصور سے ان کی دلدہی زیادہ فرمانے لگے تھے۔ ایک مرتبہ اُن سے فرمانے لگے کہ مدینہ منورہ میں رہ کر یہاں کے مصائب و تکالیف پر اگر کوئی صبر کرے تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں خاص طور پر اس کی شفاعت کروں گا۔" اہلیہ نے عرض کیا کہ مجھے تو کوئی تکلیف یا مصیبت نہیں ہے میں تو بحمد للہ بہت راحت سے ہوں۔ فرمایا آخر کچھ تو ہے ہی یہی روٹی ٹکڑے کی۔ غرض بات کو ٹلا دیا لیکن اُن کو چند ہی روز بعد

Marfat.com

بیوہ بننے پر معلوم ہوا کہ مصیبت کیا چیز ہے اور اس پر صبر کس قدر کٹھن
ہے۔ مگر اللہ رے ہمت کہ شوہر کی آخری وصیت کو پورا کر دکھایا کہ بعالم
غربت وتنہائی یکایک دُنیا آنکھوں میں تاریک ہو گئی اور پچاس برس کے
محسن سرتاج کو صرف چوبیس ۲۴ گھنٹے بعالم ہوش اور چوبیس ۲۴ گھنٹے بعالم مدہوشی
بیمار دیکھکر اچانک بقیع کو جاتا ہوا دیکھا مگر نہ چیخ نکالی نہ آہ وزاری کا تنور
بھڑکایا۔ کلیجہ تھام کر بیٹھ گئیں۔ مگر صدمہ نے اندر ہی اندر چر لیا اور آخر کار
چار مہینے ہوئے کہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ کو قبل مغرب خود بھی دُنیا سے رخصت
ہو کر اگلے دن پنجشنبہ کو شوہر کے قدموں میں دفن ہو گئیں۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔
شیخ سعید تکرونی مدنی کہتے ہیں کہ مجھے ہمیشہ سے جناب رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بہت شوق تھا اور اکثر اس مطلب کے
لئے دُعائیں پڑھا کرتا مگر زیارت سے مشرف نہ ہوتا تھا۔ جس زمانہ میں حضرت
مولاناؒ مدینہ منورہ تشریف لائے تو قبل اس کے کہ مولانا سے میری شناسائی
ہو میں نے خواب دیکھا کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور
مجھ سے کسی نے کہا کہ یہ رسول اللہ ہیں اور ایک عالم ہندی کا خلیل احمد نام
کا انتقال ہو گیا ہے اُن کے جنازہ کی شرکت کے لئے تشریف لائے
ہیں"۔ چنانچہ میں نے اپنا خواب اُسی زمانہ میں مولانا شیخ الفا ہاشم سے
بیان کیا تھا۔ جب مولوی زکریا صاحب وغیرہ ہندوستان واپس
ہوئے اور مولانا واپس نہ ہوئے تو شیخ الفا ہاشم نے مجھ سے کہا کہ تمہارے
خواب کی صداقت کے بعض قرائن ظاہر ہو رہے ہیں کہ مولانا نے اقامت
کی نیت فرمالی اور ہندوستان نہیں گئے"۔
اخیر زمانہ میں آپ کا اندرونی سوز وگداز زیادہ بڑھ گیا تھا کہ ضبط نہ
فرما سکتے اور بات بات پر رقت وگریہ طاری ہو جاتا تھا۔ بزرگوں کی
عمروں کا ایک بار ذکر ہو رہا تھا فرمانے لگے دو سال زندہ رہا تو اپنے شیخ

Marfat.com

کی عمر کو پہنچ جاؤں گا۔ اتنا کہہ کر رو دیئے اور فرمایا سب چلے گئے میں ہی رہ گیا۔ ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا کہ حضرت ہندوستان تا کب تک ارادہ ہے؟ تو چشم پُرآب ہوگئے اور فرمایا اب تو بقیع کا ارادہ ہے۔ آخرت کا قیامت کا یا بزرگوں کا جس وقت بھی ذکر آتا تو آبدیدہ ہوجاتے اور آواز میں تغیر آجاتا تھا۔ آپ کے ہاتھ پر مدراس کی طرف کے ایسے لوگ جو نہ اُردو سمجھتے تھے نہ عربی بواسطۂ ترجمان بیعت ہوئے تو مولانا اصغر حسین صاحب نے کہا حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ مولانا محمود حسن صاحب کو مالٹا میں لے جا کر بٹھا دیا اور حضرت کو یہاں پہنچا دیا کہ دور و دراز کے لوگ جن کے طلب فیض کا کہیں گمان بھی نہ ہوتا فیض حاصل کرنے لگے۔ یہ سُنکر آپ پر گریہ غالب ہوگیا اور فرمایا بھائی وہ بڑے لوگ تھے۔ میں تو کچھ بھی نہیں۔ لوگوں نے کہتے کہتے مجھے تو شیخ بنا دیا۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ مدرسہ سے ڈیڑھ سال کی حاصل شدہ رخصت ہی آپ کی حیات دینویہ کی مدت تھی کہ اس میں نہ ایک دن کم ہوا نہ زیادہ۔ یہ رخصت کا زمانہ ۱۶ ربیع الثانی کو ختم تھا اور سورج ڈوبنے میں گھنٹہ بھر باقی تھا کہ آفتاب علم و عمل غروب اور مدرسہ کا چمکتا ہوا چراغ یکدم گل ہوگیا۔ مگر بیسیوں مشعلیں روشن کرکے دنیا میں چھوڑ گیا کہ شریعت و طریقت کے مہکتے ہوئے پھول گلزار خلیل میں تاقیامت کھلتے رہیں۔ ان مجسم صدقات جاریات کے علاوہ آپ کی تصانیف ہدایات الرشید مطرقۃ الکرامہ اتمام النعم تنشیط الآذان المہند اور سب سے آخری تالیف بذل المجہود عجیب کارنامے ہیں جو ایصال ثواب کا سلسلہ تا دیر قائم رکھیں گے اور خود مدرسہ عالیہ مظاہر علوم تو ایسی مستقل یادگار ہے کہ اس کے علمی سمندر سے بواسطہ و بلا واسطہ جو طالب علم بھی دینی نفع اٹھائے گا وہ آپ ہی کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہے گا۔ نیز روحانی سلسلے میں آپ کی یادگار آپ کے

وہ خلفاء ہیں جن کے قلوب میں آپ آتش محبت الٰہیہ سُلگا کر دُنیا سے اٹھے ہیں کہ سب سے اوّل حضرت حافظ قمرالدین صاحبؒ امام مسجد سہارنپور اور پھر حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کاندہلوی کہ اعلیحضرت امام ربانیؒ کی وفات کے چند ہی روز بعد آپ کی طرف سے مجاز ہوئے مگر افسوس کہ دونوں حضرات وصال فرما کر سہارنپور کے گورستان میں سو گئے۔ نیز مولانا مولوی عبداللہ صاحب گنگوہیؒ جن کو غالباً ۱۳۲۷ھ میں اجازت ملی تھی تپ کہنہ میں وفات پا کر کاندہلہ میں مدفون ہوئے فرحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔

صرف سلسلۂ نقشبندیہ میں آپ نے مکہ مکرمہ میں الحاج محمد حسینؒ حبشی کو بھی اجازت دی تھی مگر ترکی انقلاب میں وہ کہیں چلے گئے اور اب پتہ نہیں کہ زندہ ہیں یا وصال فرما گئے۔ ہاں جو حضرات بقید حیات اور سلسلہ خلیلیہ کے مایۂ ناز ہیں وہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مقیم نظام الدین دہلی۔ جناب حافظ فخرالدین صاحب ریلوے ملازم غازی آباد مولانا ظفر احمد صاحب مفتی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ مولانا حافظ فیض الحسن صاحب گنگوہی مقیم کانپور۔ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور اور مولانا رشید احمد صاحب سلمہ کرس الجمن ہدایت الرشید قصبہ گروٹ ریاست ہلکر ہیں متعنا اللہ بطول بقائہم تلک عشرۃ کاملۃ۔

ممکن ہے اور کوئی صاحب بھی مجاز ہوں کہ حضرت کے الطاف خدام پر بیش از بیش تھے مگر کام کے لئے یہ حضرات کافی ہیں۔ اس لئے حضرت کے متوسلین یا دیگر حضرات طالبین سلوک میں جس کو بھی اکتساب کا شوق ہو ان حضرات میں جس سے طبعی اُنس پائیں اُن کی طرف رجوع کریں انشاء اللہ محروم نہ رہیں گے۔ ہر چند کہ بڑوں کو دیکھ لینے والی نظر چھوٹوں کو موقع نہیں سمجھتی مگر یاد رکھیں کہ پھر ایسے بھی نصیب نہ ہوں گے کہ زمانہ قحط الرجال کا ہے۔

اب میں ناظرین سے رخصت ہوتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ

Marfat.com

مجھے اور آپ کو اور تمامی امت محمدیہ کو توفیق بخشے کہ سنت کو اپنے دائمی عمل کا مرکز بنائیں اور عادات ہوں یا عبادات۔ اقوال ہوں یا افعال حرکات ہوں یا سکنات۔ تفکرات ہوں یا تخیلات ہر امر اور ہر حال میں طریقہ محمدیہ علیہ کو مطمح نظر قرار دے کر محبانہ و عاشقانہ مگر عاقلانہ نہ دعوٰیانہ طریق پر اللہ جل جلالہ کی رضا جوئی میں اپنی عمر کو ختم کر دیں۔ اور اگر شامتِ اعمال سے یہ درجہ نصیب نہ ہو تو کم سے کم سنت کی عظمت اور متبعین سنت کے ساتھ محبت اور ان کے قدم بقدم چلنے کی رغبت قلب میں ضرور ہو کہ بس یہی کام آنے والا ہے۔

نیز درخواست ہے کہ جو حضرات اس سے نفع اٹھائیں میرے لئے دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنی محبت اور اپنے حبیب کا اتباع نصیب اور دنیا سے حلاوتِ ایمان کے ساتھ اٹھائے۔

عمر عزیز قابل سوز و گداز نیست　　ایں رشتہ را مسوز کہ چندیں دراز نیست

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبدہٖ و رسولہٖ سیدنا و مولانا و قائدنا و امیرنا و شفیعنا و ہادینا ونبینا و مرشدنا محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

بندۂ ناچیز عاشق الٰہی عفی عنہ

تمت بالخیر

Marfat.com

تذکرۃ الخلیل

حیاتِ طیبہ

[illegible] تاج المحدثین [illegible]

[illegible] مولانا الحاج خلیل احمد المدنی [illegible] قدس سرہ

مؤلفہ

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ قاسمیہ

[illegible]

Marfat.com